انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے

مارچ 2016
جلد 38 شمارہ 12
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

رات کتنی ہی تاریک اور طویل کیوں نہ ہو، روشنی کی ایک کرن صبح کا پیغام ہوتی ہے۔ زندگی میں مایوسیوں کے کتنے ہی گھنے بادل چھائے ہوں، امید کی ایک کرن جینے کی آرزو زندہ رکھتی ہے۔

اڑتیس سال پہلے ادارہ خواتین ڈائجسٹ سے ایک پرچے کا اجراء ہوا۔

کرن۔ روشنی اور امید کا پیغام

اس پرچے کا اجراء کرتے ہوئے محمود ریاض صاحب کے پیش نظر یہی مقصد تھا۔ اور یہ رب کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں کامیابی دی۔ کرن آج کامیابی کی جس منزل پر ہے، اس میں بہت سے لوگوں کی محنت اور کوششیں شامل ہیں۔ محمود بابر فیصل جو آج ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کی ذہانت، محنت اور کوششوں سے کرن نے مقبولیت کی منازل طے کیں اور بہت جلد کرن نے پرچوں کے درمیان اپنی ایک منفرد پہچان بنالی۔

کامیابی کے اس سفر میں ہماری مصنفین ہمارے ہم قدم رہیں۔ ہم ان تمام مصنفین کے ممنون ہیں، جن کی تحریروں نے کرن کو سنوارا اور سجایا۔

محمود ریاض صاحب، محمود بابر فیصل اور ہماری بہت سی مصنفین آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

اور اپنی پیاری قارئین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی حوصلہ افزائی اور پسندیدگی کی وجہ سے کرن نے کامیابی حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ روشنی اور امید کا یہ سفر اسی طرح جاری رہے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- "کھولے پنکھ یادوں نے" کرن کی سالگرہ کے موقع پر مصنفین سے سروے،
- اداکارہ ثنا جاوید سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" "اس ماہ مہمان ہیں" "آصف الیاس"،
- اداکار "اظفر رحمٰن" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "مشک فیاض" کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا نیا سلسلے وار ناول،
- "رائیگاں" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" نایاب جیلانی کا مکمل ناول،
- "دل ہی تو ہے" نادیہ احمد کا مکمل ناول،
- "شاید" فائزہ افتخار کا دلکش ناولٹ،
- "مرجینا" نفیسہ سعید کا ناولٹ،
- "تم بن" مصباح علی کا ناولٹ، ، پایا جو تجھے" نزہت شوکت کا ناولٹ،
- دانشورہ رفعت، صدف آصف، امت العزیز، سمیرا غزل اور دیا شیرازی کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "گھر میں بیکری" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

شایانِ شان تری کر سکیں بیان
اتنی مجال معنی الفاظ میں کہاں

میں بندہ فقیر و گناہ گار اور تُو
غفار و پروردگار و مددگار و مہربان

پروردگار قادرِ مطلق ہے تیرا نام
اک حرفِ کُن سے تو نے بنائے ہیں دو جہاں

اندازہ و خیال و قیاس و گمان سے دور
تُو ہر فضائے غیب و یقیں میں ہے ضو فشاں

سوچوں تو اردگرد ہے، دیکھوں تو آس پاس
محسوس گر کروں تو دل و جاں میں ہے نہاں

طائر ہوا کے دوش پہ، ماہی درونِ آب
شمس و قمر خلا میں ہیں تیرے ہی مدح خواں

قمر زیدی

خدا کی ثنا ہے، ثنا آپؐ کی
خدا کی رضا ہے، رضا آپؐ کی

یہ جن، یہ فرشتے، یہ انسان تو کیا
ثنا کر رہا ہے خدا آپؐ کی

ہوا کعبہ، قبلہ، الاقصیٰ کی جا
سُنی رب نے آخر دُعا آپ کی

خدا کا کرم مجھ پہ بے حد ہوا
میں اُمت میں پیدا ہوا آپؐ کی

یہ میری عقیدت یہی میرا عشق
کہ اُلفت میں ناصر جیا آپ کی

صلاح الدین ناصر

ثنا جاوید سے ملاقات

شاہین رشید

جو چہرے اسکرین پہ کبھی کبھار نظر آئیں اور اپنی پرفارمنس سے متاثر کریں اور جنہیں دیکھنے کے لوگ منتظر رہیں، میری نظر میں درحقیقت وہی اچھا فنکار کہلانے کا مستحق ہے... ثنا جاوید بہت ہی سلیکٹو ڈراموں میں کام کرتی ہیں اور اس لیے وہ سب سے منفرد کہلاتی ہیں... آج کل آپ انہیں "ماناکا گھرانہ" اور "اعتراض" میں دیکھ رہے ہیں... ثنا اگرچہ کم کام کرتی ہیں مگر مصروف بہت رہتی ہیں اس لیے ہم ان کا بہت تفصیلی انٹرویو نہیں کرپائے۔

★ "ہیلو... کیا حال ہیں؟"

✳ "اللہ کا شکر ہے۔"

★ "کب آئیں پاکستان؟... اور کیا ذاتی وزٹ تھا یا کسی سیریل کے لیے گئی تھیں؟"

✳ "تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں... پاکستان آئے ہوئے اور سیریل کے لیے ہی گئی تھی... مگر ابھی ڈس کلوز نہیں کرنا چاہوں گی... کیونکہ آن ایئر آنے تک کئی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔"

★ "جی... جی اس کا تو اندازہ ہے ہمیں... اور کیا کچھ انڈر پروڈکشن ہے؟"

✳ "ماشاء اللہ سے انڈر پروڈکشن بھی کافی کام ہے... اب یہ نہیں پتا کہ کب مکمل ہوگا اور کب آن ایئر ہوگا۔"

★ "مسلسل اسکرین پہ رہنا اچھا لگتا ہے یا کبھی کبھار؟"

✳ "میرا تو دل یہی چاہتا ہے کہ مسلسل نہ آؤں۔ لیکن یہ اتفاق ہو جاتا ہے کبھی ہم اسکرین سے بالکل غائب ہوتے ہیں اور کبھی مسلسل... یعنی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دو تین سیریلز آن ایئر ہوتے ہیں اور کبھی اچھا خاصا گیپ آجاتا ہے... تو ہمارے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

★ "کم عرصے میں زیادہ شہرت ملی... کمال کس کا ہے۔ خوب صورتی کا یا آپ کی پرفارمنس کا؟"

✳ "آپ کو کیا لگتا ہے... آپ بتائیں۔"

★ "میرے خیال میں دونوں کا...؟"

✳ "جی بالکل آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں... اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس نے اچھی صورت دی ہے... مگر جناب میں نے دیکھا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کامیابی خوب

صورتی کے بل بوتے پہ نہیں ہوتی جب تک کہ آپ میں صلاحیت نہ ہو۔۔۔ اور پھر میڈیا میں بے شک خوب صورتی ایکسٹرا کوالٹی ہے مگر ٹیلنٹ کا ہونا بہت ضروری ہے۔۔۔ صرف خوب صورتی سے آپ زیادہ عرصہ چل نہیں سکتے۔"

★ "بالکل آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ لیکن کامیابی کی پہلی سیڑھی خوب صورتی ہے۔۔۔ ٹیلنٹ تو بعد میں نظر آتا ہے؟"

✻ "ہاں۔۔۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ لیکن اگر مجھ میں ٹیلنٹ نہ ہوتا تو پھر شاید دو تین ڈراموں کے بعد میں آپ کو نظر نہ آرہی ہوتی' اللہ کا شکر ہے کہ میرے جتنے بھی سیریلز کامیاب ہوتے ہیں وہ سب میری پرفارمنس کی وجہ سے۔۔۔ میں صرف اور صرف اپنے کام کی وجہ سے آگے بڑھ رہی ہوں۔"

★ "قسمت پر کتنا یقین ہے؟ خوش قسمت ہونا کتنا ضروری ہے؟"

✻ "خوش قسمت ہونا بہت ضروری ہے۔ مگر آپ کا باصلاحیت ہونا بھی بہت ضروری ہے۔۔۔ میں قسمت پر یقین رکھتی ہوں۔۔۔ مگر محنت پر اس سے بھی زیادہ۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ جس کام میں میری بھلائی ہو مجھ سے وہی کام کروانا۔۔۔ اور شکر ہے کہ رب نے مجھے ہر لحاظ سے بہت نوازہ ہے اور ہمیشہ میرا بھلا چاہا ہے۔۔۔ اور رب تو سب کا بھلا چاہتا ہے۔"

★ "اداکاری روح میں بسی ہوئی تھی۔۔۔ یا پھر اچانک انکشاف ہوا کہ اچھا میں تو یہ بھی کرسکتی ہوں؟"

✻ "یہ تو اندازہ نہیں تھا بچپن میں کہ روح میں کیا بسا ہوا ہے۔ بس بچپن میں تو عام بچوں کی طرح کھیلنا کودنا ہی رہتا تھا۔۔۔ سائیکل چلانا کرکٹ کھیلنا اور ہر طرح کا ہلا گلا کرنا میری عادت تھی۔۔۔ گھر والے منع بھی کرتے تھے کہ گلی محلہ میں مت کھیلا کرو۔۔۔ تم لڑکی ہو۔۔۔ مگر مجھے کب احساس تھا۔۔۔ ہاں جب تیرہ چودہ سال کی ہوئی تو پھر احساس ہونا شروع ہو گیا کہ مجھے اس طرح کھیلنا کودنا نہیں چاہیے۔۔۔ بری بات ہوتی ہے۔۔۔ اور "تم لڑکی ہو" والی بات ذرا دیر میں سمجھ آئی مگر آگئی۔۔۔ اور اچانک انکشاف نہیں ہوا۔ بلکہ مجھے احساس تھا کہ مجھ میں اداکاری کی صلاحیت ہے۔۔۔ بس ڈرتی تھی کہ کہیں گھر والے انکار نہ کردیں۔۔۔"

★ "کیوں۔۔۔ گھر والے کیا چاہتے تھے کہ آپ کون سی فیلڈ اختیار کریں؟"

✻ "گھر والوں نے کبھی فورس نہیں کیا کہ تمہیں یہ

کرنا ہے یا وہ کرنا ہے.... مجھے تو ہر فیلڈ میں جانے کا شوق تھا.... کبھی دل چاہتا تھا کہ ڈاکٹر بن جاؤں.... کبھی دل چاہتا تھا کہ فیشن ڈیزائننگ کی فیلڈ میں آجاؤں اور کبھی شوبز۔"

★ "پھر....؟"

✳ "جب میں اسکول و کالج کی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھی.... تو احساس ہوا کہ میرے لیے شوبز کی فیلڈ ہی بہتر رہے گی.... میں کسی ایک چیز میں نمایاں نہیں تھی' بلکہ کوئز شو ملی نغمے' ٹیبلو اور ڈرامے سب میں دل کھول کر حصہ لیا کرتی تھی۔ تب جب کالج میں آئی تو میڈیا سائنسز میں تعلیم حاصل کی...."

★ "گھر والوں نے کس حد تک آپ کی حوصلہ افزائی کی؟"

✳ "میری توقع سے بھی زیادہ.... اور انہی کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے آج میری پہچان ہے۔"

★ "ہوں.... فیلڈ کو اچھا پایا.... یا بہت اچھا پایا؟"

✳ "بہت اچھا پایا.... اپنی توقع سے زیادہ اچھا پایا.... سب لوگ بہت اچھے ہیں.... کیونکہ میں بہت اچھی ہوں.... اپنے کام سے کام رکھتی ہوں اور صرف اور صرف اپنے کام پر توجہ دیتی ہوں.... سارا سارا دن کام کرتی ہوں اور چونکہ میری مرضی کا کام ہوتا ہے اس لیے مجھے مزا آتا ہے کام کرنے میں۔"

★ "کتنے سال ہوگئے اس فیلڈ میں.... اور پہلا ڈرامہ کون سا تھا آپ کا؟"

✳ "2012ء میں.... اور اس سال میں میرا پہلا ڈرامہ "میرا پہلا پیار" آن ائیر ہوا اور اس میں میری پرفارمنس کو بہت پسند کیا گیا اور پھر ایک کے بعد ایک کردار کی آفر آنے لگی.... اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے کامیابیاں دیں۔"

★ "ثنا آپ نے کافی سیریلز کیے ہیں مگر شہرت آپ کو "پیارے افضل" نے دی.... آپ مانتی ہیں اس بات کو؟"

✳ "بالکل مانتی ہوں.... مگر ایسا نہیں ہے کہ اس سیریل سے پہلے مجھے کوئی نہیں جانتا تھا.... میرے کریڈٹ میں کافی اچھے اور مشہور سیریلز رہے ہیں.... ہاں.... یہ ضرور ہے کہ "پیارے افضل" کا کردار میری شخصیت اور میری زندگی کے قریب تھا.... خلیل الرحمن قمر نے میرے لیے بہت خوب صورت کردار تحریر کیا تھا.... اور پھر میرے ساتھی فنکار بھی بہت اچھے تھے اور پھر ڈائریکٹر نے بھی کمال کیا.... کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ رائٹر کے بعد ڈائریکٹر کا اہم کردار ہوتا ہے۔"

★ "کبھی خیال آیا کہ مجھے بھی ڈائریکشن کی فیلڈ میں آنا چاہیے؟"

✳ "نہیں.... نہیں ابھی ایسا کچھ نہیں سوچا.... کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک مشکل کام ہے.... اور میں ابھی اس کام کے لیے اپنے آپ کو بالکل بھی فٹ نہیں سمجھتی.... لیکن فیوچر کے بارے میں کچھ کہہ بھی سکتی۔"

★ "کردار کے لیے کیا سوچتی ہیں کہ کیسا ہونا چاہیے.... اپنی مرضی سے کردار لیتی ہیں یا.... مشورہ کرتی ہیں؟"

✳ "مشورہ لیتی ہوں.... اور اپنے گھر والوں سے مشورہ لیتی ہوں۔ کوئی کردار مجھے پسند آتا ہے تو میں اسکرپٹ گھر لے جاتی ہوں.... اور سب کی رائے لیتی ہوں.... کہ مجھے یہ کردار لینا چاہیے یا نہیں.... اور خود بھی بہت غور کرتی ہوں کہ یہ میرے لیے مناسب ہے یا نہیں.... بس پھر حامی بھرلیتی ہوں۔"

★ "آج کل آپ کا "ماناکا گھرانہ" اور "اعتراض" چل رہا ہے۔ کیسا رسپانس ہے؟"

✳ "دونوں کا بہت اچھا رسپانس مل رہا ہے.... دونوں میں میرے ساتھ سینئرز فنکار ہیں جو ہر موڑ پر مجھے گائیڈ کرتے رہتے ہیں.... "ماناکا گھرانہ" میں اس لحاظ سے مزا آیا کہ یہ ناردرن ایریاز میں شوٹ ہوا.... بہت خوب صورت ہے ہمارا پاکستان.... ہریالی.... خوب صورت مناظر' بہترین موسم.... سچ میں مزا آگیا.... ایسی جگہوں

پر دن تو جیسے پر لگا کر اڑ جاتے ہیں۔"

★ "کردار کے لیے بے شک آپ مشورہ لیتی ہیں... مگر پھر بھی کسی خاص کردار کے لیے دل چاہا؟"

✳ "نہیں... ایسے کسی خاص کردار کے لیے تو کوئی خواہش نہیں ہے... کیونکہ مجھے ہمیشہ میری صلاحیت کے مطابق کردار ملا... بس میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ اسکرپٹ اور میرا کردار جاندار ہو... مجھے معاوضہ اچھا ملے... بجٹ کا کوئی مسئلہ نہ ہو... اور میرا دل ایسا ہو کہ... سب کی توجہ میرے ہی کردار پر ہو۔"

★ "چاہے روتی بسورتی مظلوم عورت کا ہی کردار کیوں نہ ہو؟"

✳ "نہیں... ایسا بھی نہیں کہا آپ سے میں نے... لیکن سچ تو یہ ہے کہ آج کل ایسی ہی روتی بسورتی عورت یا لڑکی کے کردار پورٹریٹ کیے جا رہے ہیں اور واقعی ایسے کردار نہیں ہونے چاہئیں... عورت مظلوم ہے مگر اتنی بھی نہیں کہ جتنی دکھائی جاتی ہے۔"

★ "آپ کوئی رائے نہیں دیتیں کہ اس طرح نہیں اس طرح ہونا چاہیے؟"

✳ "دیکھیں ڈائریکٹر اور رائٹر بہتر سمجھتے ہیں... اور میں کہتی ہوں کہ آپ بے شک مظلوم عورت کو دکھائیں مگر اسے طاقت ور بھی دکھائیں... جو اپنے حقوق کے لیے آواز بھی اٹھانا جانتی ہو... کوئی عورت کب تک بھی ظلم سہے گی... میری رائے تو یہ ہے کہ مظلوم عورت کے ڈرامے بنائیں مگر آخر میں رزلٹ اچھا دکھائیں... جیسے ہر رات کے بعد صبح ضرور ہوتی ہے... عروج' زوال ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہے۔"

★ "نگیٹو رول کی آفر ہوئی کبھی...؟"

✳ "نہیں ہوئی تو کبھی نہیں... لیکن مجھ میں خود اعتمادی بہت ہے تو مجھے اپنے آپ سے امید ہے کہ اگر مجھے نگیٹو رول ملا تو میں اسے بھی اچھی طرح نبھاؤں گی... اور ایک فنکار کو ہر وقت ہر طرح کے رول کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے تب ہی تو اس کی صلاحیت

کھل کر سامنے آتی ہے۔"

★ "آپ کی اگلی منزل پڑوسی ملک کی فلمیں ہیں یا اپنے ملک کی فلمیں ہیں؟"

✳ "کچھ کہہ نہیں سکتی... ابھی اس کے بارے میں سوچا نہیں ہے یقین کریں آفرز ہیں... مگر مجھے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ جو فلم میں کرنے جارہی ہوں کیا اسے میں اپنے والدین کے ساتھ دیکھ پاؤں گی؟ جہاں اس بات سے مطمئن ہوگئی ضرور کام کروں گی۔"

★ "ویسے فلمیں اور ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

✳ "جی بالکل دیکھتی ہوں کہ یہ نہ صرف تفریح کا ذریعہ ہیں بلکہ سیکھنے کا موقع بھی بہت ملتا ہے۔"

★ "تھک جاتی ہیں تو کیا کرتی ہیں؟"

✳ "مسلسل کام کرکے تھک جاتی ہوں تو پھر 10' 15 دن کا بریک لے کر یا تو کہیں گھومنے پھرنے چلی جاتی ہوں... یا پھر گھر میں ہی فلمیں وغیرہ دیکھ کر انجوائے کرتی ہوں... اور اپنی تھکن دور کرتی ہوں۔"

★ "شہرت پاکر مسائل نے جنم لیا؟"

✳ "نہیں اللہ کا شکر ہے کہ کسی بھی قسم کے مسائل نے جنم نہیں لیا... اور مسائل تو تب جنم لیتے ہیں جب انسان خوا مخواہ ٹیوڈ دکھائے... میں تو بہت سیدھی سادھی لڑکی ہوں۔"

★ "دوست بناتی ہیں؟... یا لیے دیے رہتی ہیں؟"

✳ "شوبز کی دنیا میں تو اپنے کام سے کام رکھتی ہوں... زیادہ دوست نہیں بنائے... بس عام زندگی میں بھی وہ ہی دوست ہیں جو بہت زمانے سے ہیں اور یہ ایسی دوست ہیں جو ہر خوشی ' غمی اور پریشانی میں میرے ساتھ ہوتی ہیں۔"

★ "شادی...؟"

✳ "شادی بھی ہو ہی جائے گی... ابھی اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو میں نے اپنی پسند کی فیلڈ میں قدم رکھا ہے۔ کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اس لیے شادی کے بارے میں ابھی سوچا نہیں ہے... ویسے بھی میں سمجھتی ہوں کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور میں ابھی اپنے آپ کو اس ذمہ داری کے قابل نہیں سمجھتی۔"

★ "کیسے مرد پسند ہیں؟"

✳ "جو عورت کی عزت و احترام کریں... عورت کو تحفظ دیں اور اس کے حقوق کو پورا کریں۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے ثنا جاوید سے اجازت چاہی۔

✡ ✡

شائع ہوگئے ہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو	راحت جبیں	قیمت:	250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	قیمت:	600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں	لبنیٰ جدون	قیمت:	250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

میری بھی سنیے

اظفر رحمان

شاہین رشید

1 "پورا نام؟"
"اظفر رحمن۔"

2 "پیار کا نام؟"
"اصفو۔"

3 "تاریخ پیدائش؟"
"7 جون 2002ء۔۔۔" قہقہہ۔۔۔ "سچ بتاؤں 7 جون 1987ء ہے۔۔۔ اور 2002ء اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے یہاں اس فیلڈ میں سب کو چھوٹا بننے کا بہت شوق ہے۔۔۔ اور لڑکیاں تو عمر کے معاملے میں یونہی بدنام ہیں۔ اب تو اس کام میں لڑکے بہت آگے نکل گئے ہیں۔"

4 "تعلیم؟"
"ایڈورٹائزنگ میں بیچلرز۔"

5 "بہن بھائی؟"
"ایک بڑی بہن ہیں جو کینیڈا میں رہتی ہیں اور دو بڑے بھائی اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔"

6 "شادی؟"
"ان شاء اللہ جلدی ہو جائے گی۔"

7 "میرے آنے والے سیریلز؟"
"جو انڈر پروڈکشن ہیں وہ تین ہیں، مگر ان کے نام ابھی نہیں رکھے کہ مکمل ہونے کے بعد رکھیں گے۔ آن ایئر تو آج کل ایک ہی ہے "میں ادھوری" کے نام سے۔"

8 "میری کامیابیاں؟"

"2015ء میرے لیے بہت لکی ثابت ہوا۔ لکس ایوارڈ کے لیے میری نامزدگی ہوئی' بہترین اداکار کے طور پر "ہم ایوارڈ" کے لیے نامزد ہوا۔ بطور بہترین اداکار کے "ویٹ veet" شو کیا "منٹو" ریلیز ہوئی' میرے تمام ڈرامے' بہت ہٹ گئے تو ان کامیابیوں نے بڑا نام دیا۔ بڑی شہرت دی اور 2015ء کے ایکسیڈنٹ نے بھی مجھے بہت شہرت دی۔۔۔" قہقہہ۔۔۔۔ "میرے دوستوں نے کہا کہ تمہارے ڈراموں سے اتنی شہرت نہیں ہوئی جتنی شہرت حادثے کی وجہ سے ہوئی ہے۔"

9 "میں شکر گزار ہوں اپنے رب کا کہ۔۔۔۔؟"
"کہ اس نے مجھے اس حادثے سے محفوظ رکھا سچ بات تو یہ ہے کہ اس فیلڈ میں جلنے اور حسد کرنے والے اتنے لوگ ہیں کہ آپ سوچ نہیں سکتیں' حیرت تو یہ ہے کہ نامور سینئر فنکار بھی ایک دوسرے سے حسد کر رہے ہوتے ہیں۔"

10 "مجھے کنٹرول نہیں؟"
"اپنی بھوک پہ۔۔۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ صحت کی نشانی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اچھی خاصی بدپرہیزی ہو جاتی ہے ایک تو کھانے پہ اور دوسری اپنی نیند پہ کنٹرول نہیں ہے۔"

11 "اگر دنیا میں کچھ چینج لانے کو کہا جائے تو کیا چینج لاؤں گا؟"
"میں تو اپنے اندر چینج لانے کی کوشش کروں گا۔ میں تھوڑا پنکچوئل ہونا چاہتا ہوں۔ وقت کی پابندی کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں کہیں بھی جاتا ہوں ہمیشہ لیٹ ہو جاتا ہوں۔"

12 "اگر شاپنگ کے لیے لاکھ مل جائے تو؟"
"تو میں اپنے لیے لیپ ٹاپ لوں گا۔"

13 "اگر خواتین کو بائیک چلانے کی اجازت مل جائے تو؟"
"میں تو چاہتا ہوں کہ خواتین کو اس کی اجازت ملنی چاہیے۔ خواتین ہر فیلڈ میں آگے جا رہی ہیں تو اس میں کیوں نہ جائیں۔ خواتین کو گھر میں بند ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔"

14 "جسمانی طور پر تبدیل ہونا چاہتا ہوں؟"
"میں باڈی بلڈر بننا چاہتا ہوں۔"

15 "میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہیں؟"
"واہ۔۔۔ کیا اچھا اداکار ہے۔"

16 "کسی ڈرامے کے لیے مجھے گنجا ہونا پڑے تو؟"
"تو ہو جاؤں گا۔"

17 "اگر تم مل جاؤ۔۔۔ زمانہ چھوڑ دیں گے ہم۔۔۔ یہ شعر کس کے لیے پڑھیں گے؟"
"ایشوریا رائے کے لیے۔"

18 "اچھی یا بری خبر سب سے پہلے کس کو سناتا ہوں؟"
"آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ۔۔۔ میں ساری باتیں اپنے اندر رکھتا ہوں۔۔۔ کسی کو نہیں بتاتا۔ کسی سے شیئر نہیں کرتا۔"

19 "اگر میں خودکش حملہ آور ہوتا تو کہاں بلاسٹ ہوتا؟"
"جہاں دہشت گرد وارے ہوتے وہاں بلاسٹ ہوتا اپنی جان دے کر بہت سے لوگوں کی جان بچا لیتا۔"

20 "اگر مجھ سے سیل فون کی سہولت لے لی جائے تو؟"
"تو میرا سارا دھندہ چوپٹ ہو جائے گا۔"

21 "امریکہ کا صدر ہوتا تو پاکستان کے لیے کیا کرتا؟"
"تو پاکستان کا پیچھا چھوڑ دیتا۔ اسے جینے دیتا اور ترقی کرنے دیتا۔"

22 "اگر تعلیمی دور میں جاتا تو کون سے دور میں جاؤں گا؟"
"یونیورسٹی کے دور میں۔۔۔ بہت اچھا دور تھا۔۔۔ بہت یاد آتا ہے وہ وقت۔"

23 "زندگی کا ایک ہی دن باقی ہو تو خدا سے کیا مانگیں گے؟"

"حج کرنا چاہتا ہوں.... زندگی کی سہولت مانگ کر حج کرنا چاہوں گا۔"

24 "بلینک چیک مل جائے تو کتنی رقم لکھوں گا"

قہقہہ.... "کم سے کم.... کم سے کم.... "دس ارب" روپے لکھوں گا.... نہیں نہیں "دس ارب ڈالر" لکھوں گا۔"

25 "جہاز کا اوپن ٹکٹ مل جائے تو کہاں جانا پسند کروں گا؟"

"ترکی۔"

26 "سیاست میں آگر کس کو فالو کروں گا؟"

"سیاست میں.... میں آپ کو بڑی سنجیدگی کے ساتھ بتا رہا ہوں۔ کہ اگر سیاست میں آیا تو اپنی پارٹی بناؤں گا.... کسی کو فالو نہیں کروں گا کیونکہ میں کسی سے متاثر نہیں ہوں۔"

27 "میری پارٹی میں آنے کے لیے میری ڈیمانڈ؟"

"جی بالکل.... میری ڈیمانڈ یہ ہو گی کہ جو بھی میری پارٹی میں آئے اس کا پڑھا لکھا ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ ہر پارٹی میں کچھ پڑھے لکھے ہیں کچھ نہیں مگر میری پارٹی میں آنے کے لیے تعلیم لازمی ہو گی۔"

28 "اگر جادو کی چھڑی آجائے تو پہلا کام کیا کروں گا؟"

"اپنا بینک اکاؤنٹ بھروں گا۔"

29 "بھری محفل میں آپ کے اوپر کچھ گر جائے تو؟"

"ڈریس کو صاف کر کے واپس آجاؤں گا۔ کیونکہ محفلوں میں ایسے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔"

30 "برداشت کر لیتا ہوں؟"

"لوگوں کے تلخ جملوں کو.... کوئی گالی بھی دے تو چپ کر جاتا ہوں۔"

31 "کوئی گہری نیند سے بے دار کر دے تو؟"

"بہت غصہ آجاتا ہے.... کیونکہ نیند مجھے بہت پیاری ہے۔"

32 "مارننگ شو کے کسی اینکر پہ پابندی کا حق مل جائے تو؟"

ہنستے ہوئے.... "اگر ایسا موقعہ ملا تو پھر.... ساحر لودھی پہ پابندی لگاؤں گا۔"

33 "ایک لمحہ جو کبھی بھلا نہ پاؤں گا؟"

"گزشتہ دنوں ہونے والے ایکسیڈنٹ کو.... اس ایکسیڈنٹ نے تو میری زندگی بدل دی ہے۔"

34 "رقم (save سیو) کرتا ہوں؟"

"جی بالکل کرتا ہوں اور کرنی بھی چاہیے۔"

35 "میں خوف زدہ رہتا ہوں؟"

"اس بات پہ کہ اپنے پیار کرنے والوں کو کہیں کھو نہ دوں۔ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ تنہائی میں بھی ایسی سوچیں آجائیں تو بہت ڈر جاتا ہوں۔"

36 "کس چینل کے ڈرامے اچھے لگتے ہیں؟"

"ہم" "ٹی وی کے۔"

37 "پرانی فلموں کا ری مکس ہونا چاہیے؟"

"پرانی فلموں کی تو کیا ہی بات تھی۔ بڑی اچھی سوچ کے ساتھ بڑے اچھے سبجیکٹ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ نئے ڈائریکٹرز کو۔ رائٹرز کو ان کی سوچ تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

38 "میں اکثر سوچتا ہوں کہ؟"
"کہ بنگلہ دیش کو ہم سے علیحدہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

39 "بات دل میں رکھتا ہوں یا اگل دیتا ہوں؟"
"دل میں رکھتا ہوں۔"

40 "کس ڈیزائنر کے کپڑے پسند ہیں؟"
"نومی انصاری اور عامر عدنان کے۔"

41 "کس فنکارہ کے ساتھ رومانٹک سین کرنے میں مزہ آتا ہے؟"
"مہوش حیات۔"

42 "آگے چل کر مجھے بننا ہے؟"
"ایک اچھا' قابل اور ذمہ دار ڈائریکٹر بننا ہے۔"

43 "اپنے ملک کے لیے سوچتا ہوں کہ؟"
"کہ ملک ترقی کرے اور میں نے دیکھا ہے کہ پاکستان میں رہنے والوں کی اکثریت اب یہاں رہنا پسند نہیں کرتی۔ انہیں اگر موقع ملے تو وہ ابھی کے ابھی اس ملک کو چھوڑ دیں..... میں ان کی سوچ کو بدلنا چاہتا ہوں۔ ان کی سوچ کے ذمہ دار صرف اور صرف حکمران ہیں۔"

44 "غصے میں کیا کرنے کو دل چاہتا ہے؟"
"کچھ نہیں..... خاموش رہنا پسند کرتا ہوں۔"

45 "ایک محبت جو بھول نہیں سکتا؟"
"ایک ہی محبت کی ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھیں قسمت میں کیا لکھا ہے۔"

46 "کہاں جانے کے لیے ایک آواز دینا ضروری ہے؟"
"کہ آجاؤ..... کھانے پہ چلنا ہے۔ ڈنر پہ چلنا ہے..... لنچ پہ چلنا ہے..... میں تیار ہوں۔"

47 "کس کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی؟"
"اپنی ماں کو۔"

48 "آئینہ دیکھ کر سوچتا ہوں؟"
"الحمدللہ پڑھتا ہوں کہ اللہ نے ایک مکمل انسان بنایا ہے۔"

49 "کس شخصیت کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں؟"
"اپنے والدین کو۔"

50 "اپنی بھوک کو کم کرنے کے لیے کھاتا ہوں؟"
"ہر چیز۔"

51 "مجھے اپنے والدین سے شکایت ہے کہ؟"
"میری خواہش تھی کہ میں پڑھنے کے لیے ملک سے باہر جاؤں' جس طرح میرے بھائی گئے..... مگر مجھے نہیں بھیجا گیا۔"

52 "کچن سے دوستی ہے؟"
"بالکل بھی نہیں ہے۔ بس کھانے سے دوستی ہے اور ابھی بھی آپ سے بات کرتے ہوئے "حلیم" کھا رہا ہوں۔"

53 "محنت پہ یقین ہے یا قسمت پر؟"
"محنت پر یقین ہے اپنا نصیب خود بناتا ہے انسان"۔

54 "کبھی راستہ چلتے کوئی ڈرامائی سین ہوا؟"
"گزشتہ دنوں جو حادثہ ہوا' وہ ڈرامائی سین ہی تھا۔ ڈرامے کی جو ٹریننگ تھی وہ میرے کام آگئی..... مجھے اس وقت لگا کہ جیسے سچ مچ کسی ڈرامے کا سین ہے۔"

55 "کس کی تعریف میں دو جملے کہنے پڑیں تو کیا کہوں گا؟"
"جو انسان جس فیلڈ میں ماہر ہوگا اور کامیاب ہوگا' میں اسی حوالے سے اس کی تعریف کروں گا۔"

56 "پسندیدہ ملک کا پسندیدہ شہر؟"
"اپنے ملک کا لاہور..... اور استنبول۔"

57 "کس جگہ کا کھانا بہت لذیذ ہوتا ہے؟"
"اسلام آباد میں ایک "افغانی ریسٹورنٹ" ہے وہاں کا کھانا بہت لذیذ ہے۔"

58 "ایک صحافی جن سے شکایت ہے؟"
"سب صحافی اپنی مرضی سے جو دل میں آتا ہے لکھتے چلے جاتے ہیں اس لیے اب مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا..... ایسا ایسا لکھتے ہیں' جن کے بارے میں ہم خود بھی

نہیں جانتے کہ اچھا؟ ہم ایسے ہیں؟... اس حادثے کے موقع پر کچھ صحافیوں نے لکھا کہ اظفر اور عائشہ شراب پی کر گاڑی چلا رہے تھے... کچھ نے کہا کہ چھپ کر شادی کرنے جا رہے تھے' کچھ نے کہا کہ اپنا جرم چھپانے کے لیے گھر سے بھاگ گئے تھے۔ یقین جانیے... آپا... اپنے بارے میں ایسی اوٹ پٹانگ باتیں پڑھ کر میں تو حیران ہی رہ گیا... کسی نے کہا کہ اکیلے جانے کی ضرورت کیا تھی... مطلب صحافیوں پہ بھی کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ تو نہیں کہ آپ کا جو دل چاہے لکھ دیں... بہت افسوس ہوا مجھے صحافیوں کے رویے... پہ...

59 "شوبز میں جگہ بنانے کے لیے کیا ضروری ہے؟"

"ٹیلنٹ اور کمٹمنٹ... شاہ رخ خان ایک فلم کا نام نہیں ہے۔ ایک پروسس کا نام ہے... کامیابی ایک پروسس کا نام ہے۔"

60 "ایک جھوٹ جو میں اکثر بولتا ہوں؟"

"بس میں آرہا ہوں... بس پانچ منٹ میں پہنچ رہا ہوں... بس ٹریفک میں پھنس گیا ہوں۔"

61 "ایسا ایک ڈرامہ جسے بھی فراموش نہیں کر سکتا؟"

"کیسا ہے یہ جنون" لندن اور انڈیا میں شوٹ ہوا تھا۔"

62 "ایک نصیحت جو لڑکیوں کو کرنا چاہتا ہوں؟"

"یہ کہ محبت کسی سے بھی ہو... خدا کے واسطے اپنی ویڈیو بنا کر نہ بھیجا کریں... اور گاڑیوں میں اور ادھر ادھر غلط کام مت کیا کریں... چاہے آپ کو کتنی بھی محبت ہو... کوئی غلط کام مت کیا کریں... پلیز شاہین آپا یہ بات ضرور لکھیے گا... کیونکہ میں نے بہت سی لڑکیوں کو برباد ہوتے دیکھا ہے۔ ویڈیو بنا کر فیس بک پر ڈال دیتے ہیں... کتنی بھی محبت ہو اپنی تصاویر' اپنی ویڈیوز اپنے بوائے فرینڈ کو مت بھیجا کریں۔"

63 "گھر آکر میرا دل چاہتا ہے؟"

"چائے پینے کا دل چاہتا ہے۔"

64 "صبح کا آغاز کس طرح کرتا ہوں؟"

"گرم پانی اور شہد سے... اس طرح جسم اور گلافٹ رہتا ہے۔"

65 "ڈائجسٹ پڑھنے والوں کے لیے کچھ کہنا چاہتا ہوں؟"

"میری خواہش ہے کہ ایک ایسا سلسلہ شروع کریں کہ جو لوگ آپ کا ڈائجسٹ پڑھتے ہیں ان سے ان کی سچی کہانیاں لے کر شائع کریں... جو آپ کے قارئین ہیں جو آپ کو برسوں سے پڑھ رہے ہیں وہ اپنی زندگی کی کہانیاں آپ پڑھنے والوں سے شیئر کریں... دو یا تین صفحات قارئین کو ڈیڈیکیٹڈ ہوں... لوگوں کی سچی کہانیاں ہوں... بس..."

☆ ☆

آواز کی دنیا سے

آصف الیاس

شاہین رشید

ریڈیو کے جنونی... صرف آواز کی دنیا کے ہی جنونی نہیں ہوتے بلکہ انہیں اور بھی بہت سے کاموں سے شغف ہوتا ہے، ان میں بہت سی صلاحیتیں خداداد ہوتی ہیں... "آصف الیاس" بھی ایک ایسی ہی شخصیت ہیں۔ ایف ایم 93 میں تو آپ ان کو سنتے ہی ہیں... مگر مزید کیا کرتے ہیں یہ آپ کو ان کا انٹرویو پڑھ کر ہی معلوم ہوگا۔

☆ "کیا حال ہیں جی؟"

● "اللہ کا شکر ہے۔"
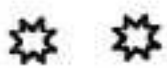
☆ "کچھ بتائیں اپنے بارے میں؟"

● "ریڈیو کے بارے میں تو آپ کو پتا ہی ہے اور پیدائشی طور پر یعنی جب تھوڑا باشعور ہوا اور اپنے آپ کو جاننے کا موقع ملا تو رنگ و برش کو اپنا دوست پایا۔ ایک آرٹسٹ کے طور پر اپنے آپ کو جانا۔ پھر جب بڑا ہوا تو اندازہ ہوا کہ میں تو "لکھ" بھی سکتا ہوں تو "رائٹر" میری پہچان بن گئی۔ کچھ اور بڑا ہوا تو یہ راز بھی کھلا کہ میں تو "اداکاری" بھی کر سکتا ہوں... پیروڈی بھی کر سکتا ہوں اور شاعری بھی... اپنے اندر اتنی خوبیاں پا کر بہت خوشی ہوئی مگر کہاں اور کس کام میں تسکین ملتی ہے تو "لکھنے" میں تسکین ملتی ہے اور اس میں مجھے "کمانڈ" بھی حاصل ہے۔ میری مصوری جو آگے چل کر کارٹونسٹ کے طور پر بھی میری پہچان بنی اسے بھی میں نے پیچھے چھوڑ دیا اور ان تمام کوالٹیز کے باوجود مجھے جو اپنے آپ کو کہلوانا پسند ہے وہ "ٹیچر" ہے اور میں اپنے فرائض ٹیچر کے طور پر بھی انجام دے رہا ہوں۔"

☆ "گویا ہر فن مولا ہیں؟"

● "بس اللہ کا کرم ہے اور ماں کی دعائیں ہیں۔"

☆ "تو جو زندگی میں ناکام ہوتے ہیں یا غریب ہوتے ہیں کیا ان کے ساتھ "ماں کی دعا" نہیں ہوتی؟"

● ہنستے ہوئے... "میں آپ کو بتاؤں کہ میں اپنی پانچ

بہنوں کا اکلوتا بھائی اور ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں اور گھر
میں سب سے زیادہ پٹائی بھی میری ہی ہوتی اور اتنا زیادہ
پٹتا تھا کہ مجھے اکثر اوقات یہ احساس ہوتا تھا کہ جیسے میں
اپنے والدین کا سوتیلا بیٹا ہوں اور آج ماں کو کھونے کے
بعد احساس ہوتا ہے کہ آج جو کچھ ہوں "ماں" کی سختی
کی وجہ سے ہوں۔ ماں اکثر کہتی تھی کہ "بیٹا ایک ہو
اور نیک نہ ہو تو کیا فائدہ"۔۔۔ ایسے بیٹے کا۔۔۔ "تو جناب
ماں کی دعا سے میں نے لائبریری سائنس میں ماس
کمیونی کیشن میں ماسٹرز کیا ہے اور بی ایڈ بھی کیا ہے۔"

☆ "ہمیں لوگوں کی قدر اس وقت کیوں ہوتی ہے، جب
ہم انہیں "کھو" دیتے ہیں؟"

● "بتانے کا مقصد یہ نہیں کہ ماں کی قدر ان کے جانے
کے بعد ہوئی۔ ماں کی قدر ان کی زندگی میں بھی تھی مگر
عقل و شعور آنے کے بعد۔۔۔ میں دیکھتا تھا کہ میں اپنے
خاندان میں سب سے منفرد سمجھا جاتا ہوں۔ میرے
کزن اپنی ماؤں کے چہیتے تھے۔ میری خالائیں مجھ پر
صدقے واری جاتی تھیں اور میں پڑھائی میں پوزیشن
لانے کے باوجود اپنی ماں کا چہیتا نہیں تھا بلکہ ان کی سختی
کا شکار تھا۔ تو ایسا کیوں ہے۔۔۔؟ اور یہ بات بہت بعد
میں سمجھ میں آئی کہ ہمارے خاندان میں تعلیم حاصل
کرنے کا کوئی رجحان نہیں تھا والد بھی پڑھائی کے
مخالف تھے اور میری ماں نے یہ سوچ لیا تھا کہ نہ صرف
مجھے اپنی بیٹیوں کو پڑھانا ہے بلکہ بیٹے کو بھی اعلا تعلیم
دینی ہے۔ اسے چھوٹی سی عمر میں محنت مزدوری نہیں
کروانی اور میری ماں کی وجہ سے "سندھ مدرستہ
الاسلام" جیسے بڑے اسکول میں میں نے تعلیم حاصل
کی اور نہ صرف تعلیم حاصل کی بلکہ بطور ٹیچر پانچ سال
تک خدمات بھی دیں۔"

☆ "آج کل کے دور میں اور پڑھائی کی اہمیت نہ ہو۔۔۔
بڑی عجیب بات ہے؟"

● "وجہ یہ تھی کہ والد صاحب خود بھی پڑھے لکھے
نہیں تھے اور چونکہ وہ اپنی فیملی کے بڑے بیٹے تھے۔
میری والدہ بھی ان پڑھ تھیں اور انہوں نے صرف
"قرآن" پڑھا ہوا تھا چونکہ والد بڑے تھے تو ان کے
کاندھوں پر ان کے اپنے بہن بھائیوں کا بھی معاشی
بوجھ تھا تو انہوں نے ہی والد صاحب کو کہا کہ تمہاری
پانچ بیٹیاں ہیں اور بیٹیاں بوجھ ہوتی ہیں اور جب یہ پڑھ
لکھ جائیں گی تو کیا تم ان کی کمائی کھاؤ گے اور بیٹا تو ایک
ہی ہے اسے اپنے ساتھ کام پر لگاؤ۔۔۔ تم خود بھی کام
نہیں کرتے۔۔۔ بڑا رعب تھا میرے والد پر سب کا۔۔۔
بہت سی باتیں سننے کے بعد والد صاحب نے کہا کہ
بیٹیاں تمہارا ساتھ دیں گی اور بیٹا میرا ساتھ دے گا تب
امی نے کہا کہ ہم فاقے کرلیں گے مگر اپنی بیٹیوں اور
بیٹے کو پڑھائیں گے اور ایسا ہوا بھی۔۔۔ ہم نے فاقے
بھی کیے اور مشکلیں بھی اٹھائیں صرف اپنی ماں کی
تعلیم سے محبت کی وجہ سے۔۔۔ کبھی کبھی خیال بھی آتا
تھا کہ اماں ایسا کیوں کر رہی ہیں۔۔۔ اتنا نہیں کرنا چاہیے
پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہم نے خاندان سے
علیحدگی بھی اختیار کرلی اور دور جاکر رہنے لگے کہ میری
والدہ کو یہ گمان تھا کہ ہم ان لوگوں کے رنگ میں نہ
رنگ جائیں۔ اس بات پر بڑی لے دے بھی ہوئی مگر
خیر۔۔۔ اور پٹائی بھی اسی لیے ہوتی تھی کہ کہیں میں بگڑ نہ
جاؤں اور پڑھائی کو نظرانداز نہ کروں۔ بس امی کا بڑا
خوف رہتا تھا۔ جب نماز پڑھنے کی عمر آئی تب بھی بہت
سختی کرتی تھیں تو بس یہی گمان ہوتا تھا کہ یہ میری
سوتیلی ماں ہیں۔"

☆ "ماں کو بچھڑے ہوئے کتنے سال ہوگئے اور انہوں
نے آپ کو کس مقام پر دیکھا؟"

● "آٹھ سال ہوگئے ہیں ماں کو بچھڑے ہوئے، لیکن
الحمدللہ میں ماسٹرز کرچکا تھا اور میری آرمی پبلک اسکول
میں جاب ہوگئی تھی اور "رنگ ٹی وی" پہ بہ حیثیت
اسکرپٹ رائٹر کے بھی جاب کرتا تھا اور میں نے اپنی
امی کو نہیں بتایا تھا کہ جب تک جاب پکی نہیں
ہوجائے گی نہیں بتاؤں گا بس پھر انہی دنوں امی کی
طبیعت خراب رہنے لگی اور جب ڈاکٹر کو دکھایا تو پتا چلا
کہ انہیں لیور کینسر ہے اور وہ چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہیں
رہ سکیں گی مگر دو ماہ بعد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ بات
ہم سب کو معلوم تھی میری امی کی توجہ ہر وقت میری

طرف ہی رہتی تھی تو جب انہوں نے دیکھا کہ یہ صبح اٹھ کر چلا جاتا ہے اور رات کو واپس آتا ہے تو انہوں نے باجی سے پوچھا اور باجی نے میرے بارے میں بتایا تو امی نے مجھے بہت دعائیں دیں اور بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔"

☆"والد آج آپ کی ترقی اور شہرت دیکھتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟"

●"والد صاحب انتہائی سادہ آدمی ہیں۔ ان کے لیے ریڈیو ٹی وی کبھی متنی نہیں رہا اور مزے کی بات یہ کہ میرے چھوٹے چچا نے سندھ مدرستہ الاسلام میں تعلیم حاصل کی ہے۔ مجھے ایک دن کہنے لگے کہ تم پانچویں میں بورڈ کے امتحان میں فرسٹ آؤ گے تو میں تمہیں اس اسکول میں داخل کرواؤں گا اور پھر بہت تعریف کرتے سندھ مدرستہ الاسلام کی۔ اور جب میں فرسٹ پوزیشن لے آیا تو امی نے بھی کہا اور والد صاحب نے کہ اب اس کا داخلہ کرواؤ تو کہنے لگے کہ اگر میں نے کہہ دیا تھا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم وہاں تعلیم حاصل کرو تو میری تیسری والی بہن نے کہا کیوں نہیں داخلہ لے سکتا تو کہنے لگے کہ اس اسکول کی فیس ہی اتنی زیادہ ہے کہ تمہارا ابا تو دے ہی نہیں سکتا' لیکن میری باجی جو خود بھی کماتی تھیں انہوں نے کہا کہ کوئی مسئلہ نہیں ہم فیس افورڈ کرلیں گے۔ داخلہ ہو گیا کیونکہ مجھے اسکالرشپ ملا تھا۔ پھر میں اپنے اسکول کا بہترین مقرر بھی رہا' بہترین آرٹسٹ رہا۔۔۔۔ مجھے ایوارڈز بھی ملے اپنے اسکول کی طرف سے "آل پاکستان ٹور" پر بھی گیا اور مجھے یاد ہے کہ جب مجھے ایوارڈ ملنا تھا تو کہا کہ اپنے والدین کو بھی لے کر آیئے گا اور میری شدید خواہش تھی کہ میری والدہ جائیں مگر وہ کبھی نہیں جا پائیں اور اب بھی میں اپنی کامیابیاں اپنے والد کو بتاتا ہوں کہ میرا ڈرامہ آرہا ہے دیکھیے گا یا میرا ریڈیو پروگرام سنیے گا' مگر وہ نہیں سنتے کہ انہیں ان چیزوں سے دلچسپی ہی نہیں ہے وہ بہت سادہ طبیعت کے مالک ہیں اصل میں والد اور مجھ میں کمیونی کیشن گیپ بہت رہا ہے' میں کوشش کے باوجود ان کے ساتھ گھل مل نہیں سکتا۔"

☆"اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے کہ کہاں سے تعلق ہے۔۔۔ کب کہاں جنم لیا؟"

●"میرے والدین کا تعلق دہلی سے ہے اور میں الحمدللہ کراچی کا ہوں۔ پاکستان سے میرا تعلق ہے۔ 5 جون 1978ء میری تاریخ پیدائش ہے۔"

☆"اتنی ساری خوبیوں کو کس طرح استعمال کیا۔۔۔ کس طرح قدم بہ قدم آگے بڑھے؟"

●"مصوری میں کمال حاصل تھا اور اس کی وجہ سے مجھے نہ صرف پہچان ملی بلکہ اسکالرشپ بھی ملی اور مختلف جگہوں پہ ہونے والے مقابلوں میں بھی حصہ لیا اور ہمیشہ نمایاں رہا۔ اسکول میں جو مجلہ نکلتا تھا اس میں تصاویر بھی میں ہی بناتا تھا' میں نے اردو کالج سے گریجویشن کیا اور جب ہمارے کالج کی گولڈن جوبلی ہوئی تو "تمغہ ستارہ اردو" کالج کے نمایاں طالب علموں کو دیا جانا تھا اور میں اپنے بیچ میں واحد طالب علم تھا جسے "دو تمغہ ستارہ اردو" ملا۔ ایک "فن تقریر" میں اور ایک "فن مصوری" میں اور جب یونیورسٹی گیا تو وہاں بھی میری یہ ایکٹوٹیز جاری رہیں۔"

☆"ریڈیو سے رشتہ کیسے جوڑا۔۔۔؟ مزید کیا کیا کیا؟"

●"ریڈیو سے رشتہ اس وقت سے تھا جب میں چوتھی کلاس میں تھا اور منی باجی کے پروگرام میں شرکت کرتا تھا' میں چونکہ دہلی والوں سے تعلق رکھتا تھا تو میرا تلفظ ٹھیک نہیں تھا' لیکن منی باجی' عظیم سرور' اسلم بلوچ اور خود میری والدہ نے میری بہت رہنمائی کی اور ریڈیو تک لانے میں میرے والد کے دوست کا بڑا ہاتھ ہے۔ انہوں نے ہی والد صاحب سے کہا کہ آپ کا بچہ بہت بولڈ ہے اسے ریڈیو پہ لے جایئے تو والد کے دوست ہی مجھے ریڈیو تک لائے وہاں اطہر شاہ خان اور دیگر بڑے آرٹسٹ نظر آئے تو بڑا اچھا لگا اور جب ہم ریڈیو جاتے تھے تو بہت ہائی کلاس لیول کے لوگ نظر آتے تھے اور میں ان کی کلاس کا نہیں تھا مجھے پیچھے دھکیل دیا جاتا تھا پھر میں نے ہی سوچا کہ کس طرح آگے آیا جا سکتا ہے تو میں نے دیکھا کہ یہاں سب کچھ

ہو رہا ہے' مگر کامیڈی صداکاری کوئی نہیں کرتا اور پھر
میں نے اور میری کزن نے لطیفے تیار کیے منی باجی سنا
کرتی تھیں۔ ایک طویل قطار ہوتی تھی کہ کس کو آن
ایر کرنا ہے کس کو نہیں اور جب میری باری آئی میں
نے بھرپور پرفارمنس کے ساتھ سنایا تو بہت
تالیاں بجیں اور یوں یہ سلسلہ چلتا رہا اب میں خود سے
کہانیاں لکھنے لگا تھا اور منی باجی کا ایک جملہ مجھے ہمیشہ
یاد رہے گا وہ آن ایر کہتی تھیں کہ "دیکھنا یہ ایک دن
بہت بڑا رائٹر بنے گا اور کتابیں بھی لکھے گا۔" کتابیں
لکھنے کے قابل ابھی نہیں ہوا' لیکن اگر پبلشر نے میری
سرپرستی کی تو لکھ بھی لوں گا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں
نے ماسٹرز کے تھیسس لکھے تھے جو 300
صفحات پر مشتمل تھے اور اس میں سب سے زیادہ نمبرز
میرے تھے۔ فن مصوری کے حوالے سے میں
کارٹونسٹ بھی رہا ہوں اور شائستہ زرین صاحبہ نے
مجھے بطور جرنلسٹ "نوائے وقت" میں متعارف کروایا
یہ ان کا احسان ہے۔ "طالب علم کی ڈائری" کے عنوان
سے چھ ماہ تک ڈائری لکھی اور کارٹون بھی بناتا تھا۔
کارٹونسٹ میں حادثاتی بنا ہوں اور وہ اس طرح کہ دس
سال سے زیادہ کا عرصہ میں نے بطور مصور "ہمدرد
نونہال" اور "ہمدرد صحت" میں خدمات انجام دی ہیں
وہاں ایک "عرفان" صاحب تھے انہوں نے مجھے کہا کہ
ان کے دوست "گلوبل سائنس" کے نام سے ایک
سائنسی ماہنامہ نکال رہے ہیں انہیں ایک آرٹسٹ کی
ضرورت ہے تم وہاں چلے جاؤ اور جب میں وہاں گیا تو
انہوں نے کہا کہ آپ تو آرٹسٹ ہیں جبکہ ہمیں تو
کارٹونسٹ کی ضرورت ہے انہوں نے میرا ڈیمو لیا اور
کہا کہ آپ کی لائن تو ٹھیک ہے اس وقت مجھے پیسوں
کی ضرورت تھی تو میں نے کہا کہ سر میں کارٹون بھی
بنالوں گا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے انہوں نے کہا
ٹھیک ہے اور پھر ایک آرٹیکل دیا کہ اسے پڑھ لیں۔
ہم نے پڑھ کر اللہ کا نام لے کر کارٹون بنانا شروع
کردیا۔ اللہ نے مدد کی اور کامیاب ہوا۔"

☆ "اچھا معاوضہ بھی ملا؟"

● "بالکل ملا۔۔۔ نہ صرف اپنی ضرورتیں پوری کرتا تھا
بلکہ گھر والوں کو بھی سپورٹ کرنے لگا۔ ریڈیو کے توسط
سے مجھے مزید مواقع بھی ملے' میں ڈراموں میں اور
کمرشلز میں "وائس اوور" بھی کررہا ہوں اور ڈبنگ
میں اللہ نے مجھے یہ اعزاز دیا کہ ڈرامہ "میرا سلطان"
میں ایک کردار تھا "سنبل آغا" جو کہ سب سے زیادہ
ہٹ کردار تھا وہ میری آواز میں تھا۔"

☆ "آج کل کیا مصروفیات ہیں۔۔۔ ٹیچنگ' مصوری'
کارٹون یا ایف ایم 93؟"

● "ایف ایم 93 تو ہے۔۔۔ ساتھ ساتھ ٹیچنگ
بھی چل رہی ہے اور ٹیچنگ تو میرا جنون ہے۔ والدہ
کی خواہش تھی کہ فوجی بنوں' مگر وضع قطع ایسی نہیں
تھی کہ فوجی بن سکتا۔ بہنوں کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر
بنوں' مگر جو خدا چاہتا ہے انسان وہی بنتا ہے۔ میں نے
بطور اسسٹنٹ پروڈیوسر کے ریڈیو پر خدمات بھی انجام
دیں ایک سال تک۔ گرافک ڈیزائننگ میں ڈپلومہ بھی
حاصل کیا' مگر ٹیچنگ کا شوق میرے دماغ میں چل رہا
تھا اور جب میں نے اسکول میں داخلہ لیا تھا تو ٹیچر کو دیکھ
کر ہی میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مجھے ٹیچر ہی بننا ہے اور
یہ میرے ارادے کی پختگی تھی کہ جب مجھے ٹیچنگ کا
موقع ملا تو "آرمی پبلک اسکول میں ملا" اور اس اسکول
میں خدمات انجام دینا میرے لیے بڑے اعزاز کی بات
تھی۔ اب آیئے ریڈیو پہ کیا ہو رہا ہے تو آپ کو بتاؤں
کہ۔۔۔ ریڈیو پاکستان میں بطور "بھائی جان" کے

پروگرام کر رہا ہوں... گزشتہ تین سال سے... اور جب مجھے یہ پروگرام ملا تو میں نے اپنے لیے اسے اعزاز سمجھا کیونکہ یہ نام (بھائی جان) منسوب رہے ہیں "ماجد" بھائی جان سے، قاضی واجد صاحب سے اور "سلیم" صاحب سے اور سب کو یاد ہے کہ اس پروگرام کو کس کس مشہور آرٹسٹ نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ بطور اناؤنسر کے بھی خدمات انجام دے رہا ہوں اور اے کیٹیگری کا صداکار بھی ہوں۔"

☆ "ٹی وی کی طرف رجحان ہوا؟"

● "ٹی وی کا خیال تو بچپن سے ہی تھا کہ یہ صورت ایسی تو نہیں ہے کہ ٹی وی پہ نہ آسکے... میں نے جب ریڈیو پر کمرشل سیریز "پروفیسر کے ایڈونچر" عظیم سرور صاحب کے ساتھ... اس سیریز کو نہ صرف اطہر شاہ خان لکھتے تھے بلکہ لیڈنگ کریکٹر بھی کرتے تھے اور میں بچے کا کردار کر رہا تھا وہ میری پرفارمنس کو بہت سراہتے تھے۔ ایک دن میں نے ڈرتے ڈرتے ان سے کہا کہ کبھی ہمیں بھی ٹی وی لے جائیں تو کہتے نہیں نہیں تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ ٹی وی بڑی خراب جگہ ہے... تو ہم تو اس وقت بچے تھے، مگر یہ ضرور کہتے تھے کہ آپ اس خراب جگہ پر کیا کرتے ہیں (دل ہی دل میں) پھر قاضی واجد اکثر کہتے تھے کہ تم تو میرے جانشین ہو میں نے بھی تمہاری طرح بہت محنت کی ہے... تو میں ان کو بھی اکثر کہتا تھا کہ "سر ہمیں بھی ٹی وی لے جائیں"۔ ریڈیو کے ہی ایک سیریز "بچہ جمورہ" میں نے بچہ جمورہ کا کردار کیا اور استاد بنتے تھے جمشید انصاری (مرحوم) ان سے بھی کہا، مگر کچھ نہیں ہوا شاید اللہ کو یہی منظور تھا... پھر انٹرن شپ کے لیے ایک لڑکی حنا یاسمین آئی وہ لڑکی آگے چل کر پی ٹی وی کی پروڈیوسر بن گئی۔ مجھے نہیں اندازہ تھا کہ یہی جونیئر لڑکی آگے چل کر ٹی وی پہ میری انٹری کی وجہ بنے گی۔ میری بہت عزت کرتی تھی۔ وہ انٹرن شپ کر کے چلی گئی... میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو ایک دن اس نے کہا کہ "آصف بھائی" ہمیں آپ کی ضرورت ہے اور مجھے آپ سے اسکرپٹ رائٹنگ کروانی ہے... میں پی ٹی وی گیا اور میری پہلی انٹری بطور رائٹر نہیں ہوئی بلکہ بطور ایکٹر کے ہوئی حنا یاسمین کے ہی توسط سے اور یوں میں نے کافی کام کیا اس کی تفصیل پھر بتاؤں گا اور میں نے تھیٹر میں بھی کام کیا اور اس وقت سے شروع کیا جب میں میٹرک میں تھا۔"

☆ "ٹی وی پہ انٹری کے حوالے سے مختصراً" بتائیں؟"

● "حنا یاسمین نے بلایا تو بطور رائٹر کے، لیکن چائلڈ اسٹریٹ کے حوالے سے وہ ایک پلے کر رہی تھیں تو انہوں نے مجھے کہا کہ ایک بچہ بسم اللہ برکت ہے جو کہ اوریجنل بچہ ہے۔ یعنی وہ چائلڈ اسٹریٹ ہی بچہ ہے۔ مجھے حنا نے کہا کہ یہ وہ بچہ ہے اور اس کے والد کا کردار شہزاد رضا کریں گے اور شہزاد رضا جیسے ہی باہر گئے حنا کہنے لگیں کہ میں سوچ رہی ہوں کہ آپ اس کے والد کا کردار کریں۔ کیونکہ آپ بچوں کی نیچر کو بہتر جانتے ہیں۔ خیر تھوڑی سی پس و پیش کے بعد میں نے وہ کردار کر لیا اور یوں ٹی وی پہ میری آمد ہوئی اور الحمدللہ پی ٹی وی پہ ابھی تک میں کام کر رہا ہوں۔"

☆ "چلیں جی کچھ نجی سوال... شادی ہوئی آپ کی؟ مزاجاً" کیسے ہیں؟"

● شادی نہیں ہوئی، لیکن عنقریب ہو جائے گی۔ بہنیں لگی ہوئی ہیں بھابھی تلاش کرنے میں... مزاج میرا شگفتہ رہا ہمیشہ سے اور یہ مجھے اپنی والدہ کی طرف سے ملا ہے میں بھی شگفتہ مزاج ہوں مگر یہ دھوکا ہے۔ اندر کچھ اور ہے میرے... بہت سے لبادے اوڑھنے پڑتے ہیں انسان کو۔"

☆ "کھانے پینے میں کیا پسند ہے؟"

● "کھانے پینے میں، میں بہت چٹورا ہوں۔ دہلی والوں کا بچہ ہوں تو نہاری، حلیم اور چٹ پٹے کھانے پسند ہیں اور لوگ مجھے پہچانتے ہیں اور اگر میرا سلطان کے حوالے سے "سنبل آغا" کا ذکر ہو تو بس پھر تو... تعریفیں شروع ہو جاتی ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی آصف الیاس سے ہم نے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ٹائم دیا۔

☆ ☆

کھولے پنکھ یادوں نے

ادارہ

نبیلہ ابر راجہ

سب سے پہلے ادارہ کرن اور اس کے پڑھنے والوں کو، رائٹرز کو کرن کی سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ کرے محمود ریاض صاحب کا لگایا ہوا درخت یوں ہی پھلتا پھولتا رہے۔

آمین۔

1۔ میری پہلی تحریر کرن میں اپریل 1999 میں شائع ہوئی۔ میں نے لکھنے کا آغاز کرن سے ہی کیا تھا۔ اتنے برس گزر گئے لیکن کل کی ہی بات لگتی ہے۔ درمیان میں، میں نے لکھنا کم کر دیا لیکن روبینہ شریف نے ایک بار پھر لکھنے کی تحریک دی اور میں نے طویل عرصے بعد قلم اٹھایا اور کرن کے لیے نو اقساط پہ مشتمل ناول لکھا جس کا کریڈٹ یقینی طور پر روبینہ شریف کو ہی جاتا ہے۔

2۔ میری سالگرہ کا دن۔ گھر والوں اور دوست احباب کو یاد ہوتا ہے، سب وش بھی کرتے ہیں اور گفٹ بھی دیتے ہیں۔ خاص طور پہ میرے بہن بھائیوں کے بچے مونا، ماریہ، حارث، عدنان، آمنہ، مریم، حمزہ، شاہد، میرے شوہر کاشف

کھولے پنکھ یادوں نے

الحمدللہ "کرن" کی کامیابی کا ایک اور سال مکمل ہوا۔ کامیابی کے اس سفر میں ہماری مصنفین اور قارئین بہنیں ہمارے ہم قدم ہیں۔ قاری کا مصنف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے۔ ایسا تعلق جو ان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے۔ ہماری قارئین مصنفین سے ایسی ہی وابستگی رکھتی ہیں۔ قارئین مصنفین کے بارے میں ہمیشہ جاننا چاہتی ہیں۔ لہٰذا "کرن" کی سالگرہ کے موقعے پر مصنفین سے ایک خصوصی سروے کا اہتمام کیا ہے۔ سروے کے سوالات درج ذیل ہیں۔

1 ۔ آپ کا اور کرن کا ساتھ کتنے سالوں پر محیط ہے؟
2 ۔ آپ کی سالگرہ کا دن گھر والوں اور احباب میں کون لوگ یاد رکھتے ہیں اور آپ کو مبارک باد دیتے ہیں؟
3 ۔ لکھنا بہت وقت اور ذہنی فراغت چاہتا ہے۔ لکھنے کے علاوہ آپ کی دیگر مصروفیات کیا ہیں؟
4 ۔ کوئی ایسا واقعہ ہے؟ جس کا مشاہدہ آپ نے بہت قریب سے کیا، لیکن کوشش کے باوجود لکھ نہ پائیں۔

سب بہت خوب صورت انداز میں اس دن کو یادگار بناتے ہیں۔ یہ سالگرہ میں نے سعودیہ میں منائی۔ میری نند اسما کے بچے اسامہ، ریم نے مجھے وش کیا گفٹس دیے اور ایمان میری بیٹی نے برتھ ڈے پہ مجھے ایک مگ گفٹ کیا جس کی مجھے اشد ضرورت تھی۔ ہاہاہا۔

3۔ آج کل فراغت ہی فراغت ہے اور میں اس کا فائدہ اٹھا رہی ہوں کہ کرنے کو کچھ خاص نہیں ہوتا۔ ہلکے پھلکے گھر کے کام پھر لمبی واک پر نکل جاتی ہوں لہٰذا سوکے وقت گزارتی ہوں۔

4۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے قریب سے دیکھا بلکہ اس کا حصہ بھی رہی۔ لیکن آج تک لکھنے کی ہمت نہیں کرپائی اس کے لیے بہت سی بہادری چاہیے اگر اپنے اندر پیدا کرپائی تو لکھوں گی۔

صائمہ اکرم چوہدری

1۔ میرا اور کرن کا تعلق تو شاید صدیوں پر محیط ہے لیکن اگر شب و روز کو انگلیوں پر گنا جائے تو کم سے کم بھی انیس بیس سال تو ہوں گے۔ اسکول کے زمانے میں کرن کو پڑھنا شروع کیا اور پڑھتے پڑھتے کہانیاں بننے کا عمل بھی شروع ہوگیا۔ یونیورسٹی کے دور میں کرن کے لیے پہلا ناولٹ "محبت مر بھی سکتی ہے" کے عنوان سے لکھا۔ اس کے بعد ایک اور ناولٹ "ہم اس کے ہیں" کے نام سے شائع ہوا۔ اور پھر ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔

2۔ الحمد للہ۔ میرا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جن پر اللہ کا خاص کرم رہتا ہے۔ میرا حلقہ احباب خاصا وسیع ہے، پہلے اس میں صرف کالج اور یونیورسٹی کی فرینڈز ہوتی تھیں اور پھر پریکٹیکل لائف میں آنے کے بعد کولیگس اور مختلف جگہوں پر پوسٹنگ ہونے کی وجہ سے اسٹوڈنٹس کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ میری سالگرہ کا دن کچھ عزیز احباب کو ہمیشہ یاد رہتا ہے، جن میں میری بہترین فرینڈز صبا اقبال، فریحہ کلیم، آمنہ ریاض، فاطمہ زاہد اور فرزانہ جاوید وغیرہ شامل ہیں۔ میری ایک کزن تو سالگرہ سے دس دن پہلے ہی ہر روز وش کرنا شروع کردیتی ہے۔ پچھلے تین چار سال سے رائٹر فرحت اشتیاق باقاعدگی سے وش کرتی ہیں کیونکہ ہم دونوں کی سالگرہ ایک ہی دن ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ پیاری فینز قاری بہنیں جن میں سدرہ صدیقی، سدرہ آفاق، اوریدا، فہمیدہ، لبنیٰ خالہ، ستارہ امین کومل اور ایک بہت محبت کرنے والی دوست ناہید بنت حوا جو واہ کینٹ میں رہتی ہے۔ اس کے علاوہ میری اکلوتی بجو کو میری سالگرہ یاد رہتی ہے۔

3۔ لکھنا لکھانا آج کل بذات خود ایک فل ٹائم جاب بن چکا ہے۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے رائٹرز کو خاصا مصروف کردیا ہے، میں رائٹنگ کے علاوہ فیڈرل گورنمنٹ کالج میں لیکچرار کی حیثیت سے اپنے فرائض سر انجام دیتی ہوں جو کہ خود ایک اچھی خاصی مصروفیت والی جاب ہے، کالج میگزین نکالنا، ادبی پروگرامز کے لیے اسٹوڈنٹس کی تیاری کروانا، تقاریر اور کمپیئرنگ لکھنا، اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی کلاسز کو پڑھانا، یقین کریں کہ کئی کئی دن اپنے آپ سے ملاقات نہیں ہوپاتی۔ ہم دونوں میاں بیوی سیروسیاحت کے بہت شوقین ہیں۔ میاں کو اپنی میڈیکل اور مجھے اپنی جاب سے جیسے ہی فراغت ملتی ہے یا کوئی لونگ ویک اینڈ آتا ہے تو ہم لوگ ابن بطوطہ بن کر گھر سے نکل جاتے ہیں، ایبٹ آباد، مانسہرہ، بالاکوٹ، مری، نتھیا گلی، ناران کاغان، بے شمار دفعہ جاچکے ہیں۔

4۔ زندگی میں بے شمار ایسی تلخ حقیقتیں ہیں جن کو انسان صرف دیکھ سکتا ہے، اگر لفظوں میں بیان کرنے لگے تو شاید کاغذ کا کلیجہ چھلنی ہوجائے۔ میرے مشاہدے میں بھی کچھ ایسے واقعات آتے رہتے ہیں، لیکن ان پر یہ سوچ کر قلم نہیں اٹھایا کہ بعض چیزیں ڈھکی چھپی رہیں تو بہتر ہوتی ہیں ورنہ ان کی بدبو اور غلاظت سے سانس لینا دوبھر ہوجائے اور خونی رشتوں کا اعتبار اٹھ جائے، زمانہ طالب علمی میں ایک فرینڈ کی کزن کا واقعہ جب بھی یاد کرتی ہوں تو دل دکھ کے گہرے احساس سے بھر جاتا ہے، میری ایک فرینڈ کی کزن کو طلاق ہوگئی اور وہ اپنی نو دس سال کی بچی کے ساتھ اپنے میکے آگئی جہاں پانچ چھ جوان بھائی تھے جو اس بچی کے سگے ماموں تھے اس کا ایک پندرہ سال کا ماموں، اپنی بھانجی کو ٹافیوں اور بسکٹوں کا لالچ دے کر اس کے ساتھ جو گھناؤنا کھیل کھیلتا تھا۔ وہ واقعہ میں چاہوں بھی تو اس طرح سے نہیں لکھ سکتی کس طرح اس معصوم بچی کی معصومیت کو داغ دار کیا گیا۔

اسی طرح ایک دفعہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں ایک خاتون کو دیکھا، جو اتنی مقدس جگہ پر بیٹھ کر بھی اپنی بہو کی برائیاں اپنے بیٹے سے کررہی تھی اور اسے اکسا رہی تھی کہ وہ ہوٹل واپس جاکر اپنی بیوی کی ٹھکائی

کرے۔ جبکہ بہو اس وقت وضو کرنے گئی ہوئی تھی۔ مجھے اس لمحے جو حیرانگی ہوئی لفظوں میں بیان کرنا مشکل تھا کہ لوگ جگہوں کا احترام بھی نہیں کرتے اور اتنے مقدس مقامات پر بھی اللہ کو یاد کرنے کے بجائے اپنے نامہ اعمال کو گناہوں سے بھر رہے ہوتے ہیں۔

نگہت سیما

1۔ "کرن" میں میری پہلی تحریر ایک قسط وار ناول تھا "راہ جنوں" جو تقریباً" دو سال سے زیادہ عرصہ تک چھپتا رہا۔ 2005ء یا 2006ء تھا شاید جب پہلی قسط چھپی تھی اور پھر 2008ء میں مکتبہ عمران نے اسے کتابی شکل میں چھاپا۔

2۔ سالگرہ کا دن گھر میں کسی کو یاد نہیں رہتا۔ کبھی کبھار شہریں یا اس کے بچوں کو یاد آجائے تو وہ Wish کر دیتے ہیں اس طرح دوستوں میں بہت پیاری دوست سعدیہ منظور کو ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ چاہے ہمارے درمیان پورا سال بات نہ ہو' لیکن مجھے پتا ہوتا ہے کہ رات بارہ بجے آنے والا Happy Birthday کا Message سعدیہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا اور جب سے سعدیہ سے دوستی کا رشتہ بنا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس نے 25 اگست کو مجھے وش نہ کیا ہو جب کہ مجھے یاد نہیں رہتا ایسی نکمی دوست ہوں میں۔

3۔ ان دنوں تو بس پڑھانا اور پڑھنا ہی مصروفیت ہے۔ کبھی بہت شوق پال رکھے تھے' لیکن اب تو بس لگتا ہے۔ جیسے لکھنے کے لیے بھی وقت نہیں ملتا۔ بظاہر دیکھا جائے تو ان دو مصروفیات کے علاوہ اور کوئی خاص مصروفیت بھی نہیں۔ چھٹی والے دن ککنگ وغیرہ بھی ہو جاتی ہے۔

4۔ کچھ خاص ایسا واقعہ یا مشاہدہ نہیں ہے کہ جس پر میں نے لکھنا چاہا ہو اور لکھ نہ سکی ہوں۔ ہاں کئی موضوعات ایسے ضرور ہیں جن پر خواہش کے باوجود نہیں لکھ پائی۔ کچھ مشاہدات کسی نہ کسی طرح کبھی کسی کہانی کا حصہ بن ہی جاتے ہیں اور کچھ نہیں بن پاتے۔

نفیسہ سعید

1۔ میرا اور کرن کا تعلق اس وقت سے قائم ہے جب سے شاید میں نے باقاعدگی سے لکھنا شروع کیا تو یقیناً" یہ ہی وہ ادارہ ہے جس نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔ میرے لکھنے

کی ابتدا خواتین ڈائجسٹ سے ہوئی اور مجھے فخر ہے کہ اس ادارے نے میری نوک پلک سنوار کر مجھے ایک عام عورت سے نفیسہ سعید بنا دیا باقاعدہ سال مجھے یاد نہیں۔

2۔ میرے بچے میری سالگرہ ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور مجھے مبارک باد دیتے ہیں اس کے لیے علاوہ خاص طور پر میری نند کا بیٹا فرخ جو مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہے اتنے سالوں میں آج تک کبھی بھی میری سالگرہ کا دن نہیں بھولا اور ہمیشہ رات بارہ بجے سب سے پہلا آنے والا مبارک کا پیغام یقیناً" اسی کی طرف سے ہوتا ہے اور میں آج اس موقع پر اس کا بھی شکریہ ادا کروں گی۔

3۔ لکھنے کے ساتھ میں درس و تدریس کے شعبہ سے بھی وابستہ ہوں اور یہ دونوں ہی میرے شوق ہیں جن کے لیے میرے پاس ہر لمحہ وقت ہوتا ہے۔

4۔ بہت سارے ایسے واقعات جن پر میں چاہ کر بھی صرف اس لیے قلم نہ اٹھا سکی کہ ان سے رشتوں کے تقدس کی پامالی کا اندیشہ تھا جو میں نہ چاہتی تھی اور ویسے بھی میری کوشش ہوتی ہے جو لکھوں اخلاقیات کے دائرے میں رہ کر لکھوں شاید یہ ہی سبب تھا جو چاہتے ہوئے بھی قلم نے اٹھنے سے انکار کر دیا اور میں لکھ نہ سکی۔ آخر میں آج کے دن کرن کی تمام ٹیم کو مبارک باد دوں گی جن کی کاوشوں کے سبب ہمیں اتنا بہترین رسالہ ہر ماہ پڑھنے کو ملتا ہے۔

درثمین بلال

سب سے پہلے تو آپ سب کو کرن کی سالگرہ کی بے حد مبارک باد۔

1۔ میرا اور کرن کا ساتھ پندرہ سال پرانا اور نہایت خوب صورت ہے ایک پرانے، گہرے اور مخلص دوست کی طرح۔ جس نے نہ صرف مجھے سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ میرے غموں میں میری تنہائیوں میں ایک مخلص ساتھی اور دوست کی مانند مجھے زندگی کے نئے اور پر امید پہلوؤں کا راستہ دکھایا۔ مجھے قارئین کی بے پناہ محبتوں سے نواز کر میرے دل کے بینک بیلنس میں بے پناہ اضافہ کرتے ہوئے مجھے خوش نصیب لوگوں کی فہرست میں لا کھڑا کیا۔

میں نے اپنے کیریئر میں جتنا بھی لکھا۔ سب سے زیادہ کرن کے لیے ہی لکھا اور اس کی وجہ یہی رہی کہ کرن والوں نے ہمیشہ جس پیار اور محبت سے مجھے کچھ لکھنے کو کہا۔ مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ اللہ کرن ڈائجسٹ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ کرن کو مزید بہتر سے بہترین بنانے میں روبینہ شریف نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ مجھے پانچ سال کے بعد دوبارہ کاغذ قلم تھامنے پہ روبینہ شریف نے نہایت پر خلوص انداز میں مجبور کیا۔ کرن ایک بہترین رہنما اور دوست کی طرح گھر بیٹھی قارئین کی زندگیوں کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

2۔ میری سالگرہ ہمیشہ میرے بہن بھائیوں کو یاد رہتی ہے۔ سب مجھے وش بھی کرتے ہیں، میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میری بڑی بہن (جو یقیناً "دنیا کی سب سے اچھی بہن ہے") میری ... نہ صرف مجھے وش کرتی ہیں بلکہ گفٹ بھی بھجواتی ہیں اور اب شادی کے بعد میرے ہزبینڈ بلال مجھے وش کرنا اور گفٹ دینا ہرگز نہیں بھولتے۔

3۔ یہ سچ ہے کہ لکھنا بہت وقت اور ذہنی فراغت چاہتا ہے۔ شادی سے پہلے لکھنے کے علاوہ بہت سے مشاغل ہوا کرتے تھے میرے۔ میں اسکیچز بنایا کرتی تھی مجھے باغبانی کا بہت شوق ہوا کرتا تھا۔ ڈریس ڈیزائننگ کا کریز تھا مجھے۔ ہائے کہاں گئے وہ دن۔ روز رات کو کسی بک کی ریڈنگ ضرور کیا کرتی تھی میں۔ روز صبح فجر کے بعد تسلی سے امی جی کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینا۔ اس کے بعد برآمدے میں بیٹھ کر درختوں پہ شور مچاتے پرندوں کی آوازیں سننا۔ طلوع ہوتے سورج کی کرنوں اور رزق کی تلاش میں گھونسلوں سے نکل کر اڑتے پرندوں کو دیکھنا۔ پھر ناشتے کے بعد ابو کے پاس بیٹھ کر اخبار پڑھنا۔ ملکی حالات پہ تبادلہ خیال کرنا۔ شام کو پودوں کے پاس بیٹھنا۔ اور ڈوبتے سورج کی اداس کرنوں کے ساتھ۔ ایویں خواہ مخواہ اداس ہو جانا۔ سب افسانوی سے شوق تھے اور اب شادی کے بعد سب شوق جیسے "خواب" سے ہو گئے ہیں۔ نہ وہ فرصت رہی اور نہ وہ شوق۔

شادی کے بعد میں نے بہت کم لکھا ہے وجہ شادی شدہ لائف کی بے پناہ مصروفیت ہے۔ شادی کے بعد جو بھی تھوڑا بہت لکھا وہ میں نے اپنی راتوں کی نیند حرام کر کے لکھا ہے۔ بہت عرصہ نہ لکھوں تو ایسے لگتا ہے میرا دم گھٹ جائے گا۔ وانیا اور رانیا کے بعد زندگی اور بھی بھاگنے دوڑنے لگی ہے مگر۔ اب بھی لکھنا میرے لیے آکسیجن کی طرح ہے۔ جن دنوں کچھ لکھ نہیں رہی ہوتی تو کچھ نہ کچھ اچھا پڑھنے کی کوشش ضرور کرتی ہوں۔ بقول ڈاکٹر آصف راز

لکھنا نہیں آتا تو میری جان پڑھا کر
ہو جائے گی مشکل تری آسان پڑھا کر
پڑھنے کے لیے تجھ کو اگر کچھ نہ ملے تو
چہروں پہ لکھے درد کے عنوان پڑھا کر

4۔ لکھنے والوں کے دل بہت حساس ہوتے ہیں اور ارد گرد کے واقعات چپکے چپکے نہایت خاموشی سے لکھنے والوں کے دل کی سماعت تک پہنچتے رہتے ہیں۔ ان کے دماغ میں جمع ہوتے رہتے ہیں جیسے ایک شہد کی مکھی قطرہ قطرہ شہد جمع کرتی ہے۔ جب شہد چھتے میں جمع ہو جاتا ہے بھر جاتا ہے تو اسے نچوڑ کر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی۔ لڑکے کا روپ دھار کر ایک لڑکے کی طرح ہی زندگی گزار رہی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اس نے اپنے اندر کی عورت کا گلا دبا کر ایک مرد کا روپ دھار رکھا ہے؟ وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ اس کے یوں حلیے بدلنے کے پیچھے کیا وجوہات ہیں؟ اس کا مشاہدہ بہت قریب سے کرنے کے باوجود اس پہ لکھ نہیں پائی ابھی تک۔ کچھ موضوعات اور بھی ہیں جن پہ لکھنا چاہتی ہوں، مگر بچوں کی مصروفیت کی وجہ سے لکھ نہیں پا رہی ہوں فی الحال۔

زرنین آرزو

1۔ یہ سوال کہ کرن اور میرا ساتھ کتنا پرانا ہے' بالکل ایسا ہی ہے جیسے چکور سے پوچھنا کہ چاند کے ساتھ اس کا تعلق کتنا پرانا ہے' جیسے خوشبو سے پوچھنا کہ پھولوں سے اس کی سنگت کب تک کی ہے یا آکاش سے پوچھنا کہ دھرتی پر وہ کب سے نچھاور ہے۔ بچپن میں کتابی ماحول نے ہاتھ میں قلم پکڑایا تو "کرن" نے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ اسکول کے زمانے میں میری پہلی تحریر "تیری دور رس نگاہیں" "کرن" میں ہی چھپی اور اس پہلی خوشی کو میں آج بھی اپنے دل میں محسوس کرتی ہوں میرے خیال میں یہ "کرن" کی بہترین خوبی ہے کہ وہ نئے لکھاریوں کو جگہ دیتا ہے اور انہیں کھلے دل سے خوش آمدید کہتا ہے۔

2۔ میری سالگرہ کا دن عام دنوں کی طرح سے ہی گزر جاتا ہے۔ مجھے یاد تب آتا ہے جب ایک دن پہلے رات بارہ بجے تاریخ بدلنے کے ساتھ ہی میرے شوہر سلمان کی طرف سے سالگرہ مبارک کا SMS ملتا ہے۔ حقیقت ہے کہ میں تاریخ یاد رکھنے کے معاملے میں بہت کمزور ہوں' لیکن سلمان کو میری سالگرہ کی ڈیٹ یاد رہتی ہے۔ اس کے علاوہ میرے بچوں اور میری بڑی بھابھی مائرہ کو بھی میری سالگرہ یاد ہوتی ہے۔ فیملی میں کسی کی بھی برتھ ڈے ہو' بھابھی ہر ایک کو سب سے پہلے وش کرتی ہیں اور اس حوالے سے ان کا مجھے وش کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔

3۔ لکھنا واقعی بہت وقت طلب کام ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ کاغذ قلم پکڑا اور لکھنے بیٹھ گئے۔ لکھنے کے لیے "آمد" بہت ضروری ہے۔ زبردستی ایک لفظ بھی کاغذ پر اتارنا میرے لیے بہت دشوار ہے۔ ہاں جب "آمد" ہو تو صفحات بھر دیتی ہوں۔ ایک وقت تھا کہ میرے ناولٹ اور ناولز خواتین ڈائجسٹ' شعاع' کرن اور حنا میں باقاعدگی سے چھپتے تھے' لیکن وقت نے اپنا چولا بدلا۔ شادی ہوئی اور مصروفیات بھی بڑھتی گئیں' لیکن اب چھ سات سال کے طویل عرصے کے بعد دوبارہ قلم اٹھایا ہے۔ گھرداری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ماشاءاللہ سے میں جاب بھی کرتی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ دیواروں پر خوب صورت کڑھائی والی وال ہینگنگز لٹکانا میری ہابی کے ساتھ ساتھ میری کمزوری بھی ہے۔ چنانچہ یہ شوق اب بھی جاری ہے اور اب یہ کوشش بھی ہے کہ قلم کے ساتھ اپنا تعلق اسی طرح سے قائم رکھوں جیسا کہ کچھ عرصہ پہلے تھا۔

4۔ زندگی بہت سے حالات و واقعات کا مجموعہ ہے۔ انسان کا مشاہدہ جتنا مضبوط ہوتا ہے' کردار بھی اتنے ہی حقیقت کے قریب ہوتے ہیں اور کہانی کا تانا بانا بھی اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے۔ بغیر مشاہدے کے انسان کبھی بھی لکھاری نہیں بن سکتا اور نہ ہی حالات و واقعات کو باآسانی صفحہ قرطاس پر بکھیر سکتا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ میری زندگی کے یوں ساتھ ہے جیسے آپ کا سایہ' میں کہیں بھی ہوں' کچھ بھی کر رہی ہوں' مشاہدہ کی کھڑکی کھلی رہتی ہے۔ انسانوں کے رویے' ان کی بول چال' ان کے انداز ذہن میں مختلف کرداروں کو جنم دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک کیا' ایسے لاتعداد واقعات ہیں جنہیں میں نے دیکھا' شدت سے محسوس کیا' لیکن اسے احاطہ تحریر میں نہ لا سکی۔ بہت بار اندر سے طلب بھی ہوئی کہ اس پر کچھ لکھوں' لیکن لکھ نہ پائی۔ آج بھی ایک کہانی ایسی ہے جو حقیقت پر مبنی ہے اور میرے ذہن میں پکتی ہے۔ ہر بار اس پر قلم اٹھاتی ہوں' لیکن رہ جاتی ہے۔ خدا جانے کب میں اس پر قلم اٹھا پاؤں گی....؟ کچھ کہہ نہیں سکتی۔

یاسمین نشاط

1۔ سب سے پہلے تو کرن اور قارئین سب کو سلام اور سالگرہ مبارک۔ بائیس تیئیس سال تو ہو چکے ہوں گے یقیناً"۔ جب لکھنا شروع کیا تب سے۔ یہ اور بات درمیان میں کافی لمبے لمبے گیپ آئے۔

2 ۔ مزے کا سوال ہے۔ شادی سے پہلے میری سالگرہ کا دن ون اینڈ اونلی فرینڈ افشاں صابر کو ہمیشہ یاد رہتا تھا۔ اور ہمیشہ سب سے پہلے وش بھی وہی کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے ہم ہفتوں پہلے برتھ ڈے وشز والے کارڈ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لایا کرتے۔ پھر گفٹس اور گفٹس میں ہمیشہ کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ آج بھی جتنی خوشی مجھے ایک اچھی بک خرید کر ملتی ہے' کسی برانڈڈ سوٹ یا زیور کے خریدنے پر نہیں ملتی۔

میری فیملی بہت مختصر سی ہے۔ ہم دو اور دو ہمارے بچے۔ مزے کی بات ہے میری بیٹی اور بیٹے میں گیارہ سال کا گیپ ہے۔ تو بیٹی اور ہزبینڈ یاد رکھتے ہیں۔ وش کرتے ہیں اور پھر ڈنر بھی کرواتے ہیں۔ ہمارے گھر میں باقاعدہ سالگرہ کا اہتمام نہیں ہوتا۔ بس گفٹ دے دیتے ہیں اور باہر جا کر کسی اچھی جگہ ڈنر کر لیتے ہیں۔ میری جٹھانی اور بچیاں بھی

ہیں جو خاندان میں ہر ایک کی برتھ ڈے یاد رکھتی ہیں اور سب سے پہلے وش بھی کرتی ہیں۔ بہنوں میں عائشہ اور ناہید ہیں جو سالگرہ۔ اینورسری سب یاد رکھتی ہیں امی حیات تھیں (اللہ انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا کرے) تو سالگرہ' عید' اینورسری پر ہم سب کے کپڑے بھجوایا کرتی تھیں۔ میں منع کرتی تھی کہ اب مجھے مت بھیجا کریں۔ چھوٹی بہنوں کو دے دیا کریں تو آگے سے ڈانٹ دیا کرتیں اور کہتیں وہ تو میرے پاس روز آتی ہیں۔ تم تو مہینوں بعد آتی ہو۔ دور رہتی ہو۔ زیادہ حق ہے تمہارا۔ اس بار ان کے بغیر میری پہلی عید ہوگی۔ پہلی سالگرہ۔ اور....

3۔ صرف وقت اور ذہنی فراغت اہم نہیں۔ موڈ کی بھی بات ہوتی ہے۔ کبھی بہت وقت ہوتا ہے۔ بالکل فراغت ہوتی ہے لیکن دل چاہتا ہے۔ ریموٹ پکڑ کر چینل بدل بدل کر وقت بتا دیا جائے اور کبھی دن بھر کے تھکے ہارے' آنکھیں نیند سے بھری تو جی چاہتا ہے لکھ لوں۔ تو پھر لکھ لیتی ہوں۔ اصل میں میں نے کام اور لکھنے کو کبھی ایک دوسرے کے مقابل نہیں آنے دیا۔ میں نے ہر کام ختم کر کے' حتیٰ کہ بچوں کو سلا کر اس کے بعد لکھنا ہوتا ہے۔ مکمل ذہنی سکون کے ساتھ۔ جب نہ کسی کو پانی کی ضرورت پڑے نہ کھانے کی اور نہ ہی کوئی اور ضرورت' اطمینان سے۔ اور یہ اطمینان مجھے رات بارہ بجے کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔ رات کے کھانے کے بعد کچن سمیٹ کر۔ ابوبکر کو کھانا کھلا کر پھر اگر اس کا کھیلنے کا موڈ ہے تو اس کو بھرپور کمپنی چاہیے۔ اور لکھتے ہوئے وہ خود ہی مجھے بتاتا ہے کہ مما مجھ سے یہ پوچھیں۔ اور اگر میرا دھیان کہیں اور ہو تو اتنی پیاری شکل بنا کر پوچھتا ہے۔ "مما آپ مجھ سے پیار نہیں کرتیں؟" پھر خود ہی جواب دے گا۔ آپ کہیں۔ میرا بیٹا تو میری جان ہے۔" ماشاء اللہ ساڑھے تین سال کا ہے۔

تو معزز قارئین آج کل میری مصروفیت کا نام "ابوبکر" ہے۔ ان کو فل ٹائم چاہیے۔ اس لیے لکھنے کے علاوہ سب ہی کام انہی روٹین کے مطابق چل رہے ہوتے ہیں۔ میری پہلی ترجیح گھر ہی ہے۔ اسی لیے لکھنا بہت کم ہو گیا ہے۔

4۔ جی بہت سارے ایسے واقعات ہیں جن پر میں آج تک کوشش کے باوجود لکھ نہیں پائی۔ وجہ یہی کہ وہ سب کچھ بہت Sensitive تھا۔ اور ہم میں اتنی برداشت نہیں کہ آئینوں میں اپنی صورت دیکھ سکیں۔ اور ویسے بھی ایسے ٹاپک پر قلم اٹھانا آپ کو بہت سی چیزوں سے "باہر" کر دیتا ہے۔ سو خود ہی افسوس منا کر چپ ہو جایا کرتے ہیں۔

انیلہ کرن علی

1۔ میرا اور کرن کا ساتھ تیرہ سال اور چار ماہ پر محیط ہے۔ یہ 2002 کی بات ہے۔ جب میرا پہلا ناول "بے خبر میں نہ تو" اکتوبر 2002 اور نومبر 2002 کے کرن میں دو حصوں میں شائع ہوا۔ اور میری خوش قسمتی ہے کہ طویل ہونے کے باوجود یہ ناول کرن کے قارئین کو پسند بھی آیا۔

2۔ میری سالگرہ کا دن عموماً" بہت سے دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کو یاد ہوتا ہے۔ اور مبارک باد بھی بہت سے لوگوں سے وصول ہوتی ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو میری سالگرہ کبھی بھی نہیں بھولتے۔ اور ہمیشہ مبارک باد دیتے ہیں۔ ان میں سرفہرست تو میرے شوہر علی اشرف ہیں۔ ان کے علاوہ میری بڑی بہن غزالہ شمیم میری کزن اور (ان شاء اللہ) ہونے والی سب سے چھوٹی بھابھی ڈاکٹر فائزہ شامی' میری پیاری فرینڈز عروج سلطانہ اور سعدیہ لیاقت ہمیشہ ہی میری سالگرہ کا دن یاد رکھتی ہیں۔

3۔ لکھنا ایک مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ اسے کبھی بھی بے دلی سے نہیں کیا جاسکتا۔ کہ آپ کا موڈ نہیں بھی ہے۔ تو آپ مارے باندھے' اپنے ساتھ زبردستی کریں۔ اور کہانی لکھ لیں۔ اس طرح سے لکھی گئی تحریر کبھی اچھی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میں تو ان سب رائٹرز کو داد دیتی ہوں۔ جو بہت زیادہ لکھتی ہیں اور بہت اچھا بھی لکھتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ محنتی ہوتی ہیں۔ جہاں تک میری بات ہے۔ تو ابھی تک لکھنا صرف میرا شوق ہے۔ (اور اس شوق کا ابال بھی کبھی کبھار ہی اٹھتا ہے۔) اس لیے میں سال میں ایک دو کہانیوں سے زیادہ نہیں لکھ پاتی۔ شاید کبھی میں اس کام کو پروفیشن بناؤں تو لکھنے کو زیادہ وقت دوں۔ ابھی تک تو یہ ایک خواب ہی ہے۔ کیونکہ فی الحال تو میری سب سے بڑی ترجیح میرا گھر میرے شوہر اور میری پونے دو سال کی بیٹی ماہ نور علی ہی ہیں۔ اس کے علاوہ میری یونیورسٹی کی جاب ہے۔ جو مجھے بہت پسند ہے۔ لیکن ہر طرح سے ٹینشن فری ہونے کے

باوجود یہ جاب کافی وقت طلب ہے۔ اور میری ایک بڑی مصروفیت بھی۔

4۔ ایسے تو کئی واقعات ہوتے ہیں۔ جن کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کو لکھنا بہت مشکل اور بعض اوقات ناممکن بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ۔

is more stranger than fiction
Reality

اس لیے ہم ہر واقعہ کو صفحہ قرطاس پر منتقل نہیں کرسکتے۔ ویسے بھی حقیقی واقعات پر اگر فکشن۔ لکھا بھی جائے تو اس میں بہت ساری رنگ آمیزی کرنا پڑتی ہے۔ جو ہمیشہ ممکن نہیں ہوتی۔

ام طیفور... گوجرانوالہ

سب سے پہلے تو کرن کا بے حد شکریہ کہ ایک دفعہ پھر اپنی بزم میں مجھ سی نو آموز کو خیال آرائی کا موقع دیا۔ اور جگہ دینا، مقام دینا کرن کو بخوبی آتا ہے۔

1۔ میرا اور کرن کا ساتھ تب سے ہے جب سے میں نے کہانیاں لکھنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔ کرن کا ایک سلسلہ تھا "بول کہ لب آزاد ہیں" اس میں دو دفعہ اپنے خیالات کا اظہار کیا اور پھر تیسری دفعہ کہانی لکھ کر بھیج دی۔ "وہی پردہ" کرن کے لیے میری پہلی تحریر تھی جس کو پذیرائی ملی۔ تو جناب کرن کا اور ہمارا ساتھ بظاہر تو چھ سالوں پر محیط ہے مگر کرن سے اپنائیت کا احساس اتنا گہرا ہے کہ اب یہ تعلق بے حد پرانا لگتا ہے۔ اس میں بڑا ہاتھ روبینہ شریف کے اخلاق و رویے کا بھی ہے جس کی میں گرویدہ ہوں۔ جس محبت سے وہ پیش آتی ہیں وہ 'بے اختیار خود کو "توپ" سمجھنے پر مجبور کردیتا ہے۔ ہی ہی ہی۔!

اس میں کوئی شک نہیں کہ روبینہ شریف کرن کے معیار کو مزید بہتر بنانے کے لیے بے حد کوشاں ہیں۔

2۔ حق ہاہ۔! میری سالگرہ اور میرے احباب۔! دیکھیں جی اگر احباب میں آپ مامے، چاچے، تائے پھوپھی۔ ان سب کو شامل کریں تو مجھے یہ بتاتے ہوئے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی مجھے سالگرہ وش نہیں کرتا۔ ہاہاہا۔! اور اگر احباب میں کزنز بھی شامل کریں تو وہ بھی بہت اچھی ہیں۔ ہرگز نہیں کرتیں۔

باقی رہ گئے گھر والے تو سب سے پہلے میرے ابو جی اور میاں صاحب مجھے وش کرتے ہیں 'اس کے بعد بہن بھائی اور میری بھابھی۔ ویسے سب سے پہلا تحفہ مجھے اپنی بھابھی کی طرف سے موصول ہوتا ہے اور پھر باقی سب کو یاد آتا ہے۔ میاں صاحب تو تحفہ مانگنے پر صاف جواب دیتے ہیں۔

"کریک۔ (Crack کی پنجابی فارم) 8 جمادی الاول تمہاری سالگرہ کا دن ہے۔ تب مانگنا تحفہ ضرور دوں گا۔"

بعد میں حساب لگاتی ہوں تو جمادی الاول گزرے بھی تین ماہ گزر چکے ہوتے ہیں۔ لے دس! ویسے فیس بک پہ میری ہزاروں چاہنے والیاں مجھے ہرگز ہرگز نہیں بھولتیں۔ اتنی وشز ہوتی ہیں میری وال پر کہ مجبور ہو کر یہ Status اپ لوڈ کرنا پڑتا ہے۔

"پگلیو۔ رلاؤ گی کیا۔!"

مذاق برطرف مگر ان سب کے خلوص کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ مجھے ان تمام سے بے حد محبت ہے۔ سچی!

3۔ یہ بات تو سو فیصدی درست ہے کہ لکھنا بے حد وقت طلب مشغلہ ہے اور میرا تو موڈ بھی ہونا ضروری ہے ورنہ موڈ کے بغیر تو میں ایک حرف نہیں لکھ سکتی۔ باقی رہ گئی بات دیگر مشاغل کی تو گھر کے کاموں کے علاوہ میرا سارا وقت لکھنے لکھانے کے لیے ہی ہوتا ہے مگر مسئلہ ہی یہ ہے کہ مجھے وہ "سارا وقت" ملتا ذرا کم کم ہے۔ ہاں جب کچھ بھی لکھنے پڑھنے کو جی نہ کرے تو بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کارٹونز دیکھتی ہوں۔ فیس بک کا پھیرا لگا آتی ہوں۔ موبائل پر "ساگا" کھیلتی ہوں اور پھر پچھتاتی ہوں کہ "حد ہے! اتنا وقت برباد کردیا بھلا کوئی شاہکار ہی تخلیق کرلیتی۔ آہو!"۔

4۔ ہاں جی۔! ایک واقعہ 'قصہ' کہانی 'سرگزشت یا جو بھی نام دے لیں۔ ایسا ہے۔ جس کا میں نے ماضی قریب میں اتنے "قریب" سے مشاہدہ کیا کہ اس کی سچائی پر شبہ ہوتا ہے مگر وہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ ایسا جس نے مجھے کئی ماہ بے خود سا کیے رکھا۔ اسے میں ابھی لکھ نہیں پائی مگر ان شاء اللہ لکھوں گی ضرور۔ اس کا لکھنا بے حد ذہنی فراغت اور اطمینان چاہتا ہے۔ جیسے ہی ایسا کوئی ماحول بنا میں اسے قلم کی نوک پر لے آؤں گی۔! ان شاء اللہ۔

کرن اپنے اندر بے حد گنجائش رکھتا ہے۔ تمام رائٹرز کے لیے۔ خواہ وہ پرانی ہوں یا نئی! اللہ مزید کامیابیاں دے۔ آمین!۔

(باقی آئندہ ملاحظہ فرمائیں)

✡ ✡

آسیہ مرزا

من موڑکھ کی بات نہ مانو

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو چھوڑ کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی سوتیلی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکرمند رہتا ہے جبکہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی اپنی پھوپھو اور اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے۔ فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر ملتی رہتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے، وہ فضا کو سمجھانے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ وہ اس راستے پر نہ چلے۔

عباد گیلانی جب موت کو اپنے قریب دیکھتا ہے تو مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے۔ حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا۔

(اب آگے پڑھیے)

تیسری قسط

عباد گیلانی کمرے میں تنہا تھے۔ ان کی بجھی بجھی نگاہیں دروازے کی جانب اٹھی تھیں۔ جانے کس کی منتظر تھیں شاید بیٹے کی۔

حازم کو وہ پہلے سے کہیں زیادہ کمزور اور نڈھال دکھائی دیے۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے ان کی بجھی آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگے۔ دوسرے پل وہ نظریں چرا گئے۔

"مجھے یقین تھا تم آؤ گے' چاہے کتنے دن ناراض رہ لو مگر میری حالت پر تم ضرور رحم کھاؤ گے۔" پھر ایک افسردہ سی مسکراہٹ سے بولے۔

"چلو باپ کو قابل رحم ہی سمجھ کر اور جذبہ ہمدردی میں ہی چلے آئے۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔" حازم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور کرسی ان کے بیڈ کے نزدیک کھینچ کر بیٹھ گیا۔ لفافے سے تصویر نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اسے جانتے ہیں آپ۔۔۔" عباد گیلانی کی نگاہیں اس تصویر پر اٹھیں تو جھپکنا بھول گئیں۔ ان کے بدن کو بے نام سا جھٹکا لگا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگے مگر کمزوری کے غلبے نے انہیں اس کوشش میں ناکام بنا دیا۔ انہوں نے لرزتے ہاتھ سے تصویر کو تھام لیا۔ حازم نے انہیں کندھے سے تھام کر اوپر اٹھایا اور ان کا تکیہ اونچا کر کے بیڈ کراؤن سے لگا دیا اور انہیں تکیے کے سہارے بٹھا دیا۔

"یہ۔۔۔ یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی۔" ان کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔ ان کے اندر ایک انتشار برپا ہو گیا تھا۔ جیسے یک دم باد صرصر چلی ہو اور ہر شے کو اڑانے لگی ہو۔ کوئی بھونچال سا آگیا ہو۔ اجڑے ویران چمن میں۔۔۔ اور سوکھے پتے اس آندھی ہوا میں ادھر ادھر بکھرنے لگے ہوں۔

"آپ جانتے ہیں انہیں۔" اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان بے تاثر رکھنے کی کوشش کی مگر بے نام سی تلخی اور طنز اتر آیا' مگر عباد گیلانی نے اس کی آواز سنی ہی کب کہ اس کے لہجے کو محسوس کرتے۔ انہوں نے ایک پل آنکھیں میچ کر کھولیں۔ انہیں لگا وہ تصویر نہ ہو' مومنہ یاور علی زندہ مجسم ہو کر ان کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کو یہ یاد تھیں مگر کہاں پایا۔۔۔ آپ تو انہیں بھول چکے ہیں اب۔"

"نہیں۔۔۔ میں اسے کبھی نہیں بھول پایا۔" وہ جیسے تڑپ کر بولے اور اپنی مرتعش انگلیوں سے تصویر کو سہلایا اور افسردگی سے ہنس دیے۔

"یاد بھی تو نہیں رکھا۔" نا چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گیا۔ عباد گیلانی نے اس کی طرف دیکھا اور مبہم انداز میں سر ہلانے لگے۔

"ہوں۔۔۔ شاید۔۔۔" حازم نے تصویر ان کے ہاتھ سے لی اور وہ چاہنے کے باوجود یہ تصویر نہ مانگ سکے۔ ابھی تو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا مگر پھر سوچ کر تکیے پر سر ڈال دیا کہ۔۔۔۔

ہاں اب وہ اس کی کون تھی۔ ایک غیر۔۔۔ اجنبی۔۔۔ اجنبی سے بھی بڑھ کر اجنبی۔۔۔

"مجھے یہ تصویر یاور علی نے بھیجی ہے۔ ایک طویل خط کے ہمراہ' ایسا ہی خط ایسے ہی صفحات جو آپ نے مجھے بھجوائے ہیں۔" وہ تصویر لفافے میں ڈالتے ہوئے بے مہری سے بولا۔

"یاور علی نے۔۔۔"

"جی۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ساری زندگی جس بات پر پردہ پڑا رہا ہے' وہ اس عمر میں ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پردہ ہی رہنے دیتے۔ زندگی میں یہ انتشار لانا ضروری تھا۔۔۔ کیوں؟ کیوں پایا اس عمر میں سچ بول کر آپ کے خیال میں آپ نے جنت کمالی؟" عباد گیلانی نظریں چرا گئے۔ وہ انہیں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' جس میں دکھ اور ملال کی ایک کیفیت تھی۔ انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ اپنی نظروں میں گرنا کسے کہتے ہیں۔

"آپ کا یہ سچ میرے لیے کسی خوشی کا باعث نہیں ہے۔ آپ نے تو فقط اپنے دل کا بوجھ اتارا ہے۔ اپنے ضمیر پر دھرا یہ پتھر میرے سینے پر دھر دیا ہے۔ اس سچ پر پردہ ہی رہتا تو اچھا تھا پاپا۔"

عباد کے دل پر چوٹ پڑ رہی تھی۔ اس رخ پر تو اس نے سوچا ہی نہیں کہ یہ سچ اس کے لیے کتنا بڑا آزار ثابت ہوگا۔ وہ تقسیم ہو کر رہ جائے گا۔ اس کی پرسکون زندگی انتشار کا شکار ہو جائے گی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو حازم... میں نے فقط اپنے دل کا بوجھ اتارا ہے۔ اپنے ضمیر کی چبھن دور کرنے کی کوشش کی ہے، موت کی آہٹ کو سننے والا آدمی کو اپنا پورا نامہ اعمال دکھائی دینے لگتا ہے۔ ایسے میں وہ اس تاریک اندھیرے میں روشنی کی ننھی سی کرن کو ڈھونڈنے لگتا ہے، تاکہ اک ذرا سی روشنی سے وہ اپنے اعمال نامے کی دبیز سیاہی کو تھوڑا سا کم کر سکے۔ کیا تم اپنے باپ کی یہ خطا معاف نہیں کر سکتے" وہ اس کی طرف آس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"تم ساحل پر کھڑے ہو حازم... تم موت کے سمندر میں دھیرے دھیرے ڈوبنے والے کے احساسات نہیں جان پاؤ گے۔ ڈوبنے والا کس طرح خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ یہ ایک ڈوبنے والا ہی جانتا ہے۔" ان کی آواز بکھرنے لگی۔

"کاش آپ یہ سچ اس وقت بولتے جب مجھے اس سچ کی ضرورت تھی۔" حازم تلخی سے ہنسا اور ایک اچٹتی نظر لفافے پر ڈالی۔ دوسرے پل لفافے کے دو ٹکڑے کر کے فضا میں اچھال دیے۔

"میرے لیے اب کسی بھی رشتے میں کوئی کشش نہیں پاپا۔ میں ان دیکھے ان چاہے رشتوں کو نہیں مانتا۔ میرے لیے جو کبھی تھے ہی نہیں، جن کا وجود تھا ہی نہیں۔ وہ کیسے ہو سکتا ہے میں نے جس رشتے کی محبت کا ذائقہ چکھا ہی نہیں اس کو کیسے محسوس کر سکتا ہوں۔" وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"حازم... بات سنو..." عباد گیلانی بے حد لجاجت سے اسے پکارا۔ مگر وہ رکا نہیں اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

زندگی کے رستوں میں
اتنی گرد اٹھتی ہے

فاصلے سے دیکھیں تو
کچھ نظر نہیں آتا

منزلوں کے چہرے بھی
راہ کی نشانی بھی

سب ہی ڈوب جاتے ہیں
گرد کے سمندر میں

رستہ نہیں ملتا
فاصلہ نہیں گھٹتا

جس جگہ سے نکلے تھے
ہم سفر کے رستوں پر

وہاں پہنچ کر دیکھیں تو
ہر طرف اداسی ہے
ہر طرف اندھیرا ہے

کچھ نظر نہیں آتا
بے نشاں رستوں میں

واپسے تو آتے ہیں
اپنا گھر نہیں آتا

مومنہ اندر آئی تو یاور علی نے اسے دیکھ کر اپنی کھولی ہوئی فائل بند کردی۔

"آؤ مومنہ..... حوریہ سے تمہارا دوبار پوچھ چکا ہوں۔ چائے پی لی تم نے۔"

"جی ابھی حوری کے ساتھ ہی پی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں وہ کہاں مجھے اکیلا بیٹھنے دیتی ہے۔"

"ہاں..... بچپن سے ہی وہ تمہاری عادی ہے کہاں بدلے گی عادت۔" یاور علی مسکرائے۔

"اب تو بدلنا ہی پڑے گا۔ کب تک میری انگلی تھامے چلے گی۔ بیسمہ میری فرینڈ' آپ تو جانتے ہیں اس کا چچازاد ہمایوں بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ مجھ سے حوریہ کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نے بھابھی سے بھی بات کی ہے۔ بس حوریہ کا فائنل مکمل ہو جائے تو میں اسے بلوالوں گی۔"

"ہوں..... یہ تو سوچا ہی نہیں کہ وہ اب بڑی ہو گئی ہے۔ عادل کو یہ ذمہ داری بھی ادا کرنی ہے۔ خیر....." یاور علی نے ایک گہری سانس بھر کر چشمہ اتار کر سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ نے چائے پی۔"

"کہاں..... ابھی زرینہ دے گئی ہے۔" انہوں نے ٹرالی پر رکھی چائے کو دیکھا۔

"ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ لائیں گرم کرلاؤں۔" مومنہ ٹرالی کی طرف بڑھی۔ یاور علی نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"اوں ہوں..... میں زیادہ گرم نہیں پیتا۔ بس ٹھیک ہے تم بیٹھو۔" سبز کرتی اور سفید دوپٹے میں ملبوس وہ عمر کے اس دور میں بھی بہار کا کوئی حصہ دکھائی دے رہی تھی۔ یاور علی اسے دیکھتے ہوئے جانے کس سوچ میں گم ہو گئے۔

جب اس کی آواز ابھری۔

"آپ گئے تھے وہاں....."

"ہوں..... کیا..... کہاں....." وہ چونکے۔ مومنہ کو دیکھا مگر دوسرے پل سرہلا گئے۔

"ہاں..... گیا تھا۔ ملاقات ہوئی حازم سے....." وہ پوچھنا چاہ رہی تھی عباد گیلانی کے بارے میں بھی..... مگر بہت کچھ پوچھنے کی خواہش مچل کر اندر ہی دم توڑ گئی جیسے بپھری ہوئی موج سطح سمندر پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ جائے۔ وہ خود آزردگی کی کیفیت میں تھی۔

"حازم کو دیکھا آپ نے۔ کیسا ہو گیا ہے وہ۔۔۔ بہت بڑا جوان۔"

اس کی ممتا آج برسوں بعد اس کے دل کی تہوں سے نکل کر اس کی آنکھوں کے بھورے کانچ پر پھیل گئی تھی۔ یاور علی ان کانچ پر پھیلی بے قراری سے نظریں کترا گئے۔

"ہوں۔ سرسری سی۔ دراصل اس کی ڈاکٹرز سے میٹنگ تھی۔"

"رہنے دیں۔۔۔ اباجی۔" یک دم دل گرفتہ سی ہو کر ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"رشتوں کی اہمیت ہوتی تو۔ پہلی ملاقات سرسری نہیں، بہت پرجوش ہوتی۔ آپ مجھ سے نظریں چرا رہے ہیں اباجی۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس نے اس رشتے کو پہچاننے سے انکار کر دیا ہو۔"

"ارے نہیں۔ تم جو سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔ بس وہ عباد کی حالت ہی خراب ہو گئی تھی۔ وہ ٹھیک طرح سے میرا تعارف نہیں کرا پایا۔"

"خوشبو بھی بھلا تعارف کی محتاج ہوتی ہے۔" وہ آزردگی سے ہنس پڑی۔

"دکھ یہ نہیں ہے اباجی کہ اس نے آپ کو دیکھ کر اپنی بانہیں نہیں پھیلائیں یا آپ کی بانہوں میں نہیں سمایا۔ دکھ صرف اس بات کا ہے کہ اسے رشتوں کا غلط تعارف کرایا گیا ہے اس کے دل میں وہ کچھ بویا ہی نہیں گیا جس کے آپ متلاشی ہوں گے۔" یاور علی اسے دیکھتے رہ گئے۔ وہ یہ سب خود بھی کہنا چاہتے تھے مگر کہہ نہیں پائے تھے مگر وہ خود ہی سمجھ گئی تھی۔

تو کیا ان کے چہرے پر یہ سب لکھا ہوا ہے۔ وہ غیر محسوس طور پر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ پھر ہلکی سی سانس بھر کر چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

"حازم!" عباد گیلانی کے لہجے کی لجاجت اور آنکھوں میں پھیلی التجا پر وہ رک گیا۔

وہ تھکے تھکے انداز میں ان کے نزدیک رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سمجھ نہیں آتا۔ آپ نے انہیں یاد بھی نہیں رکھا اور بھولے بھی نہیں ہیں۔ جب وہ بری عورت نہیں تھیں تو کیوں دکھ دیا انہیں اور اگر بری تھیں تو کیوں ان کا خیال دل میں دبائے بیٹھے ہیں۔"

"وہ کہاں بری تھی اس جیسی تو کوئی دوسری تھی ہی نہیں۔ وہ ایسی تھی جس نے مجھ جیسے آدمی کو اندر سے توڑا تھا۔"

عباد گیلانی نے تکیے پر سر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور آنکھیں موند لیں۔ شاید اتنا ہی اس کے بس میں تھا، کچھ دیر یونہی پڑے پڑے جیسے کسی تصور میں گم تھا۔ پھر شگفتہ آواز میں بولا۔

"میں جب اس سے پہلی بار ملا تو مجھے وہ اچھی لگی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ میں بھی پہلی نظر میں اس کے دل میں بس جاؤں۔ میرے جیسا خوب صورت 'ویل آف فیملی کا لڑکا' نظر انداز کیے جانا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں ہزاروں لڑکیوں کے دل کی دھڑکن تھا ان کے خوابوں کا شہزادہ تھا' وہ ایسے شخص کو کیسے اگنور (نظر انداز) کر سکتی تھی۔ مگر حازم۔ اس نے مجھے اگنور نہیں کیا بلکہ رد بھی کر دیا۔

میں کھول اٹھا' یہ سراسر میری انسلٹ (توہین) تھی۔۔۔ ایک امیر زادے کی انسلٹ۔ اب وہ میری ضد بن گئی۔ ایک مڈل کلاس لڑکی مجھے کیسے رد کر سکتی تھی' میں گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کے باپ سے تعلقات بڑھائے۔ ایک اچھا شخص بن کر ان کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ بہت تگ و دو کی اور اس مہم کو سر کر لیا۔

وہ میرے پاس تھی۔ میری جائز ملکیت بن کر۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا حازم کہ میں اپنی محبت پا کر خوش ہوتا' اس

کے ساتھ اپنے شب و روز گزارتا اور خوشیاں کشید کرتا۔ مگر میرے جیسے بگڑے عیاش امیرزادے کی ایسی پاکیزہ سوچ نہیں ہو سکتی تھی میں اسے پاکر مشتم بن گیا۔

میں اس سے چن چن کر بدلے لینے لگا۔ میں نے تو جیسے اسے کھلونا سمجھ لیا اور اسے تڑپا کر تسکین پانے لگا۔ مگر وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ صابر اور بردبار عورت نکلی۔ وہ مجھ سے نکاح کے بندھے بندھن کو ہر طور نبھانے کی کوشش کرتی رہی، مگر میں نا سمجھ تھا' اس کی اس فطرت کو اس کی بزدلی اور بے چارگی' لاچاری سمجھ کر حظ اٹھاتا رہا۔ میں نے اسے ذہنی ہی نہیں جسمانی طور بھی ٹارچر کیا۔ پھر آخر حربہ یہ کہ اس سے اس کا بچہ چھین کر اسے طلاق نامہ پکڑا کر گھر سے نکال دیا۔ اور اسے یہ جتانا نہیں بھولا تھا کہ وہ میری محبت نہیں تھی' ضد تھی۔

وہ چلی گئی' زندگی گزرتی رہی مگر وہ میرے سینے پر ایسا پتھر رکھ کر گئی کہ جو بھی سرکا ہی نہیں' ایک بے نام سی گھٹن میں مبتلا رہا۔ میں نے ہزار ہا لڑکیوں میں گم ہو کر اسے بھلانے کی کوشش کی۔ شادی بھی کرلی۔۔۔ مگر۔۔۔ شاید میں نے اس سے ہی محبت کی تھی۔ تم۔۔۔ اور تم حازم۔۔۔"

عباد گیلانی نے یہ سب کہتے کہتے حازم کو دیکھا' پھر کچھ دیر اس کا چہرہ تکتے ہوئے بولے۔ "تم اس کا پرتو ہو۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو جیسے وہ میرے سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ میں تم سے مومنہ جتنی محبت کرتا ہوں حازم۔۔۔ تم میرے لیے' میری پہلی چاہت جیسے ہو۔ معصوم گلابوں جیسی چاہت" وہ یک دم بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔ حازم اس طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا' انہیں روتا دیکھتا رہا۔

محبت کے دعوے تو کرنے والے بہت ہیں مگر محبت کو سمجھنے والے بہت کم۔ اس کے باپ نے محبت کی تھی مگر محبت کو سمجھا نہیں' اس کے مفہوم سے آشنا نہیں ہوئے اور جب آشنائی ہوئی تب محبت ریت کی طرح ان کی مٹھی سے پھسل کر بکھر گئی تھی۔

یہ اداسی۔۔۔
تم اسے کہنا۔
ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
اور صدا ویران پھرتی ہے
میرا بچھڑا ہوا
اجڑے ہوئے شہروں میں اکثر بھاگتا پھرتا ہے
اکثر جاگتا پھرتا ہے
سہایا نہیں ہے
اور اداسی تم اسے کہنا
تم ہی دکھ میں نہیں ہو
ہم بھی اپنی راکھ
ہاتھوں میں لیے سسکیاں لیتی ہوئی
تنہائیوں کے بال کھولے بین کرتے ہیں
اداسی تم اسے کہنا
تمہی دکھ میں نہیں
یہاں پر بھی ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
خلا جو ذات کی ہر چار دیواری کے اندر ہے

کبھی بھی بھر نہ پائے گا
یہاں بھی۔۔۔
ہر صد اویران پھرتی ہے

☼ ☼ ☼

حوریہ کا سارا جوش بجھ گیا جب کالج آکر پتا چلا کہ فضا نہیں آئی ہے۔ وہ اسے یہ خبر دینا چاہتی تھی۔۔۔ یہ حیران کن خبر کہ مومنہ پھوپھو کا بیٹا حازم جسے دادا ابا نے دریافت کرلیا ہے اور اس سے مل کر آئے ہیں۔ وہ رات تک دادا کے پاس بیٹھی رہی تھی اور مومنہ کی باتیں کرتی رہی تھی اور حازم کے بارے میں جان کر وہ حیرت کے ساتھ بہت خوش بھی ہوئی تھی۔

وہ پرامید تھی کہ مومی پھوپھو ضرور اپنے بیٹے سے ملیں گی مگر کالج آکر فضا کو نہ پاکر وہ مایوس ہوگئی' پھر کالج میں اس کا دل ہی نہ لگا۔ گھر آکر وہ موبائل پر رابطہ کرتی رہی مگر اس کا سیل فون بند آتا رہا۔

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا پھوپھو کہ وہ کالج نہ آئے اور مجھ سے کانٹیکٹ بھی نہ کرے۔"

"ارے ہو جاتا ہے۔۔۔ چارج نہیں ہوگا یا کوئی چھوٹا موٹا مسئلہ ہوگا۔ تم بہت گہرائی میں سوچنے لگتی ہو۔" دھاگوں میں الجھی مومنہ ہنس کر بولی۔ پھر دھاگے کی ریل پلیٹ کر دراز میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"گھنٹہ بھر بعد کوشش کرنا یا میسج چھوڑ دو۔"

"اس کا سیل فون بند ہی آرہا ہے۔ پتا نہیں کیوں پھوپھو میرا دل گھبرا رہا ہے۔ عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔ جیسے کوئی چھوٹا موٹا نہیں کوئی بڑا مسئلہ ہوگیا ہے اس کے ساتھ۔۔۔"

"ارے۔۔۔"

"ہاں پھوپھو۔ وہ جن حالات سے گزر رہی ہے اور اس کا وہ فلرٹی بوائے فرینڈ مجھے اس کی وجہ سے ہزار وہم ہوتے رہتے ہیں۔ کیوں نہ میں اس کی طرف چلی جاؤں۔"

"چلو ٹھیک ہے دھوپ ڈھلنے دو۔ شام کو چلی جانا۔ تب تک ڈرائیور بھی آجائے گا۔" مومنہ نے اسے پیار سے دیکھا۔ یہ بالکل۔۔۔ اسے اپنی جوانی کا پرتو لگی تھی۔ وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ حساس۔۔۔ دور تک سوچنے والی اور اپنی ہی سوچوں سے خوف زدہ ہو جانے والی۔

حوریہ کو تو کسی پل قرار نہیں تھا۔ شام تک فضا کا سیل فون بند آتا رہا۔ جوں ہی ڈرائیور گاڑی لے آیا' وہ فضا کی طرف روانہ ہوگئی۔ جہاں آرا۔۔۔ نے ہی دروازہ کھولا اور اسے دیکھتے ہی نخوت سے منہ بنانے کی بجائے خوش دلی سے بولیں۔

"چلو اچھا ہے' تم آگئیں۔ تمہاری اس فرینڈ کو دل جوئی کی بہت ضرورت ہے۔" وہ دروازے کے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے بولیں۔ وہ اندر داخل ہوتے ہوئے ٹھٹکی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ دیکھو ذرا جاکر۔ کیسی اجڑی اجڑی پڑی ہے۔ جیسے سمسٹر میں فیل نہیں ہوئی' آخرت کے کسی امتحان میں فیل ہوگئی ہو بی بی۔" ان کی زبان اسی اسپیڈ (رفتار) سے چلتی تھی۔ حوریہ کو ان کی زبان سے بہت کوفت ہوتی تھی مگر اس وقت کوفت سے زیادہ حیرت ہونے لگی۔

وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ کون سا سمسٹر ہوا ہے۔ جس میں وہ فیل ہوگئی ہے مگر وہ چپ رہ گئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔ کہاں ہے وہ۔۔۔"

"کہاں۔۔۔ کہاں ہوگی۔ اپنی کال کوٹھری میں ہے کون سا دو ہزار گز کا بنگلہ ہے کہ اسے ڈھونڈنا ہے تم کو۔۔۔"

حوریہ کہہ کر پچھتائی اور گھبرا کر اس کے کمرے کی طرف بھاگ لی۔

"اس کو ذرا عقل دو۔ ہنہ۔۔۔ پیپرز میں کلیئر کہاں سے ہوگی۔ خاک پڑھتی۔۔۔ دن بھر فیشن چل رہے ہوتے ہیں۔ دوستوں کے گفٹس (تحائف) ریسیش ہو رہے تھے اور خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتی پھرتی ہے کالج کے نام پر۔۔۔ ہم تو سوتیلے ہیں بھلائی کے لیے بھی بولیں تو برے اور نہ بولیں تب بھی رسوا کہ ماں تھیں، سمجھایا نہیں۔۔۔ ارے بی بی خاک پڑھائی میں دل لگے گا۔ باپ کی کمائی بس خاک کرنی ہے۔ یہاں کون سنتا ہے میری۔۔۔"

جہاں آرا کی بڑبڑاہٹ۔۔۔ برتنوں کی کھٹ پٹ۔۔۔ سب گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

حوریہ نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر چلی آئی۔ چھوٹا سا گھر تھا جہاں آرا کی۔ تیز طرار آواز اندر تک آرہی تھی۔ یقیناً "فضا کو بھی سنائی دے رہی تھی مگر وہ تو تمام آوازوں سے بے نیاز نیم اندھیرا کر کے مسہری پر پڑی تھی۔

"فضا۔۔۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر اسے پکارا، پھر لائٹ کھولی۔ وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔

"یہ آنٹی کیا کہہ رہی ہیں، کون سے سمسٹر ہوئے ہیں جس میں تم۔۔۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ فضا نے سر اٹھا کر حوریہ کو دیکھا تھا اور حوریہ کو لگا وہ فضا تو نہ تھی۔

کھلکھلانے والی، شاعری گنگنانے والی، سوتیلی ماں کی کڑوی کسیلی باتوں کو بے پروائی سے اڑانے والی۔ آنکھوں میں رنگین سپنوں کو سجانے والی، دلکش لمحوں کے تصور میں ڈوبی بہکی ہوئی مسکراہٹ سے سب کچھ پالینے کے خمار میں ڈوبی ہوئی فضا تو ہرگز نہ تھی۔

یہ اس کے سامنے بیٹھی کوئی اور لڑکی تھی کیا۔ آنکھوں میں کسی اجڑے مزار کا بجھا دھواں سمیٹے، چہرے پر برسوں کی تھکن اور ویرانی بھرے۔

"کیا ہوا فضا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ مسہری کے نزدیک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ فضا کے وجود پر ٹھہرا سناٹا یک دم سے ٹوٹا تھا۔ وہ کسی ہمدرد کو پا کر جیسے بکھر گئی۔ دوسرے پل کسی ٹوٹی شاخ کی طرح اس کے گلے جھول گئی تھی۔ حوریہ کے وجود پر ایسا سناٹا چھا گیا جیسے ہوا سے محروم چاند پر ہوتا ہوگا۔

وہ اپنے لٹ جانے کی داستان سنا رہی تھی۔ اپنے خوابوں کے، خواہشوں کے تلاطم، منہ زور لہروں میں ڈوب جانے کی۔ اپنی روح کی موت کی اسے خبر سنا رہی تھی۔ اس کے بوائے فرینڈ اس کے محبوب نے "اپنی نام نہاد محبت کو ہوس کا چولا پہنا دیا تھا۔ وہ بناوٹی خول اتار کر اسی چولے میں اس کے سامنے آگیا تھا جو اس کا اصل تھا۔

آہ۔۔ یہ محبت کے نام پر فریب دینے والے مرد ہمیشہ ناسور کی طرح اسی زمین پر موجود رہیں گے اور محبت کے نام پر فریب کھانے والی فضا جیسی زر پرست لڑکیاں ایسے مردوں کا نوالہ بنتی رہیں گی۔

"فضا۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ سب۔۔۔" حوریہ کو اس روح فرسا انکشاف نے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ فضا رو رہی تھی، روتے روتے اس کی آواز بھاری ہو گئی۔ اس نے بس حوریہ کو دیکھا اور پھر افسوس کی انتہا میں ڈوبی بولی۔

"تم سچ کہتی تھیں حور۔۔۔ ایسی بازی لڑکیاں ہار جاتی ہیں پالینے کی خوشی سے زیادہ سب کچھ کھو دینے کا غم مار ڈالتا ہے۔۔۔ میں اتنی کمزور نفس نکلی کہ محض گاڑی، کوٹھی اور چند مادی چیزوں کے آگے عصمت کا سودا کر بیٹھی۔"

"چپ ہو جاؤ فضا۔۔۔ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔" حوریہ نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا پھر مسہری سے اٹھ کر گھبراتے ہوئے جلدی جلدی کھڑکی اور دروازہ بند کرنے لگی کہ کہیں اس کی آواز اور سسکیاں جہاں آرا نہ سن لے۔

وہ ذلت کی جس کھائی سے ہو کر آئی تھی اس کا پتا اس کی سوتیلی ماں کو نہ چل جائے۔ فضا نے اسے بڑی بے فیض

نظروں سے دیکھا پھر اٹھ کر کھڑکی کا پٹ چھونے لگی۔
"اب ان احتیاطوں کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ یہ تو مجھے بہت پہلے کرنی چاہیے تھی۔ ان دروازوں اور دیواروں کی قدر نہ تھی مجھے میں نے انہیں اپنا محافظ نہیں سمجھا' بلکہ حقیر جانا۔ ان میں میرا دم گھٹتا تھا اور آج۔۔۔"
وہ کھڑکی سے لگی دیوار کا سہارا لیے زمین پر بیٹھتی گئی پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مگر اب وہ جتنا بھی ماتم کرتی کم تھا۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے مگر اس نے تو کچھ پائے بغیر سب کچھ کھو دیا تھا۔ اسے کب گمان تھا وہ اپنی خواہشوں کے تلاطم میں سرشار جس طرف بڑھ رہی ہے وہ منزل نہیں سراب ہے۔ دھوکا ہے۔۔۔ فریب ہے۔
مگر نہیں 'بہت روکا تھا حوریہ نے اسے۔۔۔ بہت سمجھایا تھا مگر اس نے اپنے محبوب کی چاہت' اس کی قربت کے بیتے لمحوں پر کوئی ندامت یا پچھتاوا محسوس نہیں کیا تھا اور اپنی بربادی کی طرف لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے خوش تھی۔ وہ نسوانیت کے وقار سے اتر کر پستی میں بیٹھی تھی اور اسے اپنی کامیابی سمجھتی آرہی تھی۔
ہاں۔۔۔ کوئی مرد' عورت کے سر سے چادر نہیں کھینچ سکتا جب تک وہ خود موقع نہ دے۔ حوریہ اسے پکڑنے لگی' وہ بے بسی کی آخری نہج پر تھی اور اپنے بال نوچ رہی تھی' پھر بے دم ہو کر دیوار پر سر ٹکا کر یک دم چپ ہو گئی۔ شاید اتنا ہی اس کے بس میں تھا۔
"خدایا۔" حوریہ اس کے پاس فرش پر بیٹھ گئی اور اس کا سر اپنی گود میں ڈال دیا کہ شاید اس وقت وہ اتنا ہی کر سکتی تھی۔ جو طوفان آکر گزر چکا تھا۔ وہ اس کی تباہی پر آنسو بہا سکتی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ شاخ سے ٹوٹ جانے والے پھول کو دوبارہ شاخ پر کوئی نہیں جوڑ سکتا یہ فطرت کے قانون کے خلاف ہے۔
مردہ جسم کو لوگ مٹی میں عزت کے ساتھ دفنا دیتے ہیں مگر زندہ جسم کے اندر پڑی مردہ روح کا بوجھ صرف اسی جسم کو اٹھائے پھرنا پڑتا ہے' یہ بوجھ وہ کسی سے بانٹ نہیں سکتا۔
"قصوروار صرف تم ہی نہیں ہو فضا' وہ شخص بھی ہے۔ وہ شیطان بھی مجرم ہے۔" حوریہ نے اس کا سر اوپر اٹھا کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما۔
"ہاں فضا۔۔۔ وہ بھی سراسر مجرم ہے۔ مگر اس نے کوئی زبردستی تو نہیں کی۔ اسے یہ سارے مواقع میں ہی دیتی آئی ہوں۔"
"بے شک۔۔۔ مگر راستے میں پڑے ہوئے مال کو غصب کر لینا بھی جرم ہے۔ وہ بھی اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔ اس نے تمہیں خواب دکھائے تھے۔ وعدے کیے تھے۔ رنگینیاں دکھائی تھیں۔ وہ مجرم ہے فضا۔" حوریہ کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کے بوائے فرینڈ کو کہیں سے پکڑ لائے اور تختہ دار پر چڑھا دے۔
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے' وہ مجرم ہے یا نہیں' اس کا کیا بگڑا ہے۔" فضا اذیت سے ہنس دی۔
"بگڑا نہیں تو بگاڑا جا سکتا ہے۔" فضا پلکیں جھپک کر اسے دیکھنے لگی جیسے اس کی دماغی حالت پر شک ہو۔
"ہاں۔۔۔ میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ تم یوں چپ چاپ ہو کر بیٹھ جاؤ گی اور اسے دوسری لڑکیوں کو برباد کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دو گی۔"
"تو۔۔۔ تو کیا کروں۔۔۔ شور مچا کر دنیا کو اکٹھا کر کے اس کا نام لوں۔۔۔ اپنے لٹنے کی کہانی نشر کروں۔"
"بہرحال سزا اسے ملنی چاہیے' خیر یہ تو بعد کی بات ہے۔ پہلے تم اس سے کہو کہ وہ تم سے فوراً شادی کرلے۔"
"واٹ۔۔۔ شادی۔۔۔ ہا۔۔۔ ہا۔" فضا طنزیہ ہنسی۔" اسے شادی کرنا ہوتی تو مجھے اس کیچڑ میں دھکیلتا ہی کیوں اور اب کیچڑ سے لتھڑے وجود کو وہ اپنائے گا۔ کیسی دیوانوں سی بات کرتی ہو حوریہ۔ تم۔۔۔ تم تو بہت سمجھ دار ہو۔ پھر۔۔۔"
"یہ ضروری ہے۔ تمہیں اس پر ہر حال میں پریشر (دباؤ) ڈالنا پڑے گا۔ کسی بھی طریقے سے۔" حوریہ حقیقتاً

صدمے سے چور ہو رہی تھی۔ وہ اس اندوہ ناک حادثے میں فضا کو یوں زخمی نہیں چھوڑ سکتی تھی، تا عمر اس آگ میں جھلستا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"ادھر آؤ۔۔۔ اور سکون سے سنو میری بات۔" حوریہ نے اسے پکڑ کر مسہری پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

"تم نے اپنے اردگرد جو آگ دہکا دی ہے اس میں تمہارا وجود جل رہا ہے اور وہ سکون سے اپنی زندگی میں مزے اڑا رہا ہے۔ نہیں فضا تھوڑی ہمت پکڑو۔ جو نقصان ہو چکا ہے اس کی تلافی تو ممکن نہیں ہے مگر اب جو تمہیں فیس کرنا ہو گا یہ بھی کسی عذاب سے کم نہ ہو گا۔"

"تو کیا وہ مجھ سے شادی کر لے گا۔" فضا کے بجھے ہوئے سینے میں جیسے کوئی چنگاری بھڑکی مگر دوسرے پل شعلہ بننے سے پہلے بجھ گئی۔

"نہیں حور۔۔۔ وہ آخری لمحوں میں مجھ سے کہہ رہا تھا، تم میرے اندازے سے بھی زیادہ کمزور نفس اور بری لڑکی نکلیں۔"

"کمزور نفس نہ ہوتیں تو اس کے ہاتھ آسانی سے کیسے آ جاتیں۔۔۔ خیر۔۔۔" وہ اس کے کندھے پر تسلی آمیز دباؤ ڈال کر رہ گئی۔

"یہ تو دیوانے کا خواب ہو گیا۔ اجاڑنے والے بھی کبھی آباد کرتے ہیں گھروں کو بھلا۔"

"تم کوشش تو کرو۔ اس کو واسطہ دو۔ انسان کا دل ہے، کہیں سے تو پگھلے گا ہی۔۔۔" حوریہ اسے گھپ اندھیرے میں روشنی کی کرن دکھا رہی تھی۔ بجھتے دیے میں تیل ڈال کر روشنی پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ اتنی بجھی ہوئی تھی کہ سوائے دل دوز تاریکی کے اپنے اردگرد کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"ایک کوشش تو کر لو بات کھل جائے اس سے پہلے۔"

"کیا ایسا ممکن ہے۔" اس نے بے فیض نظروں سے حوریہ کو دیکھا پھر جیسے خود آزاری کی کیفیت میں مسہری کی پشت پر سر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں میچ لیں۔

کمرے میں چند لمحے بوجھل خاموشی طاری رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور حوریہ کو دیکھا۔

"کیا تم میرا یہ کام کر سکتی ہو۔" ایک موہوم سی امید اس کی آنکھوں میں ابھری تھی۔

"میں۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ تم اس سے بات کرو۔ اس کو کہو اس لیے کہ میں تو اب سر اٹھا کر اس کے سامنے ایک لمحے کو بھی کھڑی نہ رہ پاؤں گی۔ مجھے یقین ہے، تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو۔ بے غرض پیار، تم میری بچی، ہمدرد ہو۔ میں تمہارا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گی۔

بولو حوریہ۔۔۔ میرے اندر اگر جینے کی امنگ جگا رہی ہو تو پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ہاتھ پکڑ کر مجھے ان تند لہروں سے نکالنے کی کوشش کر رہی ہو تو میرا ساتھ دو۔ اکیلا مت چھوڑو مجھے۔" حوریہ دم سادھے رہ گئی تھی۔

یہ فضا کیا کہہ رہی تھی۔ وہ اس شیطان صفت کے سامنے جا کر فضا کے لیے بھیک مانگے۔

"پلیز حوریہ۔۔۔ انکار مت کرنا۔"

"میں۔۔۔ مگر میں کیا کہوں اس سے۔"

"تم اس سے یہ تو کہہ سکتی ہو کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔ مجھے برباد تو کر ہی دیا ہے، اجاڑ تو دیا ہے، کم از کم میرے باپ کی عزت ہی رکھ لے۔"

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حوریہ کو اسے چپ کرانے کا بھی یارا نہ رہا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے

اسے دیکھتی رہ گئی۔

✡ ✡ ✡

عباد گیلانی نے ایک عجیب سی خواہش کردی تھی۔ یاور علی پریشان ہوگئے۔
وہ گڑگڑا کر کہہ رہا تھا کہ وہ ایک بار مومنہ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس سے مل کر معافی مانگنا چاہتا ہے' جانے کتنی سانس باقی رہ گئی ہیں۔ شاید اس اضطراب سے چھٹکارا پانے کے بعد میری چند سانسوں میں اضافہ ہو جائے۔
کیسی آس مندانہ نظریں تھیں۔ "تفخر" سے گردن اکڑا کے رکھنے والا "اتنی لجاجت سے بات کر رہا تھا۔ یاور علی ماضی اور حال کا موازنہ کر رہے تھے۔
انسان کی طاقت' اختیار' اثر رسوخ اور اللہ کی طاقت اختیار کا فرق واضح تھا۔ وہ پوری رات بے چینی سے کروٹ بدلتے رہے۔ یہ سوچتے رہے کہ مومنہ کو کیسے راضی کریں۔ وہ عباد گیلانی سے کیسے ملنے کو تیار ہوگی۔ یاور علی نے چپ سادھ لی اور اسی چپ سے مایوس ہو کر عباد گیلانی نے حازم سے اس خواہش کا اظہار کر ڈالا۔
"کیا ہو گیا ہے پاپا آپ کو۔ جب منزل ہی نہیں رہی تو ان راستوں پر سفر کرنے کا کیا مقصد رہ جاتا ہے۔ میں آپ کو وہاں کیسے اور کیوں کرلے کر جاؤں۔" وہ خائف دکھائی دینے لگا۔
ایک تو یوں بھی صبح اٹھتے ہی حافظہ اور بابر کے لڑائی جھگڑوں نے اسے بدمزا کر کے رکھ دیا تھا۔ گھر جاتا تو حافظہ کی شکایتیں ہوتیں۔
"بابر کو سمجھاؤ۔ وہ خود سر اور منہ پھٹ ہو گیا ہے۔ اسٹڈی پر انٹرسٹ (دلچسپی) لے رہا ہے نہ کاروبار میں اس کا دھیان ہے' جانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے۔"
اب وہ حافظہ کو یہ کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ سب ان کی اپنی لاپروائیوں اور بے راہ روی کا نتیجہ ہے۔ ہاسپٹل آتا تو عباد گیلانی کا اصرار کہ مجھے ایک بار مومنہ کے پاس لے جاؤ۔
"وہ تمہاری ماں ہے حازم۔۔۔ تمہاری بات ضرور مانے گی اور مجھ سے ملنے سے انکار نہیں کرے گی۔" وہ کیوں ملنا چاہتے تھے۔ اب کیا جواز رہ جاتا تھا۔
"یہ تو مدفون جذبوں کو ہوا دینے والی بات ہوگی۔" وہ ریلنگ سے لگ کر سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے حقیقتاً" الجھا ہوا تھا۔ بستر مرگ پر پڑے باپ کی خواہش ایک طرف' ان مدفون شعلوں کو پھر سے ہوا دے کر زخمی ہونے کے مترادف تھا۔ ماں سے ملنے کا موقع۔۔۔
ماں۔۔۔ یہ لفظ دل میں کوئی خوشی کا احساس پیدا نہیں کر رہا تھا۔ بس دھندلا دھندلا سا کوئی جذبہ۔۔۔ جس کی کوئی واضح صورت نہ تھی۔
اسی نے سگریٹ بجھا کر ریلنگ سے نیچے کیاری میں پھینک دی اور دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کا باپ آس نراس کی کیفیت میں اس کے جواب کا منتظر تھا۔ اس نے ایک مضمحل سی سانس سینے کی تہہ سے خارج کی اور ڈھیلے قدموں سے کمرے میں آگیا۔

✡ ✡ ✡

حوریہ ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی۔ صبح ہوئی تب بھی اس پر بے کلی طاری تھی۔ وہ کالج نہ جا سکی تھی۔ رات بھر کی بے خوابی نے اسے بے حد سست اور پژمردہ سا کر دیا تھا۔
فضا کے ساتھ پیش آنے والے اس اندوہ ناک حادثے نے اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفلوج کر کے رکھ دی تھیں اور اب فضا کا یہ اصرار۔۔۔ وہ اس لڑکے سے مل کر اس سے شادی کی بات کرے۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری۔ اتنی دیر تک تو سوئی نہیں کبھی تم۔۔۔" رقیہ بھابھی نے کمرے میں جھانکا اسے جاگتے دیکھ کر اندر آگئیں۔

مومنہ بھی تمہارا پوچھ کے گئی ہے کالج نہیں جانا تھا کیا؟ چلو اٹھ گئی ہو تو باہر آجاؤ۔ مومنہ نے بھی ناشتا نہیں کیا ہے اس کے ساتھ ہی کرلو۔"

"جی۔ میں منہ دھو کر آتی ہوں۔" وہ بال سمیٹ کر بیڈ سے اتر گئی۔

جب باہر آئی تو مومنہ تخت پر بیٹھی تھی۔

"کالج نہیں گئیں۔" وہ چائے مگ میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

"بس آج دل چاہ رہا تھا چھٹی کرنے کو۔" وہ مگ اٹھا کر گلاس وال کی طرف چلی گئی۔ یہاں سے کھلا کھلا صاف ستھرا صحن دکھائی دے رہا تھا۔ گملوں میں لگے پودوں پر خوب رونق اتری ہوئی تھی۔

"ناشتا کرو۔ کیا خالی خولی چائے پیو گی۔" رقیہ بھابھی کچن کی جالی سے اسے دیکھتے ہوئے ڈپٹنے لگیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔

فضا کے آنسو اس کا گڑ گڑانا۔ اسے بے حد اداس کر رہا تھا۔ وہ حقیقتاً" اس کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس کے بوائے فرینڈ سے خود ملنے جانے کا تصور ہی اسے خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔

وہ جس قماش کا آدمی تھا وہ تو اس پر ظاہر ہو ہی چکا تھا۔

وہ تذبذب کا شکار تھی کہ فضا کو کیا جواب دے۔ اس نے ایک گہری سانس بھری اور پیشانی گلاس وال پر ٹکا کر باہر صحن کو گھورنے لگی۔

مومنہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تخت سے اٹھ کر اس کے نزدیک چلی آئی۔

"کیا بات ہے تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" ان کا ہاتھ اس کے نرم گداز کندھے کو سہلانے لگا۔

وہ ایک خفیف سی سانس بھر کر پلٹی۔

"کل ٹیسٹ ہے نا میرا' سوچ رہی تھی کہ آج کالج چلی جاتی تو اچھا ہوتا فضول چھٹی کرلی۔ کچھ پڑھائی ہی ہو جاتی۔"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ پہلی بار وہ اپنی پریشانی ان سے شیئر نہ کرپائی تھی۔ پتا نہیں کیوں فضا کے ساتھ پیش آنے والے اس حادثے کا وہ انہیں نہیں بتاپائی۔

"چلو اب تو چھٹی کرہی لی ہے تو۔ سوچنا کیا۔ آؤ ناشتا کرلو۔ میں تمہارا ہی انتظار کررہی تھی۔"

"ارے پھوپھو آپ نے اب تک ناشتا نہیں کیا۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر آکر بیٹھ گئی رقیہ بھابھی نے وہیں ناشتا رکھ دیا تھا۔

"پراٹھا بنادوں مومی۔"

"اوہوں۔ نہیں میں تو نہیں کھاؤں گی۔ حوریہ کے لیے دے دیں۔"

"نہیں نہیں امی۔ میں بریڈ کھاؤں گی۔"

"یہ کہاں کھائے گی پراٹھا۔ اسے تو اپنی پھوپھو کی طرح اسمارٹ ہی رہنا ہے نا۔ماں کی طرح موٹی تازی نہیں ہو جانا۔" رقیہ بھابھی ہنستے ہوئے بولیں۔ مومنہ بھی مسکرانے لگتی ہے۔

"امی اب آپ۔ اتنی موٹی بھی نہیں ہیں۔" حوریہ انہیں چھیڑتے ہوئے بولی اور مومنہ کو آنکھ ماری ہے۔ رقیہ بھابھی دونوں کو گھورتی ہیں اور مسکرا دیتی ہیں۔

حوریہ ناشتا کرکے اٹھ گئی تو مومنہ برتن سمیٹنے لگی تو رقیہ بھابھی اسے روکتی ہیں۔

"تم رہنے دو مومنہ۔ میں سمیٹ لیتی ہوں۔" وہ کچن سے باہر آتی ہیں۔
"ہاں تو ملازمہ بھی بس آتی ہی ہوگی۔ اب دیر سے آنے لگی ہے ایک اور کام باندھ لیا ہے اس نے۔ اپنی بیٹی کو دن رات رکھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نے کہا چھوڑ جاناد یکھ لیتی ہوں۔"
"ہاں یہ اچھا رہے گا۔" مومنہ تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے جواباً بولی اسی دم فون کی بیل ہونے لگی یاور علی بھی اسی طرف آرہے تھے۔ مگر اس اثنا میں مومنہ ریسور اٹھا چکی تھی۔
"وعلیکم السلام!" وہ اپنی مخصوص نرم آواز میں بولی دوسری طرف سلام کا جواب دے کر اپنا تعارف کرایا جارہا تھا۔
"میں حازم گیلانی بات کررہا ہوں' کیا میں مومنہ یاور علی سے بات کرسکتا ہوں۔ یہ یاور علی صاحب کا ہی گھر ہے نا۔" دھیمی مگر بھرپور مردانہ آواز۔
"حازم..." مومنہ کو اپنا دل کسی مفلوج پرندے کی طرح پھڑپھڑاتا محسوس ہوا۔ اتنے برسوں بعد جیسے وہی مانوس سی آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔
اس کے شریانوں میں خون کی گردش سمندر کی سوچوں کی طرح تیز ہوکر ٹھوکریں مارنے لگی تھی۔
"کیا میں مومنہ یاور علی سے بات کرسکتا ہوں۔" ماؤتھ پیس سے دوبارہ آواز گونجی مومنہ کچھ دیر اعصاب شکن احساس کے ساتھ یونہی کھڑی رہی پھر اس کے ہاتھ کی گرفت ریسیور پر ڈھیلی پڑگئی۔ اس نے قریب آتے یاور علی کو ریسیور پکڑادیا اور پلٹ گئی۔ اور اضطراری انداز میں ریلنگ کے پاس جاکھڑی ہوئی جہاں کچھ دیر پہلے حوریہ کھڑی تھی۔
وہ اپنے منتشر اعصاب سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔
یہ اس کے بیٹے حازم کی آواز تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔
کیا بات؟ اور کیوں؟۔
کیا وہ اسے جانتا ہے؟ اتنے سالوں بعد اسے کیا ماں کی یاد آئی ہے یا دلائی گئی ہے یا فون کرنے کی کوئی اور وجہ۔
کہیں عباد کی موت کی خبر۔ اف
اس کا دل اپنی ہی اس سوچ پر لرز گیا اس نے گھبرا کر ایک لمبی سانس کھینچی اور چہرہ موڑ کر دیکھا یاور علی فون بند کرچکے تھے اور اس کی طرف آرہے تھے رقیہ بھابھی اور حوریہ اپنی جگہ کھڑے تھے' یہ صورت حال ان کے لیے بھی انہونی تھی۔ یاور علی کے چہرے پر غیر معمولی پن تھا۔ وہ مومنہ کے نزدیک آگئے۔
"حازم تھا۔ تم نے اس سے بات کہیں کی۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔" یاور علی کا لہجہ اندرونی خوشی سے لبریز تھا۔
"حازم۔ تمہارا اپنا بیٹا مومنہ۔ وہ تم سے ملنے آنا چاہتا ہے۔"
انہوں نے اپنا خوشی سے کانپتا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا مومنہ یاور علی کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ کوئی انہونی خبر دے رہے ہوں۔
"کیا... واوہ۔ حازم۔ مومنہ پھوپھو کے بیٹے حازم۔" حوریہ خوشگوار حیرت سے چیخ کر بھاگ کر ان دونوں کے پاس آئی۔
مومنہ نے ایک نظر یاور علی اور حوریہ کی طرف دیکھا اس کے دھیان کی رو کہیں اور بہہ رہی تھی پھر جیسے اپنے دل سے اٹھنے والی لہر کو دباتے ہوئے بولی۔
"وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ کیا اپنے باپ کی معافی تلافی کے لیے۔"

"بات جو بھی ہو۔ تمہارا بیٹا تم سے ملنا چاہتا ہے کیا تمہیں اس سے ملنے کی تمنا نہیں ہے۔" یاور علی اس کے چہرے پر پھیلنے والے اجنبیت کے سایوں کو دیکھ رہے تھے۔

مومنہ کے دل سے ایک کراہ چھیدتی ہوئی نکل گئی وہ افسردگی سے ہنس پڑی۔

"اپنی حیثیت، اپنے رتبے کو منوانے کے لیے اتنے سالوں کا کٹھن دار سفر طے کرنا پڑا ہے کہ اب اپنے ماں ہونے کا گمان تک نہیں رہا۔ صاحب اولاد ہوں اس کا گمان تک مٹ گیا ہے۔"

رقیہ بھابھی نے تڑپ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ایسے نہ کہو مومی۔"

"اسے کہہ دیجیے بابا جان کہ اگر وہ صرف بیٹا بن کر اور ایک ماں کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے آنا چاہتا ہے تو میں اس سے ملنے کے لیے حاضر ہوں۔ اگر وہ اپنے باپ کا بیٹا بن کر۔ اس کی معافی تلافی کے لیے، مجھ سے بھیک مانگنے آنا چاہ رہا ہے تو اسے منع کر دیں۔"

وہ یکدم خود کو ہر احساس سے باہر نکال کر بے لچک لہجے میں بولی۔

یاور علی کو اس جواب کی توقع نہیں تھی وہ اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ مومنہ ان سے نظریں چرا کر جانے لگی کہ وہ جلدی سے بولے۔

"ٹھہرو.... میں تمہاری اس سے بات کرا دیتا ہوں تم خود اسے یہاں آنے سے روک دو۔ میرے اندر کا باپ اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ اس خوشی کے کھلنے والے دریچے کو پکڑ کر بند کر دے۔

اس گھپ اندھیرے میں تمہارے لیے وہ روشنی نہ سہی میرے لیے ایک ننھی سی خوشی کی کرن ضرور ہے۔ تم چاہو تو مجھے اندر باہر سے بے نور کر دو۔ آجاؤ۔ بات کرو اس سے اور روک دو اسے یہاں آنے سے۔"

وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے فون اسٹینڈ کی جانب بڑھے۔

حوریہ نے اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی غرض سے مومنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور یاور علی کو دیکھا یہ وا دو کیا کرنے جا رہے تھے۔

مومنہ چبھتی دہکتی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی بھوری آنکھوں کے کانچ پر آتی دھندلاہٹ تھی کہ یاور علی کو ایک پل اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ مگر انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"میں اس گھر کے دروازے اس پر بند نہیں کر سکتا۔ وہ میرا نواسا ہے، چاہے تم قبول کرو یا نہ کرو۔ اس سے بات کرو نہ کرو۔ چاہے اسے یہاں آنے سے روک دو۔ میرا رشتہ اس سے اٹل ہے۔"

مومنہ اعصاب شکن احساس سے خاموش کھڑی رہی۔ پھر اس خامشی سے وہ کمرے سے چلی گئی۔

حوریہ نے اس بند دروازے پر نظر ڈالی جہاں مومنہ جا کر بند ہو گئی تھی پھر اس نے یاور علی کو دیکھا اور ان کے کندھے پر تسلی آمیز دباؤ ڈالا۔

"ابھی پھوپھو پریشان ہیں یہ سب اچانک ہے ان کے لیے۔ شاید اس لیے ...."

یاور علی کے چہرے پر بے چارگی کا رنگ پھیلا ہوا تھا حوریہ کو دیکھا اور سہلاتے ہوئے بولے۔

"جو بھی ہے۔ میں حازم کو یہاں آنے سے ہرگز نہیں روکوں گا۔ چاہے اس کے آنے کا جو بھی مقصد ہو۔ مومنہ تو پاگل ہے.... حوریہ۔ تم اسے سمجھاؤ ساری زندگی تو اس ایک غم کے سوگ میں گزار دی۔ لاحاصل کی دھوپ میں سلگ سلگ کر اپنی جوانی کو جلا ڈالا۔ مگر اولاد کی کمی بھلا ختم ہوتی ہے یہ آگ بجھتی ہے۔

پوچھو اس سے وہ اس دہلیز پر بیٹھ کر کس کا انتظار کرتی رہی ہے۔ عباد کا تو نہیں نا۔ حازم کا ہی۔ اس کی آنکھیں اس کو ایک نظر دیکھنے کو ترستی رہی ہیں۔ ماں کا دل اور آنکھیں کبھی مایوس نہیں ہوتیں۔ اور آج جب وہ آ رہا ہے

برسوں کی تمنا پوری ہو رہی ہے تو وہ پاگل روشنی کا خوشی کا در بند کر رہی ہے۔ حوریہ کوئی بادل اس طرف آئے گا برسے گا تو ہی یہ حبس یہ گھٹن ختم ہو گی نا۔"

"آپ۔ آرام کریں۔ میں انہیں ایسا کرنے ہرگز نہیں دوں گی۔" اس کا لہجہ تسلی دیتا ہوا تھا۔ یاور علی اپنی اسٹک پر کانپتے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئے۔

☆ ☆ ☆

بابر نے اپنا سیل فون ٹیبل پر پھینکا اور جوتوں سمیت صوفے پر دراز ہو گیا اور ادھر ادھر بکھرے کشنوں سے ایک کشن اٹھا کر سر کے نیچے دبایا اور سگریٹ سلگا کر اس کے ہلکے ہلکے کش لگانے لگا۔

"بابر۔ تم کب آئے۔" عاظمہ نے اندر جھانکا مگر وہ یونہی بے دلی سے سگریٹ پیتا رہا۔

"خبر ہے تمہیں۔ تمہارے پاپا کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی ہے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔"

اس نے فقط بھنویں اچکا کر ماں کو نظر بھر کر دیکھا۔

"ارے اس عورت سے معافی تلافی کرتے پھر رہے ہیں جسے 22 سال پہلے چھوڑ چکے ہیں۔" وہ کشن ہٹا کر اس کے پیر ایک طرف ہٹا کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"سمجھ نہیں آرہا۔ یہ عباد خود کو اتنا کیوں گرا رہا ہے اس مڈل کلاس گھرانے کے آگے جس سے اس کا اب کوئی واسطہ نہیں۔ اور اس پر یہ کہ حازم اپنے باپ کی ہر خواہش بلا چوں چرا ماننے پر کمربستہ ہے۔" بابر نے بے ساختہ ایک متاسفانہ سانس کھینچ کر عاظمہ کو دیکھا۔

"معافی ہی مانگ رہے ہیں نا نکاح تو نہیں کر رہے ہیں جو آپ اتنی بوکھلائی ہوئی ہیں۔ کم آن مما یہ ان کی پرسنل فیلنگز (احساس) ہے اور آفٹر آل حازم کا تو وہ خون کا ریلیشن (رشتہ) ہے نا۔ وہ اس کی ماں ہے۔" پھر ہنس کر بولا۔

"پاپا کو اب اپنی آخرت کی فکر پڑ گئی ہے وہ اسے سنوارنے کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ آئی تھنک وہ گلٹی فیل کر رہے ہیں۔"

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" عاظمہ نے ترخ کر اسے شاکی نظروں سے دیکھا اور صوفے سے اٹھنے لگیں تو بابر نے ہنسی روکتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بیٹھیے ادھر۔ ہر وقت غصہ نہ کیا کیجیے' غصہ صحت کے لیے مضر ہے۔ یہ وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتا ہے۔" اس کے انداز میں شرارت تھی۔

"کیا۔۔۔۔۔ میں بوڑھی نظر آرہی ہوں تمہیں۔"

"ارے رے۔ بوڑھی ہوں آپ کی دشمن خواتین۔" خدانخواستہ میں آپ کو بوڑھا نہیں کہہ رہا مگر اس خطرے کا احساس دلا رہا ہوں' اگر اسی طرح غصہ کرتی رہیں تو بوڑھی ہو سکتی ہیں۔"

"چالاک نہ ہو تو۔" وہ ہنوز اسے مصنوعی خفگی سے گھورتی رہیں پھر یک دم اسی جون میں آتے ہوئے بولیں۔

"مذاق چھوڑو۔ تم نہیں جانتے میں کتنی پریشان ہوں۔ تم کم عمر ہو۔ مگر میں نے دنیا دیکھی ہے۔ تمہارے باپ کا پھر سے اس گھر سے تعلق جڑنا مجھے خطرے کا سگنل دے رہا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں مام۔" بابر نے استفہامیہ نظروں سے عاظمہ کو دیکھا۔

"وہ حازم کی سگی ماں ہے کل کلاں اس کا جائیداد میں حصہ دینے کا سوچ لیا تمہارے پاپا نے پھر۔"

"وہ کم آن ماما۔ جائیداد میں کیسا حصہ۔ پاپا اور ان کی ڈائیورس (طلاق) ہو چکی ہے۔" بابر نے لاپروائی سے ان کی بات سنی ان سنی کر دی۔ مگر عاظمہ ہنوز سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"اس کا حصہ نہ سہی۔ مگر عباد کی ڈیتھ (انتقال) کے بعد حازم ہو سکتا ہے اسے اس گھر میں لے آئے۔ آفٹر آل وہ اس کی ماں ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ اس کا اس کی ماں سے ملنا ملانا شروع ہو جائے۔ جس رشتے پر برسوں خاک پڑی رہی۔ اب اس عمر میں اس خاک کو ہٹا کر اس میں سے شعلہ جلانے کی کیا ضرورت ہے عباد کو۔"

وہ اپنا ماتھا۔ جیسے پیٹتے ہوئے بولیں پھر بابر کو دیکھا۔

"کیا میں یہ سب جو بکواس کر رہی ہوں کب سے۔ تمہاری کچھ سمجھ میں آیا یا نہیں۔" پھر جیسے خود ہی جواب دیتے ہوئے بولیں۔

"تمہارے پاس تو فالتو ٹائم ہونے کے باوجود بزنس دیکھنے کا ٹائم نہیں' بس اپنی عیاشیوں میں پڑے رہتے ہو۔ سارا بزنس حازم کے ہاتھ میں ہے کل کلاں وہ پورا خاندان ادھر براجمان ہو جائے گا اور ہم دونوں کو ایک سائڈ کر دے گا۔"

عاظمہ کے لہجے میں تشویش تھی اب کے بابر بھی ان کی اس بات پر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔

"اوہ بات تو آپ کی کچھ کچھ دل پر لگ رہی ہے۔" پھر سر خفیف سے انداز میں جھٹکتے ہوئے بولا۔

"مگر میرا نہیں خیال مما کہ حازم اتنے برسوں کے بعد ان رشتوں کو اتنی امپورٹنس (اہمیت) دے گا اینی وے۔ آپ ٹینشن مت لیں۔ میں ہوں نا۔"

وہ پھر صوفے پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ اسے اس وقت نیند کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تنہائی چاہتا تھا مگر عاظمہ نے اس کی تنہائی میں مخل ہو کر اسے جیسے بدمزہ کر دیا تھا۔

"اونہہ۔ تم ہو۔ تم اتنے ایبل (قابل) ہوتے تو بات ہی کیا تھی۔"

عاظمہ نے اسے طنز سے دیکھا اور آئینے کے سامنے جا کر بالوں میں لگے رولر کو ہلکے ہلکے دبانے لگیں۔

"آج آپ سوئے اتفاق گھر پر کیوں دکھائی دے رہی ہیں آئی مین کوئی تقریب کسی کی برتھ ڈے پارٹی۔ کوئی سیمینار وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ گھر پر نہ بیٹھا کریں الٹا سیدھا سوچتی رہتی ہیں۔"

وہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میرا سر کھاتی رہتی ہیں مگر وہ انہیں مزید یہ غصہ دلانا نہیں چاہتا تھا۔

عاظمہ نے ایک بھنچی بھنچی سانس بھری ان کے چہرے کے زاویوں میں کھنچاؤ آگیا تھا۔

"کوئی سننے والا نہیں ہے میرا۔ جب سر پر پڑے گی تب پتا چلے گا۔ سگی اولاد ایسی ہے تو سوتیلے پر کیا ٹرسٹ (بھروسا) کروں۔ مرتے مرتے عباد میرے پیروں سے زمین کھینچ کر لے جائے گا۔ دیکھ لینا تم۔"

وہ جلتی کڑھتی کمرے سے نکل کر دروازہ اپنے پیچھے دھاڑ سے بند کر گئیں۔

بابر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ اس نے اپنی کھڑی ستواں ناک پر ہلکے سے انگلی پھیری۔ جو اس کی عادت بن گئی تھی۔ پھر ایل سی ڈی کا ریموٹ اٹھا لیا۔

اس کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ اس نے سیل فون کو گھورا۔ پھر جو نمبر دکھائی دے رہا تھا اسے دیکھ کر اس کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔

بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ اس نے ناچار موبائل اٹھا لیا اور ہیلو کہا۔

دوسری طرف ایک نا آسودہ آواز ابھری۔

"مجھے پتا ہے تم مجھ سے بات کرنا نہیں چاہتے۔"

"جب پتا ہے پھر یہ زحمت کیوں کی۔" وہ رکھائی سے بولا اس کا لمبا چوڑا وجود صوفے پر بے تکے پن سے پڑا ہوا تھا۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

اوہ۔ وہ سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کے تراشیدہ ہونٹوں کے درمیان استہزائیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"میرا تو خیال تھا اس خوب صورت بھرپور ملاقات کے بعد تم میرا منہ تک دیکھنا گوارا نہیں کرو گی" وہ ہنسا' پھر بولا۔

"چلو تم چاہتی ہو تو ایسی ملاقات کا سواد اٹھا لیتے ہیں ایک بار پھر۔"

"بابر۔" وہ چلائی۔ "آہستہ۔ سن رہا ہوں۔ چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑا برا لگا۔ تمہیں۔"

"تم جو سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"میں تو کچھ نہیں سمجھ رہا۔ تم ملنا چاہتی ہو۔ تم نے ہی ملنے کی بات کی۔"

"ہاں۔ مگر میں ملنا چاہتی ہوں اسی کیفے ٹیریا میں جہاں ہم چائے پینے جاتے تھے۔ یہ ملنا ضروری ہے۔ کیا تم آسکتے ہو وہاں۔" وہ اس کی تضحیک آمیز رویے کو تحمل سے برداشت کرتے ہوئے بولی۔

"ہوں۔ کیفے ٹیریا میں کیوں ڈارلنگ جگہ تو وہ بھی بری نہیں تھی جہاں ہم اس روز ملے تھے۔"

"ایکچوئیلی میں اپنی ایک فرینڈ سے تم کو ملوانا چاہ رہی ہوں۔ وہ ملنا چاہتی ہے تم سے۔"

"واؤ۔" بابر کے ہونٹ یک دم سیٹی کے انداز میں سکڑے اس نے اپنے موبائل کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی انہونی چیز ہو۔ دوسرے پل وہ ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"کہیں تمہاری وہی فرینڈ تو نہیں ہے جس کے بارے میں تم مجھے ایک بار بتایا تھا وہ جو تمہیں بڑی نصیحت وصیت کرتی رہتی ہے۔ سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔"

اس کا لہجہ سراسر مذاق اڑاتا ہوا تھا۔ پھر یک دم ہنستے ہوئے بولا۔

"کہیں اس کا دل تو مجھ پر نہیں آگیا۔" وہ اپنی ہی باتوں پر گویا محظوظ ہو رہا تھا۔

دوسری طرف لائن میں چند لمحے خاموشی رہی۔ بابر نے ہلکے سے موبائل پر انگلی بجائی۔

"کیا تم کل آرہے ہو پھر۔" وہ تحمل سے بولی۔

"ڈیئر۔۔۔ بات تم نے کچھ ایسی کردی ہے۔ ڈیئر کہ اب ملنے کی طلب بڑھ گئی ہے۔ پھر کیا خیال ہے کل سیٹ کروں وہ جگہ۔۔۔۔"

"بابر۔۔۔ پلیز۔۔۔" وہ جیسے زچ ہو گئی۔

"ہم کیفے ٹیریا مل رہے ہیں۔" دوسری طرف یہ کہہ کر فضا نے فون رکھ دیا۔

بابر نے ہلکے سے سیٹی بجائی اور موبائل سائیڈ ٹیبل پر پھینکا اور کشن گود میں دبا کر صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اس کی آنکھوں میں خمار اترنے لگا۔

کچھ عورتوں کا حصول کتنا آسان ہوتا ہے چند کھنکتے سکوں جیسے جملوں میں اپنا آپ سونپ دیتی ہیں۔ کچھ اجنبی آشنا لمس سے ریشم کے تھان کی طرح کھل کر اپنا آپ سونپ ڈالتی ہیں اور کچھ محبت کے ساتھ مادہ پرست بھی ہوتی ہیں۔ خواب' محبت مادی روپ میں پاکر زیادہ مسرور ہوتی ہیں۔ خواہشوں کی ڈور تھامے تھامے جذبات کے دھارے میں بھی خود کو کیش کرانا نہیں بھولتیں۔

ان میں ایک نام فضا تنویر کا بھی تھا۔ ایسی عورت کا نہ دل خوب صورت ہوتا ہے' نا اس کی محبت میں چاشنی ہوتی ہے۔ وہ صرف ایسا لباس ہوتی ہیں جسے ایک بار پہن کر دوبارہ پہننے کو دل نہیں کرتا۔

بابر کی شریانوں میں خون کے ساتھ فضا تنویر کے لیے حقارت اور نفرت دوڑ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

فیصلوں کی ندامت سے
تکلیف وہ دکھ نہیں ہوتا

وقت کے دشت بے برگ میں
واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا

کہتے ہیں ادراک کا ایک لمحہ پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے مگر اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ساری رعنائی، دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر رنگ روشنی خیرات کر جاتا ہے۔ عباد گیلانی پر ادراک کا لمحہ جب وا ہوا جب سارے پتے اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ بڑھتی عمر کے ساتھ اسے بہت قیمتی شے کے کھو دینے کا احساس ہوا تھا۔ ایک خلا، ایک کمی جیسے جسم و جاں سے لپٹ کر رہ گئی تھی اور عمر کے اس حصے میں تو... وہ خود کو بے آب و گیاہ صحرا کی طرح محسوس کر رہا تھا جسے مومنہ یاور علی کے ٹھنڈے میٹھے سایہ دار وجود کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"مگر اب وہ اس کے لیے شجر ممنوعہ تھی مگر وہ اس سے اپنے کیے کی ایک بار معافی مانگ کر اپنے دل پر رکھے بوجھ کو کچھ کم کرنا چاہتا تھا۔ جب حازم نے اس سے کہا کہ "ہم آج شام جا رہے ہیں میں نے ڈاکٹر زمان سے بات کر لی ہے۔" اسے لگا جیسے دل کے خاموش سناٹے میں ساز سے بج اٹھے ہوں۔

انہیں برسوں بعد کوئی خوشی ملی ہو۔

کوئی البیلی مہکتی خوشی۔

برسوں کا جمود ٹوٹا ہو۔

اکتائے ہوئے افسردہ اندھیرے کا دم ٹوٹا ہو اور جگر جگر کرتی روشنیاں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل گئی ہوں۔ حازم نے ان کا چمکتا چہرہ دیکھا۔ وہ بچوں کی طرح خوش و خرم دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے سوچا یہ کیسی لہر ہے۔ جس نے پاپا کے بجھے ہوئے وجود کو زندگی بخش دی۔ فقط ان سے ملنے کا سوچ کر ہی وہ اتنے خوش باش دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا اس عورت کا وجود حقیقتاً" ایسا ہی ہے جیسا پاپا کی آنکھوں میں دکھائی دے رہا ہے۔

"حازم کیا تمہاری اس سے خود بات ہوئی ہے۔ اسے علم ہے اس بات کا کہ میں چند دنوں کا مہمان ہوں اس دنیا میں۔" گاڑی میں بیٹھے راستے بھر وہ بچوں کی طرح اس سے سوالات کرتے رہے۔

"آپ چند دنوں کے مہمان نہیں ہیں پاپا۔ آپ کی زندگی بہت لمبی ہے' یہ دیکھیں آپ کیسے تازہ دم دکھائی دے رہے ہیں۔ کہیں سے لگتا ہے کہ آپ بیمار ہیں۔"

حازم کی خوش نما آنکھیں جیسے کسی شفیق باپ کی طرح اٹھ کر مسکرائی تھیں۔

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں کسی چھوٹی موٹی بیماری میں مبتلا تھا اور اب ایک دم سے ٹھیک ہو گیا ہوں۔"

"شاید نہیں یقیناً" آپ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے اور یہ وعدہ رہا ہے کہ آپ کا آپ میرے ساتھ لندن ضرور جائیں گے۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی مائے سن۔" (میرے بیٹے) وہ زیر لب مسکرائے۔ پھر جیسے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے بولے۔

"کتنی عجیب بات ہے حازم... محبت کے فلسفے پر میں کبھی یقین ہی نہیں کرتا تھا۔ میرے نزدیک یہ محض ادیبوں' شاعروں کا اپنا ذہنی فتور تھا۔ ہر رشتہ غرض کا ہوتا ہے۔ شاید اس لیے کہ میں نے یہی دیکھا تھا' یہی پرکھا تھا مگر جب عمر کا ایک حصہ آیا جہاں مجھے یہ احساس شدت سے ہوا کہ "محبت" ہے کوئی پاور فل جذبہ... تب تک

میں محبت کھو چکا تھا۔ وہ میرے پاس اپنے نرم پر پھیلا کر آئی تھی مگر میں نے اس کی آہٹ محسوس نہ کی یا در خور اعتنا نہ سمجھا۔ محبت کا پھول بہت نازک ہوتا ہے۔ کسی بھی ناموافق جھونکے سے ٹوٹ جاتا ہے' پتی پتی بکھر جاتا ہے۔"

عباد گیلانی کا دل ماضی کی اداس ساعتوں میں سفر کرنے لگا تھا۔

حازم کا ہاتھ بے ساختہ ان کے کندھے پر تھپکی کے انداز میں آیا مگر وہ اس کی طرف نظریں چرائے بظاہر مسکرانے کی کوشش کرنے لگے مگر ناکام رہے۔ حازم کو لگا ان کے سینے میں مدفن پھر ان ہی شعلوں پر ہوا پڑی ہو۔

"جس طرح آپ جبراً" اپنی محبت کسی کے دل میں نہیں اتار سکتے' اسی طرح کسی کی محبت کو لاکھ کوشش کر کے بھی اپنے دل سے نہیں نکال سکتے۔ یہ کسی مانوس پنچھی کی طرح آپ کے دل کے پنجرے سے نہیں نکلتی۔" وہ گاڑی کے شیشے سے شام کے ملگجے اندھیرے کو گھورنے لگے۔

"کہتے ہیں انسان کی فطرت بھی کچھ عجیب ہی ہے حازم... وہ صرف محبت سے نہیں بہلنا چاہتا اس کے پیش نظر اس کی مادی اور نفسیاتی خواہشات کا ایک نہ ختم ہونے والا آسمان ہوتا ہے جس میں اڑے بغیر وہ چین نہیں پاتا خصوصاً" جب پرواز کی طاقت ہو' خواہشات کو پر ملے ہوں تو وہ آسمان کی وسعتوں میں گم ہو جاتا ہے' کبھی واپسی کا راستہ اس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔

"حازم' مجھ جیسے لوگ محبت کو محض شغل کے طور پر اختیار کرتے ہیں مگر جب عمر کا دریا اترنے لگتا ہے' اس کی جولانی اور تندی میں کمی آنے لگتی ہے' تب وہ سود و زیاں کا حساب لگاتے ہیں مگر اس وقت فقط ہاتھ آتا ہے تو رائگاں جانے کا دکھ... خسارہ ہی خسارہ... اضطراب... پچھتاوے... بس اور کچھ نہیں۔"

وہ جیسے خود پر ہنس رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ یوں ابھر کر ڈوب گئی جیسے شام کے تھکے ساحل پر نڈھال اور تھکی لہر ٹکرا کر بکھرنے لگے۔ حازم کا موبائل بجنے لگا تو ماحول پر چھائی افسردگی کا سناٹا ایک چھناکے سے ٹوٹا۔ دوسری طرف یاور علی تھے وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور راستے کا پتا پوچھنے لگا۔ ان کے بتائے ہوئے پتے پر حازم کو پہنچنے میں زیادہ وقت نہ ہوئی۔

وہ شہر کا ایک صاف ستھرا نیم پوش علاقہ تھا۔ گاڑی رک گئی۔ وہی مانوس خوش نما مکان... عباد گیلانی کا دل سینے کی دیوار سے کسی الہڑ دوشیزہ کے دل کی طرح دھڑکا تھا۔ ایسی طلب اور اضطراب تو انہیں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ جیسے اس وقت ہو رہا تھا... آہ...

بہار کیا اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے
میں برگ صحرا ہوں یوں بھی مجھ کو ہوا اڑائے تو کچھ نہ پائے

اسے گنوا کے پھر اس کو پانے کا شوق اس دل میں یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

وہ ایک تکلیف دہ احساس سے گزرتے ہوئے اس مکان کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔

"پاپا... ماضی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کریں گے آپ..."

حازم ڈور بیل پر ہاتھ رکھتے ہوئے باپ کی بیماری کے پیش نظر بولا۔ اس کے چہرے پر تشویش تھی... وہ مضطرب دکھائی دینے لگا تھا۔ عباد گیلانی نے مبہم سے انداز میں مسکرا کر سر ہلا دیا۔ ایک افسردگی ان کا دل کاٹ رہی تھی۔ ماضی کے حوالے سے ان کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے۔ ماضی کا حوالہ ہی تو تھا جو انہیں کشاں کشاں یہاں تک لے آیا تھا۔ یہی باد صرصر تو اسے اڑائے اڑائے پھر رہی تھی' کسی پل چین نہ لینے دیتی تھی۔

ہمارے بعد ہیں کچھ لوگ کیسے، دیکھ تو آئیں
چلو اس شہر کو اک بار پھر سے دیکھ تو آئیں

کسی دن آرزوؤں کے کھنڈر میں جھانک کر ہم بھی
درو دیوار پر کیا کیا ہیں جالے، دیکھ تو آئیں

ہوا میں ڈولتی خوشبو پتا خود ہی بتادے گی
چلو رستوں پر تھوڑی دور چل کے دیکھ تو آئیں

دروازہ یاور علی نے ہی کھولا تھا وہ انہیں پرتپاک انداز میں ملتے ہوئے اندر لے آئے۔ عادل بھائی بھی اخلاقاً" رسمی انداز میں ملنے لگے۔ حازم سے بہر حال پرتپاک انداز میں ملے تھے۔ حازم، مومنہ سے ملنے کو بے چین نظر آنے لگا۔ اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔ وہ اپنے ماموں کو جانتا تھا۔ ان سے ملنے پر بھی کسی قسم کا کوئی جذبہ نہیں ابھرا مگر یہاں آکر اسے لگا وہ اپنے باپ کی طرح اس ہستی سے ملنے کو لاشعوری طور پر ضرور مضطرب ہے۔ دروازہ کھلا اور ایک مہکتی خوب صورت لڑکی داخل ہوئی سبز اور سفید کنٹراس کے لباس میں بہار کے اولین جھونکے کی مانند تھی۔ حازم نے اپنی فطرت کے خلاف اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔

"یہ حوریہ ہے، عادل کی بیٹی، مومنہ سے بہت زیادہ اٹیچڈ ہے۔" یاور علی نے اس کا تعارف کرایا۔ عباد گیلانی نے بڑی شفیق نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ چونکے ضرور تھے۔ اسے اس میں مومنہ کا عکس بہت واضح دکھائی دیا تھا ویسے ہی آنکھوں کے بھورے کانچ۔ جس میں البیلی مسکراہٹ رچی ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے

اٹھے تھے، مومنہ سے قریب ہر شے انہیں عزیز لگ رہی تھی۔

"حوریہ... یہ حازم ہے میرا بیٹا..." انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میرا مطلب ہے تمہاری پھوپھو کا بیٹا... تمہارا کزن..." وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ اس نے حازم کی طرف دیکھا۔ حازم بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر وہ اخلاقاً "اور رسماً" مسکرا دی۔ اس کی آنکھوں کے بھورے کانچ پلکوں کی باڑھ اٹھانے پر دمکتے ہیروں کی مانند لگ رہے تھے۔ حازم نے یک دم نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ عجیب بے پروا اور معصوم مہکتا سا حسن تھا۔ ایسا نہیں تھا اس نے حسن نہیں دیکھا تھا مگر اس میں بلا کی کشش تھی۔ جبکہ ادھر حوریہ عباد گیلانی کی سحر انگیز شخصیت سے متاثر سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دل میں دکھ کی لہر اٹھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش... وہ اس کی مومنہ پھوپھو کے لیے آج بھی محرم ہوتے۔

عباد گیلانی سے مل کر حقیقتاً" وہ اداس ہو رہی تھی۔ اتنی شان دار پرسنالٹی والا شخص اس قدر مکروہ کردار کا ہو سکتا ہے۔ وہ بے چین سی ہو کر وہاں سے بہانہ بنا کر اٹھ گئی۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی حازم کو ایک لمحے کو لگا جیسے اس گوشے سے کائنات کا سارا حسن سمیٹ کر چلی گئی ہو۔ تاہم اس کی موجودگی کا یہ احساس خوشبو کی طرح چند لمحے اس کے احساس پر سوار رہا مگر وہ جلد ہی اپنے فطری جذبوں کی لگام کھینچ کر یاور علی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ عباد، یاور علی کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں... وہ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرے گی مگر میں وعدہ کرتا ہوں اس کو پریشان نہیں کروں گا" نہ اصرار کروں گا۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ نے اپنے گھر کے دروازے میرے اور حازم کے لیے کھولے ہیں۔" حازم پہلی بار اپنے باپ کو اتنی نرمی اور عاجزی سے کسی کے آگے بات کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ کہیں سے ماضی کے عباد دکھائی نہ دے رہے تھے۔

متکبر...

تند مزاج...

بد مزاج...

ادھر مومنہ کو کسی نے نہیں بتایا تھا کہ عباد گیلانی بھی حازم کے ہمراہ آیا ہوا ہے۔ بیٹے کی آمد کا سن کر... اس سے ملنے کی فطری تڑپ اسے بے قرار کر گئی۔ وہ جذبات کی رو میں بہتی ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔ وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے کو دیکھنے اسے سینے سے لگا کر برسوں کی پیاس بجھانے کی تمنا سے لبریز اندر آئی تھی مگر عباد گیلانی کو دیکھ کر اس کے قدم لڑکھڑا کر وہیں جم گئے۔

اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت چھلکی، پھر یہ حیرت یوں چٹخی جیسے بہت اونچائی سے کوئی کانچ کا گلدان کسی کھردری سطح سے جا ٹکرایا ہو۔ دوسرے پل کرچیوں کو وہ اپنی ہی آنکھوں میں چبھتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

سالگرہ نمبر

امت العزیز شہزاد

محبت کے صدقے

"یہ تم پچھلے آدھے گھنٹے سے اپنا فون ہاتھ میں کیوں لیے بیٹھی ہو؟ اسے رکھ دو نیچے اور میرا یقین کرو مجھے تمہارا فون چرانے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں۔"

عشنا جو بیڈ پر اپنا لیپ ٹاپ لیے بیٹھی نیٹ پر "دی گارجین" کا کوئی آرٹیکل پڑھ رہی تھی' نے سامنے صوفے پر کافی دیر سے ایک ہی زاویے سے بیٹھی عفیرہ کو نظر اٹھا کر دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اور عفیرہ جو واقعی بڑے اضطراری انداز میں بار بار اپنے سیدھے ہاتھ میں موجود سلور آئی فون کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی بات پر ایسے چونکی جیسے کسی خیال سے جاگی ہو۔

"تم مجھ پر غور فرمانے کی بجائے اپنا کام توجہ سے کرو۔" عفیرہ نے اسے ناپسندیدگی سے گھورکا۔ اور اب کی بار اپنا فون بھی قریب ہی رکھ لیا۔ مگر بے قرار نگاہیں تھیں کہ بھٹک بھٹک کر وہیں' یعنی فون کی اسکرین سے جا ٹکرا رہی تھیں۔

"لیکن پتا تو چلے کہ آخر تم کس پریشانی میں مبتلا ہو۔" عشنا نے اس بار ذرا سنجیدگی سے اس پر غور شروع کر دیا تھا۔

آتشی گلابی سفید پھولوں والے گھٹنوں تک آتے کرتے' سفید پاجامے میں ملبوس' زرقون کے ایئر رنگز بلو ڈرائی کیے ہوئے شہد رنگ کے کمر پر لہراتے بال۔ چمکتے گلابی لب اور ہاں۔۔۔ نرم و نازک گلابی ہاتھ میں سجی وہ یاقوت و زرقون جڑی سونے کی نازک سی انگوٹھی جو اس کی منگنی کی یادگار تھی۔ وہ اسے ہمیشہ ہی پہنے رکھتی تھی۔

"ہوں۔۔۔" عشنا نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔ "سب کچھ نارمل تو ہے پھر تم کیوں ابنارمل قسم کی حرکتیں کر رہی ہو؟" بہن پر غور فرمانے کے دوران اس کا کالے فریم والا نظر کا چشمہ ہمیشہ کی طرح ناک کی پھننگ پر آ ٹکا تھا۔ چھلکا سے کالے بالوں میں تیل چپڑ کر جوڑے میں لپیٹنے کی ناکام کوشش بھی کی گئی تھی۔ کالے رنگ کا کھلے پائنچوں والا ٹراؤزر اور سرمئی رنگ کی ملگجی ٹی شرٹ میں ملبوس وہ اپنے ازلی اجاڑ حلیے میں بہن کے لیے بڑی فکرمند دکھائی دے رہی تھی۔

"خدا کا واسطہ ہے عشنا" عفیرہ نے بھنا کر اس کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑے "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو' اور اپنی فکر کرو۔ حلیہ دیکھو اپنا۔ اس جرنلزم پڑھنے کے چکر میں مجھے لگتا ہے کہ عن قریب تم پوری پاگل دکھائی دینے لگو گی۔" اس کی بات مکمل ہوئی ہی تھی کہ دیوار گیر سلور کرے گھڑی نے پورے بارہ بجنے کا اعلان کیا۔

عفیرہ نے ایک بار پھر لپک کر فون اٹھا لیا تھا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" اپنے ابتر حلیے پر چوٹ کیے جانا عشنا کو کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔ "ٹھیک ٹھاک تو لگ رہی ہوں میں' اب ہر کوئی تمہاری طرح تو ہر دن اٹھنے کے بعد اہتمام سے تیاری کرنے سے رہا۔ تمہاری روز مرہ کی تیاری دیکھ کر تو گمان گزرتا ہے جیسے کہ شاید تم کسی پارٹی وارٹی میں شرکت کرنے کی تیاری کر رہی ہو۔" اپنے تئیں جوابی وار کر کے اس نے باقاعدہ ہونہہ بھی کیا اور عفیرہ کو اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کام کی جانب متوجہ ہو گئی۔ پھر یونہی ایک گھنٹہ گزر گیا۔ مگر عفیرہ کے انداز نشست میں ذرا بھی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ ادھر گھڑی نے ایک بجنے کا اعلان کیا ہی تھا کہ یکلخت ہی عفیرہ نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔" ضروری نوٹس لینے میں بری طرح مستغرق عشنا نے بوکھلا کر سر اٹھایا "کیا ہو گیا عفیرہ؟" پریشانی سے اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔

"ہونا کیا ہے؟" اس نے آنسو بہاتے اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود انگوٹھی کو بے دردی سے اتارتے ہوئے کہا۔

"طلحہ احمد نے آج بھی وہی کیا ہے میرے ساتھ جو وہ ہمیشہ کرتا آیا ہے۔" اس نے انگوٹھی اچھال کر بیڈ پر پھینکی۔ اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوہ۔۔۔ آئی سی!" عشنا نے جیسے معاملے کی تہ تک پہنچتے ہوئے سر معنی خیزی سے ہلایا۔ اس کی تشویش کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی۔

"حالانکہ پچھلی بار اس نے مجھ سے کتنی معافیاں مانگی تھیں کہ آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا مگر دیکھ لو۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"دیکھو عفیرہ' عشنا نے پین نوٹ بک پر رکھتے ہوئے گلا کھنکار کر کہنا شروع کیا" تم اتنی معمولی سی بات پر....."

"میرے لیے یہ بات ہرگز بھی معمولی نہیں ہے۔" وہ اس کی بات قطع کرکے چلائی۔

"میرے لیے ان باتوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے تو کیا اس کے نزدیک میرے جذبات کی کوئی حیثیت نہیں؟" اس نے بے حد رنجور لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں یہی تو سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس نے پھر کچھ "سمجھانا" چاہا۔

"اور میں تمہیں وارن کررہی ہوں کہ اس بار تم مجھے کچھ بھی سمجھانے کی کوشش نہ کرو ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔" وہ غصے میں آنکھیں نکال کر پھنکاری۔ اس کے انداز پر عشنا ذرا دیر کو خائف ہو ہی گئی۔ چاہے عقل میں اس سے کم تر ہی مگر آخر بڑی بہن تھی۔

"اور طلحہ؟" ڈرتے ڈرتے ہی سہی مگر اس کے منہ سے بے ساختہ پھسل ہی گیا۔ سچ کہتے تھے اس کے قابل اساتذہ کہ اس میں ایک صحافی بننے کا "نیچرل ٹیلنٹ" بدرجہ اتم موجود ہے۔ "اس کا کیا بنے گا؟"

"کچومر... وہ بھی میرے ہاتھوں اور اچھی طرح!" چبا چبا کر دیا گیا جواب مکمل۔ مگر خوش آئند ہرگز نہیں تھا۔ عفیرہ مڑی اور دروازہ دھاڑ سے بند کرتی ہوئی ڈریسنگ روم میں جا گھسی۔

"اف..." عشنا نے اپنے دونوں کان بے بسی سے سہلائے "کتنا بچپنا بھرا ہوا ہے عفیرہ کے اندر۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس قدر "ہارش ری ایکٹ" (سخت رد عمل) کرتی ہے کیا بنے گا طلحہ احمد جیسے سنجیدہ و بردبار آدمی کا بیچ بیچ۔" اس نے متاسف انداز میں ہونٹ سکیڑے اور پین' نوٹ بک سے اٹھاتے ہوئے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

عفیرہ کا یہ غم تو اب کئی دنوں تک چلنا تھا۔

☼ ☼ ☼

عفیرہ خان اور عشنا خان' فاروق خان اور مسرت کی لخت جگر' نور نظر وغیرہ وغیرہ تھیں۔ فاروق خان ایک نجی ادارے میں بطور منیجر اپنی خدمات سر انجام دے رہے تھے۔ عفیرہ نے انگریزی میں ماسٹرز کر رکھا تھا جبکہ اس سے دو سال چھوٹی عشنا جرنلزم کے آخری سال میں تھی۔

"طلحہ احمد' مسرت کی بڑی بہن فضیلت کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کے شوہر مسعود' احمد کا اپنا کاروں کا شوروم تھا' بچپن ہی سے طلحہ اور عفیرہ کی اچھی دوستی تھی جو بعد ازاں پسندیدگی میں بدل گئی۔ طلحہ ایک اعلا تعلیم یافتہ' پڑھا لکھا اور خوبرو لڑکا ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا باعمل قسم کا انسان تھا۔ عفیرہ بطور جیون ساتھی پسند آئی تو اس کا عندیہ شائستگی سے لینے کے بعد فضیلت کو سیدھے سبھاؤ سے جا بتایا۔ انہیں بھلا کیا اعتراض تھا۔ اور واقعی قابل اعتراض کوئی بات تھی بھی نہیں کہ عفیرہ نہ صرف خوب صورت' بااخلاق' پڑھی لکھی تھی بلکہ گھر کے کاموں میں بھی خاصی دلچسپی رکھتی تھی۔ یوں دونوں گھرانوں کی باہمی رضامندی سے دونوں کو منسوب کردیا گیا۔ ان دنوں وہ گریجویشن میں تھی جبکہ طلحہ ایم بی اے کررہا تھا۔ رشتہ بدلا تو رشتے کے تقاضے بھی تبدیل ہو گئے۔ عفیرہ نے ان یادگار ایام کی تواریخ کی ایک لسٹ تیار کرلی جو اس کے اور طلو کے حوالے سے اہمیت کے حامل تھے۔ مثلاً"

ان کی باقاعدہ دوستی کا آغاز کس تاریخ کو ہوا؟ "16 جنوری۔

اظہار محبت سے قبل ایک بار طلحہ اسے بہانے سے آئسکریم کھلانے لے کر گیا! 15 مارچ

اظہار محبت۔ 20 اگست

پروپوزل۔ 6 نومبر۔

منگنی! 12 اپریل۔ عفیرہ کی سالگرہ 4 اکتوبر۔ طلحہ کی سالگرہ 5 دسمبر۔ فلانی تاریخ کو یہ ہوا ڈھمکانی کو وہ وغیرہ وغیرہ۔ بات یہاں تک تو ٹھیک تھی کہ وہ ان یادگار دنوں کو یاد رکھتی تھی۔ طلحہ کو وش کیا کرتی گفٹس دیا کرتی، مگر مسئلہ سارا یہ تھا کہ وہ طلحہ سے بھی اس بات کی امید رکھتی تھی کہ وہ بھی ان تاریخوں کو یاد رکھے۔ اب ظاہر ہے ایک ایسے بندے کے لیے کہ جسے اپنی تاریخ پیدائش تک بمشکل یاد رہتی ہو یہ ایک دشوار امر تھا۔

عفیرہ کی ہزار ہا ناراضیوں اور کئی بار کے جھگڑوں کے باوجود طلحہ کی یادداشت، ان تاریخوں کو یاد رکھنے کے معاملے میں ہمیشہ ہی اسے دغا دے جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ عفیرہ اس سے کئی دن تک ناراض رہا کرتی۔ طلحہ اس سے معذرت کرتا اور آئندہ اتنی "اہم" تاریخ کو نہ بھولنے کا وعدہ بھی تب جا کر عفیرہ کی ناراضی دور ہوتی، مگر وائے افسوس اسے دوبارہ ناراض ہونے کا موقع جلد ہی مل جایا کرتا تھا۔ اب تک تو صورت حال ہنوز تھی اب دیکھیے نجانے آگے کیا ہونے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے عشنا کہاں ہے عفیرہ... صبح سے کال ملا رہا ہوں اسے۔ وہ میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہی۔" عشنا کے فون سے طلحہ کی جھنجلائی ہوئی سی آواز منتشر ہوئی۔ عشنا ابھی ابھی یونی سے لوٹی تھی۔ ہینڈ بیگ اور فائل لاؤنج کے صوفے پر اچھالنے کے بعد کچن میں آکر فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگائی ہی تھی تب ہی اس کی بلیو گھسی ہوئی جینز کی پاکٹ میں پھنسا اس کا سیل بری طرح سے تھرتھرا اٹھا۔ اس نے نکال کر نمبر دیکھا۔ طلحہ کا تھا اس نے فی الفور فون ریسیو کیا تھا۔

"تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو دولہا بھائی... کون سی کوئی نئی بات ہو گئی ہے۔" اس نے ایک لیٹر کی پانی کی بوتل ایک سانس میں آدھی خالی کر کے کچن کاؤنٹر پر رکھنے کے بعد بڑے اطمینان سے اسے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" وہ بری طرح ٹھٹکا۔

"مطلب صاف ہے... آپ... پھر کسی اہم تاریخ کو بھول جانے کی سنگین جسارت کر چکے ہیں۔" اس نے کندھے اچکا کر بے پروائی سے کہا۔

"اوہ نو..." وہ یوں بولا جیسے کہ لوگ سر پیٹا کرتے ہیں۔ "یہ تمہیں اس نے خود بتایا ہے۔"

"جی نہیں... مگر الحمدللہ میرے پاس عقل موجود ہے۔" اس نے طنزیہ کہا اور ندیدوں کی طرح چولہے پر رکھی دیگچیوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"کیا مصیبت ہے یار، اب خوامخواہ وہ مجھ سے کئی دنوں تک ناراض رہے گی... تم جانتی ہو میں آج کل گھر کی مرمت کے سلسلے میں کتنا مصروف ہوں۔ بس نکل گیا ہوگا میرے ذہن سے۔" وہ بے زار لہجے میں بولا۔

"غلط بیانی سے کام مت لو دولہا بھائی۔" اس نے یقین نہ کرنے والے لہجے میں کہا اور پتیلے میں دکھائی دیتے مٹر چاول کو للچائی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مزید بولی۔ "ذہن سے تو تمہارے تب نکلے گا نا جب تم نے ذہن میں کچھ رکھا ہوگا۔"

"اچھا... اچھا۔" وہ کھسیا کر بولا۔ "اب زیادہ بال کی کھال مت نکالو۔ اور میری مدد کرو، میں اس مسئلے کا دیرپا حل چاہتا ہوں عشنا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا جی... سوچتے ہیں کچھ، فی الحال فون بند کرو مجھے بڑی زور کی بھوک لگی ہوئی ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"او کے... او کے۔" وہ قدرے شرمندہ ہو کر بولا۔ "تم آرام سے کھانا کھاؤ بعد میں بات کرتے ہیں۔ خالہ اور انکل کو میرا سلام کہنا۔ ایک دو روز میں امی کو ساتھ لے کر چکر لگانے کا ارادہ ہے تمہاری طرف۔"

"ہاں بھئی... جب دل چاہے آؤ تمہارا اپنا گھر ہے، میں نے کون سی بریانیوں اور حلووں کی دیگیں

چڑھائی ہیں تمہارے لیے جو تمہارے آنے سے مجھے پریشانی محسوس ہونے لگے۔" اس نے طلحہ کو چڑایا، مگر وہ نہیں چڑا بلکہ ہنسنے لگا۔

"ماشاء اللہ سے بہت صاف گو ہو تم... یقیناً" سسرال میں جاکر خالہ کا نام روشن کروگی۔ چلو اب رکھتا ہوں اللہ حافظ۔" اس نے کہہ کر فون قطع کردیا۔

عشنا نے مسکرا کر سر جھٹکا اور ریک سے پلیٹ نکال کر چاول ڈالنے لگی۔ وہ واقعی صبح سے بھوکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بات ہوئی تمہاری طلحہ سے؟" رات کے کھانے کے بعد مسرت اور فاروق واک کرنے کی غرض سے کالونی میں واقع پارک میں جاچکے تھے یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا جبکہ عفیرہ نے لاؤنج میں ٹی وی لگالیا تب ہی عشنا بلیک کافی سے لبالب بھرا بڑا سا مگ لیے اس کے پاس آبیٹھی اور پوچھنے لگی۔

"مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ بیٹھے بیٹھے تنک کر بولی۔

"کب تک نہیں کرنی عفیرہ...؟ کچھ دنوں میں تمہاری شادی کی تاریخ طے ہونے والی ہے اور تمہارا تو بچپنا ہی ختم ہونے میں نہیں آرہا۔ زندگی میں اتنی معمولی سی بات کو ایشو بنا کر دنوں ناراض رہنے کی بھلا کیا تک بنتی ہے عفیرہ؟" اس نے کڑوی کافی کا گھونٹ بھر کر کڑوے ہی لہجے میں کہا تھا۔

"میں تمہیں پہلے بھی ہزار مرتبہ بتا چکی ہوں کہ میرے لیے یہ بات اتنی معمولی ہرگز بھی نہیں ہے۔ یہ کیسی محبت ہے اس کی جو وہ ہم سے وابستہ ہر اہم دن، ہر واقعہ اتنی آسانی سے بھول جاتا ہے؟" اس نے دکھی لہجے میں یاسیت آمیز انداز سے عشنا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اور وہ اگر محبت سے ساتھ ہو پھر تو ہر دن اور ہر لمحہ تمہارے لیے یادگار ہونا چاہیے اور ان شاء اللہ ہوگا ہی تب پھر تم کیوں اس سیلی بریشن کو کسی مخصوص دن اور تاریخ تک محدود کرنے کی حماقت کرتی ہو؟" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔" اس کی مدلل بات پر وہ کچھ نرم پڑتی ہوئی بولی۔ "مگر کیا دنوں اور تاریخوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے؟" اس کی سوئی اس اسٹیشن پر اٹکی ہوئی تھی۔

"ہوتی ہے عفی... کیوں نہیں ہوتی، مگر ان سے کہیں زیادہ انسانوں کی، ان سے وابستہ رشتوں اور احساسات کی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ تم خوش قسمت ہو عفیرہ کہ ایک محبت کرنے والا، تمہارے جذبات اور تمہاری قدر کرنے والا شخص تمہارا جیون ساتھی بننے جارہا ہے۔ تمہاری ناراضی کی پروا کرتا ہے وہ... دیکھتی ہو نا ہر بار ہی اپنی غلطی کتنی خندہ پیشانی سے مان کر تمہیں بڑے جتنوں سے منا کر تمہارا مان بڑھا دیتا ہے وہ... تب تم کیوں ان بے کار کی باتوں کو وجہ بنا کر اور بار بار اس سے یوں ناراض ہو کر اس کی نظروں میں اپنی اہمیت کم کررہی ہو؟" اس نے ایک بھاری بھرکم لیکچر ہی تو پلا ڈالا تھا اسے۔

"یعنی تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس سے خفا نہ ہو کر اسے اس کی کوتاہی کا احساس دلانا چھوڑ دوں؟" اس نے اپنے چتون تیکھے کرلیے۔

"ارے یار۔" اس نے جھلاہٹ آمیز بے بسی سے کہا۔ "دیکھو... کم از کم وہ تمہارا برتھ ڈے تو یاد رکھتا ہی ہے نا... پھر تمہیں کیا مسئلہ ہے؟" وہ جرح پر اتر آئی اور نیا نکتہ اٹھایا۔

"یاد رکھتا نہیں... اس کے فون میں لگا "ری مائنڈر" اسے یاد دلاتا ہے اور جس کا مشورہ اسے تم نے دیا تھا۔" عفیرہ نے ترنت اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں تو..." عشنا نے کافی کا گھونٹ جلدی سے حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا اس طرح کم از کم تم اس مہینے تو اس سے جھگڑا کرنے سے بچ جاتی ہو نا۔"

"تمہیں زیادہ اس کی وکالت کرنے کی ضرورت نہیں۔" عفیرہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکا۔ "یہ میرا!

معاملہ ہے... مجھے کیسے نمٹانا ہے میں اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ تم مجھے نہ سمجھاؤ تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" عشنا نے غصے سے خالی کپ سامنے ٹیبل پر پٹختے ہوئے کہا۔

"جو تمہارا دل چاہے وہ کرتی پھرو' مگر یاد رکھنا کہ وہ دن دور نہیں کہ جب وہ تمہاری ناراضی کی چنداں فکر کیے بغیر تمہیں تمہارے حال پر ہی چھوڑ دینا زیادہ بہتر سمجھے گا۔ تب تم بیٹھ کر اطمینان سے ان یادگار تاریخوں کا اچار ڈال لینا اچھا!" وہ بھنا کر کہتی ہوئی اٹھی اور تن فون کرتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر دھاڑ سے دروازہ بند کرلیا۔ چند ثانیے تو اس کے گستاخانہ رویے پر اسے بڑا ہی غصہ چڑھا' مگر پھر نجانے کیا سوچ کر اس نے سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے اس کی آواز بڑھادی۔ جہاں ایک مارننگ شو دوبارہ نشر کیا جارہا تھا جس کی حال ہی میں اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے والی خوب صورت سی ہوسٹ (میزبان) "اپنی شادی کو کامیاب بنانے کے ایک سو ایک طریقے" جیسے موضوع پر ایک رنگا رنگ پروگرام کررہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یقین کرو... یہ پانچ 5 جنوری' 2 فروری' چھ مارچ اللاں جون' فلاں اگست مجھے تباہ کردیں گے۔ تم ہی بتاؤ آخر میں کیا کروں؟" طلحہ انتہائی بے بسی سے بولا۔ وہ اس وقت فضیلت کو لے کر ان کے گھر آیا ہوا تھا۔ فضیلت' مسرت اور وہ دشمن جاں تو اندر لاؤنج میں محو گفتگو تھے جبکہ وہ عشنا کے ساتھ لان میں براجمان اپنے دکھڑے رو رہا تھا' کیسے نہ روتا۔ عفوہ نے نہ ہی اسے سلام کیا تھا اور نہ اس کی مسکراہٹ کا جواب ہی دیا تھا۔

"اور کرو تم لوگ دماغ والی لڑکیوں کو چھوڑ کر خالی خولی اچھی صورتوں پر ریجھ کر شادی کا فیصلہ... تمہاری یہ ہی سزا ہے۔" وہ اپنے ازلی اجاڑ حلیے میں اس کے لائے گئے اپنے پسندیدہ چکن ڈونٹس سے بری طرح "انصاف" کرتی ہوئی بولی۔

"یہ صورت کا نہیں... دل کا معاملہ ہے ڈیر... اگر دل اس پر نہ بھی آیا ہوتا تب بھی تمہارا کوئی چانس نہیں تھا مس افلاطون۔" طلحہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے تاسف سے کہا۔

"منہ دھو رکھو۔" عشنا نے اپنے چشمے کے اوٹ سے اسے گھورتے ہوئے ناک چڑھائی۔ "مجھے بھی تم جیسے ہٹ دھرم اور انتہائی بھلکڑ آدمی میں کبھی بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"کیا ہٹ دھرمی دکھادی بھئی میں نے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"اگر وہ چاہتی ہے کہ تم... تم دونوں سے وابستہ اہم تاریخوں کو یاد رکھو تو تم یاد کیوں نہیں رکھتے؟" وہ لب ٹشو سے اپنے ہاتھ صاف کرتی ہوئی بولی۔

"کیونکہ تاریخیں اتنی زیادہ ہیں کہ میں چاہنے کے باوجود بھی یاد نہیں رکھ سکتا نہ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ اسکول کے زمانے میں مجھے مضمون تاریخ ہی سے سخت چڑ تھی۔" وہ بھناتے ہوئے بولا۔

"یہی تو ہے نا تمہاری ہٹ دھرمی۔" وہ دوبدو بولی۔

"بھئی جس طرح تم نے اس کی تاریخ پیدائش کا ریمائنڈر اپنے فون میں محفوظ کر رکھا ہے دیگر تواریخ کا بھی کرلو۔" اس نے بڑے اطمینان سے مشورہ دیا۔

"فار گاڈ سیک عشنا۔" وہ از حد بے چارگی سے بولا۔ "مجھے تم سے ایسے بچکانہ مشورے کی بالکل بھی امید نہیں ہے اگر میں یہی سب کرتا رہوں گا تب اور کام کب کروں گا؟ تم جاؤ اندر اور اپنی ضدی بہن کو بلا کر لاؤ آج میں اس سے صاف صاف بات کرتا ہوں۔" اس نے یکلخت سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو... وہ نہیں آئے گی... اتنی آسانی سے اس کی ناراضی کبھی ختم ہوئی ہے بھلا؟" عشنا نے سچ ہی بیان کیا تھا' مگر نجانے کیوں طلحہ کو بے طرح تاؤ چڑھ گیا۔

"تب پھر ٹھیک ہے۔" وہ اپنی نشست سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اب میں بھی اسے خود سے کال کروں گا نہ ہی

ایکسکیوز (معافی)... اسے اس بار پہل خود کرنی ہو گی۔" اس نے کہا اور مڑ کر جانے لگا۔

"ارے..." عشنا اس کے دو ٹوک قطعی انداز پر بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کہاں چلے بات تو سنو... خالہ ابھی اندر ہیں۔" اس نے اسے روکنے کی خاطر کہا۔

"جانتا ہوں۔" اس نے بنا مڑے کہا۔

"رات میں انہیں پک کرلوں گا' مگر اب میں اس کی ناراضی ختم ہونے تک یہاں قدم بھی نہیں رکھوں گا تم بتا دینا اپنی بہن کو... آج تک اس نے میری ناراضی نہیں دیکھی نا... آج سے اچھی طرح دیکھے گی۔" وہ اپنی بات ختم کرکے' بنا اسے سنے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا لان عبور کر گیا۔ عشنا نے منہ ہی منہ کچھ بڑبڑاتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھا دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

"بس رہنے دو... تم دیکھ لینا کل صبح وہ مجھے خود ہی فون کرکے معذرت کر رہا ہوگا' میں جانتی ہوں وہ مجھ سے ناراض رہ ہی نہیں سکتا۔" عفیرہ' عشنا کی زبانی طلحہ کی ناراضی کے بارے میں سن کر' اپنے پیروں پر لگا نیل اینمیل (Enamel) سکھاتے ہوئے ازحد مطمئن انداز سے پروثوق لہجے میں بولی۔

"تو پھر تم کیسے اتنے اتنے دن تک اس سے ناراض رہ لیتی ہو عفی...؟" عشنا نے بے حد تعجب سے پوچھا تھا۔ وہ اپنے اردگرد پھیلائے گئے کچھ کاغذات سمیٹ سمیٹ کر اسٹیپل کر رہی تھی۔ اس کی بات پر یک لخت عفیرہ کے ہاتھ تھمے تھے۔ کسی سوچ میں بھی ڈوبی۔

"میں اس سے کوئی سچ مچ خفا کب ہوتی ہوں۔ یہ تو بس یونہی..." اتنا کہہ کر وہ یوں خاموش ہو گئی جیسے آگے اسے سمجھ ہی نہ آرہا ہو کہ کہے کیا۔

"بس یونہی تم اس سے اتنے اتنے دن تک بات نہیں کرتی ہو؟ حیرت ہے وہ بے چارہ تمہیں کال کر کرکے' ٹیکسٹ کر کرکے بے حال ہو جاتا ہے عفی تم اس سے کتنی منتیں کرواتی ہو... بس یونہی... کمال ہے۔" عشنا کے لہجے میں طنز عروج پر پہنچا ہوا تھا۔

"تم نہیں سمجھوگی گھامڑ۔" اب کی بار وہ ذرا سا مسکرائی تھی۔ "کسی سے منتیں کروانے کا اپنا ہی مزا ہے۔"

"مگر مجھے یقین ہے عفی... اس بار یہ لطف طلحہ اٹھانے والا ہے۔"

"بکو مت... تم اسے زیادہ جانتی ہو یا میں؟" اس نے اس کی جانب دیکھ کر ناراضی سے کہا۔

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ کسی دانا کا قول ہے کہ بار بار جتائی جانے والی ناراضی' ناراض ہونے والے کی قدر دوسروں کی نظر میں ازحد گھٹا دیتی ہے۔" اس نے گہرے لہجے میں کہا۔

"اور یہ دانا ہے کون؟" عفیرہ نے گھورا۔

"میری دانائی پہ کوئی شک ہے تمہیں؟" وہ اپنے ازلی افلاطونی انداز میں چشمے کی اوٹ سے جھانکتی ہوئی بولی۔ تب بے ساختہ عفیرہ ہنس پڑی۔

☆ ☆ ☆

مگر شاید عشنا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ طلحہ کی نگاہ میں اس کی ناراضی کی اہمیت کم ہو گئی تھی یا خود اس کی... یہ تو عفیرہ نہیں جانتی تھی' مگر اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ آج پورے بیس روز ہو گئے تھے اسے طلحہ سے ناراض ہوئے اور یہاں سے جانے کے بعد طلحہ نے واقعی اسے پلٹ کر کوئی کال کی... نہ ہی ٹیکسٹ... فضیلت بھی ان دنوں اپنے سرتاج کے ہمراہ اپنی لاہور والی نند کے کسی آپریشن کے سلسلے میں لاہور گئی ہوئی تھیں ورنہ وہ انہیں ہی فون کرکے بڑی محبت اور خلوص سے یہاں بصد اصرار بلالیتی (ظاہر ہے انہوں نے طلحہ کے سوا کس کے ساتھ آنا تھا) عشنا بھی آج کل اپنے سمسٹر میں بری طرح مصروف تھی۔ اس سے بھی طلحہ نے کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ الغرض وہ منظر سے مکمل طور پر غائب تھا۔ یہ بات عفیرہ کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اب پچھلی تاریخ کی ناراضی بھلائے آنے والی

اپنی سالگرہ کے لیے فکر مند ہو گئی تھی اور طلحہ کے لیے بھی اور اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے۔۔۔ یہی سوال جب اس نے عشنا سے کیا تو اس نے بڑے آرام سے اسے مشورہ دے دیا کہ

"اگر طلحہ نے فون نہیں کیا تو تم کر لو۔ ایک ہی بات ہے۔" مگر عفیرہ کے نزدیک یہ ایک ہی بات نہیں تھی۔ اسے بے تحاشا بے توقیری کا احساس ہو رہا تھا۔ اس چکر میں دو چار روز اور نکل گئے۔

"ایسا کرو تم فون ملاؤ اسے۔۔۔ نجانے کیا بات ہے پوری رات مجھے نیند نہیں آئی۔۔۔ دل گھبراتا رہا ہے میرا۔" اس روز عفیرہ جب صبح اٹھی اس سے رہا نہ گیا تھا۔ عشنا کی آج چھٹی تھی۔ وہ بیٹھی اطمینان سے ناشتا کر رہی تھی۔ عفیرہ کی بات پر اس نے اس کی جانب دیکھا۔ اس کا چہرہ بے حد تھکاوٹ، فکر اور اضطراب ظاہر کر رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔ فکر مت کرو۔۔۔ کرتی ہوں ابھی ناشتے سے فارغ ہو کر۔" اس نے دلاسا دیا۔

"ٹھیک ہے مت کرو تم۔۔۔ میں خود ہی کر لیتی ہوں۔" وہ تنک کر بولی اور سائڈ ٹیبل پر رکھا اپنا فون اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس وقت نجانے کیوں اس کے دل کو اتنی بے قراری تھی کہ وہ اپنی ناراضی "انا" ہٹ دھرمی سب کچھ پس پشت ڈال چکی تھی۔

"دیٹس ویری گڈ۔۔۔ تمہیں یہ کام بہت دن پہلے کر لینا چاہیے تھا۔" عشنا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے داد دی، مگر عفیرہ کا دھیان، عشنا سے زیادہ فون کی جانب تھا۔ جہاں بیل جا رہی تھی۔ کوئی پانچویں بیل پر فون ریسیو کیا گیا۔

"ہیلو۔۔۔ طلحہ؟" اس نے جلدی سے کہا۔

"وہ میڈم۔۔۔ ادھر ڈاکا پڑ گیا ہے جی۔۔۔ آپ کے بندے کو گولی لگ گئی ہے۔"

"وہ ادھر۔۔۔" نجانے کون تھا اور کیا کہہ رہا تھا۔ اس سے زیادہ سننے کی عفیرہ میں تاب نہ تھی۔ یک دم اس کا ذہن مفلوج ہوا تھا۔ وہ تیورا کر زمین پر گرتی چلی گئی۔

"عفیرہ!" عشنا نے بڑی وحشت سے اسے پکارا تھا۔

✲ ✲ ✲

اور جب زندگی کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے تب انسان جانتا ہے کہ یہ زندگی کتنی قیمتی اور نایاب ہے۔۔۔ اسے ناراضیوں، جھگڑوں، نفرتوں، غلط فہمیوں اور سازشوں کی نذر کرنا یا ہونے دینا نری حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ طلحہ اس روز اپنے بینک کسی کام کے سلسلے میں گیا تھا۔ جب وہاں ڈکیت گھس آئے۔۔۔ بڑے آرام سے ڈاکا ڈالا کہ گارڈز کو وہ پہلے ہی قابو کر چکے تھے اور باقی عملے سمیت سبھی لوگ سہمے ہوئے تھے کسی نے کرہی کیا لینا تھا، مگر ہوا کچھ یوں کہ ان کے نکلتے نکلتے ہی نجانے کیسے پولیس وہاں پہنچ گئی۔ یوں انہوں نے بھاگتے ہوئے بدحواسی میں اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ان کی اندھی گولیوں کا نشانہ بننے والوں میں سے ایک طلحہ بھی تھا۔ ایک تو بے چارہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ عجیب خوف ناک سا منظر تھا۔ کچھ ہی دیر میں ایمبولینسز پہنچ گئیں اور زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر لے جانے لگیں۔ عفیرہ تو بے ہوش ہو گئی تھی۔ عشنا نے اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا فون اٹھا کر صورت حال معلوم کی۔ مسرت کو بلا کر انہیں عشنا کا خیال کرنے کو کہا اور خود فاروق کو فون ملاتی ہوئی فی الفور اسپتال کی جانب چل پڑی۔

✲ ✲ ✲

"اللہ نے بڑا کرم کیا بیٹا۔۔۔" فضیلت، طلحہ کے نقاہت زدہ چہرے پر ہاتھ پھیر پھیر کر رو رہی تھیں۔ "میں نے تو اسی وقت شکرانے کے نوافل ادا کر لیے تھے۔ ابھی بھی تمہارا صدقہ دے کر آئی ہوں۔۔۔ بس اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ تو تم بھی اللہ کا شکر اس کے حضور جھک کر ادا کرنا۔" واقعی اللہ کا کرم تھا کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔ گولی اس کے دائیں کندھے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ آپریشن ہوئے دو روز گزر گئے تھے اب وہ قدرے بہتر تھا۔ فاروق نے اس کے لیے پرائیویٹ روم لے لیا تھا۔ فضیلت کے ساتھ عشنا،

عفیرہ فاروق، مسرت، اس کے والد صدیق صاحب بھی موجود تھے۔

"کیوں نہیں امی جان... میں تو مسلسل اس رب کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے واقعی بال بال بچالیا... ورنہ میرے ساتھ والا لڑکا بے چارہ تو..." اتنا کہہ کر وہ متاسف انداز میں سر ہلانے لگا۔

"چلو چھوڑو یہ موضوع دلہا بھائی۔" عشنا اس کا دھیان ہٹانے کو شرارت سے بولی۔

"اور یہ بتاؤ کہ پارٹی کب دے رہے ہو؟"

"ارے پارٹی کیا عشنا۔" فضیلت اپنے آنسو پونچھ کر مسکراتی ہوئی بولیں۔

"میں تو بس اس کے یہاں سے فارغ ہوتے ہی شادی کی تاریخ لینے آرہی ہوں کیوں مسرت اور فاروق بھائی..." فضیلت اپنے نزدیک بیٹھی مسرت کا ہاتھ دبا کر پوچھنے لگیں۔

"جیسے آپ کی مرضی... عفیرہ آپ ہی کی تو بیٹی ہے۔" فاروق نے نم آنکھوں سے کہا تو مسرت نے بھی بہن کا ہاتھ پکڑ کر ہلکے سے دبایا اور اثبات میں سر ہلا کر چھوڑ دیا۔ اور ٹھیک اسی لمحے سر جھکائے، سب سے پرے خاموش اور اداس بیٹھی عفیرہ پر طلحہ نے بڑی بھرپور اور جذبے لٹاتی نگاہ ڈالی تھی۔ یہ اس کی پر حدت نگاہ کی کشش ہی تھی جو عفیرہ نے بے ساختہ اپنا سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا مگر ان روشن نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نگاہ دوبارہ جھکالی تھی۔ طلحہ کے لب بلا ارادہ ہی مسکرا اٹھے۔

☆ ☆ ☆

"جانتی ہو... جس وقت مجھے گولی لگی... اس وقت مجھے امی کے بعد صرف تمہارا خیال آیا تھا کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم کیسے رہو گی میرے بغیر..." طلحہ، ساحل کنارے ایک بڑے سے چکنے پتھر پر بیٹھا ہوا، ڈوبتے نارنجی و زرد تھکے ماندے سے سورج کو دیکھتے ہوئے قدرے رنجیدگی سے گویا تھا۔ ان کی شادی کی تاریخ ٹھہرائی جاچکی تھی اور آج وہ مسرت سے باقاعدہ اجازت لے کر اسے اپنے ساتھ لے کر ایک یادگار شام گزارنے کی غرض سے ساحل پر آیا ہوا تھا اور اب اس کے نزدیک بیٹھا اسے حکایت دل سنا رہا تھا۔

"اتنا جانتے ہو مجھے..." عفیرہ نے اڑتے بال چہرے سے ہٹا کر اسے تحیر سے دیکھا تھا۔

"ہاں عفیرہ... محبت کی ہے تم سے... نہ صرف تمہیں جانتا ہوں بلکہ سمجھتا بھی ہوں اسی لیے تو تمہیں اتنا مانتا ہوں۔" وہ اسے مخمور نگاہوں سے تکتا ہوا بولا۔

"تم بہت اچھے ہو طلحہ۔" اس نے پہلے بھی کئی بار اعتراف محبت کیا تھا، مگر آج نجانے کیوں عفیرہ کا دل عجیب انداز سے گداز ہوا تھا۔ اسی لیے نم آواز میں وہ بول رہی تھی۔

"تم نے سچ کہا... اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا میں تو اسی لمحے فنا ہو جاتی طلحہ... تمہارے دور ہو جانے کا خوف دل میں جاگا تب میں نے جانا طلحہ کہ تم ٹھیک ہی کہتے ہو... اگر ہم ساتھ ہیں تو ہر لمحہ یادگار ہے... مکمل ہے خوب صورت ہے... یہ تو میری ہی بے وقوفی تھی جو ان لمحات کو تاریخوں سے مشروط کیے بیٹھی تھی۔" وہ سر جھٹک کر یوں بولی گویا اپنی نادانی کا مذاق اڑا رہی ہو۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"دنوں اور تاریخوں کی اہمیت ہوتی ہے مگر تم جو کرتی ہو... وہ کافی زیادہ ہے... چلو اب اداس نہ ہو... مغرب ہو چکی ہے... اٹھتے ہیں یہاں سے..." وہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ عفیرہ نے اس کی تقلید کی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے... کیا بات ہے بھئی واہ... یعنی دلہا بھائی سدھر ہی گئے۔" ساحل سے اٹھنے کے بعد طلحہ نے عفیرہ کو ڈھیروں شاپنگ کروائی تھی اور اس کے بعد شان دار جگہ پر خواب ناک سے ماحول میں کینڈل لائٹ ڈنر کروانے کے بعد وہ اسے گھر ڈراپ کر کے خالہ کو سلام کہتا ہوا زن سے گاڑی بھگا لے گیا تھا اور عفیرہ کے گھر میں داخل ہوتے ہی اس کے ہاتھ میں

ڈھیروں ڈھیر شاپنگ بیگز، لبوں پر کھلی الوہی مسکان اور جگمگاتی آنکھوں کو دیکھ کر عشنا نے سرخوشی سے زور دار آواز میں نعرہ بلند کیا تھا۔

"اس کا تو پتا نہیں۔" اس نے سارے شاپنگ بیگز بیڈ پر اچھالتے ہوئے خود صوفے پر بیٹھ کر پیر سینڈل سے آزاد کرتے ہوئے کچھ نافہم سے لہجے میں کہا۔

"البتہ میں نے اس کی محبت کے صدقے اسے ہمیشہ کے لیے معاف کردینے کا تہیہ کرلیا ہے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتا ہے کہ اہمیت دن اور تاریخ کی نہیں انسان کی ہوتی ہے۔"

"واہ جی واہ... تم اور یہ فلسفیانہ انداز۔ سچ سچ بتاؤ... تم دلہا بھائی کے ساتھ اپنی "برتھ ڈے" سیلی بریٹ کرنے گئی تھیں یا فلاسفی کی کوئی کلاس اٹینڈ کرنے؟" عشنا نے اپنے چشمے زدہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے تحیر سے پوچھا۔

"کون سی برتھ ڈے عشنا" وہ اداسی سے مسکرائی۔ "اس بھلکڑ کو تاریخیں یاد کب رہتی ہیں اور کیا تم نہیں جانتیں کہ حادثے والے دن اس کا فون غائب ہوگیا تھا۔ فون کے ساتھ ہی ریمائنڈر بھی چلا گیا۔ تب اسے کون میری سالگرہ یاد دلاتا۔"

"ہیں...!" بے یقینی سے عشنا کا منہ کھلا اور آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ "مگر ہم تو یہی سمجھ رہے تھے کہ شاید وہ تمہارا برتھ ڈے..."

"غلط سمجھ رہے تھے۔" اب کی بار وہ بھرپور انداز میں دل سے مسکرائی۔

"مگر خیر ہے۔ اگر اسے میرا برتھ ڈے یاد نہیں رہا تو کیا ہوا۔ اس نے ایک شام تو یادگار بنادی... تحائف بھی دلادیے... اور مجھے میرے خاص ہونے کا احساس بھی دلا دیا۔ مجھے اور کیا چاہیے...!" وہ بڑے مطمئن انداز میں کہہ کر کپڑے بدلنے کی خاطر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔ اور اب کی بار عشنا اپنی اُمڈتی ہوئی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کھل کر مسکرادی جو نقطہ وہ آج تک عفیرہ کو سمجھانے سے قاصر رہی تھی وہ حالات نے اسے با آسانی سمجھا دیا تھا۔ ابھی وہ مسکرا ہی رہی تھی کہ اس کا فون گنگنا اٹھا۔

"ہیلو عشنا!" اس نے ریسیو کیا دوسری طرف قدرے بوکھلایا ہوا طلحہ تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"مارے گئے... گھر آیا تو امی سے پتا چلا کہ آج عفیرہ کا برتھ ڈے تھا اب تو میری خیر نہیں... یقیناً وہ مجھ سے ناراض ہوچکی ہوگی۔" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"اب نہیں ہوگی طلحہ... کیونکہ وہ جان چکی ہے کہ جن سے محبت کی جائے انہیں مارجن دینا پڑتا ہے۔" اس نے کہا اور فون بند کرکے اپنے سامنے رکھی کتاب کھول لی...!

شدید گرمی برس رہی تھی لگ ہی نہ رہا تھا کہ ابھی صرف مارچ شروع ہوا ہے سورج ایسے تھا جیسے سوا نیزے پر کھڑا ہو، علی محمد نے جلدی جلدی اپنی سائیکل کے پیڈل پر پاؤں مارا تاکہ وہ جلد از جلد گھر پہنچ سکے ابھی وہ اپنے گھر کی سمت جانے والی بڑی روڈ پر ہی پہنچا تھا کہ ایک نہایت خطرناک سی آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

پھس.... س.... س۔

وہ سمجھ گیا کہ موسم کی شدت نہ برداشت کرتے ہوئے اس کی سائیکل کا ٹائر دغا دے گیا ہے اب کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ سائیکل کو گھسیٹتے ہوئے پہلے قریبی پنکچر شاپ پر پہنچا جائے خوش قسمتی سے پنکچر شاپ زیادہ دور نہ تھی لہٰذا وہ آہستہ آہستہ سائیکل گھسیٹتا وہاں پہنچا اور سائیکل دکان پر موجود لڑکے کے حوالے کرکے خود باہر رکھے لکڑی کے بینچ پر جا بیٹھا۔

جب ایک بڑی سی کالی اور سلور جیپ تیزی سے دکان کے سامنے سے گزری جس کی نمبر پلیٹ پر نظر ڈالتے ہی وہ سمجھ گیا کہ گاڑی اس کے بڑے بھائی قاسم کی تھی نمبر پلیٹ نہ بھی نظر آتی تو بھی وہ اپنے بھائی کی گاڑی پہچانتا تھا یقیناً" گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ اس کی بھابھی اور قاسم کی بیوی شہنا موجود تھی جس نے اگر علی کو اس طرح کڑکتی دھوپ میں روڈ کنارے بیٹھا دیکھا بھی ہوگا تو بھی رک کر اس کی خیریت دریافت کرنے کی زحمت نہ کرتی، دور جاتی گاڑی کو دیکھ کر علی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ اپنی اپنی قسمت کی بات تھی ایک بھائی گرمی میں سائیکل گھسیٹتا ہوا اور دوسرا اے سی گاڑیوں میں سفر کرنے والا، حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ان دونوں کو کچھ بھی وراثت میں نہ ملا تھا سوائے مزدوری کے، یہ تو قاسم کی ہوشیاری اور قسمت کی مہربانی تھی کہ وہ مزدور کوٹے پر بھرتی ہو کر کویت گیا پھر وہاں سے سعودی عرب اور آج کل وہ ذاتی طور پر اپنی کنسٹرکشن کمپنی چلا رہا تھا جس کی ایک برانچ دبئی میں بھی تھی جس کے لیے قاسم اور شہنا اکثر ہی دبئی آتے جاتے رہتے۔

جیسے آج کل بھی وہ دبئی ہی گیا ہوا تھا اور شہنا لازمی طور پر اس گاڑی میں اکیلی ہی تھی، وہ ان ہی سوچوں میں گم تھا جب اس کی سائیکل کا کام ختم ہو گیا۔ علی محمد نے کام والے لڑکے کو اس کی مطلوبہ رقم دی اور آہستہ آہستہ سائیکل گھسیٹتا اپنے گھر تک پہنچ گیا، ہاتھ منہ دھو کر وہ کچن کے ساتھ موجود چھوٹے سے کمرے نما برآمدہ میں آگیا۔ زہرہ کچن میں ہی تھی جو علی کے کمرے میں موجودگی کا احساس کرتے ہی کولر سے ٹھنڈے پانی کا گلاس بھر کر لے آئی علی نے دیکھا اس کے سر پر موجود دوپٹے میں چھوٹے چھوٹے دو سوراخ

بڑے نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گیا زہرہ بیوی ہونے کے ناطے اس کی ذمہ داری تھی مگر افسوس کی بات یہ تھی کہ باوجود اتنی محنت کے وہ اپنی اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی پورا نہ کر پا رہا تھا اس کے پھٹے ہوئے دوپٹے سے نظریں چراتے ہوئے علی نے پانی کا گلاس تھام لیا اور ایک نظر زہرہ کے سانولے سلونے چہرے پر ڈالی۔

"شینا بھابھی یہاں آئی تھی؟" بظاہر سرسری انداز میں پوچھتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس لبوں کو لگا لیا۔

"ہاں... اس کی کھانا پکانے والی عورت کام چھوڑ گئی ہے جبکہ کل وہ اپنے گھر میں ایک پارٹی رکھ چکی ہے جس کے لیے اسے میری مدد درکار ہے۔" آہستہ سے جواب دیتے ہوئے اس نے علی کے ہاتھ سے گلاس تھام لیا۔

"کیسی مدد..."

"وہ چاہتی ہے کہ میں کل دوپہر اس کے گھر جا کر ملازمین کی مدد کروں ویسے تو اس نے سارا کھانا باہر سے منگوایا ہے مگر چٹنی سلاد' رائتہ کے علاوہ مہمانوں کو دیکھنا اور اس طرح کے چھوٹے موٹے کاموں کے لیے اسے میری مدد درکار ہے۔"

"میں تو سمجھا تھا کہ وہ تمہیں دعوت میں مدعو کرنے آئی ہے؟" علی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"غلط سمجھے تھے تم وہ مجھے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے بلا رہی ہے اور اس کام کی جو میں وہاں جا کر سرانجام دوں گی مجھے پوری اجرت ملے گی۔"

طنزیہ انداز میں کہتی زہرہ واپس کچن میں چلی گئی۔ علی سمجھ گیا کہ زہرہ نے وہاں جانے کا ارادہ کر کے صرف اسے اطلاع دی ہے وہ پہلے بھی دو چار دفعہ اسی طرح شہنا کے ساتھ گئی تھی اور واپسی میں جب ڈرائیور چھوڑ کر گیا تو کھانے کے ساتھ ساتھ زہرہ اپنے ایک دن کی کام کی اجرت بھی لے کر آئی تھی۔

☆ ☆ ☆
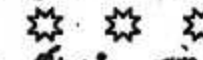
"جانتے ہو بھائی قاسم نے بھابھی شہنا کو دبئی سے ہیرے کے زیورات بھیجے ہیں۔" رات سونے سے قبل چارپائی پر چادر بچھاتے ہوئے اس نے علی محمد کو اطلاع دی اس کے لہجے میں چھپی حسرت سیدھے علی محمد کے دل کو تکلیف پہنچ گئی۔

"اور آج ان زیورات کی نمائش کے لیے شہنا نے دعوت کے نام پر اتنا کھڑاگ پالا تھا ایک دن کے لیے لاکھوں روپے کا خرچہ کرڈالا اس عورت نے اور دیکھ لو قاسم کو، کبھی کوئی اعتراض بھی نہیں کیا خواہ بیوی سب روپیہ اس طرح ہی لٹا دے۔"

علی محمد کی خاموشی کے باوجود وہ اپنے دل کی ہر بات کرتی چلی گئی۔

"مصطفیٰ آج کالج نہیں گیا تھا؟"

شاید اس کا دھیان قاسم کے گھر سے اپنے گھر تک لانے کے لیے علی کو اپنے بیٹے کے نام کا سہارا لینا پڑا۔

"گیا تھا ویسے بھی تم اچھی طرح جانتے ہو وہ کبھی چھٹی نہیں کرتا۔"

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو....." زہرہ کی بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"اور میری بات تو تم نے ٹھیک سے سنی نہیں بلاوجہ درمیان میں مصطفیٰ کا ذکر لے کر آ گئے۔"

ناراضی کا اظہار کرتی زہرہ کمرے سے باہر نکل گئی اسے اس طرح باہر جاتا دیکھ کر علی محمد لبوں ہی لبوں میں مسکرا دیا، جانتا تھا اس کی ناراضی چند پل کی ہے ابھی کچھ دیر میں ہی وہ اپنے کمرے میں واپس آ جائے گی یہ ہی سوچتا ہوا وہ اپنی چارپائی کا تکیہ درست کر کے لیٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ تیار ہو کر باہر نکلا تو چھوٹے سے صحن میں کھڑی زہرہ کو کسی گہری سوچ میں ڈوبا پایا۔ وہ جانے ایسا کیا سوچ رہی تھی کہ علی محمد اس کے پاس سے گزر بھی گیا اور اسے بالکل علم نہ ہوا۔ اسے اس طرح کسی سوچ میں غرق دیکھ کر علی محمد سے رہا نہ گیا اور اپنی سائیکل کی طرف بڑھتے اس کے قدم رک گئے وہ واپس پلٹا اور زہرہ کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"میں کام پر جا رہا ہوں زہرہ۔" اسے مخاطب کرتے ہوئے علی محمد نے زہرہ کے کندھے کو ہلکا سا چھوا وہ یک دم چونک اٹھی۔

"ایسا کیا سوچ رہی تھیں کہ میں پاس سے گزر بھی گیا اور تمہیں علم بھی نہ ہوا۔"

"کچھ نہیں ابھی ابھی مصطفیٰ کالج گیا ہے۔ اسے دیکھ کر دل میں خیال آیا اتنا بڑا میرا بیٹا کالج جاتے ہوئے صرف مجھ سے بس کا کرایہ لیتا ہے اور کہاں قاسم کے ننھے منے بچے بھی دن کا سو روپیہ اڑا دیتے ہیں جبکہ بڑے دونوں کا تو خرچہ بھی ہزاروں میں ہے۔ اور ماں کو ذرا احساس نہیں روپیہ کی اس طرح بربادی پر۔"

اپنے بیٹے کا احساس کرتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اچھا ہوا تم نے مصطفیٰ کا ذکر کیا تو مجھے یاد آیا کل ٹھیکے دار حبیب اللہ نے مجھ سے ذکر کیا تھا اس کے دو بیٹوں کو ٹیوشن درکار ہے۔ تم مصطفیٰ سے پوچھنا اگر پڑھا سکے تو شام میں چلا جایا کرے میں حبیب سے بات کر لیتا ہوں وہ ٹیوشن فیس بھی اچھی دے گا۔"

"ہاں میں پوچھ لوں گی اور ہاں یہ پیسے رکھو آج مصطفیٰ کا یونیفارم لے آنا گھسی ہوئی یونیفارم بری لگتی ہو گی یہ اور بات ہے کہ وہ کہتا نہیں۔"

بات ختم کرتے کرتے اس نے جلدی جلدی اپنے دوپٹے کے پلو سے بندھے کچھ روپے نکالے اور علی

کے حوالے کر دیے۔

"ارے یہ کیا یہ تو تمہاری محنت کی کمائی ہے جو غالباً" تمہیں اس دن شہنا نے دی تھی۔"

علی اس کے ہاتھ سے رقم لیتا ہوا ہچکچایا۔

"کمائی میری یا تمہاری نہیں ہے علی محمد ہم دونوں کی ہے تم بھی تو جو سارا دن محنت مزدوری کر کے کماتے ہو وہ اس گھر کی ضروریات پوری کرنے میں ہی صرف کرتے ہو اپنی ذات پر تو شاید کبھی تم نے ایک روپیہ بھی فالتو خرچ نہیں کیا۔"

"جو میں کرتا ہوں وہ میرا فرض ہے کیونکہ اہل و عیال کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے نہ کہ عورت پر۔"

"بے شک تمہاری بات درست ہے مگر مصطفیٰ ہم دونوں کی ذمہ داری ہے۔ ایسے میں اگر میرے پاس دو پیسے فالتو ہیں تو میرا فرض ہے پہلے اپنی اولاد کی ضرورت پوری کروں اور ویسے بھی میں کون سا کہیں باہر جاتی ہوں جس کے لیے مجھے الگ سے رقم کی ضرورت پڑے، اس لیے تم یہ پیسے رکھو اور آج مصطفیٰ کا یونیفارم بازار سے لے کر آنا یقین جانو نیا یونیفارم اسے بہت خوشی دے گا اور اس کی خوشی ہم دونوں کو بھی خوش کر دے گی۔"

"یونیفارم میں لے آؤں گا کیونکہ مجھے آج کچھ رقم ملنی ہے اس لیے یہ پیسے تم رکھ لو گھر کے سودے سلف میں تمہارے کام آئیں گے۔"

علی نے ہاتھ میں پکڑے نوٹ قریب ہی موجود لکڑی کے تین ٹانگ والے ٹیبل پر رکھ دیے جس کی چوتھی ٹانگ ٹوٹی ہونے کے سبب زہرہ نے اس کے نیچے بلاک رکھ دیے تھے۔ اس ٹیبل پر بیٹھ کر مصطفیٰ اپنی پڑھائی کرتا تھا، زہرہ نے مزید بحث کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے خاموشی سے وہ مڑے تڑے نوٹ اٹھا کر ایک بار پھر سے اپنے دوپٹے کے پلو میں باندھ لیے۔ اب وہ اندر کی جانب جاتے ہوئے دل ہی دل میں حساب لگا رہی تھی کہ اس رقم سے وہ مصطفیٰ کی مزید کون سی ضرورت پوری کر سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہے؟" شہنا نے بیڈ پر رکھا پیکٹ اٹھاتے ہوئے قاسم سے سوال کیا۔

"یہ مصطفیٰ کا گفٹ ہے سوچا اتنے دنوں بعد ملنے جا رہا ہوں تو ساتھ کچھ لے جاؤں بچہ خوش ہو جائے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر تم نے ابھی کل ہی تو ڈرائیور کے ہاتھ چاکلیٹس بھیجی ہیں اپنے بھائی کے گھر۔"

شہنا کمرے میں کس کام سے آئی تھی وہ بالکل بھول گئی اور اس کا دھیان ہاتھ میں پکڑے بڑے سے گفٹ پیک میں لگ گیا۔

"ویسے اس میں ہے کیا؟" قاسم کی جانب سے جواب نہ پا کر اس نے ایک بار پھر سے پیکٹ الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"کچھ شرٹس اور ایک سویٹر ہے۔"

"خیریت تو ہے! یہ اتنی مہربانی کس خوشی میں؟" اس نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا۔

"مصطفیٰ بڑا اچھا اور نیک بچہ ہے پھر یہ کہ گھر کا دیکھا بھالا بھی ہے۔" قاسم نے بیوی کی جانب دیکھتے ہوئے تمہید باندھی" اس لیے میرا ارادہ اسے اپنا بیٹا بنانے کا ہے، محنتی لڑکا ہے دوسرا ہماری بہت عزت کرتا ہے۔ پڑھ لکھ جائے تو اپنے ساتھ کاروبار میں لگا لوں گا اس طرح اکلوتی بیٹی کی طرف سے ہم بے فکر ہو جائیں گے۔" قاسم بہت کچھ سوچے ہوئے تھا۔

"پتا نہیں کیا فضول سوچ اپنے ذہن میں پال بیٹھے ہو۔" نخوت سے ناک چڑھاتے اس نے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ واپس بیڈ پر پھینک دیا۔

"ابھی بچی نے نویں کا امتحان دیا ہے اور تمہیں اس کی فکر ستانے لگی اور جن کے گھر کھانے کو دو وقت کی روٹی نہیں ان کی طرف اپنا دھیان لگا لیا حد ہو گئی قاسم

وہ مصطفیٰ بھی سیکنڈ ایئر کا طالب علم ہے اور زرنش سے صرف تین سال بڑا۔ اچھی شکل و صورت کا، فرماں بردار بچہ ہے اور ویسے بھی میں نے سوچا ہے کہ علی کو اپنی کنسٹرکشن کمپنی میں ملازم رکھ لوں کئی دفعہ اس نے مجھ سے کہا مگر میں ہمیشہ تمہاری باتوں میں آ گیا

رہا اب جو کل مصطفیٰ کو دیکھا تو سوچا کیوں نہ آج اس پر روپیہ لگایا جائے اور کل منافع کے ساتھ وصول کیا جائے۔"

قاسم اپنے کاروباری ذہن کا استعمال کرتے ہوئے بولا۔

"باہر رشتہ دیکھیں گے تو جانے کیسے لوگ متھے لگیں اکثر تو صرف باپ کے پیسے کی لالچ میں بیٹی گھر لے جاتے ہیں جبکہ یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے دونوں باپ بیٹا سیدھے اور شریف ہیں جیسے چاہو سلوک کرنا اف بھی نہ کریں گے اور ہماری زرنش جیسی تیز مزاج کی لڑکی کے ساتھ بڑے آرام سے گزارہ کرے گا۔ ہمیشہ جذباتی مت ہوا کرو' کبھی ٹھنڈے دل سے بھی سوچا کرو۔"

"تم بھی تم اپنے اس خیال کو صرف اپنے تک ہی رکھنا پہلے اس لڑکے کو بارہ پاس کر لینے دو پھر پتا چلے آگے کیا کر رہا ہے اور جب وقت آئے گا تو مدد کر لینا۔ آج ابھی سے روپیہ ان کے منہ کو لگا دیا تو کل نخرے ساتویں آسمان تک پہنچ جائیں گے' پھر پتا چلے زری کی جگہ کوئی اور لڑکی نظر آجائے اور ہم پلاننگ ہی کرتے رہ جائیں اور ہاں یہ علی کو نوکری دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے جب وقت پڑے گا تو مصطفیٰ کو ہی دے دینا جاب یا پھر کاروبار کروا دینا جو تمہیں مناسب لگے۔"

اپنا مشورہ دے کر شہنا کمرے سے باہر نکل گئی جبکہ اس کی باتوں نے کچھ دیر قبل قاسم کے دل میں آیا بھائی کی مدد کا خیال بھی نکال دیا۔ سچ ہے مرد کتنا بھی چالاک و ہوشیار کیوں نہ ہو بالآخر عورت کی باتوں میں آہی جاتا ہے اور عورت بھی اگر کوئی شہنا جیسی تیز و طرار بیوی ہو تو سمجھو اس مرد کی خیر نہیں۔

☼ ☼ ☼

مصطفیٰ نے بس سے اتر کر ایک نظر تارکول کی لمبی سی روڈ پر ڈالی۔ جس کے آخر میں وہ گلی تھی جس کے بالکل اختتام پر مصطفیٰ کا گھر تھا یعنی اسٹاپ سے پندرہ منٹ پیدل مسافت' جبکہ وہ صبح سے نکلا ہوا تھا' پہلے لائن میں کھڑے ہو کر اپنے بی کام کی داخلہ فیس جمع کروائی' جہاں سے تقریباً" دو بجے فارغ ہو کر بس کے ذریعے ٹھیکے دار حبیب اللہ کے بیٹوں کو ٹیوشن پڑھانے گیا وہ پچھلے پندرہ دنوں سے ٹیوشن کا یہ تھکا دینے والا کام سرانجام دے رہا تھا۔

ایک تو دونوں بچے بے انتہا شرارتی تھے' بڑی مشکلوں سے وہ مصطفیٰ کے قابو آتے تھے اور پھر سے ان کا گھر بس اسٹاپ سے بہت پیدل اندر جا کر تھا۔ جہاں سے واپس گھر آتے آتے اسے روزانہ سات بج جاتے اور سردی کی شاموں میں سات بجے پوری رات سڑکوں پر اتر آتی اس وقت بھی چاروں طرف ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ دور دور لگے کھمبوں کے اوپر موجود نیلے بلب کی روشنی نے سردی کی شدت میں مزید اضافہ کر دیا تھا وہ دھیرے دھیرے چلتا تقریباً" پندرہ منٹ بعد اپنے گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ایک بھرپور اطمینان اس کی روح تک کو شانت کر گیا' سامنے ہی صحن میں بچھی چارپائی پر علی محمد بیٹھا چائے پی رہا تھا' اکلوتے بیٹے پر نظر پڑتے ہی جیسے وہ کھل اٹھا اور وہیں سے پکارا۔

"زہرہ ایک کپ چائے کا اور لے آ' مصطفیٰ آگیا ہے۔"

"نہیں بابا میں فریش ہو کر کھانا کھاؤں گا کیا پکایا ہے اماں۔"

"مونگ کی دال۔۔۔"

زہرہ نے وہیں کچن سے جواب دیا' دال کا سنتے ہی مصطفیٰ کی بھوک چمک اٹھی حالانکہ آج کئی دنوں سے وہ ٹھیکے دار کے گھر کا پکا مرغن اور لذیذ کھانا دوپہر میں کھا کر گھر آتا تھا مگر پھر بھی جو بات ماں کے ہاتھ کے کھانے میں تھی وہ کہیں اور نہ تھی جبکہ ٹھیکے دار کی بیوی اسے ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح سمجھتی اور جب وہ دوپہر میں وہاں جاتا تو گرما گرم کھانا' سلاد رائتہ اور چٹنی جیسے لوازمات کے ساتھ اسے پیش کیا جاتا مگر وہ بڑی مشکل سے ایک روٹی کھا پاتا اور گھر آتے ہی اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر وہ چٹنی بھی بڑی رغبت سے کھاتا۔

"اچار ہے ساتھ۔" مصطفیٰ نے کچن کے دروازے کے پاس جاکر سوال کیا۔

"ہاں ہے اور میں نے تمہارے لیے چٹنی بھی بنادی ہے۔بس تم جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ۔"

زہرہ بیٹے کے چہرے پر چھائی تھکن کو دیکھتے ہوئے ممتا سے بھرپور لہجے میں بولی۔اور پھر وہ تینوں کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ کسی نے باہر کا دروازہ زوروشور سے بجادیا۔

"الٰہی خیر اس وقت کون آگیا؟" علی محمد پاؤں میں چپل پھنساتا باہر کی جانب لپکا اور کھٹ سے دروازے کی کنڈی کھول دی باہر نظر آنے والا چہرہ کسی اجنبی کا تھا جو اسے دیکھتے ہی جلدی سے بول اٹھا۔

"السلام علیکم مجھے علی محمد صاحب سے ملنا ہے۔"

"جی میں ہی علی محمد ہوں۔"

"چاچا کل میں کشمیر سے آیا ہوں' مجھے بابا رحمت علی نے بھیجا ہے۔"

"کون بابا رحمت علی۔" علی محمد نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوال کیا۔

"بابا رحمت علی پونچھ والے۔" نوجوان نے اسے یاد کروانے کی کوشش کی۔

"کون آیا ہے؟" زہرہ غالباً اس کے پیچھے ہی دروازے پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

"آنٹی میں پونچھ سے آیا ہوں' مجھے بابا رحمت علی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

زہرہ کی آواز سنتے ہی نوجوان جلدی سے پکار اٹھا علی محمد نے پلٹ کر دیکھا زہرہ کے چہرے پر نام سنتے ہی واضح طور پر شناسائی کا تاثر ابھر آیا تھا۔

"اسے اندر بلالو۔" علی محمد سمجھ گیا کہ وہ اس نوجوان یا شاید بابا رحمت علی سے واقف تھی۔

"نہیں آنٹی معذرت کے ساتھ میں ذرا جلدی میں ہوں اندر نہیں آسکتا' بس آپ کے لیے یہ ایک لفافہ رحمت علی صاحب نے دیا تھا اسے پہنچانے اتنی رات میں یہاں آیا ہوں کیونکہ کل صبح میری فلائٹ ہے میں سعودیہ جارہا ہوں۔یہ ان کی ایک امانت تھی جسے آپ تک پہنچانا میری ذمہ داری تھی۔"

یہ کہہ کر نوجوان نے ایک بند لفافہ دروازے میں کھڑی زہرہ کے ہاتھ میں تھمایا اور پھر باوجود علی محمد کے روکنے کے وہ نہ رکا اور سامنے کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

"کیا ہوگا اس لفافہ میں؟" زہرہ نے پھولا ہوا لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے علی محمد پر ایک نظر ڈالی۔

"یہ رحمت علی تمہارا وہ چاچا تو نہیں جو ساؤتھ افریقہ میں رہتا تھا۔"

"ہاں۔۔۔" مختصر جواب دے کر وہ اندر کی جانب چل دی۔

"مگر اس نے تو وہاں کسی ساؤتھ افریقن سے شادی بھی کرلی تھی جبکہ اس کی پہلی بیوی اور بچی پاکستان میں موجود ہیں۔"

"ہاں علی محمد۔۔۔" زہرہ نے اس کے مسلسل سوالوں سے اکتا کر جواب دیا۔

"پھر اتنے سالوں بعد تمہارا چاچا پاکستان کب آیا؟ تم نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ اپنے گاؤں واپس آگیا ہے اور اس کی دونوں بیویاں کہاں ہیں؟ اس کے ساتھ۔۔۔؟" علی محمد پے درپے سوال کرتا ہوا بولا۔

"پہلے والی فوت ہوگئی تھی اس سے ایک بیٹی ہے اور دوسری کا مجھے نہیں پتہ۔" جواب دیتے ہوئے زہرہ نے چارپائی پر بیٹھ کر وہ پھولا ہوا لفافہ کھول لیا جس میں کئی صفحات پر مشتمل غالباً" ایک عدد خط تھا۔

"مصطفیٰ یہ خط تو پڑھ کر سناؤ آخر چاچا نے اس میں کیا لکھ کر میرے نام بھیج دیا۔"

اتنے لمبے چوڑے خط نے زہرہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور وہ پورا پلندہ مصطفیٰ کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی' جسے مصطفیٰ نے خاموشی سے تھام لیا اور پھر وہ با آواز بلند پڑھنا شروع ہوگیا یہ خط زہرہ کو مخاطب کرکے لکھا گیا تھا اور جیسے جیسے مصطفیٰ وہ خط پڑھتا گیا زہرہ کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس کے ساتھ علی محمد بھی حیران و پریشان اس خط کا متن سن رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

مصطفیٰ بس کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑا تھا جب ایک بڑی سی جیپ اس کے سامنے آن رکی اس نے دیکھا ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر اس کا کزن شہریار قاسم بیٹھا تھا جبکہ پچھلے شیشے کالے ہونے کے باعث اندر دیکھنا مشکل تھا۔

"بیٹھ جاؤ میں اس طرف ہی جا رہا ہوں تمہیں بھی چھوڑ دوں گا۔"

اس سے تین سال بڑے شہریار نے جیپ کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے اسے آفر دی، مصطفیٰ کو ایک منٹ لگا سوچنے میں وہ پچھلے بیس منٹ سے بس اسٹاپ پر کھڑا تھا مگر ابھی تک کوئی بس نہ رکی تھی اسی طرح جانے کتنی دیر اسے اور کھڑا ہونا پڑتا یہ ہی سوچ کر وہ پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے اندر بیٹھ گیا سامنے ہی سیٹ پر چاچی شہنا اور زرنش بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم چاچی۔" بیٹھتے بیٹھتے وہ سلام کرنا نہ بھولا۔

"وسلام مصطفیٰ بھائی۔"

شہنا کے جواب دینے سے قبل ہی زرنش بول اٹھی جبکہ شہنا اسے قطعی نظرانداز کیے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھی بالکل ایسے جیسے وہ گاڑی میں اس کی موجودگی سے قطعی لاعلم ہو۔ سارے راستہ گاڑی میں مکمل خاموشی طاری رہی اور وہ راستہ جو بس میں آدھ گھنٹے میں کٹتا تھا گاڑی میں صرف پندرہ منٹ بعد وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا شہریار اور زرنش کو خدا حافظ کہہ کر جیسے ہی وہ نیچے اترا شہنا نے آواز دے کر روک لیا۔

"یہ لے جاؤ۔۔۔" وہ اس کی جانب بڑا سا تھیلا بڑھاتے ہوئے بولی، جیسے مصطفیٰ نے بنا کوئی سوال کیے تھام لیا اندر سے آتی خوشبو بتا رہی تھی کہ اس میں بریانی ہے۔

"دراصل آج بڑے ابا کی برسی تھی جس کا کھانا میں غریبوں میں تقسیم کرنے نکلی تھی تو تمہارا حصہ بھی رکھ لیا۔"

اس نے کچھ نہ پوچھا لیکن شہنا نے بتانا ضروری سمجھا اور اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتا گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی اور وہ عجیب خجل سا ہاتھ میں بریانی کا پیکٹ تھامے گھر کے اندر داخل ہو گیا جسے خاموشی سے لے جا کر اس نے کچن کے دروازے پر موجود اپنی ماں کے حوالے کر دیا۔

"یہ چاچی شہنا دے کر گئی ہیں۔"

"ارے اندر تو بلاتے کہاں گئی؟" زہرہ نے جلدی سے باہر نکل کر یہاں وہاں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ چلی گئی ہیں امی یہ بریانی دادا ابو کی برسی کی ہے آج شاید ان کے ہاں نیاز تھی۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔" ماں کا جواب سن کر وہ جیسے ہی آگے بڑھا، پاؤں زمین پر رکھے بیگ سے ٹکرا گیا۔

"یہ بیگ کس کا ہے؟"

"میرا۔۔۔ میں کل پونچھ جا رہی ہوں اپنے چاچا کے پاس، ان کی حالت بہت خراب ہے اور وہ ایک بار مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"یہ سب تو وہ باتیں ہیں امی جو میں نے خود آپ کو خط میں پڑھ کر سنائی تھیں۔" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہاں لیکن اہم بات یہ ہے کہ آج صبح ڈاک کے ذریعے انہوں نے میرا جہاز کا ٹکٹ بھی بھیج دیا ہے ساتھ ہی کچھ رقم بھی۔"

"پھر تو آپ کا جانا لازمی ہو گیا۔"

"ہاں بیٹا دراصل میرے والد اور چاچا دو ہی بھائی تھے، میں اپنے والد کی تنہا اولاد تھی جبکہ چاچا کی بیٹی مجھ سے چھوٹی تھی اور اب ہو سکتا ہے وہ اپنی بیماری میں کچھ ایسی بات کرنا چاہتے ہوں، جو اپنی بیٹی کے ساتھ کرنا ممکن نہ ہو۔ اس لیے بھی شاید وہ چاہتے ہیں کہ میں ایک بار مل کر ان کی بات سن لوں۔" زہرہ نے بیٹے کو پوری بات سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا آپ نے پکایا کیا ہے؟" مصطفیٰ نے ان کی ساری بات سننے کے بعد صرف اتنا ہی پوچھا۔

"ابھی تو تمہیں شہنا بھابھی بریانی دے کر گئی ہیں۔"

"مجھے وہ نہیں کھانی جو گھر میں پکا ہے آپ وہ گرم کر

کے میرے لیے لادیں، میں ہاتھ منہ دھو کر آرہا ہوں۔"
زہرہ نے بیٹے کی بات سن کر حیرت سے اسے دیکھا کیونکہ وہ بریانی کافی شوق سے کھاتا تھا مگر اس دن جانے مصطفیٰ کو کیا برا لگا کہ اس نے سامنے رکھی گرما گرم بریانی چھوڑ کر چٹنی کے ساتھ روٹی کھائی اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سونے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

بیس منٹ چلنے کے بعد جیپ بالآخر حویلی کے بڑے سے گیٹ کے اندر داخل ہو گئی ڈرائیور نے نیچے اتر کر تیزی سے زہرہ کی طرف کا دروازہ کھولا آجائیں بی بی ...."
زہرہ خاموشی سے اتر کر اس کی سنگت میں چلتی بڑے سے دالان سے ہوتی ایک بہت بڑے کمرے میں داخل ہو گئی، وہ آج کئی سالوں بعد یونچھ آئی تھی شاید بائیس سال قبل، جب مصطفیٰ پیدا بھی نہ ہوا تھا وہ اپنے ابا کے فوت ہونے پر یہاں آئی تھی اور یہ ہی وہ وقت تھا جب چاچا دوبارہ ہمیشہ کے لیے ساؤتھ افریقہ چلا گیا اور زہرہ کا ناطہ اپنے گاؤں سے بالکل ختم ہو گیا اور آج اتنے سالوں بعد اپنے باپ دادا کی حویلی میں اس نے قدم رکھا تو یہاں ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔ فرش سے لے کر چھت تک سب تبدیل ہو چکا تھا چاچا کوئی دو سال قبل واپس آیا تھا اور آکر اس نے حویلی کو بالکل ایک نیا انداز دے دیا تھا۔ حویلی دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس پر بہت پیسہ لگایا گیا ہے وہ حیرت زدہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی جب بڑے سے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے سفید لاش کی طرح لیٹے اپنے سگے چاچا کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور تیزی سے ان کی جانب بڑھی چاچا نے اسے دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی، قریب موجود ان کے چودہ پندرہ سالہ ملازم لڑکے نے انہیں اٹھا کر تکیہ کے سہارے بٹھا دیا۔ زہرہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی بڑی دیر بعد جب اس کا دل ہلکا ہوا تو اس نے دیکھا کمرے میں چاچا بالکل تنہا ہے ان کی بیٹی جسے زہرہ جانتی تھی وہاں موجود نہ تھی۔

"گل رعنا کہاں ہے چاچا؟" زہرہ نے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"مرجینا کو بلاؤ۔" اسے جواب دینے کے بجائے چاچا نے ملازم لڑکے کو مخاطب کیا جو صرف پانچ منٹ کے بعد کمرے میں ایک خوب صورت سی سترہ اٹھارہ سالہ لڑکی کے ساتھ داخل ہوا۔
"یہ مرجینا ہے، زہرہ جس کے لیے میں نے تمہیں یہاں آنے کی زحمت دی۔"
وہ یکدم چونک گئی چاچا نے اپنے خط میں واضح طور پر لکھا تھا انہیں اپنی بچی کی طرف سے کچھ پریشانی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ پریشانی صرف زہرہ ہی دور کر سکتی ہے اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ زہرہ گاؤں آئے اور ان کی معصوم بچی کی ذمہ داری قبول کرے تاکہ وہ سکون سے مر سکیں۔
خط میں بچی کا نام نہیں لکھا تھا جس کے تحت زہرہ نے خود بخود اپنے ذہن میں اس حوالے سے گل رعنا کا تصور باندھ لیا لیکن یہاں آکر اسے اس حویلی میں ابھی تک گل رعنا نظر نہ آئی تھی بلکہ اس کے بجائے چاچا نے مرجینا کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ مرجینا کون تھی؟ ایک سیکنڈ کو زہرہ سمجھ نہ پائی۔
"یہ میری پوتی ہے؟" اس کے چہرے پر چھائی الجھن دور کرنے کے لیے چاچا نے اتنی آہستہ آواز میں کہا کہ زہرہ کو بمشکل کان لگا کر ان کی آواز سننی پڑی۔
"یہ میرے ساتھ ساؤتھ افریقہ سے آئی تھی جبکہ اس کی ماں اور بھائی دونوں نے پاکستان آنے سے انکار کر دیا تھا اور میں اپنی جائیداد میں ان کا حصہ انہیں دے کر وہیں الگ کر آیا اور رہا میرا بیٹا تو وہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔" بات کرتے کرتے انہیں سانس چڑھ گیا، مرجینا نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنے دادا کی کمر سہلانی شروع کر دی۔
"اور یہاں آتے ہی جانے کیسے مجھے جگر کی بیماری لگ گئی۔" چاچا کھانسنے لگے، زہرہ نے گلاس میں پانی ڈال کر ان کے لبوں سے لگا دیا۔
"اور بیماری کے ساتھ ہی دوسری مصیبتیں بھی

میری جان کو آگئیں جن میں سب سے بڑی مصیبت گل رعنا کا شوہر اور اس کا سسرال ہے جو کسی طور بھی مرجینا کو یہاں برداشت نہیں کر رہے۔"

تو زہرہ غلط سمجھی تھی پریشانی کا شکار گل رعنا نہیں بلکہ مرجینا تھی البتہ اس کی پریشانی کی وجہ گل رعنا ضرور تھی۔

"اعجاز چاہتا ہے کہ میں یہ سب جائیداد اپنی زندگی میں گل رعنا کے نام کرکے مرجینا کو واپس ساؤتھ افریقہ بھیج دوں اس کی ماں کے پاس' جبکہ اس کی ماں اور بھائی کبھی بھی اسے وہاں نہیں رہنے دیں گے میرے بعد یہ بالکل تنہا ہو جائے گی کیونکہ اس کی ماں دوسری شادی کرنا چاہتی ہے۔"

انہوں نے پاس بیٹھی اپنی پوتی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا اتنی دیر میں زہرہ نے ابھی تک مرجینا کو بولتے نہ سنا تھا' وہ بالکل خاموشی کے ساتھ سر جھکائے اپنے دادا کی باتیں سن رہی تھی۔ ایک دو دفعہ تو زہرہ کو ایسا بھی محسوس ہوا جیسے وہ چاچا کی زبان بھی نہ سمجھتی ہو مگر اگلے ہی پل زہرہ کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی۔

"میرے لیے آپ اتنے پریشان مت ہوں بابا میرے ساتھ میرا اللہ ہے جو مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔" چاچا کی بات کے جواب میں جب وہ بولی تو اس کی زبان نہایت شستہ تھی۔

"دوسری بات یہ ہے کہ زہرہ پتر' یہ حویلی تو کسی بھی طرح اکیلی گل رعنا کی ملکیت نہیں ہے' یہاں تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میری ان دونوں بچیوں کا۔ یہ تمہارے باپ دادا کی جاگیر ہے زہرہ۔"

اتنی غربت میں بھی زہرہ یا علی محمد کو کبھی یہ خیال نہ آیا کہ گاؤں میں موجود حویلی زہرہ کے حق ملکیت میں آتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پیسہ جتنا زیادہ آتا ہے انسان کی ہوس بڑھتی جاتی ہے جبکہ غریب آدمی اتنا ہی پیسہ کمانے کا سوچتا ہے' جس سے اس کی دو وقت کی روٹی پوری ہو سکے۔

"اب میں نے یہ حویلی بیچنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" چاچا کی آواز پہلے سے بھی مدھم ہو گئی غالباً" انہیں خدشہ تھا کہ کوئی سن نہ لے "اس سلسلے میں میری شہر بات ہو گئی ہے' یہ جگہ کسی ٹرسٹ کو اپنے اسپتال کے لیے چاہیے' جس کا مجھے معقول معاوضہ مل رہا ہے اور میں نے تمہیں اس لیے بھی بلایا ہے کہ کل شہر سے وکیل صاحب آ رہے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ سارا کام تمہاری موجودگی میں ہو۔"

وہ سانس لینے کو رکے' دم بخود زہرہ ان کی ہر بات نہایت دھیان سے سن رہی تھی۔

"وہ اپنے ساتھ تین چیک لے کر آئیں گے جو تم تینوں کے نام ہوں گا میں چاہتا ہوں' کہ تم میرے سامنے نہ صرف اپنا چیک وصول کرو بلکہ مرجینا کا بھی لے جاؤ۔"

"مرجینا کا کیوں چاچا۔" چیک کے ذریعے ملنے والی متوقع رقم سنتے ہی زہرہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے جسم سے جان ہی نکل گئی ہو کہاں روپے روپے کی خاطر شہنا کے گھر جا کر کام کرنے والی زہرہ ایک دم ہی لکھ پتی بن گئی۔ اسے آج پتا چلا قسمت مہربان کس طرح ہوتی ہے۔

"دیکھ زہرہ پتر! مجھے گل رعنا اور اعجاز پر رتی برابر اعتماد نہیں اور میں مرجینا کو تمہاری نگرانی میں دینا چاہتا ہوں' میں چاہتا ہوں میرے بعد مرجینا کی سرپرست بن کر اس کی حفاظت کرو۔"

وہ بڑے دھیان سے چاچا کی بات سن رہی تھی چاچا کا آخری جملہ سنتے ہی اس نے اپنے قریب بیٹھی مرجینا پر ایک نظر ڈالی' خوب صورت گوری چٹی مرجینا جینز کے اوپر کالی چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔

"اعجاز کے خوف سے میں اپنی بچی کو حویلی میں نہیں رہنے دیتا۔ یہ دو سال سے لاہور شہر کے ایک ہوسٹل میں رہتی ہے وہاں سے اس نے بارہ جماعتیں پاس کیں اور اب یہ میڈیکل کا ٹیسٹ دے کر آئی ہے۔"

اعجاز گل رعنا کی سگی خالہ کا بیٹا تھا اس حوالے سے شاید وہ سمجھتا تھا کہ چاچا کی کل جائیداد میں سارا حصہ اسی کا ہے۔ "میں چاہتا ہوں زہرہ تم جب واپس لاہور

جاؤ تو اسے بھی اپنے ساتھ ہی لے جاؤ' یہ وہاں ہی رہے گی' میڈیکل کالج کی ہوسٹل میں۔ بس تم سے میری درخواست ہے وہاں میری بچی کا خیال رکھنا اور اسے تنہائی محسوس نہ ہونے دینا میرے دل کہتا ہے کہ تم میرے اس اعتماد کو کبھی نہ توڑو گی۔"

"ٹھیک ہے چاچا میں مرجینا کو اپنی بیٹی سمجھ کر اس کا خیال رکھوں گی۔" زہرہ نے اسے خود سے لگا کر چاچا کو تسلی دی۔ وہ ایک ایسی رات تھی جو شاید زہرہ کی زندگی کی تمام راتوں میں بہت لمبی ہو گئی تھی یا پھر کل ملنے والے چیک کے انتظار میں اس سے رات گزر کر ہی نہ دے رہی تھی۔ اپنے گھر میں بان کی چارپائی پر سکون کی نیند سونے والی زہرہ یہاں نرم گرم بستر میں ہیٹر کے سامنے بھی بے سکون رہی۔

صبح ناشتا کرتے ہی پہلے تو چاچا کا ڈاکٹر آیا اور پھر گیارہ بجے کے قریب شہر سے ایک وکیل کچھ آدمیوں کے ساتھ حویلی آن پہنچا' ملازمہ کے بلانے پر زہرہ بھی اس بیٹھک میں جا بیٹھی جہاں بڑی بڑی مونچھوں والا اعجاز پہلے سے موجود تھا اور مرجینا کو ایسے گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا اور اسی وقت اس کی ملاقات پہلی بار کئی سالوں بعد گل رعنا سے ہوئی۔ شوہر کے سائے تلے تحفظ کے باوجود گل رعنا اور مرجینا میں بڑا فرق تھا۔ واضح طور پر جو اعتماد مرجینا میں نظر آرہا تھا گل رعنا میں قطعی مفقود تھا۔ وہ ڈری سہمی سی ایک عورت کا روپ لیے ہوئے زہرہ کے بالکل سامنے بیٹھی تھی' جب ساری کاروائی کے بعد وکیل نے تینوں کے نام کے چیک ان کے حوالے کیے' چیک پر درج رقم دیکھ کر زہرہ کو یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ اتنا روپیہ ایک ساتھ اس کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ وہ جلد از جلد یہ خبر مصطفیٰ اور علی محمد کو سنانا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک دو دن میں ہی لاہور واپسی کا پروگرام بنا چکی تھی۔ ان ہی سوچوں میں گم تھی جب اعجاز کی غصیلی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"یہ سراسر زیادتی ہے چاچا' جانے کس لڑکی کو تو نے ہمارے سروں پر لا کر بٹھا دیا۔ جو بینکوں میں تو نے اس کے نام کیا اس کا تو ہمیں حساب نہیں اب یہ خالی حویلی تیرے سے مانگی تھی کہ ہمیں دے دے تو نے اس کے بھی حصہ بخرے کر دیے یہ تو نے اچھا نہیں کیا چاچا۔"

وہ بیمار چاچا کے سر پر کھڑا چنگاڑ رہا تھا جبکہ گل رعنا خاموشی سے گردن جھکائے کھڑی کانپ رہی تھی۔ اسی دم چادر میں لپٹی موٹی سی ایک عورت اور مرد کمرے میں داخل ہوئے' جو یقیناً" گل رعنا کے ساس سسر تھے کیونکہ آتے ہی وہ دونوں اعجاز کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ زہرہ نے دیکھا مرجینا بنا کسی خوف کے اپنے دادا کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"ویر جی اتنی ناانصافی اپنی سگی اولاد کے ساتھ کون کرتا ہے ہم نے تو نہ کبھی دیکھا نہ سنا ایسا باپ جسے اپنی بیٹی کی خوشیوں کا ذرا احساس نہ ہوا اور ایسی پوتی کو حصہ دار بنا دیا جس کا کوئی ثبوت بھی نہیں۔" یہ گل رعنا کی سگی خالہ اور ساس تھی جو بڑی نخوت سے اس کے باپ سے مخاطب تھی۔

"اب بہتر یہ ہے چاچا اس لڑکی کا رشتہ اپنی زندگی میں میرے بھائی کو دے دے اسی میں تیرا اور ہم سب کا بھلا ہے۔"

اعجاز کمرے میں زہرہ کی موجودگی کو قطعی نظرانداز کرتا مرجینا کو کینہ توز نگاہوں سے گھورتا ہوا چاچا سے مخاطب ہوا۔

"پلیز اعجاز انکل آپ کو جو بات کرنی ہے آہستہ آواز میں کریں آپ کی تیز آواز بابا کو پریشان کر رہی ہے۔" بنا کسی خوف کے مرجینا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"فی الحال آپ لوگ یہاں سے جائیں خالہ' چاچا کی طبیعت کچھ بہتر ہو تو ہم بات کریں گے۔"

زہرہ' مرجینا کی مدد کو آگے بڑھی' گل رعنا کا بازو پکڑے اعجاز کمرے سے باہر نکل گیا' جبکہ خالہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے زہرہ کو گھور رہی تھیں' زہرہ نے دیکھا چاچا کا سانس اکھڑ رہا تھا' وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی جب خالہ اور خالو نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتے اپنے بیٹے کے پیچھے باہر نکل گئے۔ چاچا کی حالت بگڑ

چکی تھی زہرہ انہیں سنبھالنے لگی جبکہ مرجینا تیزی سے باہر بھاگی اور کچھ ہی دیر میں باہر سے آتی ایمبولینس کی آواز سن کر زہرہ سمجھ گئی کہ اس نے اسپتال فون کردیا تھا پھر وہ دونوں ڈرائیور علی شیر کی مدد سے چاچا کو شہر کے ایک بڑے اسپتال لے گئیں جہاں انہیں ساری رات آکسیجن لگی رہی۔ وہ ساری رات مرجینا نے اپنے دادا کے لیے رو کر گزاری جبکہ اعجاز اور گل رعنا میں سے کوئی بھی اسپتال نہ آیا تھا۔ صبح چاچا کی حالت اتنی بہتر ضرور تھی کہ وہ بات کرسکتے تھے ہوش میں آتے ہی انہوں نے علی شیر کو بلایا اور سمجھاتے ہوئے بولے۔

"اگر مجھے کچھ ہوجائے تو میرے کفن دفن سے بھی پہلے ان دونوں کو تم نے حویلی سے نکال کر لاہور شہر پہنچانا ہے۔ یہ تمہاری ذمہ داری اور میری آخری وصیت ہے علی شیر اور مجھے امید ہے بیٹا تم ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میرے کام آؤ گے۔"

علی شیر نے ان کی بات سن کر فوراً اثبات میں سر ہلا دیا زہرہ نے دیکھا وہ بھی رو رہا تھا اسے حیرت ہوئی اعجاز کی سخت دلی پر جو صرف اور صرف روپے کی خاطر سگی اولاد کو اپنے باپ سے ملنے نہ دے رہا تھا اسے گل رعنا پر ترس آگیا اور پھر اس رات چاچا فوت ہوگیا لیکن مرنے سے قبل اس نے زہرہ سے معافی ضرور مانگی۔

"پتر زہرہ ہمارے باپ دادا کی زمینیں بھی تھیں جن پر شروع سے ہی اعجاز قابض ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی اس میں سے تیرا حق تجھے دینے کی مگر میں ناکام ہوگیا کیونکہ اس صورت میں میری بیٹی کا گھر اجڑ جاتا جو کوئی باپ برداشت نہیں کرتا یہ ہی وجہ تھی کہ بنا تقسیم کیے وہ ساری زمین اعجاز کے پاس ہیں اس کے لیے مجھے معاف کردینا۔"

جو مل گیا زہرہ کے لیے وہ بھی بہت کافی تھا اتنا کہ شاید وہ کبھی زندگی میں اتنی رقم کا تصور بھی نہ کرسکتی تھی۔ اسے تو یقین ہی نہ آتا تھا کہ لوگ روپے پیسے کے لیے اتنی جان کس طرح مارتے ہیں کہ رشتے ناطوں کا تقدس بھی بھول جاتے ہیں۔ کتنی ایکڑ زمین پر قبضہ کرنے کے بعد بھی اس کے لالچ میں ایک فیصد کمی نہ آئی تھی۔ زہرہ کو اس کی حالت پر افسوس ہوا اور اب اتنی رات میں اس کی سمجھ نہ آرہا تھا کہ چاچا کی موت کی خبر گل رعنا تک کس طرح پہنچائے اور اس کا یہ مسئلہ شیر علی نے حل کردیا۔

"بی بی جائیں پہلے میں آپ دونوں کو گھر چھوڑ آؤں پھر جاکر رعنا بی بی کو لے کر آنا ہے۔"

اور اس طرح نڈھال مرجینا کو سنبھالے' زہرہ ایک بار پھر حویلی آگئی جو اس وقت بھی بھائیں بھائیں کر رہی تھی اور وہاں چاچاجی کی موت پر رونے والا کوئی نہ تھا سوائے ان دونوں کے' اور پھر جب دو بجے رات شیر علی چاچاجی کی میت لے کر گھر آیا تو روتی دھوتی گل رعنا بھی اس کے ساتھ تھی جب کہ اعجاز اور اس کے گھر کا کوئی بھی فرد اس کے ساتھ نہ تھا۔ وہ آتے ہی زہرہ کے گلے لگ کر رونے لگی' مرجینا خاموشی سے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی وہیں بیٹھے بیٹھے زہرہ کو اونگھ آگئی جب کسی نے اسے پاؤں سے پکڑ کر ہلایا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"آنٹی اٹھ جائیں ہمیں اس وقت یہاں سے نکلنا ہے۔"

زہرہ نے دیکھا' چادر اوڑھے ہاتھ میں بیگ تھامے مرجینا جانے کے لیے بالکل تیار کھڑی تھی۔ جبکہ گل رعنا بالکل خاموشی سے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی شیر علی دروازے پر کھڑا تھا جس نے آگے بڑھ کر ان دونوں کے ہاتھ سے بیگ تھام لیے۔ وہ دونوں باہر نکلیں تو ابھی بھی ملگجا سا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا زہرہ نے ٹائم دیکھا چار بج کر پینتالیس منٹ ہوچکے تھے ان دونوں کے گاڑی میں بیٹھتے ہی شیر علی تیزی سے گاڑی دوڑاتا باہر نکل آیا' جب اسی وقت اعجاز کی گاڑی ان کے پاس سے گزری گاڑی میں خالہ اور خالو کے علاوہ دو نوجوان بھی موجود تھے جن کی شکل ہو بہو اعجاز جیسی تھی۔ خیر گزری جو اعجاز نے ان دونوں کو نہ دیکھا۔

"یہ دونوں نوجوان کون تھے؟" گاڑی جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہوئی اس نے پلٹ کر مرجینا سے

سوال کیا۔
"یہ آنٹی گل رعنا کے دونوں جڑواں بیٹے ہیں شایان اور کاشان۔"
"جب گل رعنا کے اپنے بیٹے جوان اور تمہارے ہم عمر تھے اور پھر بھائی اعجاز تمہارا رشتہ اپنے بھائی کے لیے کیوں مانگ رہے تھے؟ کیوں تمہیں اپنی بہو بنانے کی کوشش نہیں کی؟" زہرہ نے حیرت سے دریافت کیا۔
"اس لیے کہ ان کا نکما اور آوارہ بھائی مجھ پر عاشق ہو گیا تھا اور ویسے بھی قابل بیٹوں کو تو اچھا رشتہ مل سکتا ہے چرسی بھائی کو کس بے وقوف نے اپنی لڑکی دینی تھی۔"
اپنی سرخ ناک رگڑتے ہوئے وہ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی اور پھر مسلسل سفر کے بعد دوپہر گئے زہرہ اپنی گلی میں داخل ہو گئی اسے سخت افسوس تھا کہ وہ دونوں چاچا کی آخری رسومات میں شریک نہ ہو سکیں اور جانے کیا وجوہات تھیں جن کے بنا پر اسے اس طرح وہاں سے چوروں کی طرح نکلنا پڑا' مگر فی الحال یہ موقع مرجینا سے کوئی بھی سوال و جواب کرنے کا نہ تھا۔
بڑی سی گاڑی اس کے چھوٹے سے گھر کے دروازے کے عین سامنے جا کھڑی ہوئی زہرہ بڑے فخر کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکلی یہ گھر اس کی جنت تھا اور مرجینا کو یہاں لاتے ہوئے اسے کسی قسم کی کوئی شرمندگی نہ تھی دروازہ بجانے کی نوبت ہی نہ آئی شاید ماں کی خوشبو محسوس کرتا ہوا اندھا دھند مصطفیٰ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور ٹھک کر کے مرجینا سے ٹکرا گیا' شکر تھا وہ گاڑی کے پاس ہی کھڑی تھی ورنہ غریب روڈ پر جا پڑتی۔
"شکر ہے امی آپ آ گئیں ورنہ میں تو آپ کے بغیر بور ہو گیا تھا۔"
اپنا کندھا سہلاتے مرجینا کو قطعی نظر انداز کرتا وہ ماں کے گلے لگ گیا جبکہ زہرہ کا پورا دھیان بیٹے سے زیادہ اس بن ماں باپ کی بچی کی طرف تھا جسے وہ اپنی سرپرستی میں یہاں لے کر آئی تھی۔
"بیٹا زیادہ زور سے تو نہیں لگا۔" جلدی سے مصطفیٰ کو خود سے دور کر کے وہ مرجینا سے مخاطب ہوئی جو اپنا کندھا تھامے خاموش ایک طرف کھڑی تھی۔
"نہیں آنٹی۔"
"سوری میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا۔" مصطفیٰ نے شرمندہ ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"ٹکرانے کے بعد تو دیکھ لیا تھا اس کے بعد بھی معذرت کر لیتے۔"
"اب سوری بول تو دیا ہے۔"
"چلو مصطفیٰ بیگ اٹھاؤ اور شیر علی کو اندر لے آؤ۔"
زہرہ جلدی سے بول پڑی مبادا بات بڑھ نہ جائے علی محمد گھر نہ تھا' زہرہ نے مصطفیٰ کو رقم دے کر بازار سے کھانا منگوایا وہ پوچھ سے آئی تھی یقیناً" چاچا جی نے ضرورت کی کچھ رقم دے کر بھیجا تھا اس خیال کے ساتھ ہی مصطفیٰ ہنسی خوشی بازار روانہ ہو گیا جبکہ زہرہ کو شدت سے علی محمد کی واپسی کا انتظار تھا تاکہ وہ اسے اپنے مال دار ہونے کی خبر سنا سکے۔

✡ ✡ ✡

شیر علی کھانا کھاتے ہی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔
"اچھا بی بی اب مجھے اجازت دیں اور یہ آپ کی امانت۔" ہاتھ میں پکڑی بڑی والی گاڑی کی چابی اس نے خاموش بیٹھی مرجینا کے حوالے کی۔
"میں اس کا کیا کروں گی شیر علی اپنے ساتھ لے جاؤ۔"
"نہیں بی بی! میں اب واپس وہاں نہیں جاؤں گا وہ حویلی تو ویسے بھی بک چکی ہے آپ یہاں آ گئی ہو تو میرا وہاں کون ہے مجھے اب اپنے گاؤں جانا ہے۔"
شیر علی کا کہنا درست تھا مرجینا نے خاموشی سے چابی تھام لی۔
شیر علی، مصطفیٰ سے مل کر رخصت ہو گیا۔ علی محمد

جب سے گھر واپس آیا تھا زہرہ کی کہانی اور دراز میں رکھے چیک نے اس کے لب سی دیے تھے وہ کئی بار اپنے ہاتھ پر چٹکی لے کر یقین کروانے کی کوشش کرچکا تھا کہ جو کچھ اس نے دیکھا اور سنا وہ کہیں خواب تو نہیں ان ہی خیالوں میں غرق تھا جب اس کے کانوں سے مرجینا کی آواز ٹکرائی۔

"آنٹی اس بیگ میں میرے زیورات ہیں پلیز اسے کہیں حفاظت سے رکھ دیں۔"

"ہمارے گھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں تمہارا اتنا زیور سما سکے۔" جواب مصطفیٰ کی جانب سے آیا تھا۔

"میں زہرہ آنٹی سے بات کر رہی ہوں۔ اس لیے جواب بھی انہیں دینا چاہیے۔" وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو وہ میری ماں ہیں اور مجھے پتا ہے کہ ہمارے گھر میں کوئی۔"

"خاموش ہو جاؤ مصطفیٰ۔" زہرہ کو اس کا اس طرح بولنا قطعی نہ بھایا مصطفیٰ بنا جواب دیے خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا جبکہ زہرہ نے آگے بڑھ کر مرجینا کے قریب رکھا بیگ اٹھالیا جو خاصا وزنی تھا۔

"اس میں سے اپنا باقی سامان نکال کر صرف زیور میرے حوالے کردو۔"

"اس بیگ میں صرف وہ زیورات ہیں جو بابا نے مجھے اور رعنا آنٹی کو دیے تھے اور کچھ قیمتی پتھر جو وہ ساؤتھ افریقہ سے لائے تھے۔"

اس نے قدرے اطمینان سے جواب دیتے ہوئے کہا زہرہ نے گھبرا کر علی محمد کی شکل دیکھی۔

"اندر اسٹور میں رکھ دو بستر والی پیٹی میں چھپا کر اور ویسے بھی کسی کو کیا پتا میرے جیسے مزدور آدمی کے گھر میں کوئی ایسی چیز ہے جو چرائی جاسکے۔"

اس کی بات درست تھی' زہرہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ خاموشی سے اٹھ کر بیگ رکھ کر آئی اور اس رات مرجینا نے اسے کئی ایسی باتیں بتائیں جو وہ نہیں جانتی تھی اور جنہیں سن کر زہرہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"علی محمد کے گھر سے ہی قرآن خوانی کا بلاوا آیا ہے نا تم نے ٹھیک سے سنا تھا؟" شہنا نے اپنے ناخن فائل کرتے ہوئے ملازم لڑکے سے ایک بار پھر تسلی چاہی۔

"جی میڈم ان کا بیٹا آیا تھا مصطفیٰ' میں نے بہت کہا اندر آجاؤ مگر وہ شاید کچھ جلدی میں تھا۔"

"اکیلا تھا؟" مصطفیٰ اس سے پہلے کبھی یوں شہنا کے گھر نہ آیا تھا اس لیے وہ تھوڑا سا حیران ہوئی۔

"ہاں جی آج تو مصطفیٰ صاحب قرآن خوانی کا بلاوا دینے بڑی والی گاڑی میں آئے تھے۔"

"کون سی بڑی والی گاڑی۔۔۔ ٹرک" زرنش نے ہنستے ہوئے درمیان میں لقمہ دیا۔

"نہیں جی ان کے پاس۔۔۔ صاحب جیسی جیپ تھی۔"

"ڈرائیو کون کر رہا تھا؟ شہنا نے فائلر سائیڈ پر رکھ کر قاسم کی جانب دیکھا۔

"وہ خود۔۔۔" جواب خاصا غیر متوقع تھا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے اس کا۔" اب کہ شہنا بھی ہنس دی۔

"جس بندے کو سائیکل چلانی نہیں آتی وہ بڑی والی جیپ چلانے لگا اور دوسری اور اہم بات یہ کہ اس کے پاس جیپ آئی کہاں سے راتوں رات کہیں ڈاکا ڈالا ہے کیا اس نے۔"

قدرے منہ بناتے ہوئے وہ ملازم کو لتاڑ رہی تھی۔

"پتا نہیں اس نے کس کو دیکھ لیا مما مجھے سو فیصد امید ہے کہ وہ مصطفیٰ نہیں تھا۔"

زرنش کا اطمینان قابل دید تھا مگر جلد ہی دونوں ماں بیٹی کا خیال اس وقت غلط ثابت ہوگیا جب گیٹ پر موجود خان بابا نے بھی ملازم کے بیان کی تصدیق کردی۔

"مصطفیٰ اور کھٹارا کی گاڑی بات ہضم نہیں ہو رہی۔"

ان دونوں کے بعد شہریار کے حیران ہونے کی باری تھی اور پھر اپنی اس حیرت کو دور کرنے کے لیے لازم تھا

کہ آج علی کے گھر ہونے والی قرآن خوانی میں وہ تینوں لازمی شرکت کرتے تاکہ علم ہو سکتا کہ کون سا قارون کا خزانہ مصطفیٰ کے ہاتھ لگ گیا ہے جبکہ شہنا کو سو فیصد یقین تھا کہ ان کے اس بدلے ہوئے حالات کے پس پردہ قاسم کا ہاتھ ہے اور یہ ہی سوچ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی شہنا شام چار بجے ہی زہرہ کے گھر پہنچ گئی جہاں اور بھی بہت کچھ ایسا تھا جس نے شہنا کو مزید ہکا بکا کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے آنٹی گل رعنا نے بتا دیا تھا کہ اعجاز انکل نے تدفین کے فوراً" بعد میرے نکاح کا بندوبست کر رکھا ہے اس لیے انہوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں منہ اندھیرے ہی آپ کے ساتھ اس حویلی سے بھاگ جاؤں۔"

"اوہ تو یہ وجہ تھی جس کے سبب ہم دونوں چاچا کی تدفین کی آخری رسومات میں شریک نہ ہو سکے' اچھا ہوا تم نے بتا دیا ورنہ مجھے ساری زندگی افسوس رہتا۔"

اس کی بات سن کر زہرہ نے تائید چاہی۔

"ایک بات بتاؤ کیا گل رعنا کو تم سے کی جانے والی یہ ہمدردی مہنگی نہ پڑی ہوگی؟"

"نہیں کیونکہ اس حویلی سے حاصل ہونے والی تمام رقم کا چیک ان کے نام ہے اس کے علاوہ بابا جی نے ساری زمینیں بھی ان کے نام کر رکھی ہیں۔ جس کے باعث اعجاز انکل اس وقت تک ان سے ڈرتے رہیں گے جب تک سب کچھ ہتھیا نہ لیں اور ایسا کبھی ہو گا نہیں۔" بات درمیان میں چھوڑ کر مرجینا نے زہرہ کی شکل دیکھی۔

"کیونکہ آنٹی کو اپنے دونوں بیٹوں کی حمایت حاصل ہے اور انکل بھی اپنے بیٹے شایان سے خاصا گھبراتے ہیں۔"

"اچھا مجھے تم سے ایک بات اور پوچھنی تھی۔" شروع دن سے دل میں آیا اپنا ایک اور وہم بھی وہ آج دور کر لینا چاہتی تھی۔

"چاچا رحمت کی پہلی شادی گاؤں میں ہوئی گل رعنا کی امی سے اور جب گل رعنا تین سال کی تھی تو انہوں نے ساؤتھ افریقہ جا کر تمہاری دادی سے دوسری شادی کر لی ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔"

یہاں رک کر اس نے مرجینا سے تصدیق چاہی۔

"جی۔۔۔" "پھر وہ صرف ایک بار پاکستان آئے میرے ابو جی کی وفات پر اس کے بعد جو ساؤتھ افریقہ گئے تو شاید چار سال قبل واپس آئے ہیں تمہیں ساتھ لے کر 'تو اس حساب سے تو تمہارے ابو گل رعنا سے کم از کم چار سال تو چھوٹے ہونے چاہئیں لیکن میں نے سنا ہے کہ وہاں ساؤتھ افریقہ میں تمہارا ایک بھائی بھی ہے جو تم سے دو سال بڑا ہے یعنی شایان اور کاشان کی عمر کے لگ بھگ۔۔۔"

"دراصل آنٹی میرے والد دادی کے پہلے شوہر سے تھے جنہیں وہ شادی کے بعد اپنے ساتھ جہیز میں لائی تھیں جبکہ بابا کی ان سے کوئی اولاد نہ تھی۔"

"اوہ تو یہ وجہ ہے جو بھائی اعجاز تمہارے اس قدر مخالف ہے۔" اب ساری بات زہرہ کی سمجھ میں آئی۔

"جی ان کا کہنا ہے کہ بابا کی واحد اولاد صرف گل رعنا ہے اس لیے وراثت میں سارا حصہ انہی کا ہے۔" کسی حد تک اعجاز کی بات درست بھی تھی۔

"دراصل آنٹی بابا نے ہمیشہ میرے پاپا کو اپنی سگی اولاد کی طرح پالا اور وہ بھی انہیں اپنے سگے باپ کا درجہ دیتے تھے جب ہوش سنبھالنے کے بعد مجھے یہ بات پتا چلی کہ بابا میرے والد کے سگے باپ نہیں تو یقین جانیں میرے دل میں ان کی عزت کئی گنا بڑھ گئی۔"

وہ صحیح کہہ رہی تھی ابھی جب زہرہ نے یہ سنا کہ چاچا نے اپنی بیوی کے پہلے بیٹے کی خاطر اپنے سگوں سے مخالفت مول لی تو زہرہ کے دل میں بھی ان کی عزت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔

"وہاں ساؤتھ افریقہ میں میرا کوئی مستقبل نہ تھا میری ماں اور بھائی پیسے کے لالچی لوگ ہیں جن کے نزدیک پیسہ عزت سے زیادہ ضروری چیز ہے یہ ہی وجہ تھی کہ جب بابا سب کچھ ختم کر کے پاکستان واپس آئے

تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے آئے انہیں شاید اندازہ نہ تھا کہ یہاں آکر وہ اس قدر مخالفت کی زد میں آجائیں گے۔"

مرجینا نے بات ختم کر کے ایک گہری سانس لی اسی پل بیرونی دروازے کی چوکھٹ پر مصطفیٰ آن کھڑا ہوا۔

"اگر آپ کی باتیں ختم ہو گئی ہوں تو مجھے کھانا دے دیں۔"

"تم ٹیبل پر بیٹھو میں دیتی ہوں۔"

زہرہ کے اٹھنے سے قبل ہی مرجینا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ بیٹھ جائیں آنٹی میں دے آتی ہوں کھانا یہ کون سا مشکل کام ہے۔ بندہ خود بھی کچن سے نکال کر کھا سکتا ہے۔"

مصطفیٰ کو سناتی وہ کچن کی جانب بڑھ گیا زہرہ سمجھ گئی اس کا مقصد صرف مصطفیٰ کو تپانا تھا گسے خدشہ لاحق ہوا شاید اب مصطفیٰ کھانا کھانے سے انکار ہی نہ کر دے مگر ایسا نہ ہوا اور وہ بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے ٹیبل پر جا کر بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

شہنا' زرنش اور شہریار کے ساتھ چار بجے ہی علی محمد کے گھر پہنچ گئی دروازے پر آتے ہی اسے پہلا جھٹکا باہر دیوار کے ساتھ لگی گاڑی دیکھ کر ہوا جو اس ٹوٹے پھوٹے مکان کی دیوار سے لگی عجیب سی لگ رہی تھی۔

"ممالقاسم کی بات تو ٹھیک نکلی۔" حیران پریشان شہنا کے کان میں زرنش منمنائی۔

"خاموش رہو بلاوجہ بولے جا رہی ہو میرا خیال ہے یہ گاڑی مصطفیٰ کے کسی دوست کی ہے۔"

شہنا سے پہلے ہی شہریار بول اٹھا' دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی شہنا کی نظر علی محمد پر پڑی' جو ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی کے ساتھ کھڑا کوئی اہم گفتگو کر رہا تھا۔ شہنا پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں خاموش ہو گئے شہنا کے دل میں قدرے تسلی ہوئی وہ سمجھ گئی کہ گاڑی اس سوٹڈ بوٹڈ شخص کی ہے جو علی کے ساتھ کھڑا ہے مگر بعد میں

ہونے والی کئی باتوں نے ان تینوں کو حیران کر دیا جن میں سرفہرست زہرہ کا اچھا لباس' اچھا کھانا اور گھر میں مرجینا کی موجودگی' قرآن خوانی مرجینا کے دادا کے ایصال ثواب کے لیے تھی جو زہرہ کا سگا چچا بھی تھا وہیں بیٹھے بیٹھے اس پر ایک خبر بجلی کی طرح گری جب زہرہ اپنی کسی پڑوسن کو بتا رہی تھی کہ وہ یہ گھر بیچنے لگے ہیں جس کے لیے صبح سے پارٹیاں آ رہی ہیں۔

"تم لوگ یہ گھر بیچ کر کہاں جاؤ گے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی شہنا کو درمیان میں بولنا پڑا۔

"کسی اچھے اور صاف علاقے میں گھر لینے کا ارادہ ہے بھابھی' یہاں تو ایک گاڑی کھڑی کرنا محال ہو گیا محلے کے بچے روز ایک رگڑ کا نشان مار جاتے ہیں۔"

زہرہ کا ارادہ سنانے کا نہ تھا مگر شہنا کو ایسا ہی محسوس ہوا خاص طور پر زہرہ کے الفاظ اور گاڑی کا ذکر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب وہ مزید کیا کہے کیسے پوچھے کہ اتنی قیمتی گاڑی آئی کہاں سے؟

"میں نے تو کہا تھا کہ اس مکان کو توڑ کر نئی بلڈنگ بنا لیتے ہیں مگر مصطفیٰ نہ مانا کہتا ہے کہ بلاوجہ یہاں پیسہ مت لگاؤ یہ مکان بیچ کر کسی اچھی سوسائٹی میں گھر لے لو اب ایک ہی بیٹا ہے اس کی نہ سنیں تو کس کی سنیں۔"

"مصطفیٰ کہیں نوکری پر لگ گیا ہے کیا؟"

"نہیں ابھی تو وہ پڑھ ہی رہا ہے آپ جانتی تو ہیں۔"

زہرہ جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب شہنا کے لیے وہاں بیٹھنا محال ہو گیا وہ گھر جہاں ایک وقت کی روٹی ڈھنگ سے نہ پکتی تھی وہاں نیا گھر اور گاڑی کی باتیں ہو رہی تھیں یہ سب شہنا کو ہضم نہ ہوا۔

"میرا خیال ہے مما چاچی کا کوئی کروڑ روپے کا بانڈ لگ گیا ہے۔" واپسی میں زرنش نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اس میں صرف وہ گاڑی آتی جو مصطفیٰ چلا رہا تھا۔" شہریار نے بہن کو جواب دیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ دولت آئی کہاں سے۔"

شہنا بری طرح سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"تمہارا باپ تو اتنا روپیہ نہیں بھیج سکتا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"مما وہ خوب صورت سی لڑکی کون تھی جماچی کے گھر بالکل انگریز لگ رہی تھی۔"

یک دم شہریار کے خیال میں مرجینا گھوم گئی۔ شاید اس کا دھیان اپنی ماں کی گفتگو سے زیادہ مرجینا میں تھا۔

"زہرہ کی کوئی رشتہ دار تھی مجھے تو لگتا ہے یہ سارا پیسہ اس کا ہی مرہون منت ہے اور مجھے تو ایک اور خیال بھی آرہا ہے۔"

شہنا نے کچھ سوچتے ہوئے بیٹے کی شکل دیکھی۔

"کہیں مصطفیٰ نے کوئی کروڑ پتی لڑکی پھانس کر شادی تو نہیں کرلی۔ مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے اب اپنی عزت رکھنے کے لیے زہرہ اسے اپنے ساؤتھ افریقہ والے چاچا کی پوتی بتارہی ہے ضرور اندر کہانی کچھ اور ہے لو بھلا ساری زندگی گزار کر چاچا کو بھتیجی یاد آگئی۔"

شہنا نے اپنے مطلب کی ایک اور اسٹوری گھڑلی۔

"جو بھی ہے اس وقت اہم یہ معلوم کرنا ہے کہ آخر سارا چکر کیا ہے۔"

اپنے پاس کروڑوں ہونے کے باوجود ان کی پریشانی کی وجہ صرف یہ تھی کہ دوسرے کے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آیا کہ ایک غریب آدمی ان کے مقابلے پر آن کھڑا ہوا۔

"جو بھی تھا مما لڑکی بڑی خوب صورت ہے اور اگر آپ کی بات غلط ثابت ہوئی تو پلیز میرا اس سے رشتہ طے کردیں مجھے وہ بہت پسند آئی ہے۔"

"خیال تو اچھا ہے مگر پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کہیں واقعی وہ مصطفیٰ کی کوئی معشوقہ تو نہیں۔"

"خوب صورت لڑکی کے ساتھ کروڑوں کی جائیداد بھی حصہ میں آجائے گی اور ہم اور امیر ہو جائیں گے۔"

زرنش نے ہنستے ہوئے کہا جبکہ شہنا کسی ایسی گہری سوچ میں غرق تھی کہ اس نے زرنش کی بات سنی ہی نہیں۔

☆ ☆ ☆

مکان بیچ کر وہ ایک پوش علاقے میں شفٹ ہوگئے' حالات اتنی تیزی سے بدلے کہ کئی بار زہرہ اور علی محمد کے ساتھ ساتھ مصطفیٰ کو بھی ایسا ہی لگتا جیسے آنکھ کھلتے ہی سہانا سپنا ٹوٹ جائے گا مگر ایسا نہ ہوا' مرجینا کا داخلہ ہوگیا اور وہ ایک آدھ دن میں ہوسٹل شفٹ ہونے کا پلان بنائے بیٹھی تھی آج بھی وہ اسی سلسلے میں زہرہ کے ساتھ بازار جاکر کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کرکے گھر واپس لوٹی تھی جب اندر داخل ہوتے ہی مصطفیٰ سے ٹکراؤ ہوگیا وہ لاؤنج میں سامنے ہی صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"کہاں سے آرہے ہیں آپ لوگ؟"

مرجینا پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے اپنی ماں سے سوال کیا جواب میں زہرہ نے ساری بات بتادی۔

"آپ نے تو بتایا تھا کہ اسے اپنے کسی انکل سے بڑے خطرات لاحق ہیں۔" مرجینا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے سرسری سے انداز میں دریافت کیا۔

"ہاں....."

"تو پھر یہ ہوسٹل میں کیسے محفوظ رہے گی اگر وہاں کسی دن وہ خونخوار انکل اعجاز پہنچ گیا تو کون بچائے گا اسے۔" مسلسل چینل سرچنگ کرتے ہوئے وہ بول رہا تھا۔

"میں اپنی حفاظت خود کرسکتی ہوں ڈرتی نہیں ہوں کسی سے۔" زہرہ کے بولنے سے قبل ہی مرجینا بول اٹھی۔

"جانتا ہوں تم کتنی بہادر ہو انکل اعجاز کے خوف سے اپنے دادا کو دفنائے بغیر میری اماں کو لے کر بھاگ آئی تھیں پونچھ سے لاہور۔"

زہرہ کو سمجھ نہ آئی مصطفیٰ اتنی فضول باتیں کیوں کر رہا ہے جبکہ وہ ہر بات اچھی طرح جانتا تھا۔

"مصطفیٰ بلاوجہ کی فضول باتیں مت کرو۔" زہرہ کو لگا مرجینا کی شفاف آنکھیں پانی سے بھر گئی ہیں۔

"اب ظاہر ہے جب کوئی میرے گھر میں گھس کر میری ماں پر قبضہ کرے گا تو فضول باتیں تو کرنی پڑیں

گی۔" ریموٹ صوفے پر پھینک کر پاؤں میں چپل پھنساتا وہ اٹھ گیا اور پھر کمرے سے باہر نکلتا نکلتا پلٹ کر واپس آیا اور مرجینا کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"سوری اگر تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہو بس کیا کروں شاید فضول بولنے کی عادت ہو گئی ہے مجھے یا پھر ساری زندگی اپنی ماں پر اکیلے حق جتاتے اتنا عادی ہو چکا ہوں کہ اب ان کے ساتھ کسی اور کو دیکھ کر بچوں کی طرح جل جاتا ہوں۔"

وہ صاف گوئی سے بولا' مرجینا نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"اور ہاں تم کسی ہوسٹل میں نہیں جا رہی ہو یہیں رہو گی۔ ہمارے ساتھ صبح یونیورسٹی جاتے تمہیں چھوڑ دیا کروں گا کم از کم میرے ساتھ تم ہوسٹل کے مقابلے میں زیادہ محفوظ رہو گی۔"

"اور اگر تم سارے راستے لڑتے گئے تو......"

"تو تم اگنور کرو بنا میری عادت سمجھ کر لیکن شرط یہ ہے کہ تم جوابی حملے سے باز رہنا ورنہ سرحد کی کشیدگی گھر کے اندر تک آجائے گی۔" زہرہ نے دیکھا مصطفیٰ مسکرا رہا تھا مرجینا کے چہرے پر بھی طمانیت بھرا احساس پھیلا ہوا تھا وہ مطمئن ہو کر کچن کی طرف مڑ گئی تاکہ جلدی جلدی رات کے کھانے کی تیاری کر سکے وہ جانتی تھی کہ اس کا بیٹا ایک نرم دل کا مالک لڑکا ہے۔ اور وہ زیادہ عرصہ تک مرجینا کے ساتھ دشمنی پال کر نہیں رہ سکتا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تو پہلے ہی لگتا تھا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔"

شہناز کو جب سے زہرہ نے ساری بات بتائی تھی وہ یہ ایک جملہ بھی مسلسل بولے جا رہی تھی۔

"دیکھو بھلا زہرہ کی ہوشیاری ساری زندگی جا کر چاچا کا منہ نہ دیکھا اور اس کے مرتے ہی بے چاری معصوم بچی کو ورغلا کر اپنے ساتھ لے آئی۔"

"تم شاید بھول رہی ہو اس معصوم بچی کے علاوہ اس وقت جو کچھ علی محمد کے پاس ہے وہ زہرہ کی وراثت کا حصہ ہے۔" قاسم کا لہجہ خاصا جتاتا ہوا تھا۔

"سب بکواس ہے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے تمہارا بھائی یہ سب کچھ صرف اور صرف مرجینا کا ہے اس کی معصومیت سے فائدہ اٹھا رہا ہے تمہارے بھائی کا خاندان' ورنہ سوچو ذرا بنا کسی لالچ کے کوئی کیسے ایک خوب صورت تنہا لڑکی کو اپنے گھر پناہ دے سکتا ہے۔"

شہناز ان عورتوں میں سے تھی جو ہمیشہ دوسروں کی زندگی کے منفی پہلو تلاشنے میں اپنا وہ وقت بھی برباد کر دیتے جس میں وہ خود اپنی زندگی کو مثبت بنا سکتے تھے۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو......"

"میں نے کبھی کچھ غلط نہیں کہا۔"

وہ قاسم کو ہمیشہ کی طرح اپنی باتوں میں الجھا چکی تھی اور یہ بھی اس کی خوشگوار زندگی کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

"میں بھی دیکھتی ہوں اب زہرہ کس طرح اور کتنے دن مرجینا کے پیسے پر عیاشی کرتی ہے۔" وہ شاید اپنے دل میں کچھ ٹھان چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

مرجینا جیسے ہی کالج سے باہر نکلی گیٹ پر ہی زرنش سے ملاقات ہو گئی۔

"ارے آپ یہاں پڑھتی ہیں؟ یہ تو بڑا مہنگا کالج ہے؟"

"خیریت ہے زرنش آپ یہاں کیسے نظر آ رہی ہیں؟"

اس کے دونوں سوالوں کو قطعی نظر انداز کرتی مرجینا نے زرنش کی اس وقت اسپتال آمد کی وجہ دریافت کی۔

"بھائی کے ساتھ آئی ہوں ان کے کسی دوست کی امی یہاں ایڈمٹ ہیں ان کی عیادت کے لیے امی اور بھائی اندر چلے گئے ہیں جبکہ میں کاریڈور میں ٹہل رہی تھی کہ اچانک آپ پر نظر پڑی اور میں آپ سے ملنے چلی آئی ویسے اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کو باجی کہہ سکتی ہوں۔"

مرجینا نے اپنے سامنے کھڑی کالج یونیفارم میں ملبوس اس لڑکی پر ایک نظر ڈالی جو شاید مرجینا سے بمشکل دو سال چھوٹی تھی اور مسکرا دی۔

"مجھے اچھا لگے گا اگر تم مجھے صرف مرجینا کہو۔" تمام لحاظ مروت بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

"ارے میں اور امی ابھی آپ کا ہی ذکر کر رہے تھے کہ باہر نکلتے ہی آپ پر نظر پڑ گئی اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتا۔"

پیشتر اس کے کہ زرنش کوئی جواب دیتی مرجینا کو اپنے عقب میں شہریار کی آواز سنائی دی وہ چونک کر پلٹی شہریار کے ساتھ چاچی شہنا بھی تھیں۔

"بھئی تم تو بڑی بے مروت لڑکی ہو اتنے ماہ سے لاہور میں رہتے ہوئے ابھی کبھی زحمت نہ کی کہ آکر ہمارے گھر ہم سے مل ہی لو۔"

اسے گلے لگاتے ہوئے چاچی شہنا ایسے شکوہ کر رہی تھیں جیسے جانے کب سے اس سے واقفیت رکھتی ہوں۔

"دراصل آپ نے کبھی بلایا نہیں' اگر آپ بلاتی تو یقین کریں میں سر کے بل چل کر آتی۔" مرجینا نے بھی مسکراتے ہوئے جوابی حملہ کیا۔

"چلو ٹھیک ہے پھر ایسا کرتے ہیں تم ابھی ہمارے ساتھ گھر چلو رات میں تمہیں شہریار خود چھوڑ آئے گا۔"

"سوری چاچی میں بنا آنٹی زہرہ کی اجازت کے کسی کے گھر نہیں جاسکتی۔" مرجینا' شہنا کی سوچ سے زیادہ تیز ثابت ہوئی۔

"ان سے اجازت لینا کون سا مشکل کام ہے وہ دیکھو سامنے مصطفیٰ آرہا ہے ابھی اس سے پوچھ لیتے ہیں۔" شہریار نے ماحول پر چھائی خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔ مرجینا نے دیکھا سامنے سرخ چہرہ لیے مصطفیٰ اسی کی جانب آرہا تھا۔

"کب سے پارکنگ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور تم ہو کہ یہاں کھڑی شغل فرما رہی ہو۔"

چاچی کو سلام کرتے ہی وہ مرجینا پر چڑھ دوڑا۔

"سوری مصطفیٰ مجھے باتوں میں ٹائم کا خیال ہی نہیں رہا' اچھا چاچی اللہ حافظ۔" جلدی جلدی ان سے مل کر وہ مصطفیٰ کے پیچھے بھاگی جو تیزی سے پارکنگ کی جانب واپس جا رہا تھا۔

"تمہاری چاچی اور ان کی فیملی تو بڑی چیکو ہے۔" وہ بھاگ کر مصطفیٰ کے ساتھ ہولی۔

"اور بھی بہت کچھ ہے بچ کر رہنا ان سے' ایسا نہ ہو کسی دن تمہارے خون خوار انکل کو ہمارے گھر کا راستہ دکھادیں۔"

"اوہ....." مصطفیٰ کی بات نے مرجینا کو چونکا دیا اور پھر آنے والے وقت نے ثابت کر دیا مصطفیٰ کی یہ قیاس آرائی خاصی حد تک درست تھی۔

✡ ✡ ✡

جاتی گرمیوں کی ایک شام تھی' جب وہ باہر چھوٹے سے لان میں بیٹھی اپنا ایک ضروری اسائنمنٹ بنا رہی تھی گیٹ پر زوردار بیل ہوئی۔ اس سے قبل کہ وہ اٹھ کر دیکھتی کون ہے اندر سے مصطفیٰ نکل آیا' اپنی شرٹ کے کف بند کرتا وہ گیٹ کی جانب بڑھا' مرجینا بڑی محویت سے اسے دیکھ رہی تھی کہ اچانک اندر داخل ہونے والی ہستی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ چاچی شہنا کے ساتھ یقینی طور پر وہ انکل اعجاز اور خالہ جیناں تھیں۔ وہ ہڑبڑا گئی انکل اعجاز اسے دیکھ چکے تھے وہ اور خالہ جیناں تیزی سے اس کی جانب بڑھے' خالہ نے اسے گلے سے لگا کر چٹاچٹ چوم ڈالا' مرجینا کو ان سے وحشت محسوس ہو رہی تھی وہ حیران تھی یہ لوگ یہاں تک کیسے آگئے جبکہ ان کے ساتھ چاچی شہنا کی موجودگی اسے سب کہانی سنا رہی تھی۔

"پتا نہیں ہم نے تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈا مگر تم تو ایسے غائب ہوئیں جیسے زمین کھا گئی۔" خالہ اسے خود سے لگائے بول رہی تھیں۔

"سوچتی تھی کہ زندگی میں تم کہیں ملو تو اپنے گناہوں کی معافی مانگوں وہ ساری غلطیاں جو ہم دونوں ماں

بیٹا سے ہوئیں اس پر ہمیں معاف کر دو۔" خالہ پھس پھس روتے ہوئے مرجینا کو گھیر رہی تھیں مصطفیٰ کو مگرمچھ کے آنسو والا محاورہ ___ کا مطلب آج سمجھ میں آیا اور وہ مسکرا دیا' اسی وقت لاؤنج کا دروازہ کھول کر زہرہ باہر نکلی اور سامنے نظر آنے والا منظر دیکھ کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی' شہنا ایک دن اعجاز تک پہنچ جائے گی یہ خدشہ کئی دنوں سے اس کے دل میں سر ابھار رہا تھا اور آج شہنا کے ساتھ خالہ اور اعجاز کو دیکھ کر اس کے اس بدترین اندیشے کی تصدیق ہو گئی۔

السلام علیکم زہرہ آپا۔" اسے دیکھ کر اعجاز اس تیزی سے آگے بڑھا کہ زہرہ سٹپٹا گئی۔

"رعنا نہیں آئی۔" اس نے یہاں وہاں دیکھ کر دریافت کیا۔

"وہ بھی آجائے گی بس ذرا آپ سے کچھ بات ہو جائے پھر ان شاء اللہ جلد ہی رعنا اور شایان بھی یہاں آئیں گے۔"

زہرہ' خالہ اور اعجاز کو لے اندر چلی گئی جبکہ باہر سوچوں میں گم مرجینا تنہا کھڑی رہ گئی' مصطفیٰ شہنا کو واپس اس کی گاڑی تک چھوڑ کر اندر آیا تو دیکھا مرجینا تن تنہا وہیں کھڑی ہے جبکہ سب اندر جا چکے تھے۔

"یہ تمہارے انکل شکل سے تو اتنے خونخوار نہیں لگتے۔" خاموش کھڑی مرجینا کے پاس جا کر مصطفیٰ اس طرح بولا کہ وہ یک دم چونک گئی۔

"میں تو انہیں کوئی ڈریکولا سمجھ رہا تھا لمبے لمبے دانتوں والا۔"

"صحیح سمجھ رہے تھے یہ ڈریکولا ضرور ہیں مگر دانت لمبے نہیں۔" مرجینا مسکراتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے تم مسکرائیں تو ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ اندر جانے والا خونخوار انکل تمہاری مسکراہٹ بھی لے گیا ہے۔"

"مجھے سمجھ نہیں آرہا یہ یہاں کیوں آئے ہیں۔"

"تم سے ملنے آئے ہوں گے۔ سنا نہیں ان کی والدہ کو ان تمام زیادتیوں کا احساس ہو رہا ہے' جو تمہارے ساتھ ہوئی ہیں۔"

"یہ اتنی آسانی سے کسی کا احساس کرنے والے لوگ نہیں ہیں' ضرور کوئی اور کہانی ہے۔"

اور پھر مرجینا کی بات سچ ثابت ہوئی اور رات ہی وہ کہانی کھل کر سامنے آگئی جس کے لیے اعجاز نے اپنی ماں سمیت اتنی دور کا سفر کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ مرجینا کے لیے میرے رشتہ کی بات کریں لیکن آپ نے بجائے میرا کام کرنے کے جانے کہاں سے اعجاز اور اس کی خرانٹ ماں کو لا کر ان کے سر پر بٹھا دیا۔" شہریار غصہ میں مسلسل بول رہا تھا۔

"ارے چپ تو کرو پہلے میری بات سنو پھر مزید پوچھنا۔" شہنا تنگ آتے ہوئے بولی۔

"میں نے تو اس دن زہرہ سے دبے دبے لفظوں میں تمہارا ذکر کیا تھا لیکن اس کے انداز دیکھ کر ہی میں سمجھ گئی کہ وہ کبھی بھی تمہیں مرجینا کا رشتہ نہ دے گی۔ بلکہ مجھے تو ایسا لگا جیسے وہ مرجینا کو مصطفیٰ کے لیے گھیرے بیٹھی ہے بس اس وقت ہی میں نے فیصلہ کیا تم نہیں تو مصطفیٰ بھی نہیں اور یہ کہ کسی طرح مجھے وہاں تک پہنچنا ہے اور اتفاق دیکھو بے وقوف زہرہ نے مجھے اپنے چاچا کا خط پڑھنے کے لیے دے دیا جس کے اندر ان کا پتا بھی درج تھا۔"

"آپ ہمیشہ غلط کام کرتی ہیں۔" شہریار نے شہنا کو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"اب دیکھ لیں اس پاگل آدمی کو پہلے اپنے چرسی بھائی کا رشتہ مانگ رہا تھا اب بیٹے کو درمیان میں لے آیا۔"

"ہاں وہ ہی سوچ رہی ہوں' بہرحال دیکھو کیا ہوتا ہے میں نے رات تمہارے پاپا سے بات کی تھی ان سے مشورے کے بعد ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آج رات کو علی محمد کے گھر جا کر نہ صرف مرجینا کا رشتہ تمہارے لیے طلب کریں گے بلکہ ہم زرنش کا رشتہ مصطفیٰ کو دینا چاہ رہے ہیں اس طرح دیکھ لو دونوں صورتوں میں

ہمارا فائدہ ہوگا۔"

"آپ کے خیال میں جیسا آپ نے سوچا ہے سب ویسا ہی ہو جائے گا۔"

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے ورنہ کم از کم مرجینا کو تو اعجاز لے اڑے گا اور جو دولت کی بہار زہرہ کے گھر آئی ہے اس میں تو فرق پڑے گا۔"

"کوشش کر کے دیکھ لیں لیکن مما اگر مصطفیٰ نہ مانا تو پلیز آپ میرا کام ضرور کیجیے گا۔" وہ اپنی ماں سے التجا کرتا ہوا بولا۔

"اچھا سن لی ہے تمہاری بات اب خاموش ہو جاؤ۔" اس کی مسلسل ایک ہی تکرار نے شمینا کو زچ کر دیا اور وہ چڑ کر بولی۔

☆ ☆ ☆

جانے کیوں مرجینا کو اعجاز اور ان کی والدہ کے ارادے کچھ اچھے نہ لگ رہے تھے اسے خالہ جیناں کی آنکھوں میں وہ ہی شیطانی چمک نظر آرہی تھی جس سے ہمیشہ بابا خوف زدہ رہتے تھے اور اپنے اس خدشے کا اظہار وہ مصطفیٰ سے کیے بنا نہ رہ سکی' اعجاز اور خالہ کے ساتھ ساتھ علی محمد اور زہرہ بھی سو گئے تھے مگر مرجینا بے چین تھی اسی لیے اپنے کمرے میں بیٹھ کر اسائنمنٹ کی تیاری کے دوران اس نے مصطفیٰ کو ٹیکسٹ کیا۔

"انکل اعجاز اور ان کی والدہ پر نظر رکھنا۔"

"وہ دونوں سو گئے ہیں اب کیا ان کے کمرے میں جا کر ان دونوں پر نظر رکھوں؟"

اس کا جوابی ٹیسٹ ویسا ہی تھا جیسا وہ خود تھا۔ مرجینا نے جواب نہ دیا اور خاموشی سے پاؤں میں چپل پہن کر اپنے کمرے سے باہر نکلی لیکن وہ دروازے کے پاس ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے دیکھا خالہ آہستہ سے اپنے کمرے سے باہر نکل کر کچن میں گئی ہیں پورے لاؤنج میں پھیلے اندھیرے میں انہیں اپنے کمرے کے باہر کھڑی مرجینا نظر نہ آئی۔ مرجینا دبے پاؤں ان کے پیچھے آئی' وہ فریج کھول کر پانی پی رہی تھیں۔ مرجینا لاؤنج کی کھڑکی کے پاس آگئی جہاں سے اندر کا منظر واضح طور پر نظر آرہا تھا' اس نے دیکھا خالہ نے فریج سے دودھ کا برتن نکالا اور اپنے دوپٹے کے پلو میں بندھا کوئی سفوف اس میں ڈال دیا اور پھر برتن واپس فریج میں رکھ کر وہ جلدی سے باہر نکلیں' مرجینا فوراً" وہاں رکھے صوفے کے پیچھے بیٹھ گئی شکر تھا جو خالہ کی نظر اس پر نہ پڑی اور وہ واپس اپنے کمرے میں داخل ہو گئیں' تو مرجینا کا خیال درست نکلا خالہ اور اعجاز انکل کے ارادے کچھ نیک نہ تھے' جیسے ہی اسے یقین ہو گیا کہ خالہ اندر جا کر لیٹ گئی ہوں گی وہ خاموشی سے اٹھی اور دبے پاؤں کچن میں جا کر برتن کا سارا دودھ سنک میں بہا دیا انہوں نے دودھ میں کیا سفوف ڈالا تھا؟ وہ جان نہ سکی شاید وہ سفوف ان سب کی موت کی دوا تھا یا پھر محض بے ہوشی کی' جو بھی تھا وہ جان گئی کہ خالہ کے ارادے نہایت خطرناک ہیں۔ اس نے کیبنٹ کھول کر دودھ کا کاٹن نکالا اور اچھی طرح برتن دھو کر اس کاٹن کے دودھ کو برتن میں منتقل کر دیا کیونکہ وہ نہ چاہتی تھی کہ کسی کو اس پر شک ہو پھر وہ تیزی سے کمرے میں واپس آئی۔ خبر سب سے پہلے مصطفیٰ کو دینا چاہتی تھی مگر چونکہ اس کا کمرہ اوپر والے فلور پر تھا اس لیے بحالت مجبوری ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اسے رات گئے اس پر فون کا سہارا لینا پڑا۔ دوسری ہی بیل پر مصطفیٰ نے کال ریسیو کر لی۔

"کیا ہو گیا ہے یار سونے کیوں نہیں دے رہیں۔" دوسری سمت مصطفیٰ شدید نیند میں تھا۔

"سارا وقت سوتے ہی رہتے ہو اگر ابھی جگا دیا تو کون سی قیامت آگئی اور ویسے بھی بہت ضروری بات تمہیں بتانا تھی۔ خالہ جیناں کے متعلق۔"

"میرا خیال ہے تمہیں جیناں اور اعجاز فوبیا ہو گیا ہے پلیز ابھی سو جاؤ' ہم صبح اٹھ کر بات کریں گے۔"

"نہیں بات بہت ضروری ہے اور مجھے ابھی کرنی ہے۔"

ازلی ضد اور ہٹ دھرمی اس کے لہجے میں آگئی اور پھر بنا مصطفیٰ کے پوچھے اس نے اسے وہ سب بتا ڈالا جو

ابھی کچھ دیر پہلے اس نے دیکھا تھا۔ مصطفیٰ ساری بات خاموشی سے سن رہا تھا اتنا خاموش کہ مرجینا کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسری جانب لائن پر کوئی نہیں ہے۔

"ہیلو۔" بات ختم کرتے ہی وہ جلدی سے بول اٹھی۔

"ہاں ہاں بولو سن رہا ہوں۔"

"کیا سن رہے ہو بات تو میری ختم ہو گئی۔"

"تمہارے خیال میں وہ سفوف کس چیز کا تھا؟" مصطفیٰ نے پرسوچ انداز میں دریافت کیا۔

"میں نے کون سا چکھ کر دیکھا ہے۔"

"چلو چھوڑو سفوف کوئی بھی ہو لیکن آج ایک بات طے ہو گئی۔" مصطفیٰ کی بھاری آواز مرجینا کے کان سے ٹکرائی۔

"تمہاری چھٹی حس نے ہم سب کو بچا لیا تو اس حساب سے میری باقی زندگی تمہاری امانت ٹھہری۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔"

"سوچ لیا اب یہ زندگی صرف تمہاری ہے' جب دل بھر جائے تو خالہ جیناں کی طرح تم بھی میرے دودھ میں وہی سفید سفوف ملا دینا۔"

"تم انکل اعجاز کی طرح کبھی دھوکا مت دینا مجھے' ورنہ میں سیدھا سیدھا چھت سے دھکا دے دوں گی کیونکہ میں گل رعنا آنٹی نہیں ہوں۔"

بے خیالی میں جانے وہ کیا کہہ گئی تھی جب دوسری طرف سے مصطفیٰ کا زوردار قہقہہ اس کے کان سے ٹکرایا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط بول گئی ہے۔

"چلو وعدہ رہا میں تمہیں کبھی انکل اعجاز کی طرح دھوکا نہیں دوں گا بلکہ ہمیشہ چاچی شبینا کی طرح رکھوں گا جو اپنی باتوں سے چاچا قاسم کو بے وقوف بنائے رکھتی ہیں۔"

شرارت مصطفیٰ کے لہجہ میں کھلی ہوئی تھی۔

"اچھا اب زیادہ بکواس نہیں کرو۔"

مرجینا نے کھٹ سے فون ڈراپ کر دیا' اب اسے صبح کا انتظار تھا وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ صبح اٹھ کر انکل اعجاز اور خالہ جیناں کا رویہ کیسا ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

قاسم بھائی آئے تھے میرے پاس۔" علی محمد کو رات سونے سے قبل جیسے کچھ یاد آیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔

"کیوں خیریت۔" زہرہ بھی تکیہ سیدھا کر کے اٹھ گئی۔

"ہاں وہ مجھ سے ایک بڑا اہم مشورہ کرنے آئے تھے اگر تم ناراض نہ ہو تو بتاؤں۔"

"میں پہلے کب کسی بات پر ناراض ہوئی ہوں جو تم اب اجازت لینے لگے ہو۔"

"وہ شہریار کے لیے مرجینا کا رشتہ چاہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اعجاز جیسے فراڈی لوگوں سے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ بچی کا نکاح کر دیا جائے۔" علی محمد نے دیکھا زہرہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"اور ایک بات اور بھی ہے۔" وہ بات کرتے کرتے پھر رک گیا۔

"جو بات ہے علی محمد ایک ہی دفعہ کہہ دو میں سن رہی ہوں۔"

"وہ مصطفیٰ کو اپنا بیٹا بنانا چاہتے ہیں۔" زہرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں بھلی مانس بھائی قاسم مصطفیٰ اور زرنش کا رشتہ طے کرنا چاہ رہا ہے ان دونوں رشتہ داریوں سے ہمارے بھاگ کھل جائیں گے۔" علی کے لہجے میں بھائی کی محبت کھلی ہوئی تھی لیکن زہرہ تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

"اب تم بتاؤ میں اسے کیا جواب دوں۔"

"صبر کرو پہلے مجھے کچھ سوچ سمجھ تو لینے دو۔"

"دیکھو زہرہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اعجاز اپنے بیٹے شایان کے لیے آیا بیٹھا ہے اب تم مرجینا سے مشورہ کر کے فیصلہ کر لو کہ اس کے لیے کون بہتر ہے شایان یا شہریار' جس کے حق میں وہ فیصلہ دے' ہم وہیں اس کی بات پکی کر دیتے ہیں۔" علی محمد نے اپنے تئیں ایک آسان فیصلہ کیا۔

"شایان اور شہریار کے علاوہ ایک نام اور بھی ہے

علی محمد۔"

"وہ کس کا؟" علی محمد نے حیرت سے زہرہ کے پر سوچ چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ مصطفیٰ کا۔"

اتنا کہہ کر زہرہ اپنا تکیہ درست کر کے دوبارہ لیٹ گئی یہ نام مرجینا کے حوالے سے ابھی تک علی محمد کے ذہن میں نہ آیا تھا اب جو زہرہ نے مصطفیٰ کا نام لیا تو وہ بھی سوچ میں ڈوب گیا۔

☼ ☼ ☼

رات دیر سے سونے کے سبب زہرہ کی آنکھ صبح بڑی مشکل سے کھلی ہاتھ منہ دھو کر وہ کمرے سے باہر آئی سیڑھیاں اتر کر جیسے وہ نیچے لاؤنج میں پہنچی سامنے صوفے پر اخبار پڑھتی مرجینا کو دیکھ کر حیران رہ گئی گھڑی پر نظر ڈالی ابھی صرف آٹھ بجے تھے سامنے بے چینی اعجاز کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا اس کا فون بھی مسلسل بج رہا تھا جسے وہ جان بوجھ کر ریسیو نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔ اسی دوران زہرہ کی ملازمہ بھی آ گئی جس نے سارے برتن اٹھا کر دھو دیے' کچن صاف کر دیا۔ اعجاز اپنی اماں کے کان میں گھسا کچھ بات کر رہا تھا۔ مرجینا کو ایسا لگا جیسے وہ خالہ جیناں پر شک کر رہا ہو

"السلام علیکم خالہ!" زہرہ انہیں سلام کرتی کچن میں آ گئی جب پیچھے ہی دروازے پر مرجینا آن کھڑی ہوئی۔

"میں ناشتا بنانے میں آپ کی ہیلپ (مدد) کر دوں۔"

"ہاں' ضرور' میں روٹی ڈالتی ہوں تم خالہ کو چائے بنا دو۔"

"خالہ آپ چائے ناشتے سے پہلے لیں گی یا بعد میں۔" مرجینا نے وہیں کھڑے کھڑے آواز لگائی۔

"میں چائے نہیں پیتی' تم صرف مجھے ایک پراٹھا بنا دو۔" خالہ کا جواب مرجینا کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"اور اعجاز انکل۔۔۔" وہ جلد از جلد ہر بات کی تصدیق چاہتی تھی۔

"وہ پیتا ہے مگر بنا دودھ اور چینی کے صرف کالی چائے' جب سے اسے شوگر ہوئی ہے ڈاکٹر نے یہ دونوں چیزیں اس کے لیے حرام قرار دے دی ہیں۔"

زہرہ کو رات والی کسی بات کا علم نہ تھا اس لیے وہ خاموشی سے اپنا کام کرنے میں مصروف تھی آٹا گوندھ کر آملیٹ کے لیے پیاز اور ہری مرچ کاٹ کر ابھی وہ فارغ ہی ہوئی تھی کہ مصطفیٰ آ گیا۔

"ہاں بھئی جیمز بانڈ کیا رپورٹ ہے۔" وہ کچن کے دروازے پر کھڑا آہستہ سے مرجینا کے کان میں بولا مگر آواز پھر بھی زہرہ تک پہنچ گئی۔

"دونوں میں سے کوئی بھی چائے میں دودھ نہیں لے گا۔" مرجینا نے مسکراتے ہوئے مصطفیٰ کی شکل دیکھی۔

"کیا بات ہے؟ تم دونوں کیا کان میں کھسر پھسر کر رہے ہو۔" ان کی گفتگو سن کر زہرہ کو اندازہ ہوا شاید کچھ گڑبڑ ہے جواب میں مرجینا نے انہیں ساری بات بتا دی جسے سن کر زہرہ کا مارے حیرت منہ کھل گیا۔

"منہ بند کر لیں امی مکھی چلی جائے گی۔" مصطفیٰ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ اسی دم اعجاز کچن کے دروازے پر آن پہنچا۔

"آپا میرے انڈے میں لال مرچ نہ ڈالیے گا۔" صاف لگ رہا تھا کہ وہ دیکھنے آیا ہے کہ کچن کے چولہے پر چائے کا پانی موجود ہے یا نہیں۔

"انکل آپ چائے لیں گے؟"

مرجینا نے قریبی رکھے برتن سے دودھ نکال کر چائے میں ڈالتے ہوئے اعجاز کی شکل دیکھی جہاں ایک عجیب سی بے چینی جھلک رہی تھی۔

"نہیں مجھے جلدی سے ناشتا دے دو میں نے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" مرجینا ناشتا لے کر باہر آئی تو وہ مسلسل فون پر مصروف تھا قاسم بھی شہنا اور بچوں کے ساتھ صبح صبح آ گیا تھا لہٰذا سب نے مل کر ناشتا کیا' اس کے بعد خوشگوار ماحول میں چائے پی' کسی کو کچھ نہ

ہوا اور انکل وہاں موجود تمام لوگوں کو قطعی نظر انداز کرتے فون کان سے لگائے اس کمرے کی جانب بڑھ گئے جہاں سب بڑے بیٹھے کوئی خفیہ میٹنگ کر رہے تھے جبکہ وہ میٹنگ ہرگز خفیہ نہ تھی کیونکہ باہر بیٹھا ہر شخص جانتا تھا کہ اندر کیا بات ہو رہی ہے؟ جس کا بخوبی اندازہ زرتش اور شہریار کے خوشی سے کھلے چہرے دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا زرتش مسلسل مصطفیٰ کے کان میں گھسی جانے کیا کہانیاں سنا رہی تھی جب اسے مرجینا کا ایک عدد میسج موصول ہوا۔

"بڑے خوش نظر آ رہے ہو دانت ہی بند نہیں ہو رہے۔" میسج پڑھتے ہی اس نے گھبرا کر سامنے دیکھا مرجینا اسے خوں خوار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

"مجھے چھوڑو اپنے شہریار پر دھیان دو دیکھو کتنا ریشہ خطمی ہو رہا ہے میں تو بچی سمجھ کر اسے برداشت کر رہا ہوں۔"

"پلیز جو کچھ بھی کہنا ہے آسان اردو میں کہو اور صوفے پر ذرا دور ہو کر بیٹھو۔"

وہ دونوں اپنے ٹیکسٹ میسج میں مست مسکرا رہے تھے جب کہ دونوں کے آس پاس بیٹھے افراد اسے اپنا کوئی کارنامہ سمجھتے ہوئے خوب خوش ہو رہے تھے جب اسی پل اندر سے اعجاز انکل کے غرانے کی آواز سنائی 'ان کی آواز سنتے ہی سب سے پہلے مصطفیٰ اٹھ کر اندر بھاگا اور پھر پیچھے ہی وہ سب' اندر داخل ہوتے ہی نظر آنے والے منظر نے مرجینا کے ہوش اڑا دیے دروازے کے بالکل سامنے انکل اعجاز' قاسم چاچا کا گریبان پکڑے زور زور سے جھٹکے دے رہے تھے۔

"یہاں سب جانتے ہیں کہ مرجینا میری ہونے والی بہو ہے پھر تمہاری جرات کیسے ہوئی اس کا رشتہ مانگنے کی۔" غصہ کی شدت سے ان کے منہ سے تھوک نکل رہا تھا جبکہ آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔

"گریبان چھوڑو میرا اور بند کرو اپنی بکواس۔" قاسم چاچا نے اپنا گریبان چھڑواتے ہوئے اعجاز کو دھکا دیا۔

"وہ میرے بیٹے کی پسند ہے جسے حاصل کرنے کے لیے میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔"

لو جی ایک اور دعوے دار' کون کہتا ہے کہ آج کل لڑکیوں کے رشتے ڈھونڈنا مشکل کام ہے' یہاں تو لائن لگی ہوئی تھی۔ مرجینا نے ایک نظر مصطفیٰ کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا اور فوراً ایک فیصلہ کرتے ہوئے آگے بڑھی اور دونوں فسادی افراد کے درمیان جا کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوزمی کوئی مجھے بتائے گا کہ یہاں اپنی لڑائی میں میرا نام کیوں استعمال کیا جا رہا ہے۔"

"ارے یہ لڑائی ہی تمہاری ہے۔" خالہ جیناں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی سمت گھمایا' مرجینا نے دیکھا علی محمد اور آنٹی زہرہ بالکل خاموش کھڑے یہ سارا تماشا دیکھ رہے ہیں جبکہ چاچی شمینا جانے کیا بولے جا رہی تھی۔

"آپ سے کس نے کہا میرے لیے لڑائی لڑنے کو۔"

دونوں آستینیں چڑھائے' تیوری پر بل ڈالے وہ اپنا بازو چھڑاتی اعجاز سے مخاطب ہوئی۔

"ہم غیرت مند لوگ ہیں اور جب ایک دفعہ کسی کو اپنی منگ مان لیں تو کوئی دوسرا بیچ میں نہیں آ سکتا خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں' گاؤں میں ایسی باتوں پر اور تمہیں میں اپنی بہو مان چکا ہوں۔"

"آپ سے کس نے کہا زبردستی مجھے اپنی بہو مان لیں' عجیب بے وقوف آدمی ہیں آپ' بلاوجہ ہوا میں تیر چلا رہے ہیں۔"

مرجینا کی آواز' اعجاز سے بھی بلند تھی' مصطفیٰ مسکرا دیا جب اسی پل خون خوار مرجینا کی نگاہ اس کے مسکراتے چہرے پر پڑی۔

"اور یہ آپ وہاں کھڑے کس خوشی میں مسکرا رہے ہیں۔" اب وہ مصطفیٰ کو ڈپٹتے ہوئی بولی' مصطفیٰ کے دانت بند ہو گئے جبکہ اس کی تیز آواز نے قاسم اور اعجاز کو بھی خاموش کروا دیا تھا۔

"انکل اعجاز میں کوئی موم کی گڑیا یا آنٹی رحمتا نہیں ہوں جن کی تقدیر کا فیصلہ آپ کریں ایک جیتی جاگتی

ہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا پھر تم خود فیصلہ کرلو تمہیں کس کا ساتھ پسند ہے شہریار یا کاشان۔" یہ آواز یقینی طور پر چاچا قاسم کی تھی۔

"یہاں آؤ مصطفیٰ۔" انہیں کوئی جواب دیے بنا وہ مصطفیٰ سے مخاطب ہوئی جواب میں مصطفیٰ اس کے برابر آن کھڑا ہوا۔

"آپ دونوں کی میں بہو بنی نہیں اور غیرت کے نام پر ایک دوسرے کا گریبان پکڑ لیا اور یہاں جو مجھے اپنی بہو بنا چکے ہیں انہوں نے ابھی تک آگے بڑھ کر آپ کا منہ نہیں توڑا اس سے اندازہ لگالیں کتنا فرق ہے آپ دونوں میں اور انکل علی میں۔" مرجینا کی آواز تھی یا کوئی بم، جس سے کمرے کے درودیوار لرز اٹھے اس نے دیکھا سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ گئیں جن میں زرنش اور شہریار بھی شامل تھے۔

"کیا بکواس ہے یہ۔" اب کے چاچی شمینا آگے بڑھیں اور مرجینا کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔

"یہ بکواس نہیں سچ ہے مرجینا میری منکوحہ ہے آج صبح ہی ہم دونوں کا نکاح ہوا ہے قریبی مسجد میں۔" اس کے ساتھ ہی زہرہ نے آگے بڑھ کر کچھ کاغذات بیٹے کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"یہ میرا اور مرجینا کا نکاح نامہ ہے اور میرا خیال ہے اس کے ساتھ ہی اس کمرے میں شروع ہونے والی خانہ جنگی اب بند ہو جانی چاہیے کیونکہ میں یہ بالکل پسند نہیں کروں گا کہ اب آپ لوگوں میں سے کوئی بھی یہاں مرجینا کا نام لے۔"

وارن کرتے ہوئے مصطفیٰ نے مرجینا کا ہاتھ تھام لیا۔

"لوجی نہ گھوڑا نہ بارات اور شادی بھی ہوگئی میں نے تو پہلے دن ہی کہا تھا کہ ضرور کچھ گڑبڑ ہے مگر میری بات کسی نے مانی ہی نہیں۔" بڑبڑاتی شمینا اپنے دونوں بچوں کو گھسیٹتی کمرے سے باہر نکل گئی پیچھے ہی سر جھکائے چاچا قاسم بھی تھے۔

"خدا حافظ انکل اعجاز میرا خیال ہے اب آپ کا کام بھی ختم ہو گیا ہے۔" مرجینا نے ہکا بکا کھڑے اعجاز کو پکارا۔

"آجائیں میں آپ کو اسٹیشن چھوڑ آؤں۔"

زہرہ کے لاکھ گھورنے پر بھی مصطفیٰ خاموش نہ ہوا۔

"شکریہ ہمیں ٹیکسی سے راستہ آتا ہے۔"

اعجاز کی جگہ خالہ جیناں نے جواب دیا اور کمرے میں گھس کر اپنا بیگ گھسیٹ کر باہر لے آئیں۔

"ارے خالہ برا مت منائیں یہ تو ایسے ہی فضول بول رہا ہے۔"

زہرہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے بیگ لینا چاہا۔

"چھوڑو بچے تم کون سا ہماری سگی ہو سگی ہوتیں تو اتنا فراڈ تو نہ کرتیں ہمارے ساتھ' چلو اعجاز جلدی کرو ایسا نہ ہو گاڑی نکل جائے۔"

اعجاز ان کے ہاتھ سے بیگ لے کر بنا کسی سے سلام دعا کیے باہر کی جانب لپکا جب علی محمد نے چاہا آگے بڑھ کر اسے روک لیں مگر مصطفیٰ نے بازو تھام کر انہیں منع کر دیا۔

"جانے دیں ابا ان سے ہماری کوئی ایسی رشتہ داری نہیں جس کے باعث وہ یہاں مزید عرصہ رک سکیں دو دن رہ لیا بس کافی ہے۔"

"ایک منٹ خالہ..." مصطفیٰ کی بات ختم ہوتے ہی مرجینا' خالہ جینا کے پیچھے لپکی "مجھے آپ کو بتانا یاد نہیں رہا رات جب آپ ہمارا فریج کھول کر دودھ میں زہر ملا رہی تھیں میں نے نہ صرف آپ کو دیکھ لیا تھا بلکہ اپنے موبائل سے آپ کی فوٹو بھی لے لی تھی۔"

"ارے لڑکی یہ کیا بک رہی ہو تم؟ کونسا زہر؟" خالہ بوکھلا گئیں۔

"مصطفیٰ میرا موبائل لاؤ میں خالہ کو تصویر دکھاؤں۔" اس سے قبل کہ مصطفیٰ کمرے کی طرف جاتا خالہ باہر کی جانب لپکیں۔

"رک جائیں اپنی تصویر تو دیکھتی جائیں آپ کتنے مشکوک انداز میں سفید سفوف دودھ میں ملا رہی ہیں۔" مصطفیٰ نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"ارے نکلو یہاں سے پتا نہیں اب اور کون سے الزام باقی ہیں۔ سارا قصور تمہارا ہے جو اس عمر میں میرے سفید سر میں خاک ڈالنے یہاں لے آئے،" باہر نکلتے ہوئے وہ اپنے بیٹے کو خوب سنا رہی تھیں۔

"میں آپ کے خلاف جب تھانے میں درخواست دوں گی تو تصویر بھی ساتھ ہی لگا دوں گی۔" مرجینا نے پیچھے سے ہانک لگائی اور اس کے بعد ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں نہ رکا دونوں ہی نکل کر بھاگ لیے۔

"تم نے تو مجھے نہیں بتایا تھا کہ اس رات تم نے خالہ جیناں کی تصویر بھی کھینچی ہے۔" مصطفیٰ، مرجینا کا موبائل ہاتھ میں لیے حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"لی ہوتی تو بتاتی۔" وہ مزے سے مصطفیٰ کی جانب مڑی۔

"میں نے تو ایسے ہی شوشا چھوڑا تھا وہ بے چاری سچ مچ ڈر گئیں ویسے مجھے یقین تھا کہ ان کے اندر کا خوف انہیں کبھی بھی تصویر دیکھنے کی اجازت نہ دے گا۔" چمکتی آنکھوں کے ساتھ وہ مسکرا رہی تھی مصطفیٰ حیران کھڑا اس شاطر لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس نے بڑی مہارت سے اس کا دل چرا لیا تھا اور اسے خبر بھی نہ ہوئی تھی۔

"بڑی تیز ہو تم۔" جانے یہ مرجینا کی تعریف تھی یا کچھ اور مگر وہ کھلکھلا کر ہنس دی ایک طمانیت بھری ہنسی جس نے کچھ دور کھڑی زہرہ اور علی محمد کو بھی اندر تک خوش کر دیا وہ فیصلہ جو ان دونوں نے رات کیا تھا اور صبح ہوتے ہی اسے عملی جامہ بھی پہنا دیا اس میں ہی ان کے دونوں بچوں کی خوشی پوشیدہ تھی اور یہ احساس ہی کسی ماں باپ کے لیے سب سے بڑی دولت ہوتا ہے۔

☆ ☆

راشدہ رفعت

چشم آب

نعیم الدین کی پہلی شادی کی ناکامی کی بڑی وجہ ان کی ماں، تین عدد خرانٹ بہنیں اور چار تگڑے سالے تھے، جو اپنی اکلوتی بہن پر ظلم و ستم صرف چار مہینے برداشت کر سکے اور شادی کے پانچویں مہینے انہوں نے بہن کو گھر بٹھالیا۔ نعیم بیوی کو لینے گئے بیوی کے بجائے ماتھے کے گومڑ اور ٹوٹی ہوئی کہنی سمیت واپسی ہوئی۔ خرانٹ ماں بہنوں نے کہنی پر پلستر بعد میں چڑھوایا طلاق کا کاغذ پہلے بھجوایا۔

نعیم الدین کا دوسرا بیاہ ہونے میں کافی عرصہ لگ گیا تھا۔ ان کی ماں بہنوں کی تیزی طراری کی داستانیں دور دور تک پھیل چکی تھیں اس بار ماں بہنیں خود بھی بہت چھان پھٹک کر رشتہ جوڑنا چاہ رہی تھیں۔ انہیں ایسی لڑکی درکار تھی جس کے یا تو سرے سے بھائی ہی نہ ہوں یا پھر ہوں تو اتنے تگڑے نہ ہوں کہ ان کے لاڈلے نعیم کے ماتھے پر گومڑ سجا کر کہنی کا جوڑ ہلا سکیں۔ ایسی لڑکی ڈھونڈنے میں انہیں وقت تو بہت لگا لیکن آخر کار مطلوبہ خصوصیات کی حامل لڑکی مل ہی گئی۔ شبانہ متوسط گھرانے کی لڑکی تھی۔ باپ کی کریانے کی چھوٹی سی دکان اور اوپر تلے کی پانچ بیٹیاں تھیں۔ مناسب بر کے انتظار میں شبانہ کی عمر اٹھائیس کا ہندسہ کراس کر چکی تھی۔ عقل مند والدین نے نعیم الدین سے کے نامناسب رشتے کو مناسب ترین تصور کرتے ہوئے بیٹی کے ہاتھ پیلے کر دیے۔ نازک اندام شبانہ بیاہ کر سسرال آئی تو پلکوں پر ڈھیروں خوش نما خواب سجے تھے۔ نعیم الدین کی خرانٹ ماں اور تیز طرار بہنوں نے بہت جلد شبانہ کو یہ باور کروا دیا کہ بعض اوقات خوش نما خوابوں کی تعبیریں بہت بھیانک نکلتی ہیں۔ وہ کہنے کو اس گھر کی بہو تھی مگر حیثیت ملازمہ سے بھی بدتر تھی۔

نعیم بیوی کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں پر لب سیے رکھتا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ ماں بہنوں کے سامنے زبان کھولنے کا اس میں حوصلہ ہی نہ تھا۔ شبانہ بھی جان گئی کہ شوہر مٹی کا مادھو ہے، اس سے ساس، نندوں کی شکایت ہی فضول ہے۔ مگر اسے کمنہ ہونے کی وجہ سے ساس، نندوں کو شبانہ کی ذات پر ہر طرح کا ظلم و ستم روا رکھنے کی کچھ زیادہ ہی کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔ کبھی کبھی نعیم الدین کو ہی یہ خدشہ ستانے لگتا کہ کہیں ماں بہنوں کی وجہ سے اس کی دوسری شادی کا انجام پہلی شادی والا ہی نہ ہو جائے۔ وہ دل سے اپنی خوب صورت اور خدمت گزار بیوی کی قدر کرتا تھا لیکن عملی طور پر بیوی کی ڈھال نہ بن سکتا تھا، پھر ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔

شبانہ شام کو دھلے کپڑے اتارنے چھت پر گئی۔ واپس نیچے آئی تو اس کے انداز ہی کچھ بدلے بدلے سے تھے۔ ساس نے عادت کے مطابق گالی دے کر

مخاطب کیا تو وہ عجیب سے انداز میں ساس کو گھورنے لگی۔ اس بدتمیزی پر بڑی نند (جو تھی تو شادی شدہ مگر اکثر و بیشتر میکے ہی پائی جاتی) نے شبانہ کو چلا کر آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔ حکم سنتے کے ساتھ ہی شبانہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ یہ بدتمیزی کی انتہا تھی' بڑی نند تلملا کر آگے بڑھی۔ شبانہ کی چوٹی کھینچ کر وہ اس کے گال پر طمانچہ رسید کرنے ہی والی تھی کہ شبانہ نے اسے زوردار انداز میں دھکا دے دیا۔ نندوں کی باقی پلٹن اس پر ایک ساتھ حملہ آور ہوئی لیکن شبانہ کے حلق سے عجیب کھردری سی آواز نکلی تھی۔

"خبردار جو کسی نے مجھے ہاتھ لگایا۔ اب میں اس عورت کے اندر ہوں۔ کسی نے اس کا برا سوچا یا اسے نقصان پہنچایا تو ذمہ دار وہ خود ہو گا۔"

شبانہ کے حلق سے نکلنے والے یہ الفاظ اور پھر ایک بے ہنگم سا قہقہہ..... جو جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ شبانہ دھم سے ساس کے تخت پر بیٹھ گئی اور ساس' نندوں کو

گھورنے لگی۔

چند لمحوں میں ہی صحن صاف ہو گیا' وہ سب اپنے اپنے کمروں میں گھس گئیں۔ شام کو نعیم الدین کام سے لوٹا تو مجھلی بہن چپکے سے اس کا بازو پکڑ کر ماں کے کمرے میں لے گئی۔ بند کمرے میں اس کے ساتھ ماں بہنوں کی میٹنگ شروع ہوئے مشکل سے دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ صحن میں زوردار چھناکا ہوا۔ سہمی ہوئی ساس' نندوں نے باہر جھانکا تو شبانہ شیشے کا ایک گلاس توڑ چکی تھی' جگ اس کے ہاتھ میں تھا۔

"جا نعیم بہو کے ساتھ کھانا کھالے' کب سے تیرے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہے۔" ماں نے بیٹے کو پچکار کر مخاطب کیا۔

نعیم کی خود کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے شبانہ کے ساتھ کھانا تو کھالیا لیکن بند کمرے میں اس کے ساتھ رات گزارنا عذاب بن گیا۔ حالانکہ وہ تو معمول کے مطابق بے سدھ سو رہی تھی۔ نعیم بیڈ کے دوسرے سرے پر سہمے ہوئے انداز میں لیٹا رہا اور بلا مبالغہ ساری رات جاگتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن سے شبانہ کا علاج شروع ہو گیا۔ مولوی صاحب سے دم کروایا گیا۔ کسی عامل بابا سے خاص طور پر تیار کی گئی پڑیا شبانہ کو پلائی گئی۔ دم کیا ہوا پانی' طرح طرح کے ٹوٹکے اور بہتیرے علاج' بظاہر اس کی حالت میں سدھار آگیا لیکن جیسے ہی ساس' نندیں' نعیم پر شبانہ کو فارغ کرنے کے لیے دباؤ ڈالتیں شبانہ بپھر کر گھر میں توڑ پھوڑ مچا دیتی' ایسے میں اس کی غضب ناکی کا سامنا کرنا کسی کے بس کی بات نہ رہتی۔ نعیم ساری عمر ماں بہنوں کے زیر اثر رہا تھا۔ ضعیف الاعتقادی میں وہ شاید ان سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ وہ اب شبانہ کے ساتھ بہت خوف کے عالم میں زندگی گزار رہا تھا۔

اس کی ماں' بہنوں نے بھی بیٹے' بہو کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا' پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانا کہاں کی عقل مندی تھی۔ شبانہ کی دونوں شادی شدہ نندیں اپنے میکے کا رخ کم ہی کرتیں۔ غیر شادی شدہ نندیں بھی گھر کے کاموں اور پڑھائی میں مصروف رہتیں۔ شبانہ خود بھی مستعدی سے گھر کے کام نپٹاتی۔ شوہر کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی لیکن اب شوہر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے سے بھی ہچکچاتا تھا۔ بہر طور گھر کی فضا میں امن و سکون قائم ہو چکا تھا۔ ماں' بہنیں اب غلطی سے بھی نعیم کے کان بھرنے کی کوشش نہ کرتیں' رہی شبانہ تو وہ ان سے پہلے کی طرح ادب' تمیز سے پیش آتی' جواب میں کوسنوں کے بجائے دعائیہ کلمات ہی سننے کو ملتے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ آئیڈیل سسرال کچھ عرصہ پہلے جنگل کے قانون کے مطابق چلتا تھا۔ اب ہر سو امن و سکون تھا۔ صرف نعیم الدین کے دل کا اضطراب کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ جس خوف کی لپیٹ میں آچکا تھا اس سے پیچھا چھڑوانے سے قاصر تھا۔

☼ ☼ ☼

اس روز وہ کام سے گھر لوٹا تو گھر پر سناٹے کا راج تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماں' بہنیں رشتہ داروں کے ہاں کسی شادی کی تقریب میں گئی ہیں۔ انہوں نے شبانہ کو بھی چلنے کا کہا تھا مگر شبانہ نے سر درد کا کہہ کر انکار کر دیا۔ دل ہی دل میں ساس' نندوں نے اس بات پر خدا کا شکر ہی منایا تھا۔ اب شبانہ گھر پر اکیلی تھی اور نعیم عجیب سی گھبراہٹ میں مبتلا ہو رہا تھا۔ بیڈ روم میں داخل ہونے سے پہلے اس نے زیر لب وہ دعائیں پڑھی تھیں جو محلے کی مسجد کے مولوی صاحب نے اسے بتائی تھیں۔ وہ اندر قدم رکھنے ہی والا تھا کہ شبانہ کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

"شبو خالہ' نسخہ تو آپ کا کارگر رہا۔ آپ نے سچ کہا تھا کہ چڑیلیں کسی جن کے ہی قابو میں آسکتی ہیں لیکن اپنے سرتاج محترم کا کیا کروں' مجھ سے بات کرنے سے

پہلے تین بار تھوک نگلتے ہیں اور چار بار کچھ سوچتے ہیں۔"

شبانہ کی کھلکھلاتی ہوئی آواز نے نعیم الدین کو ساکت کردیا تھا۔ وہ اگلے پانچ منٹ تک وہیں ساکن کھڑے رہے۔ شبانہ کی شوخ آواز ان کی سماعتوں سے ٹکراتی رہی' وہ اپنی رشتے کی خالہ کا بار بار شکریہ ادا کررہی تھی' جن کے نسخے پر عمل کرکے اس کی زندگی میں سکون ہوگیا تھا۔

غصے کی شدید لہر نے نعیم الدین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کتنے دنوں سے وہ اپنی "بھولی بھالی" بیوی کے ہاتھوں بے وقوف بنتے چلے آرہے تھے' نہ صرف وہ بلکہ ان کی ماں' بہنوں کو بھی کیسا الو بنایا تھا اس شبانہ کی بچی نے' ایک لمحے کو ان کا جی چاہا کہ وہ دھاڑ سے دروازہ کھولیں اور شبانہ کی چوٹی پکڑ کر چٹاخ سے اس کے گال پر ایک طمانچہ رسید کریں' بلکہ وہ کیوں' اماں آنے ہی والی تھیں یہ کام ان سے زیادہ بہتر طریقے سے' اماں انجام دے سکتی تھیں۔

"ہاں ذرا آجائیں اماں' پھر اس محترمہ کی درگت بنواتے ہیں۔" نعیم الدین نے غضب ناک ہو کر سوچا تھا مگر چند لمحے ہی اور گزرے تھے کہ جذبات پر عقل حاوی ہوئی۔ غیر جانب داری سے صورت حال کا تجزیہ کیا۔ اماں کو حقیقت پتا چلنے کا نتیجہ ذہن کے پردے پر لہرایا تو غصہ اپنی موت آپ مرگیا۔ وہ دبے پاؤں واپس پلٹے۔ کچھ دور جاکر شبانہ کو زور سے پکارا۔

"کہاں ہو بھئی... میاں تھکا ہارا آیا ہے' چائے نہ سہی پانی کا ہی پوچھ لو۔" وہ کمرے سے باہر آئی تو ذرا خفگی بھرے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"جی ابھی لائی..." شبانہ فرماں برداری سے کہہ کر پلٹی اور چند لمحوں بعد گلاس میں پانی لیے آن موجود ہوئی۔ نعیم الدین نے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ سرخ پرنٹڈ جارجٹ کے سوٹ میں وہ کھلا ہوا سرخ گلاب ہی لگ رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔" شبانہ ان کی نگاہوں کی تپش سے کچھ خائف ہوئی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ ذرا سا مسکرائے تھے۔

شبانہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر شوہر کو دیکھا۔ آج نہ تو بات کرنے سے پہلے انہوں نے تین بار تھوک نگلا تھا' نہ چار بار کچھ سوچا تھا۔ وہ کچھ دیر تو حیرت بھری نگاہوں سے شوہر کو تکتی رہی تھی۔ پھر شرمگیں مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی اور وہ پلکیں جھکا گئی۔

☆☆

سالگرہ نمبر
نادیہ احمد
دل آئی تو ہے

مکمل ناول

"دادو' چاچا بتا رہے تھے... معید بھائی آئے ہیں۔" وہ پھولے سانس کے ساتھ فاخرہ بیگم کے کمرے میں آئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دروازے سے ان کے کمرے تک کا فاصلہ اس نے بھاگتے ہوئے طے کیا تھا۔ فاخرہ بیگم ظہر کی نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ وہ ان کی جائے نماز کے پاس آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئی تھی۔

"ہاں سبین بیٹا! میرا معید خیر سے واپس آگیا ہے۔" تسبیح پوری کرکے اس پہ پھونک مارنے کے بعد فاخرہ بیگم نے تصدیق کی۔ ان کے عمر رسیدہ جھریوں بھرے چہرے پر طمانیت اور سکون تھا۔ آٹھ سال بعد ان کا پوتا گھر واپس آیا تھا' وہ تو نہال ہو رہی تھیں۔ معید ان کے بڑے بیٹے اعجاز کا بیٹا تھا' وہ لوگ امریکا میں رہتے تھے' معید بھی وہیں پیدا ہوا تھا۔ وہ اس وقت دس سال کا تھا جب اعجاز اور صالحہ کا ایک کار حادثے میں انتقال ہو گیا۔

معید پاکستان آگیا تھا۔ سبین کے والدین نے ہی اس کی پرورش کی تھی۔ وہ اخلاق حسین کو پاپا اور رافعہ کو ممی کہتا تھا۔ اس گھر میں سب ہی اسے دل و جان سے چاہتے تھے، لیکن وہ اپنی پیاری دادو کے بہت قریب تھا۔

"کہاں ہیں ابھی، میں مل کر آؤں۔" وہ اچانک اٹھی تھی۔

"ابھی سو رہا ہے۔" فاخرہ پریشانی سے بولیں۔

"یونیفارم تو بدل لو اور پھر کھانا کھالو۔ بھوک نہیں لگی آج۔۔۔ روز تو کالج سے آکر شور مچاتی ہو کر کھانا دے دو ورنہ بھوک سے دم نکل جائے گا۔" فاخرہ نے پیار سے پچکارا۔ وہ منہ بناتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"ایک نظر دیکھ آؤں بس۔" کمرے سے نکلتی نکلتی وہ دروازے سے گردن نکالے بولی تو فاخرہ نے سر پکڑ لیا۔

"سبین، سولہ گھنٹے کا سفر کرکے آیا ہے وہ، اگر تم نے اسے ڈسٹرب کیا تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔" ان کی یہ دھمکی کارگر تھی۔ دادو کو ناراض کرنے کا تو سبین سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ان کے دونوں پوتا پوتی انہیں بے حد محبت کرتے تھے اور ان کی بھی ان دونوں میں جان بسی تھی۔ ایک پوتی کو تو اللہ نے کم عمری میں ہی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ وہ سبین سے دس سال بڑی تھی۔ سترہ سال کی عمر میں وہ بس کی ٹکر سے زخمی ہو کر جاں بر نہ ہو سکی تھی، اعجاز اور صالحہ کے انتقال کے نو سال بعد ان کے خاندان کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ سبین اس وقت محض سات سال کی تھی۔ معید پڑھائی کے سلسلے میں امریکا گیا تو وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ایک سبین ہی تو تھی جو اس گھر کی رونق تھی۔ سب سے چھوٹی اور سب سے زیادہ شرارتی۔ سارا دن گھر کے سب لوگوں کو اپنے آگے لگائے رکھتی۔ اس گھر کی خوشیاں اسی کے دم قدم سے تھیں۔ ماں، باپ، دادو تو چلو اس کے لاڈ اٹھاتے ہی تھے، لیکن وہ تو گھر کے ملازموں سے بھی اپنی بات منواتی تھی۔ سارا دن علیم الدین اس کے ساتھ ہوتا۔ وہ ان کا سب سے پرانا ملازم تھا۔ سب بچوں کو اس نے گودی کھلایا تھا۔ سبین کی کسی بات کو اگر پاپا یا مما رد کر دیتے تو علیم الدین اس کے حق میں کھڑا ہو جاتا۔ اسے کرکٹ کا شوق تھا۔ علیم الدین نے اس کی خاطر کرکٹ سیکھی۔ اب دونوں روز شام کو گیند اور بلا تھامے لان میں میچ کھیلتے۔ گیند کرا کرا کر علیم الدین ہانپ جاتا مگر مجال ہے، جو ماتھے پہ ایک بل بھی آجائے۔

"چاچا ایک باری اور دے دیں۔" آؤٹ ہونے پہ ہمیشہ معصوم صورت بنا کر بولتی اور علیم الدین کا دل پسیج جاتا۔ اب میچ نئے سرے سے شروع ہو جاتا۔ وہ تھی بھی اتنی پیاری۔ بچپن میں کسی گڑیا کی طرح لگتی تھی۔ کیا اپنے کیا پرائے سب کو اس پہ ٹوٹ کر پیار آتا تھا۔ جس سے ملتی اسے دوست بنا لیتی۔ سب کا خیال رکھتی اور سب سے اپنا خیال رکھواتی۔ اس گھر میں اگر کوئی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا تو وہ معید تھا۔ اس کا کتنا دل کرتا کہ وہ اس سے باتیں کرے اس کے ساتھ مختلف گیمز کھیلے، لیکن وہ تو اس کو گھاس بھی نہیں ڈالتا تھا اور پھر وہ امریکا چلا گیا۔ آٹھ سال سے وہ وہیں تھا۔ اپنی تعلیم مکمل کرکے اس نے وہیں جاب شروع کر دی تھی۔ دادو سے آئے دن اسکائپ پہ ڈھیروں باتیں کرتا، لیکن جب بھی وہ وہاں آتی تو کسی نہ کسی بہانے سے کال بند کر دیتا۔ وہ چھپ چھپ کے دونوں کی باتیں سنتی۔ دادو ہر بار اسے پاکستان واپس آنے کا کہتیں اور وہ ہر بار انہیں ٹال دیتا۔

"معید بھائی مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے؟؟" ایک دن اس نے روتے ہوئے دادو سے پوچھ لیا تھا۔

"ارے نہیں میری گڑیا وہ کیوں تم سے بات نہیں کرے گا، بتایا تھا نہ اس نے اسے ایک ضروری کام ہے۔" دادو نے بہلا دیا، لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باقی سب کزن، پھوپھو کے بچے، ماموں اور خالہ کے بچے سب سے اس کی اچھی دوستی تھی۔ بس ایک معید ہی اسے خاطر میں نہیں لاتا تھا اور اس کا

سبرینہ کو اگنور کرنا اس کو تکلیف دیتا تھا۔ جیسے جیسے سبرینہ نے شعور کی منزلیں طے کیں وہ معید کے متعلق ضرورت سے زیادہ سوچنے لگی۔ وہ کیسا ہے' اس کا مزاج کیسا ہے' اسے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے۔ گھنٹوں دادو سے اس کے قصے سنتی اور اب تو وہ معید کا انسائیکلوپیڈیا بن چکی تھی۔ اپنے بارے میں معید کو شاید کم پتا ہو' سبرینہ کو زیادہ معلوم تھا۔ مسلسل اس کے متعلق سوچتے رہنے کے باعث وہ اس کا آئیڈیل بن چکا تھا۔ سبرینہ وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کرتی ہے' جو معید کرتا تھا۔ وہ صبح واک اور جاگنگ کرتا تھا' سبرینہ بھی بلاناغہ واک پہ جاتی تھی۔ معید کی پسندیدہ ڈش سبرینہ کی بھی فیورٹ ہوتی تھی۔ معید کو میٹھا پسند ہے تو سبرینہ بھی میٹھے کی شوقین ہو گئی اور تو اور یہ کرکٹ کا شوق بھی معید کو دیکھ کر ہی آیا تھا۔ اسے خواب کی طرح یاد تھا کہ کسی زمانے میں معید اور عبیرہ آپی گھر کے لان میں کرکٹ کھیلتے تھے۔ اب خیر وہ کرکٹ کھیلتا تو نہیں تھا' لیکن ہاں میچ دیکھنے کا شوقین تھا اسی لیے سبرینہ کے اندر بھی ایک کرکٹر کی روح سما گئی تھی۔ دادو اور معید کی باتیں سن سن کر اسے معید بہت جانا پہچانا اپنا سا لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم معید بھائی' آپ اٹھ گئے۔ میں تو کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ جاگیں اور میں آپ سے ڈھیر ساری باتیں کروں۔" پانچ بجے کے قریب وہ لاؤنج میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ دادو شاید اپنے کمرے میں تھیں اور رافعہ کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ سبرینہ پرجوش انداز میں بولتی اس کے پاس دھڑام سے صوفے پہ جا کر بیٹھ گئی۔ معید نے حیرت سے اسے دیکھا۔ بھوری آنکھیں گوری رنگت اور لمبا قد' براؤن بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے' بلیک اور مسٹرڈ شارٹ اسٹائلش کرتے کے ساتھ ٹراؤزر پہنے بے تحاشا مسکرا رہی تھی۔ معید کی حیرت اچانک ناگواری میں بدلی۔

"وعلیکم السلام۔" سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہتا وہ ایک دم صوفے سے اٹھ گیا تھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں تو آپ سے ملنے آئی تھی۔" وہ اسے اس طرح جاتا دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ معید کچھ کہتا علیم الدین بھاگتا ہوا وہاں آگیا تھا۔

"چلو بیٹا آج کرکٹ نہیں کھیلنا۔" سبرینہ نے پہلے معید اور پھر علیم الدین کو دیکھا۔

"میں دادو کے کمرے میں جا رہا ہوں چاچا۔" معید کافی کا کپ ٹیبل پر پٹخ کر چلا گیا تھا۔ سبرینہ اسے خاموشی سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ دراز قد' چوڑے شانے' کریو کٹ ہیئر اسٹائل اور براؤن شلوار قمیص میں وہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ بالکل ویسا جیسا سبرینہ نے اسے اسکائپ پہ دیکھا تھا۔ سبرینہ کو اس سے اتنی رکھائی کی توقع نہیں تھی۔ وہ بہت اپ سیٹ ہو گئی تھی' لیکن پھر علیم الدین نے اسے کھیل اور باتوں میں لگا کر اس کا موڈ بدل دیا تھا۔ وہ فطرتاً بچی تھی۔ جس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پہ جلد اپ سیٹ ہو جاتی ویسے ہی مان بھی جاتی۔

"معید بھائی یہ سوئیٹ ڈش لیں نا' میں نے بنائی

ہے۔ مجھے پتا ہے آپ کو میٹھا بہت پسند ہے مجھے بھی بے حد پسند ہے۔" فرنی کا باؤل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ اسے متاثر کرنے کے لیے اپنی بنائی ہوئی ڈش کھلانا چاہتی تھی۔ وہ بھی اس کی پسندیدہ۔

"نو تھینکس۔ میں آج کافی کھانا کھا چکا ہوں ابھی میٹھے کا موڈ نہیں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر یہ بات اس نے دادو کو کہی تھی۔ ڈنر پہ سب گھر والے موجود تھے۔ وہ تیزی سے ڈائننگ روم سے نکل گیا تھا۔ سبرینہ تو اس کے رویے سے چپ ہو ہی گئی تھی لیکن وہاں موجود باقی لوگ بھی اچانک سیریس ہو گئے تھے اور پھر اس خاموشی کو اخلاق صاحب نے توڑا۔

"آج سوئٹ ڈش آپ نے بنائی ہے؟" وہ پیار سے بولے تو اس نے محض سر ہلایا۔

"پھر تو پاپا ضرور کھائیں گے۔ دکھاؤ تو میری بیٹی نے کیسی فرنی بنائی ہے۔" اس نے ڈونگا ان کی طرف بڑھایا لیکن اس بار وہ جوش و خروش نہیں تھا۔

"زبردست۔ یہ تو بہت کمال کی بنی ہے۔ بھئی لیڈیز مجھے لگتا ہے آپ لوگوں کو اب کچن سے چھٹی لے لینی چاہیے کیونکہ ہماری سبرینہ اب آپ سے زیادہ اچھی ککنگ کرنے والی ہے۔" وہ بولے تو سبرینہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ان کی بات سے اس کا موڈ بہت اچھا ہو گیا تھا۔

رات کو سونے لیٹی تو معید کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ "وہ سب کے ساتھ نارمل طریقے سے بات کرتے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ بات کیوں نہیں کرتے۔" یہ سچ تھا کہ معید اسے بہت کم گو لگا تھا لیکن پھر بھی وہ اس طرح کسی کو اگنور نہیں کرتا تھا جیسا سبرینہ کو۔ اسے لگا شاید کچھ وقت لگے گا اور پھر وہ بھی سب کی طرح اس کے ساتھ نارمل ہو جائے گا لیکن یہ اس کی بھول تھی کیونکہ آنے والے دنوں میں وہ اکثر اس کے سخت جملوں اور برے موڈ کا نشانہ بننے لگی تھی۔

دادو کی وجہ سے معید اپنی ملازمت چھوڑ کر پاکستان چلا آیا تھا اور اب اخلاق حسین کی خواہش پہ ان کا آفس جوائن کر چکا تھا۔ وہ آج کل باقاعدگی سے آفس جا رہا تھا اس دن دادو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس عمر میں یہ اونچ نیچ تو چلتی ہی رہتی تھی فون پہ ان کی طبیعت کا سن کر وہ آج جلدی گھر آگیا تھا۔ شام تک دادو کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی تھی۔ سبرینہ معمول کے مطابق علیم الدین کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہی تھی۔ لان سے شور کی آواز سن کر وہ ٹیرس میں آگیا تھا۔ اس کا اور سبرینہ کا کمرہ اوپر والی منزل پہ تھا۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے یہ گھر ہے یا مچھلی بازار کسی کو احساس بھی ہے کہ دادو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے جاہلوں کی طرح ہلڑ مچا رکھا ہے۔ ضرورت سے زیادہ سر پہ چڑھا رکھا ہے سب نے۔" بہت درشتی سے وہ سبرینہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا جھاڑ رہا تھا۔

"چاچا آپ تو سمجھدار ہیں کم سے کم آپ کو تو ان کے آرام کا خیال ہونا چاہیے تھا۔" اس کو گھورتے ہوئے وہ اندر چلا گیا تھا۔ سبرینہ جہاں تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ یہ بات آرام سے بھی کی جا سکتی تھی۔ اب تک وہ صرف اسے اگنور کرتا تھا۔ اس کے لیے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا بھی تھا تو ڈھکے چھپے طریقے سے۔ آج تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سبرینہ خود اپنی دادی سے کس قدر محبت کرتی ہے اور ان کی طبیعت کچھ ایسی خراب بھی نہیں ہے۔ اس نے اسے بے نقط سنائی تھیں۔ سبرینہ کے آنسو نکل آئے تھے۔ وہ روتی ہوئی بیٹ چھوڑ کر گھر کے اندر چلی گئی تھی۔ آج جو بھی ہوا گھر کے تمام ملازموں نے دیکھا اور پھر یہ بات رافعہ اخلاق حسین اور فاخرہ بیگم تک بھی پہنچ گئی تھی۔

"تم نے سبرینہ کو ڈانٹا ہے معید؟" کسی اور نے تو اسے کچھ نہیں کہنا تھا لیکن فاخرہ بیگم خاموش نہیں رہ سکتی تھیں۔ وہ کئی مہینوں سے معید کا سبرینہ کے ساتھ برتاؤ دیکھ رہی تھیں۔

"دادو وہ شور مچا رہی تھی آپ کی طبیعت......" اس کی بات مکمل نہیں ہو پائی تھی اور انہوں نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔

"اس کے ساتھ ایسا مت کرو معید' جو کچھ ہوا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا میرے بچے... وہ تو جانتی بھی نہیں ہے تمہارے دل کا درد۔ اسے مت رلاؤ' وہ بہت محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ اس گھر کی رونق ہے اور تم میری جان ہو۔ میں نہیں چاہتی اس کے ہونٹوں کی ہنسی تمہاری وجہ سے غائب ہو جائے۔" ان کے لہجے میں التجا تھی۔ معید سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اسی لیے میں واپس نہیں آنا چاہتا تھا دادو' آپ نے مجھے بلالیا۔ میں کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کرتا' لیکن وہ جب جب میرے سامنے آتی ہے تو وہ منظر ایک بار پھر میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے' وہ سب کچھ جو میں پچھلے دس سال سے بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں اور بھول نہیں پا رہا۔" بے بسی کی انتہا یہ تھا۔

"اللہ کو یہی منظور تھا بیٹا' وہ اس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی۔ ہم کون ہوتے ہیں اللہ کے فیصلوں میں دخل اندازی کرنے والے۔ سبرینہ کو ذمہ دار ٹھہرانا بند کرو۔ یہ باتیں ایک انیس سال کا امیچور لڑکا کرے تو سمجھ آتا ہے' لیکن تیس سال کے اپنے لائق فائق پوتے سے میں اس جذباتیت کی امید نہیں رکھتی۔ اسے اپنی بوڑھی دادی کی التجا سمجھو' میں چاہتی ہوں عمر کے اس حصے میں اس گھر میں اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھوں' انہیں ہنستا بولتا دیکھوں۔ میری یہ خواہش پوری کرو معید۔" ان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اچانک انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑے۔ معید اس سب کی امید نہیں کر رہا تھا۔ اس نے فوراً" ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

"پلیز دادو۔ مجھے گناہ گار مت کریں' میں وعدہ کرتا ہوں آپ کو کبھی دوبارہ شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔" انہوں نے شفقت سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"جیتے رہو بیٹا' اللہ تمہیں لمبی عمر دے۔" بے دلی سے ان کی دعاؤں پہ مسکراتا وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ آج دادو کی باتوں نے سالوں پرانے زخم ہرے کر دیے تھے۔ وہ سب جو وہ اتنے سالوں میں بھول نہیں پایا تھا اور بھولتا بھی کیسے' وہ یادیں اتنی معمولی نہیں تھیں کہ انہیں بھلایا جاتا' وہ رشتے جو دل سے جڑے ہوں انہیں کوئی کیسے فراموش کر سکتا ہے۔ وہ وقت کیسے بھولا جا سکتا تھا جب اس نے اپنے ماں باپ کو کھویا تھا اور جب اس کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ امریکا میں رہتا تھا' اس کی زندگی کا مدار اس کے ماں اور باپ ہی تھے۔ پاکستان میں اس کے بہت سے رشتے دار رہتے تھے' لیکن ان سے ملنا تو دو تین بار ہی ہوا تھا۔ اس کا گھر' اس کا ملک اور اس کے دوست تو سب وہیں تھے والدین کو تو کھویا ہی تھا اسے اپنا گھر' اپنے دوست بھی چھوڑنا پڑے۔ دادو' چاچا' چاچی' پھوپھو سب اس کا بہت خیال رکھتے تھے' لیکن وہ خود کو اس ماحول میں اجنبی محسوس کرتا تھا۔ وہ بہت آوٹ اسپوکن نہیں تھا اس لیے اپنے جذبات کبھی کھل کر بیان نہیں کر پایا تھا۔ اس دن بھی وہ بہت خاموش بیٹھا تھا۔ بہت اکیلا' بہت تنہا جب وہ اس کے پاس آئی۔

"تم بڑے پاپا اور بڑی ممی کو یاد کر کے رو رہے تھے۔" پنک کلر کے خوب صورت فراک میں ہاتھ میں باربی ڈول تھامے وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ خاموشی سے اپنی آٹھ سالہ کزن کو دیکھتے ہوئے معید نے اپنی آنکھوں کے نم گوشوں کو صاف کیا جو بہت سنجیدگی سے اس سے پوچھ رہی تھی۔ کچھ بھی کہنے کی بجائے اس نے بس اثبات میں سر ہلایا۔

"دادو کہتی ہیں وہ دونوں جنت میں ہیں اور جنت بہت خوب صورت جگہ ہے... وہاں سب جانا چاہتے ہیں... جو وہاں ہوتا ہے اس کی ہر خواہش پوری ہوتی ہے... ہماری ٹیچر کہتی ہیں جنت میں سب خوش رہتے ہیں۔ کیا تمہیں اچھا نہیں لگ رہا یہ سوچ کر کہ تمہارے ممی پاپا دونوں خوش ہیں؟" اتنی سی بچی کو نہ موت کی حقیقت معلوم تھی نہ ہی اپنوں کے بچھڑنے کے دکھ سے وہ آشنا تھی' لیکن پچھلے کچھ دنوں میں دادو سے کیے گئے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے جواب میں

اس نے جو کچھ سنا وہ اب معید سے شیئر کر رہی تھی۔ اسکول میں اسلامیات کی ٹیچر کا بتایا جنت کا تصور اس نے دادو کی بتائی بات سے تعبیر کرکے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ اپنے ممی پاپا کے ایک اچھی جگہ چلے جانے سے غمگین مت ہو۔

"مجھے اچھا کیوں نہیں لگے گا' میں تو اس لیے اداس ہوں کیونکہ میں انہیں مس کرتا ہوں۔ میں بہت لونلی فیل کرتا ہوں۔" وہ خود محض دس سال کا تھا' اپنے سے چھوٹے بچی کی عالمانہ گفتگو سن کر شرمندہ ہوتے ہوئے اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"لیکن تم اکیلے تو نہیں ہو' ہم سب ہیں نا تمہارے پاس۔" وہ کچھ مزید الجھا۔

"میں دراصل اپنے دوستوں کو مس کر رہا تھا۔" وہ اس کی بات سے قائل ہوئی تھی' دوستوں کو تو وہ بھی بہت مس کرتی ہے جب وہ اسکول جاتی ہے تو وہاں اسے کتنا مزا آتا ہے وہ ان کے ساتھ کھیلتی ہے اپنے کھلونے شیئر کرتی ہے' لیکن نئے دوست بنانا کون سا مشکل کام ہے۔

"تم نئے دوست بنالو' میری بیسٹ فرینڈ لندن چلی گئی تھی میں اسے بہت مس کرتی تھی پھر ممی نے کہا تم نئی دوست بنالو اور میں نے چند اور دوست بنالیے۔" اس کے پاس معید کے لیے بہترین تجویز تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا میں کس سے دوستی کروں۔" اسکول میں اس کا چند روز پہلے داخلہ ہوا تھا اور وہاں اس نے ابھی تک کسی کو دوست بنانے کے متعلق سوچا نہیں تھا کچھ تو وہ خود اتنا گھلنے ملنے والا بچہ نہیں تھا دوسرے اس کی اسکولنگ امریکا کی تھی اسے یہاں ایڈجسٹ ہونے میں کچھ مشکلات پیش آرہی تھیں اور وہ پوری طرح اپنی اسٹڈی پہ فوکس ہی نہیں کرپارہا تھا۔

"تم میرے دوست بن جاؤ' میں تم سے اپنے سب کھلونے شیئر کروں گی اور ہم دونوں خوب کھیلا کریں گے۔ تمہیں پتا ہے میرے پاس بہت سے کھلونے ہیں۔" اس نے چٹکی بجا کر اس کا مسئلہ حل کیا تھا۔ اپنا ننھا سا نازک ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بہت اعتماد سے مسکرا رہی تھی۔

معید نے عبیرہ کا ہاتھ تھام لیا تھا اور پھر وہ ہاتھ کبھی نہیں چھوٹا تھا۔ وہ اس کی دوست تھی اور معید نے مزید کسی کو دوست نہیں بنایا۔ وہ اس کے لیے سب سے اہم تھی۔ اس کی رازدار' اس کی مسیحا اور اس کی محبت۔ دونوں کو ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے کسی اور کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ دو سال بعد سبرینہ پیدا ہوئی تو وہ بے تحاشا خوش تھی۔ معید کو بلا بلا کر دکھاتی کہ اس کے پاس ایک گڑیا سی بہن آگئی ہے۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھ دار تھی۔ بلاوجہ ضد کرنا' شرارتیں کرنا اس کی طبیعت نہیں تھی۔ معید کے لیے وہ کسی پری کی طرح تھی جس نے اسے غم کے سمندر سے نکالا تھا۔ وہ جو خود کو بھیڑ میں بھی تنہا محسوس کرتا تھا عبیرہ نے اس کی تنہائی بانٹ لی تھی۔ دونوں ساتھ پڑھتے' ساتھ کھیلتے۔ ایک ہی اسکول تھا دونوں کا تو وہاں بھی ساتھ ساتھ ہی ہوتے۔ وہ اس سے جونیئر تھی۔

معید کو کرکٹ کا شوق تھا اور عبیرہ اپنے ڈول ہاؤس کی دیوانی تھی' لیکن معید کی خوشی کی خاطر اس نے اپنی گڑیوں کی قربانی دی اور شام کا جو وقت کھیل کا ملتا وہ اب اس کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیلتی۔ آہستہ آہستہ معید دادو سے بھی اٹیچ ہونے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی اس نے اخلاق حسین کو چچا کی بجائے پاپا اور رافعہ کو ممی کہنا شروع کردیا۔ وہ دونوں بھی اسے اپنی اولاد ہی سمجھتے تھے۔ سبرینہ ان دونوں سے بہت چھوٹی تھی اور وہ کبھی ان کے کھیل کا حصہ نہیں بنی تھی' لیکن عبیرہ ہر جگہ اسے اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ اسے جہاں معید عزیز تھا وہیں اس کی چھوٹی سی بہن میں اس کی جان بستی تھی۔

وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا' ان دونوں کی دوستی محبت میں بدل گئی تھی اور یہ ایک اوپن سیکریٹ تھا۔ گھر میں تقریباً" سب ہی جانتے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے کیا جذبات رکھتے ہیں۔ معید اے لیولز کے

فائنل ایئر میں تھا اور عبیرہ اے لیولز کے فرسٹ ایئر میں۔ گھر کے قریب ایک پارک میں اکثر وہ دونوں واک کے لیے آتے تھے۔ مقصد زیادہ سے زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزارنا تھا۔ سبرینہ اس وقت سات سال کی تھی۔ وہ بھی ضد کرکے ان کے ساتھ ہی پارک میں چلی آئی تھی۔ عبیرہ اسے انکار کر ہی نہیں سکتی تھی اور معید کو اس کی خوشی منظور تھی۔ وہ پارک میں واک کر رہے تھے جب سبرینہ نے آئس کریم کھانے کی ضد کی۔ معید ان دونوں کو وہاں رکنے کا کہہ کر پارک کے کارنر پہ بنی دکان سے آئس کریم لینے چلا گیا۔ سبرینہ چھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ شرارتی بھی تھی' ایک جگہ ٹکتی نہیں تھی۔ اس دن بھی وہ اپنے فٹ بال سے کھیل رہی تھی' بھاگ بھاگ کر وہ کبھی پارک کے ایک کونے میں اور کبھی دوسرے کونے میں چلی جاتی۔ ایک ہٹ سے اس کا بال پارک کے جنگلے سے باہر چلا گیا۔ وہ اب لڑھکتا ہوا سڑک پر جارہا تھا۔ عبیرہ کی نظر سے بچ کر وہ بھاگتی ہوئی اپنے بال کو پکڑنے سڑک پہ چلی گئی اور اسی وقت عبیرہ نے اسے دیکھا۔ عبیرہ بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے گئی۔ سڑک پہ اس وقت ایک بس تیز رفتاری سے چلی آرہی تھی۔ اچانک ان دونوں کو سامنے دیکھ کر ڈرائیور نے ایمرجنسی بریک لگانے کی کوشش کی۔ عبیرہ نے سبرینہ کو زور سے دھکا دے کر سڑک کے کنارے کی طرف دھکیلا' لیکن ڈرائیور کے بروقت بریک نہ لگاپانے کے باعث وہ خود بس سے ٹکرا گئی۔ معید نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دوڑتا ہوا وہ اس تک پہنچا' وہ شدید زخمی تھی۔ بس ان سے کچھ فاصلے پہ رک گئی تھی۔ بہت جلدی اسے اسپتال لے جاکر بھی اسے بچایا نہ جاسکا۔

سترہ سال کی عمر میں وہ انتقال کرگئی تھی۔ نو سال پہلے معید نے اپنے والدین کو کھویا تھا تو عبیرہ کا ساتھ ملنے پہ وہ اس غم کے شکنجے سے نکل پایا تھا۔ وہ اس کی کل کائنات تھی اور آج اس نے ایک بار پھر اپنی کائنات کھودی تھی۔ سبرینہ کو بچاتے ہوئے اس کی عبیرہ موت کی وادی میں چلی گئی تھی۔ وہ عبیرہ کی موت کا ذمہ دار سبرینہ کو سمجھتا تھا جو اگر اس دن وہاں ان کے ساتھ نہ جاتی تو آج اس کی عبیرہ زندہ ہوتی۔ وہ رضائے الٰہی تھی سب جانتے تھے' لیکن دل کو کون سمجھا سکتا ہے۔ وہ بھی عقل و خرد کا دامن چھوڑ کر جنونی ہوگیا تھا۔ سبرینہ کی شکل تک دیکھنا اسے گوارہ نہیں تھا۔ وہ سامنے آجاتی تو اس کا پارہ ہائی ہوجاتا۔

بہت تکلیف دہ تھا وہ عرصہ جو اس نے وہاں گزارا۔ اس سال اس نے اے لیولز کے ایگزام نہیں دیے تھے۔ گھر والے تو پہلے ہی غم سے نڈھال تھے اس پہ معید کا رد عمل ان کو اور بھی پریشان کررہا تھا۔ ان دنوں وہ دادو سے بہت قریب ہوگیا تھا۔ ان ہی کے بہت زیادہ سمجھانے کے بعد اس نے اپنا تعلیمی سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور پھر گریجویشن کے بعد وہ امریکا چلا گیا تھا جہاں اس کا داخلہ کولمبیا یونیورسٹی میں ہوگیا تھا۔

اپنی تعلیم ختم کرکے اس نے جاب شروع کی تھی۔ وہ پاکستان نہیں آنا چاہتا تھا' یہاں ہر طرف عبیرہ کی یادیں تھیں' وہ گھر جہاں ان دونوں نے بچپن سے جوانی میں قدم رکھا وہ وہاں آنے سے ڈرتا تھا۔ تنہائی اور بھی بڑھ جاتی تھی اور پھر یہاں وہ بھی تو تھی جس سے وہ بے تحاشا نفرت کرتا تھا' لیکن دادو کی محبت سے مجبور ہو کر وہ ایک بار پھر وہاں آگیا تھا۔ بہت کوشش کے باوجود وہ سبرینہ سے اپنی تلخی چھپا نہیں پایا تھا۔ وہ اب انیس بیس سال کا لڑکا نہیں' بلکہ تیس سال کا میچور آدمی تھا پھر بھی اس لڑکی کے لیے اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ سب اس کے لہجے کو محسوس کررہے تھے یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا اور اسی لیے حتی الامکان کوشش کرتا کہ اس کا سبرینہ سے سامنا نہ ہی ہو' لیکن پتا نہیں کیوں وہ ہر وقت اس کے ارد گرد ہی منڈلاتی رہتی تھی اور معید کے لیے اسے برداشت کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اسٹڈی میں بیٹھا تھا' رات کے گیارہ بج رہے

تھے، لیکن اسے نیند نہیں آرہی تھی یہی سوچ کر وہ اسٹڈی میں آگیا تھا کہ کچھ دفتر کا کام ہی کرلے اسی وقت دھڑام سے اسٹڈی کا دروازہ کھلا اور کوئی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ معید نے چونک کر دیکھا تو وہاں سبرینہ کھڑی تھی جس کے چہرے کی رنگت معید کو دیکھ کر اڑ گئی تھی۔ اچانک ہی وہ واپس پلٹی تھی کہ معید کی آواز سن کر رک گئی۔

"کچھ چاہیے؟" اب جبکہ وہ دادو سے وعدہ کرچکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اپنا رویہ درست رکھے گا تو اسے اپنی بات نبھانی تھی۔

"مجھے... مجھے نیند نہیں آرہی تھی اس لیے بک لینے آئی تھی۔" ڈرتے ڈرتے اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"تو لو اور جاؤ۔" معید کی نظریں اب سامنے پڑے کمپیوٹر پہ تھیں۔ سبرینہ نے جلدی جلدی اپنی مطلوبہ کتاب نکالی اور وہاں سے رفوچکر ہوگئی۔ باہر نکل کے اس نے سب سے پہلے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا تھا۔ اسے خوش گوار حیرت ہوئی تھی ورنہ اس کی جارحانہ انٹری پہ معید سے کم سے کم وہ صلواتیں سننے کے لیے تیار تھی۔ آہستہ آہستہ معید کا رویہ اس کے ساتھ بدل رہا تھا گو کہ ان کے درمیان بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی پھر بھی اگر اب وہ اسے اپنے سامنے دیکھتا تو پہلے کی طرح چڑتا نہیں تھا۔

اس کے اے لیولز کے ایگزام چل رہے تھے اور اس کے ساتھ پورا گھر امتحان دے رہا تھا۔

"رافعہ اس کو رات کو سوتے میں دودھ لازمی دینا۔ پڑھ پڑھ کے میری بچی کو خشکی ہوگئی ہے۔" دادو کو اس کی فکر کھائے جاتی۔

"صبح کو ناشتا لازمی کیا کرو سبرینہ، ایسے تو تم کمزور ہوجاؤ گی۔" پاپا نے اسے ناشتا نہ کرتے دیکھ کر نصیحت کی۔ رافعہ کو اس کی نیند کی فکر تھی۔

"وقت پر سویا کرو، دیکھو آنکھوں کے گرد حلقے بن رہے ہیں۔" وہ پڑھائی میں آؤٹ اسٹینڈنگ تھی، لیکن جس طرح ہر کھیل، شرارت کو پورے جوش و خروش سے کرتی تھی بالکل اسی طرح پڑھائی کو بھی خود پہ سوار کرلیا کرتی تھی۔ ایگزام میں تو وہ اور بھی مصروف ہوگئی تھی۔ سارا گھر اس کی فکر میں دبلا ہو رہا تھا۔

سبرینہ کے امتحان گزرے تو ان کی پھوپھو کے بیٹے کی شادی تھی۔ سب بہت خوش تھے۔ دادو تو دو دن پہلے ہی وہاں چلی گئی تھیں۔ مہندی والی شام وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ نارنجی اور پیلا شرارہ، خوب صورت کام والی قمیص اور اس پہ بڑا سا دوپٹا اوڑھے وہ ٹھیک ٹھاک لگ رہی تھی۔ آج اس نے بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ موقع کی مناسبت سے دونوں ہاتھوں میں بھر بھر کر نارنجی اور پیلی چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ تین انچ ہیل کا سینڈل پہنے وہ لاؤنج میں آئی تو معید وہاں بے زاری سے کھڑا تھا۔ اس نے یہاں وہاں نگاہ دوڑائی، اس کو اپنے ممی پاپا کا انتظار تھا، لیکن اسے دیکھ کر معید نے اسے ساتھ چلنے کو کہا۔

"پاپا اور ممی کو جلدی پہنچنا تھا، انہوں نے کہا کہ میں تمہیں ساتھ لے کر آؤں۔" اس پر ایک نگاہ ڈال کر وہ تیزی سے لاؤنج سے باہر نکل گیا تھا۔ سبرینہ اس کی پیروی میں باہر نکلی۔ معید کے مطابق اس نے اپنی رفتار بڑھادی۔ پتا نہیں وہ کب سے اس کا انتظار کر رہا تھا اسے ڈر تھا وہ کسی بھی لمحے اپنا غصہ اس پہ نکال سکتا تھا۔ تیزی سے وہ گاڑی کی طرف بڑھی کہ ہائی ہیل کی وجہ سے پاؤں پھسلا اور وہ گرنے ہی والی تھی کہ معید نے جھٹکے سے اس کا بازو تھام لیا۔ وہ گری نہیں تھی، لیکن گاڑی کے بونٹ سے ضرور ٹکرائی تھی۔ چوٹ گاڑی سے ٹکرانے سے نہیں لگی تھی، اس کی چوڑیوں سے بھری کلائی معید کے ہاتھ میں تھی، بہت سی چوڑیاں ٹوٹ کر زمین پر گری تھیں۔ اس کی کلائی بھی اچھی خاصی زخمی ہوگئی تھی۔ معید ایک دم گھبرا گیا تھا۔

"آئی ایم سوری، میں تو تمہیں گرنے سے بچانا چاہتا تھا۔" معید اس کی زخمی کلائی دیکھ کر بے حد شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس کا مقصد تو سبرینہ کی مدد کرنا تھا، لیکن یہاں تو الٹی آنتیں گلے پڑ گئی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اپنے بازو سے رستے خون سے زیادہ اسے اپنی چوڑیوں کے شہید ہونے کا غم تھا جو وہ بہت شوق سے لے کر آئی تھی۔

"اندر چلو میں بینڈیج کر دیتا ہوں۔" وہ اس کے چہرے پہ پریشانی اور تکلیف دیکھ رہا تھا۔

"اٹس اوکے معید بھائی۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں اس طرح مزید دیر ہو جائے گی۔ بینڈیج رہنے دیں میں آکر کوئی میڈیسن لگالوں گی۔" وہ اسے بلاوجہ زحمت نہیں دینا چاہتی تھی۔ معید اس کی بات پہ دھیان دیے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا تھا۔ اسے صوفے پہ بٹھا کر وہ خود فرسٹ ایڈ باکس لینے چلا گیا تھا۔ سبین خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا یہ بدلا ہوا روپ سبین نے پہلی بار دیکھا تھا۔ کیا معید اتنا کیئرنگ بھی ہو سکتا ہے۔ چند منٹ بعد وہ کمرے میں آیا تو اس کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔

اس کے بازو پر پراپر قسم کی بینڈیج کر کے وہ فرسٹ ایڈ باکس بند کرتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"چلیں؟" سبین ایک بار پھر اس کی تقلید میں باہر نکلی۔

"سنبھل کے چلو۔" وہ جب گاڑی کے قریب پہنچی تو اسی مقام پر جہاں وہ پہلے پھسلی تھی معید نے اس کا ہاتھ آہستہ سے پکڑا اور اسے گاڑی میں بیٹھنے میں مدد کی۔ سبین کے لیے آج کی شام تاریخی تھی۔ تمام راستہ خاموشی سے گزرا۔ فنکشن میں بھی دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی وہ اپنی دوسری کزنز کے ساتھ تھی، لیکن گاہے بگاہے اس کی نگاہ معید پر پڑ جاتی تھی۔ اس بھرے پنڈال میں بھی وہ اسے سب سے الگ تھلگ اور زیادہ تر خاموش ہی بیٹھا نظر آیا۔

"تمہاری کلائی کیسی ہے اب؟" ناشتے کے لیے وہ دیر سے آئی تھی اس وقت تک سب لوگ ناشتا کر چکے تھے۔ معید شاید کہیں جا رہا تھا اور اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" جواب مختصر آیا تھا۔ عجیب صورت حال تھی جب اس کے پاس اس شخص سے کرنے کے لیے ڈھیروں باتیں تھیں تو یہ اس سے بات نہیں کرتا تھا اب جب سبین محتاط ہو گئی تھی اور کچھ کچھ اس کے مزاج سے خوف زدہ بھی تھی تو وہ اس سے چھوٹی موٹی بات کرتے ہوئے بھی گھبرانے لگی تھی۔

"درد تو نہیں ہو رہا اب زیادہ؟" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"سوری مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تمہیں اتنی چوٹ لگ جائے گی، ذہن میں ہی نہیں رہا کہ تم نے چوڑیاں پہنی ہوئی ہیں، میں تو تمہیں سپورٹ کرنا چاہتا تھا بس۔" وہ اپنی شرمندگی کا ایک بار پھر اظہار کر رہا تھا۔ وہ خود بہت حساس طبیعت رکھتا تھا، اس کی وجہ سے سبین کو چوٹ لگی تھی اتنا تو وہ کر ہی سکتا تھا کہ اس کا حال احوال پوچھ لے۔

"اٹس اوکے، آپ کی غلطی نہیں تھی، ہائی ہیل کے ساتھ مجھے ہی سنبھل کر چلنا چاہیے تھا۔" سبین سے اس کی پشیمانی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"چلو میں چلتا ہوں اور ہاں آج بینڈیج بدل لینا۔" اسے تاکید کرتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ سبین کا دل تو بلیوں اچھل رہا تھا۔ کہاں اتنا روڈ اور کہاں ایسا سوفٹ سپوکن اور کیئرنگ۔ اس بندے کے اس روپ سے تو اس کا اب واسطہ پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

"امی کل آپ کو میں نے مسز خالد سے ملوایا تھا، وہ جن کے ہزبینڈ آرمی میں ہیں۔ آپا کی سسرالی رشتے دار ہیں۔" رافعہ ساس سے کسی خاتون کا تذکرہ کر رہی تھیں۔

"ہاں مجھے یاد ہے، کافی ملنسار اور سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔" اخلاق صاحب کے ساتھ ساتھ معید اور سبین بھی ان کی گوسپ سن رہے تھے۔

"امی مجھے لگتا ہے وہ اپنی بیٹی کے لیے ہمارے معید میں انٹرسٹڈ ہیں۔ انہوں نے ڈائریکٹ تو کچھ نہیں کہا، لیکن جس طرح وہ اپنی بیٹی کے متعلق مجھے بتا رہی تھیں

اور پھر بار بار معید کا ذکر کر رہی تھیں اور اسے سراہ رہی تھیں میرا خیال ہے وہ رشتہ کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔" دادو تو دلچسپی سے ان کی بات سن رہی تھیں، اخلاق صاحب اور معید نے ان کی طرف دیکھا۔ رافعہ نے مسکراتے ہوئے معید کی طرف دیکھا۔

"تم ملی ہو ان کی بیٹی سے 'لڑکی اگر اچھی ہے تو پھر بات چلائی جاسکتی ہے۔" انہوں نے معید کی طرف دیکھتے ہوئے پیار سے کہا لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"لڑکی دیکھی ہے میں نے، مجھے تو اچھی لگی ہے۔"

سبوینہ سر جھکائے ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی، یکایک کھانے سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے یہ سب سن کر غصہ کیوں آرہا ہے۔ ساجد بھائی (پھوپھو کے بیٹے) کی شادی اور ان کے لیے لڑکیاں دیکھنے جانے پہ سبوینہ بڑے شوق سے ان باتوں میں حصہ لیتی تھی پھر اب کیوں اسے اچھا نہیں لگ رہا۔ معید کی شادی کا تذکرہ ہونے سے اسے کیوں تکلیف ہو رہی تھی۔ اپنی حالت پہ حیرت کرتی وہ ایک دم ہی وہاں سے اٹھی تھی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" رافعہ نے اسے اچانک جاتا دیکھ کر سوال کیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے ممی۔" ایک دم ہی وہ ڈائننگ روم سے نکل گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اس کے اس طرح کھانا چھوڑ کے جانے پہ تبصرہ کرتا معید نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

"ممی آپ میری شادی کا قصہ رہنے دیں۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا ہوں۔" وہ تینوں اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"لیکن بیٹا شادی کی ایک عمر ہوتی ہے اور پھر کب تک ایسے پھرتے رہو گے۔ میری بھی خواہش ہے کہ تمہارے سر پہ سہرا سجا دیکھوں۔" رافعہ کی بجائے دادو بولی تھیں۔

"دادو پلیز، آپ کے کہنے پہ میں پاکستان اس لیے واپس نہیں آیا تھا کہ آپ لوگ میری شادی کروا دیں۔ میں فی الحال اس ٹاپک پہ سوچنا بھی نہیں چاہتا۔" وہ دو ٹوک انداز میں کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

"یہ کب تک شادی سے بھاگتا رہے گا۔" رافعہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ اگر ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تو آپ لوگ اس کو فورس مت کریں۔" اخلاق صاحب نے پہلی بار مداخلت کی تھی۔

"کب تک اخلاق، آخر کب تک؟ وہ جس کا غم دل سے لگائے بیٹھا ہے وہ میری بھی اولاد تھی جب میں اس غم کے باوجود نارمل زندگی گزار رہی ہوں تو وہ کیوں نہیں گزار سکتا۔ میں نے کبھی اس میں اور اپنی اولاد میں فرق نہیں کیا اگر میری اولاد خوش نہیں ہو گی تو میں کیسے سکون سے رہ سکوں گی۔ اس کی خاموشی اور اداسی دیکھ کر دل کٹتا ہے۔ آپ اسے سمجھائیں اگر اس کا گھر بس جائے گا تو ہم بھی اپنے ایک فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔" بات کرتے کرتے وہ رو پڑی تھیں۔ رافعہ ٹھیک کہہ رہی تھیں معید کب تک عبیرہ کا غم سینے سے لگا کر پھرتا رہے گا۔

"پتا نہیں اللہ نے میرے بچے کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ پہلے ماں باپ اور پھر عبیرہ، بہت چاہتا تھا اسے..." دادو فرط جذبات سے مزید کچھ بول نہیں پائی تھیں۔ ان کی آنکھیں نم تھیں۔ اخلاق صاحب خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"آج کرکٹ نہیں کھیلنی بیٹا۔" علیم الدین ٹھیک پانچ بجے سبوینہ کے پاس سب کام ختم کر کے آگیا تھا، لیکن ہر روز کی طرح آج اس کا موڈ کھیلنے کا نہیں تھا۔

"دل نہیں کر رہا چاچا۔" وہ لاؤنج میں چپ چاپ بیٹھی تھی، سامنے ٹی وی چل رہا تھا لیکن اس کی صرف نظریں ٹی وی پر مرکوز تھیں اس کا دھیان کہیں اور ہی تھا۔ چند دن سے وہ بہت چپ چاپ اور خاموش رہنے لگی تھی۔ زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتی۔ محض کھانے کے وقت باہر نکلتی اور ہر اس جگہ سے اجتناب کرتی جہاں معید موجود ہوتا۔ کھانا اور ناشتا

ساتھ کھانا چونکہ ایک مجبوری تھی' مگر اس کے سوا وہ اب ان سب کے بیچ نہیں بیٹھتی تھی۔

"آپ نے نوٹ کیا ہے اخلاق' سبرینہ آج کل کچھ چپ چپ سی ہے۔ پہلے کی طرح ہنسنا بولنا' بات بے بات ضد کرنا ہمارے ساتھ بیٹھنا سب چھوڑ دیا ہے اس نے' میں نے کئی بار اسے کمرے سے بلوایا' لیکن وہ کوئی نہ کوئی مصروفیت کا بہانہ بنا کر تھوڑی سی دیر میں چلی جاتی ہے۔ علیم الدین کے ساتھ کرکٹ کھیلنا تک چھوڑ دیا ہے۔" رافعہ اس کے بدلے ہوئے روپ سے پریشان تھیں۔ صرف اس نے ہی نہیں یہ بات تو گھر کے باقی افراد نے بھی نوٹ کی تھی۔ دادو بھی اس سے پوچھ چکی تھیں۔

"بڑی ہو رہی ہے وہ رافعہ' اور عمر کے ساتھ شخصیت میں چھوٹی موٹی تبدیلیاں تو آتی ہیں۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ اب کیا ساری عمر وہ چھوٹے بچوں کی طرح ہی ہو کرتی رہتی۔" اخلاق صاحب نے اسے تسلی دی۔

"پھر بھی آپ بات تو کریں آخر معاملہ کیا ہے۔ کبھی کبھی لگتا ہے وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ اکیلی بیٹھی رہتی ہے اور اگر بلاؤ تو ایسے چونکتی ہے جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔" رافعہ کی بات پر اخلاق صاحب بھی سوچ میں پڑ گئے تھے۔

"ماں باپ ہونا بھی کتنی بڑی آزمائش ہے' ایک معید ہے جسے اپنا دکھ ہی سب سے بڑا لگتا ہے اور ایک سبرینہ ہے جو اپنی خوشی کا ہی سوچتی ہے' دونوں ایک جیسے من مانی کرنے والے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اللہ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا مجھ سے میری عبیرہ لے کر' وہ ان دونوں سے کتنی مختلف تھی سب کا خیال رکھنے والی' سب کا دکھ کرنے والی' سب کا سوچنے والی۔ خود سے زیادہ اسے سب گھر والوں کی فکر رہتی تھی۔ آج اگر وہ ہوتی...."

"انسان کتنا بھی صبر کرلے جوان اولاد کا غم کہاں بھولتا ہے۔" اخلاق حسین نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں حوصلہ دیا۔

"صبر کرو رافعہ' اللہ سے شکوہ نہیں کرتے بلکہ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے ہمیں دوسری اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔ ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ان شاء اللہ۔" رافعہ نے آنسو پونچھتے ہوئے ان کی تائید میں کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ ٹیرس کی طرف کھلنے والی ونڈو کے پردے ہٹا کر معید نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں گھنگھور بادل چھائے ہوئے تھے۔ اچانک اس کی نظر ٹیرس میں گرتی تیز بارش کی بوندوں پر پڑی اور پھر اس نے وہاں سر جھکائے بیٹھی سبرینہ کو دیکھا جو طوفانی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ اسے شدید حیرت ہوئی۔ سبرینہ اور اس کا کمرہ اوپر والے فلور پہ تھا اور دونوں کے کمرے کا دروازہ ٹیرس کی طرف کھلتا تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے اتنی تیز بارش میں بھیگ رہی ہو۔" وہ تیز لہجے میں اسے ڈپٹ رہا تھا' لیکن سبرینہ نے اس کی موجودگی کو نہ صرف نظرانداز کیا تھا بلکہ اس کی بات پہ سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"سبرینہ میں تم سے کہہ رہا ہوں' یہ کون سا موقع ہے ایڈونچر کرنے کا۔ آدھی رات کو یہاں بیٹھی بھیگ رہی ہو تم بیمار ہو جاؤ گی۔" اب کے لہجہ نرم تھا' لیکن اس بار بھی کوئی ردعمل نہیں ہوا تھا۔ وہ جیسے اس کی بات سن ہی نہیں رہی تھی۔

"چلو اندر چلو...." اسے سبرینہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اب وہ اسے اندر لے جانا چاہتا تھا۔

"آئی لو یو...." معید کو لگا اسے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔

"واٹ۔" سبرینہ نے اس بار سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور آسمان سے برستا

پانی اس کی آنکھوں کی برسات پہ پردہ ڈال رہا تھا۔

"مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔" معید کو اس کی بات سن کر کرنٹ لگا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو' دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔" وہ اب بھی اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے۔ معید کو اس وقت وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگی تھی۔

"بہت چاہتی ہوں میں آپ کو... دن رات آپ کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں... کچھ بھی اچھا نہیں لگتا... مجھے لگتا ہے مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے... بے تحاشا عشق۔" رک رک کے بولتی وہ اسے اپنی کیفیت بتا رہی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو... اسے عشق نہیں دیوانگی کہتے ہیں' کبھی سوچا ہے کسی کو یہ بات پتا چل گئی تو سب تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے... میرے بارے میں کیا سوچیں گے..." وہ غصے میں بولتا بولتا خاموش ہو گیا۔

"اپنی اور میری عمر کا فرق تو دیکھو۔ بچی ہو تم چھوٹی سی ابھی... بارہ سال بڑا ہوں میں تم سے۔ مجھ سے ایسی بات کرتے شرم نہیں آئی تمہیں۔" ایک لمحے کے تامل کے بعد وہ پھر شروع ہو گیا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے... دادو کہتی ہیں دادا اور ان کا ایج ڈیفرنس سترہ سال تھا۔" وہ اس کی بات کے جواب میں تحمل سے بولی تھی۔

"تم سچ مچ پاگل ہو گئی ہو... بھاڑ میں جاؤ۔" وہ پیر پٹختا آگ بگولا ہوتا وہاں سے چلا گیا تھا۔ چپ چاپ وہ اسے ٹیرس سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔

رات بھر بارش میں بھیگی تھی۔ طبیعت تو خراب ہونی ہی تھی۔ پورا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ ملازمہ ناشتے کے لیے بلانے آئی تو بمشکل اٹھ کر ڈائننگ ہال تک آئی۔ اندر آتے ہی اس کا سامنا معید سے ہوا جس نے ناشتا کرنا شروع کیا تھا۔ کرسی کھینچ کر وہ اس کے سامنے بیٹھی' لیکن وہ فوراً" کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو..." دادو نے اسے ٹوکا۔

"مجھے یاد آیا آج مجھے آفس جلدی جانا تھا۔" سبرینہ نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا' وہ معید سے اسی رد عمل کی امید کر رہی تھی۔

"پہلے ناشتا تو کر لو۔" رافعہ کی بات پہ اس نے انہیں تسلی دی کہ وہ آفس میں ناشتا کر لے گا اور باہر جانے لگا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے سبرینہ۔" رافعہ کی فکر مندسی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔" انہوں نے اس کے تپتے ہوئے ماتھے کو چھوا۔ معید لب کاٹتا باہر نکل گیا۔

اگلے دو دن وہ شدید بخار میں مبتلا رہی تھی۔ سارا گھر اس کی وجہ سے پریشان تھا سوائے معید کے جس نے ایک بار بھی اس کے کمرے میں جا کر اس کی خیریت دریافت نہیں کی تھی۔ تیسرے دن اللہ اللہ کر کے اس کا بخار اترا اور وہ کمرے سے باہر نکلی۔ گھر والوں نے سکھ کا سانس لیا۔ معید نے جان بوجھ کر خود کو آفس میں ضرورت سے زیادہ مصروف کر لیا تھا۔ ان دنوں وہ لیٹ آتا تھا اور جلدی گھر سے نکل جاتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سبرینہ بی بی' معید صاحب ابھی تک گھر نہیں آئے ہیں کیا آپ انہیں کھانا گرم کر دیں گے۔ بڑی بی بی کا حکم ہے انہیں رات کو کھانا کھائے بغیر سونے نہ دیا جائے۔ میرے سر میں شدید درد ہے' میں سوچ رہی تھی اپنے کوارٹر میں جا کر دوا لے لوں اور سو جاؤں۔" سبرینہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی جب گھر کی ملازمہ نے آ کر اسے اپنی طبیعت کی خرابی کا بتایا۔ وہ معید کو کھانا دینے کی وجہ سے ہر روز دیر تک وہاں رکتی تھی۔ باقی سب لوگ تو سو چکے تھے بس سبرینہ جاگ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں دے دوں گی کھانا۔" کئی دن سے اس کا معید سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ پتا نہیں وہ

کیسے ری ایکٹ کرے گا۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے معید کی گاڑی کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے کچن میں چلی گئی۔ کھانا گرم کرکے اس نے ڈائننگ ٹیبل پہ لگایا اور اب معید کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ کپڑے چینج کرکے کچن میں داخل ہوا اور اسے وہاں دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں سبرینہ کے لیے واضح ناپسندیدگی تھی۔ وہ ایک دم وہاں سے پلٹا تھا۔

"آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔ دادو کی ہدایت ہے کہ آپ کو بھوکے نہ سونے دیا جائے۔" وہ اس کی بات سن کر رک گیا تھا لیکن پلٹ کر دیکھا نہیں تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ مجھ سے خفا ہیں' لیکن کھانے سے کیا ناراضی۔ اس دن میں نے جو کچھ کہا۔۔۔" وہ بجلی کی سی تیزی سے پلٹا تھا۔

"سبرینہ اب وہ فضول بات دوبارہ شروع نہ کر دینا کیا سمجھتی ہو تم خود کو' کسی رومانوی داستان کی ہیروئن۔ تم ہو کیا چیز ہاں؟ تمہیں پتا بھی ہے میں تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہوں۔" اس کا لہجہ سبرینہ کو خوف زدہ کر رہا تھا۔

"بڑے دھڑلے سے اس دن تم نے مجھے کہا تھا نہ کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے' لیکن کیا تمہیں پتا ہے میرے دل میں تمہارے لیے کیا جذبات ہیں۔ بتاؤں تمہیں؟" سبرینہ کی آنکھوں میں سوال تھا۔

"میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔۔۔ شدید نفرت کرتا ہوں' میں تم سے۔۔۔ جانتی ہو کیوں۔۔۔؟ کیونکہ تمہاری وجہ سے میری دوست' میری محبت' میری عبیرہ مجھ سے دور ہو گئی۔۔۔ سبرینہ تمہاری وجہ سے۔۔۔ تم اپنی بہن کی موت کی ذمہ دار ہو۔" اس کا انکشاف سبرینہ کو مبہوت کر گیا تھا۔

"تم وجہ ہو میری عبیرہ کی موت کی۔ تمہیں بچاتے بچاتے وہ خود موت کی نیند سو گئی۔ اس دن تم نے تو صرف اپنی بہن کو کھویا تھا نہ' لیکن میں نے اپنی خوشی اپنی محبت کھوئی تھی۔ وہ میرا واحد سہارا تھی۔ آج بھی اپنے ہاتھ میں اس کے ننھے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتا ہوں جب اس نے پہلی بار میرا ہاتھ تھاما تھا۔ میں اس کے بغیر ادھورا ہوں' زندہ ہوں' لیکن مردے سے بدتر۔۔۔ جب تمہیں دیکھتا ہوں میرا غم اور بھی بڑھ جاتا ہے اور تم کہتی ہو تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ تمہیں اپنے سامنے برداشت کرنا میرے لیے کتنا اذیت ناک ہے اگر تم جان پاتیں تو کبھی میری نظروں کے سامنے نہ آتیں۔" وہ تلخی سے بولا تھا۔

سبرینہ ناقابل یقین حیرت سے گنگ کھڑی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے آج پتا چلا تھا کہ معید اتنے سالوں سے اس کی صورت سے کیوں بے زار تھا۔ وہ کیوں اس کے ساتھ بات نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کی بہن سے۔۔۔ سبرینہ چکرا گئی تھی۔ وہ کیسے اپنی بہن کی قاتل ہو سکتی ہے۔ اس نے وہ سب جان بوجھ کے تو نہیں کیا تھا' لیکن معید۔ اپنے کمرے میں بیٹھی وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ وہ راز جو اتنے سالوں سے اس کے گھر والوں کے سینے میں تھا آج اس پہ افشاں ہوا تھا۔ وہ رات قیامت کی رات تھی۔ سبرینہ نے اس سے پہلے خود کو اتنا حقیر کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ محبت کے درد سے وہ پچھلے کچھ ہفتوں میں آشنا ہوئی تھی اور دل ٹوٹنے کا عذاب کتنا جان لیوا ہوتا ہے وہ سمجھ سکتی تھی۔ اپنی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے معید کا رویہ حق بجانب لگ رہا تھا۔ وہ اسے عبیرہ آپی کی موت کا ذمہ دار سمجھتا تھا اس بات سے اسے بہت تکلیف ہوئی تھی' لیکن وہ اگر اسے اپنی نظروں کے سامنے نہیں دیکھنا چاہتا تھا تو وہ اس کے سامنے نہیں آئے گی اس نے تہیہ کیا تھا کیونکہ وہ اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بھئی ہماری سبرینہ نے تو کمال کر دیا ہے' اتنا شاندار رزلٹ آیا ہے اس کا کہ میرا سر تو فخر سے بلند ہو گیا ہے۔" اس کا اے لیول کا رزلٹ دیکھ کر اخلاق حسین نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے اسے مبارک باد دی تھی۔ دادو اور رافعہ بھی بے تحاشا خوش تھیں۔ گھر میں تو آج جیسے عید کا سماں تھا۔ تمام ملازمین اسے مبارک

یاد دے رہے تھے۔ پوری فیملی میں اس جیسا رزلٹ کسی کا نہیں آیا تھا۔ وہ چہرے پہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے ان سب لوگوں کی خوشی میں خوش ہو رہی تھی۔

"اب آگے کا کیا سوچا ہے؟" اخلاق حسین نے کافی کا کپ ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"کینیئرڈ میں لے گی ایڈمیشن سبرینہ۔" اس کے بولنے سے پہلے رافعہ بولی تھیں۔

"نہیں ممی میں اپنی انڈر گریجویٹ اسٹڈیز کسی فارن یونیورسٹی سے کرنا چاہتی ہوں۔" اس کی بات پر سب ہی حیران ہو گئے تھے۔

"فارن یونیورسٹی' دماغ تو درست ہے تمہارا' پتا ہے وہاں ہمارے بغیر رہنا پڑے گا۔ کیسے رہو گی تم ہم سب کے بغیر اور ہم سے اتنی دور؟ کوئی ضرورت نہیں ایسی بے وقوفانہ بات سوچنے کی۔" رافعہ نے اسے فوراً" ہی جھاڑ دیا تھا۔

کون سی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہو؟" رافعہ کے ساتھ دادو نے بھی چونک کر اخلاق حسین کی طرف دیکھا تھا جو نہایت سنجیدگی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"کولمبیا۔" وہ سر جھکائے بولی۔

"ایڈمیشن اسیسمنٹ (داخلہ کا بندوبست) کے لیے اپلائے کیا ہے؟" ان کا لہجہ اور باڈی لینگویج کچھ ایسی تھی کہ رافعہ یا دادو نہیں ٹوک نہیں پائیں جیسے وہ اس وقت اپنے اور سبرینہ کی گفتگو کے درمیان کسی تیسرے کی مداخلت کو پسند نہیں کریں گے۔

"جی' وہاں سے اپروول لیٹر (منظوری کا خط) بھی آگیا ہے۔" انہیں اسی جواب کی توقع تھی۔

"مجھے تفصیلات ای میل کر دینا۔ تمہارا ایڈمیشن ہو جائے گا۔" سبرینہ ان کی بات ختم ہونے پر وہاں سے اٹھ گئی تھی اسے پاپا کے رویے پہ حیرت ہوئی تھی انہوں نے بغیر کسی اعتراض کے اسے امریکہ بھیجنے کی حامی بھر لی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہو اخلاق' وہ کیسے جا سکتی ہے اتنی دور اکیلی کیسے رہے گی وہاں۔ بغیر سوچے سمجھے جوان بچی کو یوں پردیس بھیج دو گے۔" سبرینہ گھر سے چلی

جائے گی دادو کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"وہ چھوٹی بچی نہیں ہے امی کر لے گی وہ سب مینیج' لڑکے کو پڑھنے باہر بھیج سکتا تھا تو لڑکی کو کیوں نہیں' میرے لیے تو میرے دونوں بچے برابر ہیں۔ آپ لوگ بھی اپنا دل بڑا کریں۔ سوچا ہے' کبھی کتنے لوگوں کو وہاں آسانی سے ایڈمیشن ملتا ہے۔ اس میں صلاحیت ہے اس کے حوصلے پست نہ کریں۔" اخلاق حسین کی بات پہ رافعہ نے پہلو بدلا تھا اور دادو کا بھی منہ بن گیا تھا لیکن ان کے فیصلے کے آگے کوئی کچھ نہیں بولا تھا۔

"اگلے کچھ ہفتوں میں وہ ایڈمیشن کے مراحل سے گزر کر اپنی امریکہ روانگی کی تیاری کر رہی تھی۔ معید کو دادو کی زبانی اس کے کولمبیا میں ایڈمیشن اور امریکہ جانے کا پتا چلا تھا لیکن اس نے اس پر کوئی رائے نہیں دی تھی۔ ایک طرح سے اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وہ وہاں سے نہیں جا سکتا تھا کیونکہ دادو سے وعدہ کر چکا تھا' اچھا ہے سبرینہ چلی جائے تو اس کے لیے آسانی ہو جائے گی۔ وہ گھر میں زیادہ وقت نہیں گزارتا تھا لیکن پھر بھی وہ اس کی ہر حرکت پہ نظر رکھتا تھا۔

اس دن کے بعد سبرینہ نے کبھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی پھر بھی اسے خدشہ تھا کہ اپنے بچپنے میں وہ یہ بات کسی سے کہہ نہ دے لیکن اتنے مہینوں میں بھی جب یہ قصہ کسی کے کانوں تک نہیں پہنچا تو وہ کافی مطمئن ہو گیا تھا اور اب تو وہ خود اگلے چار سال کے لیے نیویارک جا رہی تھی۔ اس کا مطلب وہ آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ خوش تھا کہ اس کی بے وقوفانہ بات گھر کے کسی بھی فرد کو نہیں معلوم تھی لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ اس دن جب وہ رات کو سبرینہ پہ برس رہا تھا تو وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ اخلاق حسین کچن کے باہر کھڑے سب کچھ سن رہے تھے۔ وہ اپنی اسٹڈی میں تھے اور معید کا ہی انتظار کر رہے تھے کہ انہیں اس سے کچھ دفتری امور پر تبادلہ خیال کرنا تھا۔ معید کی گاڑی کی آواز سن کر وہ باہر نکل آئے تھے جب کچن سے معید کی غصے میں بھری آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ انہیں سبرینہ کا بدلا ہوا رویہ اور اس کے

گم صم رہنے کی وجہ سمجھ آگئی تھی۔ لیکن جو کچھ معید نے کہا اس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچی تھی وہ انہیں بہت پیاری تھی اور انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ اسے کیسے اس تکلیف سے نکالیں اور ان کی یہ مشکل سبرینہ نے ہی آسان کردی تھی۔ وہ باہر خود کو اس ماحول سے دور لے جائے اس طرح وہ یہ سب بھول جائے گی۔ وہ جانتے تھے فی الحال یہ سب وہ فرار کے لیے کر رہی ہے لیکن شاید اس کے حق میں یہی بہتر تھا۔

اس کا کولمبیا یونیورسٹی سے ملحق کولمبیا کالج میں داخلہ ہوگیا تھا۔ اس نے انگلش اور کمپیوٹر لٹریچر کا انتخاب کیا تھا۔ اخلاق حسین اس کے داخلے اور رہائش کے تمام انتظامات کرنے خود اس کے ساتھ آئے تھے۔ براڈوے یہ وے ہوسٹل انٹرنیشنل' نیویارک میں اس کی رہائش کا انتظام ہوگیا تھا۔ یہ جگہ یونیورسٹی سے محض دو تین منٹ کی واک پہ تھی۔ اس کی کلاسز شروع ہونے میں ایک ہفتہ باقی تھا اور اس کے لیے یہ وقت کافی تھا اپنے اردگرد اور ماحول کو سمجھنے کے لیے۔ وہ نیویارک میں تھی۔ امریکیوں کا دل پسند شہر۔ معید کا شہر۔ وہ یہیں پیدا ہوا تھا اور یہیں اس نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال گزارے تھے۔ سبرینہ سے زیادہ شاید ہی کوئی اس شہر میں اتنی کشش رکھتا ہوگا۔ کیا نہیں تھا یہاں 'ٹورسٹوں کی جنت' دنیا کی سب سے بڑی بزنس ڈسٹرکٹ' یونائیٹڈ نیشن کا ہیڈ کوارٹر' وال اسٹریٹ' مجسمہ' آزادی لیکن سبرینہ یہاں صرف معید کی وجہ سے آئی تھی۔ وہ یہاں نہیں تھا لیکن وہ پھر بھی اس پاس تھا۔ وہ کولمبیا بھی اسی لیے آئی تھی۔ الیگزینڈر ہملٹن سے لے کر بارک اوباما تک' دنیا کے بے تحاشا مشہور و معروف اور تینتالیس نوبل انعام یافتہ شخصیات کی تعلیمی درسگاہ میں وہ صرف اور صرف اس لیے داخلے میں دلچسپی رکھتی تھی کیونکہ معید یہاں کا فارغ التحصیل تھا۔ وہ جیسے اس کے قدموں کے نشانوں پہ چلنا چاہتی تھی۔ یہ شہر اس کو اجنبی نہیں لگا تھا کیونکہ وہ اسے معید کے حوالے سے جانتی تھی۔

بہت جلد وہ اس تیز رفتار شہر کی تیز رفتار زندگی کا حصہ بن چکی تھی۔ گھر یاد آتا تھا' گھر والے یاد آتے تھے لیکن وہ مجبور تھی' بے بس تھی۔ اس راہ فرار کے سوا اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اس کے سامنے رہے گی تو کبھی اسے بھول نہیں پائے گی۔ بھول' تو خیر اسے وہ اس سے دور رہ کر بھی نہیں پاتی لیکن اس کا سامنا کرنا بہت صبر آزما اور تکلیف دہ تھا۔ آہستہ آہستہ وہ وہاں ایڈجسٹ کرگئی تھی۔ اس کی اسٹیڈیز بہت مشکل تھیں۔ اس کا تقریباً" آدھا دن یونیورسٹی میں ہی گزر جاتا تھا۔ سارا دن دوڑ بھاگ' کبھی کلاسیں تو کبھی لائبریری۔ اس کے بہت سے دوست بن گئے تھے لیکن ان میں سب سے قریبی کمیلا تھی' وہ ہسپانوی تھی اور میکسیکو سے نیویارک پڑھائی کے سلسلے میں آئی ہوئی تھی۔ وہ سبرینہ کی روم میٹ (کمرہ کی ساتھی) بھی تھی اس لیے دونوں میں جلد بے تکلفی ہوگئی تھی۔ ہر روز نہیں تو ہر دوسرے دن رافعہ اور دادو سے اسکائپ پہ بات چیت ہوجاتی تھی۔ وہ اسے کتنا مس کرتے تھے یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اتنے عرصے میں شاید ہی کوئی گفتگو کا سیشن ایسا گزرا ہو جب دونوں خواتین نے آنسو نہ بہائے ہو۔

"میں یہاں بہت خوش ہوں۔ مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے۔ یہاں آکر میرا کتنا بڑا خواب پورا ہوا ہے۔" یہ تمام باتیں وہ ہر بار ہی انہیں بتاتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے بھی ان کی طرح رونا شروع کیا تو وہ ضرور اسے واپس بلالیں گے۔ بہت بار علیم چاچا نے بھی اس سے بات کی۔ اخلاق حسین تو اسے اکثر و بیشتر فون کرلیا کرتے تھے۔

"امی آپ نے دیکھا اس بار سبرینہ کچھ کمزور لگ رہی تھی۔" رافعہ کو آئے دن اس کی صحت کی فکر گھیرے رکھتی تھی ہر بار اس سے بات کرنے کے بعد ان کا یہ جملہ ضرور ہوتا۔

"مجھے تو اس کی طبیعت کی طرف سے پریشانی ہو رہی ہے۔ اتنی سردی پڑ رہی ہے اسے کہاں عادت ہے اس برفانی ٹھنڈ کی' آج بھی اسے زکام ہو رہا تھا۔" دادو

عمر کے جس حصے میں تھیں وہاں لاہور کی سردی ناقابل برداشت تھی وہ تو پھر نیویارک کے مائنس 10 ٹمپریچر میں رہ رہی تھی۔

"آپ اخلاق سے کہیں نہ اسے واپس بلالیں اسے کہاں عادت ہے اتنی خواری کی۔ کہہ رہی تھی برف میں چل کر یونیورسٹی جاتی ہے۔" اسٹریٹ تک جانا آنا انہیں بہت بڑا جوکھم لگ رہا تھا۔ اس نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ تو کمیلا کے ساتھ یونیورسٹی کے بعد سینٹرل پارک یا ہڈسن بے پارک کی طرف بھی نکل جاتی تھی۔ معید کے سامنے بیٹھیں وہ دونوں اس کی باتیں کررہی تھیں۔ دادو تو باقاعدہ آنسو بہارہی تھیں جبکہ رافعہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"عجیب مصیبت ہے یا تو وہ خود یہاں موجود اس کی برداشت کا امتحان لے رہی تھی اور اب اگر وہ خدا خدا کرکے چلی گئی ہے تو اس کا ذکر پیچھا نہیں چھوڑتا۔" معید پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا وہ اس وقت سنجیدگی سے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ یہ کوئی ایک دن کا ایشو تو نہیں تھا جب سے وہ گئی تھی اس کی باتیں کرکے وہ دونوں خوش یا غمگین ہوتی رہتیں اور معید اندر ہی اندر کھولتا رہتا۔ اس کو سبرینہ سے زیادہ غصہ خود پہ تھا۔ وہ اگر اس دن جذبات میں آکر وہ حماقت نہ کرتا اور محض اسے ڈانٹ ڈپٹ کر شٹ اپ کروا دیتا تو سبرینہ امریکہ نہ جاتی۔ معید کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ صرف اس کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ کر گئی ہے۔ اب جب اتنے مہینوں سے وہ اس گھر کے ہر فرد کو اس کی یاد میں گھلتا دیکھ رہا تھا تو اس کا گلٹ (احساس جرم) بڑھتا جارہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سبرینہ کے لیے کچھ کپڑے اور اس کی ضرورت کا سامان خریدا ہوا تھا میں نے' تم جارہے ہو تو اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ اس سے ملو گے تو اسے دے دینا۔" معید کو ایک آفیشل میٹنگ کے لیے امریکہ جانا تھا اور یہ ایک اتفاق تھا کہ وہ نیویارک ہی جارہا تھا۔ اسے وہاں جاکر سبرینہ سے ملنا ہے یہ تو اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا لیکن رافعہ نے خود سے ہی یہ طے کرلیا تھا۔

"اب اگر وہ نیویارک جائے گا تو کیا اپنی کزن سے نہیں ملے گا وہ بھی جس کے ماں باپ کو وہ اپنے ممی' پاپا کہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ممی' میں لے جاؤں گا۔" اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی آپشن (اختیار) ہی نہیں تھا کہ وہ انہیں ہاں میں جواب دے۔

"اس کو برفی پسند ہے' ایسا کرنا اس کی پسند کی جگہ سے تھوڑی سی منگوالینا۔ معید لے جائے گا۔ خوش ہوجائے گی۔ اپنی فیورٹ مٹھائی دیکھ کر میری بچی۔" دادو کو اچانک یاد آیا تھا۔

"جی امی وہ بھی سامان میں رکھ دوں گی۔ پتا نہیں کیا کھاتی ہوگی وہاں کیسے رہتی ہوگی۔" معید کو ان کی بات سن کر ہنسی آئی تھی۔ وہ ایسے کہہ رہی تھیں جیسے وہ امریکہ نہیں کسی جنگل میں رہ رہی ہے۔ اب وہ انہیں کیا بتاتا' وہ دونوں خود بھی جانتی تھیں کہ اپنے تنوع اور تہذیب کے اعتبار سے وہ دنیا کے سب سے مشہور شہر میں رہتی ہے۔ وہ ان کے جذبات مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا اگر وہ اسے یہاں سے کچھ بھیج رہی ہیں تو ان کا دل رکھنے کے لیے وہ لے جائے گا۔ اس سے ملنا مجبوری ہے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہ آج دفتر اپنے چند ضروری کاغذات لینے آیا تھا' رات کی فلائٹ سے وہ جارہا تھا۔ اخلاق حسین کے دفتر میں بیٹھا وہ ان سے لاسٹ منٹ ڈسکشن کررہا تھا۔

"واپسی کب ہے تمہاری۔" اخلاق صاحب نے روٹین کے انداز میں اس سے پوچھا۔

"دو ہفتے بعد۔" دو سے تین دن کے آفیشل کام کے لیے وہ وہاں دو ہفتے رکنے کی بات کررہا تھا۔ اخلاق صاحب نے سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔

"میں سوچ رہا تھا کچھ پرانے دوستوں سے مل لوں گا۔ اتنے سالوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔" انہوں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن معید پھر بھی

انہیں اپنے زیادہ ٹھہرنے کی توجیحات پیش کر رہا تھا۔ اخلاق صاحب اب بھی خاموش تھے لیکن وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی انہی کو دیکھ رہا تھا لیکن چند لمحوں بعد اس نے نظریں چرالیں۔

"میں چلوں پاپا۔" ایک لمحے کے لیے اسے لگا اخلاق صاحب اس وقت اس کے اندر تک جھانک رہے ہیں وہ وہاں مزید نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

"ہاں شیور۔" انہوں نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دی۔ اس کے جانے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک معید کے بارے میں سوچتے رہے۔ وہ سبرینہ سے ملنے والا تھا یہ بات انہیں معلوم تھی۔ پتا نہیں اس ملاقات کے بعد سبرینہ پہ کیا گزرے گی کیا وہ اتنے دن وہاں اس کی خاطر رہے گا۔ وہ اس کے سچ اور جھوٹ کو پرکھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

آپ سے کوئی صاحب ملنے آئے ہیں۔" ہوسٹل ریسپشن سے اس کے روم میں انٹر کام پر اطلاع دی گئی تھی۔ وہ حیران ہوتی لابی میں آئی تھی۔ اتنے عرصے میں پہلی بار کوئی اس سے ملنے آیا تھا وہ بھی ریسپشن پہ۔ اگر کوئی اس کا اپنا کالج فیلو یا اس کا فیملی ممبر ہوتا تو لازمی اس کے موبائل پہ کال کرتا یا اسے میسج کرتا۔ وہ حیران پریشان لابی میں داخل ہوئی جہاں ایک بڑا سا بیگ تھامے معید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس وقت اس کا چہرہ کیسا لگ رہا ہوگا۔ حیران، بے یقین، خوش، غمگین۔ ایک ساتھ بہت سے جذبات وہاں دکھائی دے رہے ہوں گے۔ وہ کبھی اپنی تاثرات کسی سے چھپا نہیں پائی تھی تو آج پھر اس شخص سے کیسے چھپا لیتی۔

"السلام علیکم۔" خود پہ قابو پاتے وہ اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو سبرینہ۔" اس نے اپنا لہجہ خوشگوار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ یہاں؟" سبرینہ نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کے وہاں آنے کی وجہ دریافت کی۔

"میں نے پوچھا کیسی ہو؟" اس نے اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے سوال دہرایا۔

"اچھی ہوں۔" اس کا جواب ذو معنی اور مختصر تھا۔ چہرے پہ بلا کی سنجیدگی تھی جو بہر حال اس کی شخصیت کا حصہ نہیں تھا۔

"وہ تو مجھے معلوم ہے میں حال پوچھ رہا تھا۔" اپنی مسکراہٹ پہ قابو پاتا وہ بھی اس کے انداز میں بولا تھا۔ ساتھ ہی ایک نظر اس کے کپڑوں پہ ڈالی۔ بلیک ڈینم جینز پہ وائٹ ہاف سلیوز ٹی شرٹ جس پہ سنڈریلا کی بڑی سی تصویر بنی تھی۔ اسے سچ مچ ہنسی آئی تھی۔ یہ لڑکی کب میچور ہوگی۔ اس نے دل میں سوچا تھا۔ لیکن کچھ بھی تھا وہ ہمیشہ کی طرح اچھی لگ رہی تھی۔

"میں یہ کچھ سامان دینے آیا تھا، ممی اور دادو نے اسپیشلی بھجوایا ہے تمہارے لیے پاکستان سے۔" اس نے بیگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ پاکستان سے مجھے یہ چیزیں دینے آئے ہیں۔" سبرینہ شاکڈ تھی۔

"آیا تو ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے تھا۔ ممی یا دادو نے تمہیں بتایا نہیں۔" سبرینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ بیگ کسی بھی ایکسائٹمنٹ (جوش و خروش) کے بغیر اس نے تھام لیا تھا۔

"شاید وہ تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہے ہوں گے۔" سبرینہ کو ان پر غصہ آیا تھا کیا ضرورت تھی انہیں اس کا احسان لینے کی۔ وہ اگر اسے بتا کر بھجتیں تو وہ انہیں پہلے ہی منع کر دیتی۔

"میں نے سوچا کال کرنے کی بجائے تمہارے ہوسٹل جا کر پکڑا ہی آتا ہوں۔ یہیں پاس ہی ہے میرا ہوٹل۔" اس نے مزید کہا۔

"شکریہ۔" سبرینہ نے روکھے لہجے میں کہا۔ وہ اگر محبت اور چاہت میں اپنا آپ نچھاور کرنا جانتی تھی تو اپنی ناراضی بھی دوسرے کے منہ پہ مارتی تھی۔ لحاظ اور رکھ رکھاؤ اسے نہیں آتا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔" معید نے اس کا رویہ دیکھ کر جانے کا ارادہ کیا۔ اسے کسی حد تک مایوسی ہوئی تھی۔ وہ تو اپنی طرف سے اسی سبرینہ سے ملنے آیا تھا جو بہت جلد دوستی کرلینے والی اور خفگی جلد بھلا کر مان جانے والی لڑکی تھی۔ اتنے مہینے یہاں سب سے دور رہ کر اسے لگا تھا اس کا غصہ گلہ ختم ہوچکا ہوگا' لیکن اس کا رویہ معید کو احساس دلا رہا تھا کہ اس سے نہ صرف ناراض ہے بلکہ اس سے بات تک کرنا نہیں چاہتی ہے۔

"اوکے بائے۔۔۔" سبرینہ اپنے کمرے کی طرف واپس جانے کے لیے مڑ گئی تھی۔

"سبرینہ۔۔۔" معید کی آواز پہ اس کے قدم رک گئے۔ اب کیا ہے کا سوال آنکھوں میں لیے وہ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"گھر والے بتا رہے تھے تم نے کچھ سیر و سیاحت نہیں کی۔۔۔ اتنے مہینے اسٹڈیز میں ہی بزی رہی ہو۔۔۔ یہ میرا شہر ہے اور مجھے یہاں کے سب ٹورسٹ اسپاٹ اچھی طرح معلوم ہیں۔ کل سنڈے ہے تو میں تمہیں شہر کی سیر کرا دیتا۔" معید کی آفر غیر متوقع تھی۔ ایسا اگر چند ماہ پہلے ہوا ہوتا تو سبرینہ چھلانگیں لگاتی اس کے ساتھ چل پڑتی' لیکن آج سب کچھ بدل چکا تھا۔ وہ تو اس سے چند منٹ بات کرنے کے لیے بھی خود کو مضبوط کر رہی تھی کہاں اس کے ساتھ گھومنا پھرنا۔

"یہ اب میرا بھی شہر ہے اور اتنے مہینوں سے یہاں رہتے ہوئے میں اس کے متعلق بہت کچھ جانتی ہوں اور کل تو میں ویسے بھی اپنی فرینڈ کے ساتھ سرکل لائن کروز پہ جا رہی ہوں۔ آفر کا شکریہ۔۔۔" جاؤ میاں میرا پیچھا چھوڑو والے انداز میں اپنی بات کہہ کر وہ تیزی سے لابی سے نکل گئی تھی۔ معید اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ وہی کر کے گئی تھی جو اتنے سالوں سے معید کر رہا تھا پھر اسے یہ سب برا کیوں لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح کے ساڑھے نو بجے وہ بھاگم بھاگ سب وے 1 کے ذریعے 42 اسٹریٹ پہ پہنچی تھی۔ کیملا کو اس نے زبردستی اپنے ساتھ لیا تھا۔ وہ کل معید سے کہہ چکی تھی کہ وہ کروز پہ جا رہی ہے حالانکہ اس کا پہلے سے ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ تو اسے ٹالنا چاہتی تھی' لیکن اب اچانک اس کو پتا نہیں کیوں لگا تھا کہ معید کہیں اس کے ہوسٹل نہ پہنچ جائے' سوچ کر اس نے کیملا کو اپنے ساتھ لیا اور پیئر 83 پہ واقع اس سائٹ کروز پہ پہنچ گئی۔

"ٹو ٹکٹس فار دا بیسٹ آف نیویارک۔۔۔" اس نے کھڑکی کے دوسری طرف بیٹھے کلرک سے کہا۔

"ناٹ ٹو۔۔۔ تھری ٹکٹس فار دا بیسٹ آف نیویارک۔" اپنے ساتھ کھڑے معید کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے' جینز اور ٹی شرٹ میں وہ اپنے والٹ سے پیسے نکال کر ٹکٹ ونڈو پہ رکھ رہا تھا۔ کلرک نے سوالیہ نگاہوں سے دونوں کو دیکھا۔

"وی آر ٹوگیدر" (ہم ساتھ ہیں) معید نے اعتماد سے کہا اور کلرک سے تینوں ٹکٹ لے لیے۔ سبرینہ غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ معید نے دو ٹکٹ اس کی طرف بڑھا دیے۔

"میں نے سوچا آج میں فری بھی ہوں اور کروز کی سیر میں نے بھی نہیں کی تمہارے بہانے سے میں بھی گھوم لوں گا۔" سبرینہ نے خفگی سے اس سے ٹکٹ تھام لیے تھے۔ سورج بالکل سامنے تھا اور اسی سے بچنے کے لیے کیملا نسبتاً" فاصلے پہ کھڑی تھی۔ ٹکٹ ونڈو کے باہر سبرینہ کو کسی سے بات کرتے دیکھ کر وہ بھی وہاں چلی آئی تھی۔

"ہائے۔۔۔ میں سبرینہ کا کزن ہوں معید۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

"کیملا۔۔۔" کیملا نے خوش دلی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ سبرینہ ان دونوں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے اب ڈیک کی طرف جا رہی تھی جہاں کروز میں جانے سے پہلے سب لوگوں کی تصاویر لی جا رہی تھیں۔ یہ ایک طرح کی سیکورٹی ٹرک تھی اور پھر یہی تصاویر فوٹو

شاپ کر کے ایک البم کے طور پہ آپ کو بیچ جاتی تھیں۔ سبرینہ اور کمیلا ڈیک پہ کھڑے تھے جب فوٹو گرافر انہیں ہدایات دے رہا تھا۔ معید ان دونوں کو دیکھ رہا تھا کہ کمیلا نے اسے بھی ساتھ آنے کی آفر کی۔ سبرینہ کو کمیلا کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی، لیکن وہ اسے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس کا کزن تھا اس نے ان لوگوں کی مہنگی ٹکٹیں خریدی تھیں اور اب اگر وہ اسی کی وجہ سے اسے کرٹیسی کر رہی تھی تو سبرینہ اسے منع نہیں کر سکتی تھی۔ معید بغیر کسی اعتراض کے ان کے ساتھ آگیا تھا۔ یہ بات سبرینہ کو اور بتا گئی تھی۔

ہڈسن بے میں سفر کرتا یہ لگژری کروز، مین ہٹن آئی لینڈ کا چکر لگوا رہا تھا۔ پہلی بار اس نے مشہور زمانہ نیویارک اسکائی لائن دیکھی تھی۔ بلند و بالا آسمان کو چھوتی مشہور و معروف بلڈنگوں کا ایک کلسٹر... کروز کا گائیڈ انہیں ایک ایک عمارت کی تاریخ اور اہمیت بتا رہا تھا۔ موسم خوش گوار تھا اس لیے انہوں نے اندر بیٹھنے کی بجائے بیرونی عرشے پہ بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔ وہ دونوں اپنے موبائل فون کے کیمرے سے دھڑا دھڑ تصاویر کھینچ رہی تھیں۔ کمیلا تصاویر کھینچنے کے ساتھ ساتھ معید سے باتیں بھی کر رہی تھی جو خود اب عرشے کی گرل کے پاس کھڑا تھا۔ سبرینہ اسے کمیلا کے ساتھ خوش مزاجی سے باتیں کرتا دیکھ رہی تھی۔ کچھ جگہوں کی طرف اشارہ کرتے وہ یقیناً" اس کے ساتھ ان کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ سبرینہ تصویریں لینا چھوڑ کر اب ان دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔ کمیلا کی پیٹھ اس کی طرف تھی، لیکن معید کو تو وہ اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہی تھی۔ چند منٹ بعد وہ اس کی طرف آگیا۔

"تمہارے لیے کچھ لاؤں...." وہ وہاں بیٹھنے کی بجائے اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور اپنی توجہ گائیڈ کی باتوں کی طرف مرکوز کر لی جو انہیں ورلڈ ٹریڈ سینٹر ٹریبیوٹ سینٹر کی عمارت کے متعلق بتا رہا تھا۔ اس کی واپسی تھوڑی دیر بعد ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں ایک باکس اور مختلف اسنیکس کا بیگ تھا۔ باکس میں تین کپ کافی کے تھے۔ کمیلا بھی اب ان کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ کافی نکال کر اس نے ایک کپ اس کے آگے بھی رکھ دیا تھا گرم گرم کافی خنک ہوا سے لطف اندوز ہوتے وہ لوگ اب لبرٹی آئی لینڈ کی طرف جا رہے تھے۔ بہت دور سے انہیں وہ رومن گاڈس کا مجسمہ نظر آرہا تھا جو تارکین وطن کو ویلکم کرنے کے لیے وہاں ایستادہ کیا گیا تھا۔ ہاتھوں میں مشعل تھامے، چھیالیس میٹر وہ مجسمہ آزادی جو فرانس کی طرف سے امریکا کو تحفے کے طور پر ملا تھا۔ آج پہلی بار وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھاگ کر بائیں طرف والے عرشے پہ چلی گئی تھی۔ بہت سے لوگ جن میں زیادہ تعداد سیاحوں کی تھی اپنے اپنے کیمرے سنبھالے وہاں آگئے تھے۔ بہت سی تصاویر اتارنے کے بعد وہ اب اپنی چند تصاویر اس مجسمے کے ساتھ لینا چاہ رہی تھی۔ اس نے فرنٹ کیمرہ آن کیا اور اپنے چند پوز کیے جو کیے۔ معید اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"میں تمہاری تصویریں بنا دیتا ہوں۔" اس کے ہاتھ سے فون لے کر وہ اس کی تصویریں بنانے کا کہہ رہا تھا۔

"مجھے دیکھ کر نہ سہی کیمرے کی طرف دیکھ کر تو مسکراؤ...." معید کی بات پہ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لا کر اس نے چند تصاویر کھنچوائیں اور ایک بار پھر اپنی جگہ پہ واپس جا کر بیٹھ گئی تھی۔ معید اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ اب وہ لوگ بروکلین برج کے نیچے سے گزر رہے تھے۔ مجسمہ آزادی کی آخری جھلک انہوں نے برج کے نیچے دیکھی تھی۔

"یانکی اسٹیڈیم بہت زبردست جگہ ہے۔ یہاں لازمی آنا۔ بلکہ میں تمہیں لے کر چلوں گا۔" وہ لوگ برونکس پہنچ چکے تھے۔

"تمہیں ضرور دیکھنا چاہیے۔ پچاس ہزار سے زیادہ لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے اور یہ یہاں کا قدیم ترین اسٹیڈیم ہے۔ میوزیم اور ریسٹورنٹس کی اٹریکشن اپنی جگہ ہے۔" معید کی بجائے کمیلا بولی تھی۔ سبرینہ

نے معید کو تو کچھ نہیں کہا تھا، لیکن کیلا کی بات سن کر مسکراتے ہوئے اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ڈھائی گھنٹے بعد وہ لوگ اب کولمبیا یونیورسٹی کے پاس سے گزر رہے تھے۔ پہاڑ کی چٹان پہ لکھا بڑا سا C جو کولمبینز کے لیے استعمال ہوتا تھا وہ اس کے پاس سے ابھی کچھ دیر پہلے گزرے تھے۔ جہاز سے اترنے کے بعد انہوں نے اپنا ٹوکن دکھا کر وہ تصاویر پک کر لی تھی جو سفر کے آغاز میں کھینچی گئی تھیں۔

"یہ تم رکھ لو۔" معید نے اس کی ادائیگی کرنے کے بعد وہ تصاویر کا پیکٹ سبرینہ کو تھما دیا تھا۔ اس سفر کے اختتام پہ معید ان دونوں کے ساتھ ہی سب وے اسٹیشن تک آیا تھا۔ وہ خود پین اسٹیشن کے پاس اتر گیا تھا۔ اس کا ہوٹل اس کے نزدیک ہی تھا جبکہ وہ دونوں براڈوے چلی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"دادو آپ کو کیا ضرورت تھی ان کے ہاتھ میرے لیے سامان بھیجنے کی۔" دو دن سے اس کی بات نہیں ہو پائی تھی آج وہ مارننگ سائڈ پارک کے بنچ پہ بیٹھی اپنے فون کا اسکائپ آن کیے دادو سے باتیں کر رہی تھی۔ شام کے پانچ بجنے والے تھے اور موسم کافی اچھا تھا۔ دادو نے اس سے چیزوں کے متعلق پوچھا تو اس نے اپنی ناراضی ڈھکے چھپے لفظوں میں کہہ دی۔

"کیوں بیٹا، اب معید جا رہا تھا تو کیا ہم اسے خالی ہاتھ بھیجتے۔ اس نے ملنا تو تھا تم سے سامان بھی لے آیا تمہارا۔ اس میں برا منانے والی کیا بات ہے۔" دادو کو اس کی بات سن کر حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں میں تو بس کہہ رہی تھی انہیں خواہ مخواہ تکلیف ہوئی۔" دادو کی بات پہ خفت محسوس کرتی وہ بولی۔

"اس میں تکلیف والی کون سی بات ہے۔ تمہارا کزن ہے اتنا قریبی رشتہ ہے اس سے۔ تمہارے لیے اتنا تو کر ہی سکتا ہے۔" دادو کی بات کے اختتام پہ اسکرین پہ اب سبرینہ کے ساتھ معید کا چہرہ بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے سے منہ نکالے مسکراتا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہ تجھے اپنا سمجھے تو پھر ہے نہ دادو۔ یہ تو امریکا آ کر لفٹ ہی نہیں کرواتی ہے۔" دادو نے اپنے پوتا پوتی کو ایک شاٹ میں دیکھا تو ان کی مسکراہٹ دوگنی ہو گئی تھی۔ سبرینہ حیرت سے اسے اپنے پیچھے کھڑا دیکھ رہی تھی۔ وہ اب ان سے سلام دعا کر رہا تھا۔

"نیویارک میں رہتی ہے اور پکی نیویارکر ہو گئی ہے اس پر کولمبیئن بھی ہیں۔ پاکستانی کزن کو گھاس کیوں ڈالیں گی حالانکہ میں نے سوچا تھا چلو کب سے پڑھائی پڑھائی کا شور چل رہا ہے اب آیا ہوں تو تھوڑی بہت سیر کرا دوں گا اور ساتھ خود بھی گھوم لوں گا، کمپنی رہے گی لیکن انہوں نے تو صاف انکار کر دیا۔"

"کیوں سبرینہ، یہ معید کیا کہہ رہا ہے۔ ایک تو وہ تمہاری فکر کر رہا ہے، تمہارا خیال رکھنا چاہتا ہے اور تم ہو کہ اسے منع کر رہی ہو۔ میرے بچے ہم سب یہاں تمہارے لیے کتنے پریشان ہیں کہ وہاں اکیلی ہو اور اب معید گیا تو مجھے اور رافعہ کو یہی تسلی تھی کہ تم اسے دیکھ کر خوش ہو گی۔ پہلے تو ہر وقت اس کے پیچھے پھرتی تھی۔ اب کیا ہوا؟" دادو نے پیار سے ڈپٹا۔

"دادو میرے پاس گھومنے پھرنے کا ٹائم نہیں ہے، میری پڑھائی ہی اتنی ہے کہ وقت نہیں ملتا کہیں جانے کا۔" اس نے آہستہ سے کہتے ہوئے اپنا بچاؤ کیا۔

"دادو غلط کہہ رہی ہے یہ۔ آج کل اس کا ٹرم بریک چل رہا ہے۔ لمبی چھٹیاں ہیں۔" اسے معید سے اس کا راز افشاں کرنے کی امید نہیں تھی۔

"لمبی چھٹیاں ہیں اور تم گھر نہیں آئی۔ تم نے مجھے کہا تھا تم چھٹیوں میں ملنے آؤ گی۔" دادو کو معید کی بات سن کر شاک لگا تھا۔ وہ تو کب سے اس کے گھر واپس آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

"چھٹیاں تو ہیں، لیکن میں آج کل اضافی کورسز کر رہی ہوں نہ اس لیے نہیں آئی اگلی بار۔ آ جاؤ گی۔" سبرینہ نے جھوٹ کا سہارا لیا، لیکن اس کے الفاظ آخری موڑ پر آ کر دم توڑ گئے۔ دادو کے چہرے

سے صاف لگ رہا تھا وہ اس سے ناراض ہیں۔

"اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے دادو۔۔۔۔ اب یہ یہاں آئی ہے تو کیا ہر چھ سات ماہ بعد بھاگی بھاگی پاکستان آجائے گی۔ اچھی خاصی مشکل پڑھائی ہے۔ اس کی اور پھر نیا شہر ہے نیا ملک ہے نئے دوست ہیں۔ آپ اس کی ایکسائیٹمنٹ (جوش و خروش) کو سمجھیں، ویسے بھی مجھے نہیں معلوم تھا یہ کچھ کورسز کر رہی ہے۔ مجھے لگا فری ہے اسی لیے آپ سے کہہ دیا اب آپ اسے ڈانٹیں تو مت۔" معید سے سبرینہ کی اتری ہوئی شکل دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ کچھ دیر دادو سے بات کرکے اس نے کال بند کردی تھی۔

"آئی ایم سوری۔۔۔ میری وجہ سے تمہیں خواہ مخواہ دادو سے ڈانٹ پڑ گئی۔" سبرینہ موبائل بیگ میں ڈال کر وہاں سے جانے لگی۔ اب معید اس سے معافی مانگ رہا تھا۔

"آپ کیوں بلاوجہ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اپنے کام سے آئے ہیں کام کریں اور جائیں۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ معید نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، لیکن وہ تیزی سے روڈ کراس کرکے اپنے ہوسٹل کی طرف جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی، مووی کا ٹائم ہونے والا ہے اور سب وے بھی مس ہو جائے گی تو ہمیں اگلے شو کا انتظار کرنا پڑے گا۔" کمیلا نے اسے بے زاری سے بستر پہ لیٹے دیکھا تو غصے سے بولی۔

"میرا موڈ نہیں ہو رہا کہیں جانے کا کمیلا، پلیز تم کل پہ رکھ لو۔" وہ اسے مناتے ہوئے بولی۔

"کل تو میں میکسیکو جا رہی ہوں سبرینہ۔۔۔۔ اور مجھے آج یہ فلم لازمی دیکھنی ہے۔" کمیلا نے اس کے ساتھ مووی دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا اور اس کا بالکل کہیں بھی جانے کا موڈ نہیں تھا۔ کمیلا کو ناراض ہوتا دیکھ کر اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے۔ تیار ہو کر وہ دونوں سب وے اسٹیشن پہنچیں۔ آج ان کا رخ شاپرز پیراڈائز ٹائم اسکوائر کی طرف تھا۔ 42 اسٹریٹ پہ بنے ریگل سنیما میں اس وقت اچھا خاصا رش تھا۔

"تم چلو میں پاپ کارن لے کر آتی ہوں۔" اس کا ٹکٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر کمیلا اب پاپ کارن کی لمبی لائن کی طرف جا رہی تھی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ آتی ہوں۔" سبرینہ اس کے پیچھے ہی چلی آئی، لیکن کمیلا نے اسے ساتھ آنے سے منع کردیا۔

"نہیں یہاں کافی وقت لگ جائے گا تم ایسا کرو اندر جا کر بیٹھو ویسے بھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور موڈ بھی۔ میں آرہی ہوں۔" کمیلا نے اسے سمجھا بجھا کر اندر بھیج دیا۔ فلم ابھی شروع نہیں ہوئی تھی اور اشتہارات چل رہے تھے۔ وہ بہت بے زاری سے وہاں آئی تھی، لیکن اب وہ کافی اچھے موڈ میں تھی۔ وہاں اندر بیٹھے بیٹھے ایک ہی بات سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہو رہا تھا، لیکن باہر آکر، رونق دیکھ کر کمیلا سے باتیں کرکے اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ کمیلا کی شکر گزار تھی جو زبردستی اسے ساتھ لے آئی تھی۔ اسی وقت ساتھ والی سیٹ پہ اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس کی کرسی کے کپ ہولڈر میں کولڈ ڈرنک کا گلاس رکھنے کے بعد اس کے ہاتھ میں پاپ کارن کی بکٹ پکڑا کر وہ اپنی سیٹ پہ آرام سے بیٹھ گیا تھا۔

"فلم ابھی شروع تو نہیں ہوئی؟" وہ اسکرین کی طرف نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔ سبرینہ نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر اپنے بائیں طرف والی سیٹ کو دیکھا جہاں اس وقت کوئی امریکن لڑکی بیٹھی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں یہ سیٹ تو کمیلا کی ہے۔" اس نے دبے دبے غصے سے پوچھا۔

"اس کا موڈ نہیں تھا مووی کا وہ تو تمہیں یہاں میرے کہنے پہ لائی تھی۔ اس کا میسج ہے تمہارے لیے کہہ رہی تھی وہ ہارڈ روک جا رہی ہے۔ رات کو دیر سے آئے گی۔ اسی لیے تم میرے ساتھ ہی واپس جانا۔ اس وقت اکیلے جانے سے خصوصی طور پہ منع کیا ہے

اس نے تمہیں۔" سبرینہ کو اس کی بات سن کر اس وقت ہر اس غدار کا نام یاد آیا تھا جو کبھی تاریخ کی کتاب میں اس نے پڑھے تھے۔ یقیناً" ان متاثرین کے دلوں پر بھی کچھ ایسا ہی بیتتا ہوگا جو وہ محسوس کر رہی تھی۔

کمیلا اور معید اس دن کروز میں ایک دوسرے سے اچھے خاصے بے تکلف ہوگئے تھے اور آج کا فلم دیکھنے کا پروگرام اس کا نہیں معید کا تھا اس لیے کمیلا اسے ہر قیمت پہ وہاں لانا چاہتی تھی۔۔۔ اف ان انگریزوں پہ تو کبھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیا پتا کب دھوکا دے جائیں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ اسے معید کی حرکت پہ غصہ تھا، لیکن تھیٹر سے نکل کر وہ اس سے زیادہ بچگانہ حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کون سا میں یہاں اکیلی ہوں۔۔۔ اتنے سارے لوگوں میں ایک یہ بھی بیٹھا ہے تو میری بلا سے۔" یہی سوچ کر اس نے اپنا دھیان فلم کی طرف لگا لیا تھا، لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا وہ اس کے بالکل برابر بیٹھا تھا۔ ایک بار تو اس کی کہنی بھی سبرینہ کی کہنی سے ٹکرائی تھی۔ اس نے اپنا بازو سائیڈ ریسٹ سے ہٹا کر اپنی جھولی میں کر لیا تھا۔ ایک دو بار اس نے کن انکھیوں سے معید کو دیکھا جو پوری توجہ سے فلم دیکھ رہا تھا۔ دو گھنٹے نو منٹ کا یہ صبر آزمائش ختم ہوا تو وہ تیزی سے ہال سے باہر نکلی۔ کمیلا ساتھ نہیں ہے تو کیا ہوا وہ کوئی اس کی باڈی گارڈ ہے۔ اتنے مہینوں سے وہ یہاں رہتی ہے تو کیا سب وے لے کر اپنے ہوسٹل تک نہیں جاسکتی۔

"سبرینہ رکو۔۔۔" معید اس کے پیچھے آرہا تھا۔ فٹ پاتھ پہ لوگوں کی بھیڑ میں چلتی وہ اسٹیشن کی طرف جارہی تھی کہ وہ اس کے بالکل سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

"کہاں جارہی ہو تم؟"

"ہوسٹل۔"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے پہلے ڈنر تو کرلو۔"

"بہت شکریہ، لیکن مجھے ہوسٹل جانا ہے۔"

"تمہیں میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا؟"

"نہ تو آپ کسی رومانوی داستان کا کریکٹر ہیں نہ کسی فلم کے ہیرو پھر اس چیپ فلمی مذاق کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔" وہ ہاتھ سینے باندھے کھڑا اس کو اسی کے انداز میں بولتا سن رہا تھا۔

"سبرینہ تم کب تک مجھ سے ناراض رہوگی؟"

"میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں، لیکن میں آپ کے ساتھ کہیں بھی جانے یا گھومنے پھرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی ہوں پھر آپ کیوں میرے پیچھے پڑے ہیں۔"

"لیکن تم مجھ سے ناراض تھیں، میں مانتا ہوں میں تم سے بہت زیادہ تلخ ہوگیا تھا۔ مجھے تم سے وہ سب کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس بہت پہلے ہی ہوچکا تھا، لیکن اس وقت تک بہت دیر ہوگئی تھی۔ میں جانتا ہوں تم سب کو چھوڑ کر یہاں میری وجہ سے آئی ہو۔ میں پہلے ہی خاصا شرمندہ ہوں پھر بھی میں تم سے اپنے رویے کی معافی مانگتا ہوں۔"

"آپ کو یہ غلط فہمی کیوں ہے کہ میں یہاں آپ کی وجہ سے آئی ہوں۔۔۔ آپ اتنے اہم نہیں ہیں کہ میں آپ کی فضول باتوں کی وجہ سے اپنا گھر اور اپنی فیملی سے دور چلی جاؤں۔"

"سب گھر والے تمہیں بہت مس کرتے ہیں خاص کر دادو اور ممی اور انہیں دیکھ کر میرا گلٹ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔"

"یہ گلٹ والی بات جو آپ نے مجھ سے کی ہے نہ تو یہ تو آپ رہنے ہی دیں۔۔۔ آپ میرے بارے میں کیا فیلنگز (جذبات) رکھتے ہیں یہ آپ پہلے ہی بتا چکے ہیں آپ جیسے لوگ جو صرف اپنی ذات کے لیے زندہ رہتے ہیں انہیں اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون ان کی وجہ سے دکھی ہے۔" معید لب بھینچے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"سبرینہ میں صرف ازالہ کرنا چاہتا تھا۔۔۔" اس کی بات پہ سبرینہ اور بھی تلملا اٹھی تھی۔

"ازالہ؟ آپ سمجھتے ہیں یہ سب کر کے آپ میری وہ تکلیف کم کرپائیں گے جو آپ کی باتوں سے مجھے ہوئی ہے۔۔۔ آپ کے جملے نشتر بن کے میرے دل میں

چھپے ہوئے ہیں مجھے میری بہن کی موت کا ذمہ دار ٹھہرا کر آپ کہتے ہیں اب آپ ازالہ کرنا چاہتے ہیں اس کا مطلب مجھ پہ اتنے سالوں سے لگی فرد جرم ہٹالی گئی ہے۔ ایک بات میں آپ کو واضح کردوں میری بہن مجھ سے بہت محبت کرتی تھی اور میں بھی انہیں بہت پیار کرتی ہوں۔ اپنی محبت میں مجھے بچانے کی خاطر انہوں نے تو اپنی جان تک قربان کردی اور آپ ان سے محبت کا دعوا کرتے ہیں۔ ایک طرف آپ کے دل میں میری بہن کی محبت زندہ ہے اور دوسری طرف میرے لیے شدید نفرت۔ یہ دو جذبے ایک جگہ نہیں ہو سکتے یا تو انسان صرف محبت کرتا ہے یا پھر نفرت۔" وہ بہت بے رحمی سے تجزیہ کررہی تھی۔ معید خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ آپ نے میری بہن سے سچی محبت کی ہے ورنہ جس کی محبت میں اس نے اپنی جان گنوا دی آپ اس سے نفرت ہرگز نہ کرتے۔ جس دن سے مجھے یہ پتا چلا ہے کہ آپ اور عبیرہ آپی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے چاہتے تھے مجھے تو جیلسی نہیں ہوئی۔ میرے دل میں آپ کا مقام نہیں بدلا۔"

"بس کرو سبرینہ۔۔۔ بس کرو۔ کیا جانتی ہو تم میرے اور عبیرہ کے بارے میں' ہماری دوستی کے بارے میں' ہماری محبت کے بارے میں۔ تم کچھ نہیں جانتی کہ میں نے اسے کتنا چاہا ہے۔ تمام عمر اس سے محبت کے سوا اور کچھ نہیں کیا وہ زندہ تھی تب بھی' وہ مر گئی تب بھی۔۔۔ تم میرے دل کے درد تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔" وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"صرف میں ہی تو جانتی ہوں دل کا درد کیا ہوتا ہے کیونکہ میں خود بھی اسی درد سے گزر رہی ہوں' ادھورے اگر آپ ہیں تو میری محبت بھی تو ادھوری ہے۔ آپ کی حالت مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ دل ٹوٹنے کی اذیت مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے' لیکن میں آپ کی طرح بے رحم نہیں ہو سکتی جسے اپنا درد تو نظر آتا ہے' لیکن وہی تکلیف جب کوئی دوسرا سہہ رہا ہو تو آپ کے لیے کچھ معنی نہیں رکھتی۔"

سبرینہ کی آنکھوں میں آنسو تھے اپنی بات ختم کر کے وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔ معید اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

"مس سبرینہ آپ کے لیے ایک پارسل آیا ہے۔" ریسیپشن ڈیسک سے اسے کال آئی تھی۔ ریسیپشنسٹ اسے کسی پیکٹ کو پک کرنے کے لیے بلا رہی تھی۔ وہ نیچے آئی تو ایک باکس کاؤنٹر پہ رکھا تھا۔ خوب صورت گفٹ پیپر میں لپٹا وہ ڈبا اس نے اٹھالیا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے وہ پیکٹ کھولا تو اندر ایک نہیں کئی چیزیں تھیں۔ خاصی مہنگی چاکلیٹس کا ایک ڈبا' دو مہنگے پرفیوم اور ایک عمدہ سفید ٹی شرٹ جس پہ پرنس صوفیا کی گرافک بنی تھی۔ ان سب چیزوں کو حیرت سے دیکھتے اس نے اس لفافے کو کھولا تھا جس میں شاید کوئی کارڈ تھا۔ اس میں ایک رقعہ اور ایک کارڈ تھا۔ اس نے پہلے اس خط کو پڑھنا شروع کیا۔

"میں آج واپس جارہا ہوں سبرینہ' کل میں تمہیں یہی بتانا چاہتا تھا' لیکن تم رکی ہی نہیں۔ اتنے مہینوں سے دل پہ ایک بوجھ تھا' تمہیں تکلیف پہنچانے کے بعد خوش تو میں بھی نہیں تھا' سوچا تھا یہاں اگر تم سے معافی مانگ لوں گا تو اس بوجھ سے چھٹکارا مل جائے گا' لیکن شاید تم مجھ سے کچھ زیادہ ہی خفا ہو جو میرا قصور معاف کرنے کو تیار نہیں۔

اس رات تمہیں میں نے بہت ہرٹ کیا تھا' اپنی برسوں کی بھڑاس نکال کر خود کو ہلکا کرنے کے باوجود میں پرسکون نہیں ہو سکا۔ کل تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا' محبت اور نفرت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے اور میں ایک ہی وقت میں یہ دونوں جذبے اپنے اندر لیے گھوم رہا تھا۔ میری اذیت کا سوچو گی تو میرا قصور اتنا بڑا نہیں لگے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ہمیشہ تم سے جیلس ہوتا رہا۔

عبیرہ کے لیے میں شروع دن سے بہت پوزیسو تھا اور وہ تم پہ بھی جان چھڑکتی تھی۔ اس کی خوشی کی خاطر تمہیں برداشت کرتا تھا' لیکن اندر ہی اندر اس بات

سے خائف بھی تھا کہ وہ میرے سوا کسی اور کو اتنی اہمیت کیوں دیتی ہے۔ وہ تمہیں بچاتے بچاتے مر گئی اور میرے دل میں یہ گرہ اور بھی پکی ہو گئی۔ برسوں تم سے ناراض رہ کر میں اس حسد کے پودے کو تناور درخت بناتا رہا۔ جس دن یہ حبس چھٹا تو مجھے احساس ہوا' میں کتنا غلط تھا۔ میرا دل بہت چھوٹا تھا' جس میں ایک لڑکی محبت تو سمائی مگر اس کی عزیز از جان بہن کے لیے جگہ نہیں بنی۔ یہ بات میں جو تم سے کہہ رہا ہوں اس کا اعتراف شاید میں تمہارے سامنے نہ کر پاؤں اسی لیے یہ خط لکھا ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔

میں یہاں تم سے اسی لیے مل رہا تھا کہ تمہیں منا کر گھما پھرا کر اپنے اور تمہارے درمیان آئی خلش کو کم کرلوں گا۔ میرے ضمیر پہ ایک بوجھ تھا کہ تم میری وجہ سے گھر چھوڑ کر گئی ہو اور یہ ٹھیک بھی ہے تم بھلے اس بات کو مانو یا نہ مانو۔ میں تو بس اس برسوں پرانی بے مقصد رنجش کو ختم کر کے دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا تھا۔ ہمارے بڑوں نے کئی غم دیکھے ہیں' میں نہیں چاہتا وہ اب مزید زندگی میں کوئی دکھ دیکھیں۔ وہ سب تم سے بے پناہ پیار کرتے ہیں۔ تم اس بار چھٹیوں میں گھر نہیں آئیں پلیز میری التجا ہے کہ اگلی بار گھر ضرور آنا.... ہم سب کو تمہارا انتظار رہے گا۔ یہ چند تحائف تمہارے لیے ہیں امید ہیں تمہیں پسند آئیں گے۔"

معید۔

وہ بے آواز رو رہی تھی۔ وہ جا رہا تھا۔ وہ جب تک یہاں تھا صبوبہ کو ایک انجانی سے خوشی تھی۔ وہ اس کے آس پاس تھا اور اب جب وہ جا رہا تھا تو اس شہر میں' میں وہ تنہا کیسے رہے گی۔ اس کے بھیجے ہوئے تحفے دیکھنے کے بعد اب وہ اس کا سوری کا کارڈ پڑھ رہی تھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔ اس کا رخ معید کے ہوٹل کی طرف تھا جو کولمبس سرکل کے نزدیک تھا۔ سب وے کے ذریعے وہ جے ڈبلیو میریٹ پہنچی تھی' لیکن وہ اسے وہاں نہیں ملا تھا' وہ جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے تو کہا تھا تم دو ہفتے رکو گے پھر جلدی واپسی کیوں ہو گئی۔" گھر پہ سب اس کو دیکھ کر حیران تھے۔ اخلاق حسین اس کی شکل دیکھ رہے تھے جہاں لمبے سفر کی تھکاوٹ تھی۔

"وہ ایک دو دوستوں سے ملنے کا پروگرام تھا' لیکن ان سے رابطہ ہی نہیں ہو سکا۔ سوچا رکنے کا کوئی فائدہ نہیں اسی لیے واپس چلا آیا۔" اس نے اپنے پرانے جھوٹ کو قائم رکھتے ہوئے ایک اور جھوٹ بولا۔

"صبوبہ کیسی ہے؟" رافعہ نے سوال کیا۔ ان کی تو جان اٹکی ہوئی تھی اس میں۔ ان کا بس چلتا تو معید سے صرف اس کی باتیں کرتیں۔

"وہ اچھی ہے۔" معید نے مسکراتے ہوئے اس کا جملہ دہرایا اور اس پل نظروں کے سامنے اس کی شبیہہ نمودار ہوئی۔ بالوں کی اونچی سی پونی بنائے سفید سنڈریلا کے گرافکس والی ٹی شرٹ میں وہ خفا خفا تھی۔

"تم دونوں تو روز ملتے ہو گے.... اخلاق بتا رہے تھے تمہارا ہوٹل اس کے ہوسٹل کے پاس ہی تھا۔ کیا کرتی ہے وہ وہاں' کیسے رہتی ہے' پریشان تو نہیں' وہ خوش تو ہے نا؟ فون پہ تو کچھ بتاتی نہیں....." رافعہ نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھے تھے وہ ایک ماں کی فکرمندی تھی دادو اور اخلاق حسین دونوں خاموشی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

"روز تو.... نہیں ملتے تھے ممی.... بس ایک دو بار...." معید نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"ویسے وہ ٹھیک ہے اور خوش بھی آپ فکر مت کریں' بہت اچھی طرح ایڈجسٹ کر چکی ہے وہاں۔" ان تینوں کے سامنے اسے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ یہ بات کرتے ہوئے حالانکہ وہ کل پانچ دن وہاں رکا تھا اور یہ سچ تھا کہ وہ پانچ دن ہی اس سے رابطے میں رہا تھا۔ آخری دن اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی' لیکن وہ خط اور گفٹ دینے اس کے ہوسٹل تو گیا تھا۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی اس نے ان سے یہ بات کیوں چھپائی تھی۔ اگر وہ انہیں یہ کہہ دیتا کہ ہاں روز ملا تھا تو بھی کیا فرق پڑ جاتا۔

"نہیں تھوڑا ریسٹ کرلوں پھر تسلی سے گپ شپ ہوگی۔" وہ فوراً" ہی وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ کمرے میں آکر اس نے شاور لیا اور بستر میں لیٹ گیا۔ وہ کچھ دیر سونا چاہتا تھا۔ آنکھیں بند کیں تو ایک بار پھر اس کا چہرہ نظروں کے سامنے آگیا۔ بڑی بڑی آنکھیں اور گلابی ہونٹ' ناراضی بھرا تاثر جو وہ چھپا نہیں پارہی تھی اور اتنے دن معید نے اسے خفا ہی دیکھا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ یہ اسے کیا ہو گیا تھا۔ لگتا ہے ان دنوں میں نے اسے کچھ زیادہ ہی اپنے سر پہ سوار کرلیا ہے۔ اس کے خیال کو جھٹکتے ہوئے اس نے ایک بار پھر کروٹ لے کر سونے کی کوشش کی۔

"صرف میں ہی تو جانتی ہوں دل کا درد کیا ہوتا ہے کیونکہ میں خود بھی اسی درد سے گزر رہی ہوں۔" اپنے بہت قریب اسے سبوینہ کی آواز آئی تھی۔ وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"ایک طرف آپ کے دل میں میری بہن کی محبت زندہ ہے اور دوسری طرف میرے لیے شدید نفرت۔" اسے سبوینہ کے وہ جملے یاد آئے جو اس نے ٹائم اسکوائر پہ کھڑے ہو کر کہے تھے۔

"نہیں میرے دل میں اس کے لیے نفرت نہیں... اس محبتیں بانٹنے والی لڑکی سے کوئی کیسے نفرت کرسکتا ہے۔" وہ آس پاس کہیں نہیں تھی' لیکن یہ آواز... اف میرے خدا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سبوینہ کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں۔ زندگی ایک بار پھر پرانی روش پہ آگئی تھی' لیکن اس بار وہ پہلے کی طرح پرجوش نہیں تھی۔ یونیورسٹی اور ہوسٹل کے درمیان بھاگتے دوڑتے وقت کا پہیہ تیزی سے گھوم رہا تھا۔ اس کے خط کو سو بار پڑھ کر بھی وہ ایک سو ایک بار پڑھنے کی خواہشمند تھی۔ اس کا کارڈ اور تمام چیزیں بہت سنبھال کر رکھی تھیں اس نے۔ وہ خط اس سے باتیں کرنے کا واحد ذریعہ تھا۔ جو معید نے لکھا تھا وہ

اس کی باتیں تھیں اور ان تمام باتوں کے جواب سبوینہ اکیلے میں دہراتی تھی۔ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے اس بات کی تجدید نا جانے کتنی بار کر چکی تھی۔ وہ اس سے خفا نہیں' اس سے خفا ہو ہی نہیں سکتی یہ بات ہر بار خط پڑھتے ہوئے وہ معید سے کہتی۔ اسے سمیسٹر ختم ہونے کا انتظار تھا کیونکہ اس بار اسے لازمی گھر جانا تھا۔ سب سے ملے کتنے مہینے ہوگئے تھے' کتنی اکیلی تھی وہ ان کے بغیر پھر بھی دل پہ پتھر رکھ کے پھر رہی تھی اس کا بس چلتا تو اڑ کر گھر پہنچ جاتی۔

☼ ☼ ☼

معید ابھی کچھ دیر پہلے آفس سے آیا تھا۔ دادو سے ملنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ کپڑے بدل کر ٹی وی آن کیا تو چینل سرچنگ کرتے ہوئے اسے ڈسکوری چینل پہ ایک پروگرام میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ کولمبیا یونیورسٹی پہ ایک ڈاکومنٹری نشر ہو رہی تھی۔ بے حد دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ جگہ اس کے دل کے بہت قریب تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ خود یہاں کا فارغ التحصیل تھا' لیکن اس وقت وہ اس جگہ کو اپنے لیے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس جگہ میں اس کی دلچسپی کی وجہ سبوینہ تھی۔ پتا نہیں اسے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ اسکرین پہ دکھائے جانے والے مناظر میں شاید طلبا کی بھیڑ میں اسے وہ دکھائی دے جائے... وہ ایک احمقانہ سوچ تھی۔ پتا نہیں وہ ڈاکومنٹری کس موقع کی فوٹیج شو کر رہی تھی' لیکن دل والے عقل والوں کی طرح کب سوچتے ہیں۔ وہ احمق ہی ہوتے ہیں۔ اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ اپنا موبائل فون نکال کر وہ اب اس میں سے فوٹو کا فولڈر کھول رہا تھا۔ اس میں موجود چند تصاویر میں اسے سبوینہ کی تصویریں ملی تھیں۔ سبوینہ کروز شپ پہ کھڑی تصاویر لے رہی تھی اور وہ بھی وہیں کھڑا تھا۔ اس کے اڑتے ہوئے بھورے بال' گلے میں لپٹا اس کا لیمن گرین کلر کا اسکارف اور سیاہ ٹاپ کے ساتھ بلیو جینز... مجسمہ آزادی اس کے بیک گراؤنڈ میں تھا۔ معید انگلی سے آگے پیچھے کرتا اس کی وہ تمام تصویریں

دیکھ رہا تھا۔ دل کو اسے دیکھ کر ایک انجانی سی خوشی ہو رہی تھی۔

اپنے اس مختصر سفر کا ہر لمحہ یاد آ گیا تھا۔ اس کی ناراضی، اس کا غصہ..... وہ جب سے واپس آیا تھا ایک لمحے کے لیے بھی اسے بھلا نہیں پایا تھا۔ سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد پہلا خیال اسی کا ہوتا تھا۔ وہ بری طرح اس کے اعصاب پہ سوار تھی..... شروع میں اس نے اس کے خیال سے جان چھڑانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا آہستہ آہستہ اس نے خود کو کنٹرول کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اسے وہ موسلا دھار بارش کی رات یاد آتی تھی جب اس نے پہلی بار معید سے اظہار محبت کیا تھا۔ اس وقت وہ سبرینہ کی بات سن کر مشتعل ہوا تھا، لیکن آج یہ سب سوچنا اچھا لگ رہا تھا۔

"کیا میں عبیرہ سے بے وفائی کر رہا ہوں؟" اس نے کئی بار خود سے سوال کیا تھا۔

"کیا میرے دل میں عبیرہ کی محبت کم ہو گئی ہے؟"

وہ بارہا یہ بات سوچ چکا تھا۔

"اس کی محبت تو مرتے دم تک میرے دل میں رہے گی، لیکن سبرینہ کے لیے یہ جو میرے دل میں جذبات سر اٹھا رہے ہیں کیا یہ بھی محبت ہے؟ کیا میں اس سے بھی محبت کرنے لگا ہوں؟"

"جس دن سے مجھے یہ پتا چلا ہے کہ آپ اور عبیرہ آپی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے چاہتے تھے مجھے تو جیلسی نہیں ہوئی۔" جب وہ سب کچھ جانتے بوجھتے مجھ سے محبت کرنے سے خود کو روک نہیں پاتی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا دل اس کی طرف نہ کھنچے..... لاکھ کوشش کے باوجود اس کا خیال میرے دل سے نکل نہیں پاتا ہے۔ یہ اس کی بے بسی کی انتہا تھی اور پھر وہ اس نتیجے پہ پہنچا کہ وہ سبرینہ سے شدید محبت کرنے لگا ہے، اتنی ہی محبت جتنی وہ معید سے کرتی ہے۔ دیرینہ ہے سہی مگر اس نے معید کی دل میں نرم گوشہ بنا لیا تھا۔ دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اسے کہہ چکی ہے اور معید نے اسے کہا نہیں پتا نہیں وہ اسے کبھی یہ بات کہہ پائے گا یا نہیں۔

گھر والوں کو یہ سب پتا چلے گا تو کتنا معیوب لگے گا۔ وہ اس سے عمر میں بہت چھوٹی ہے..... اور پھر..... سب اس کے اور عبیرہ کے متعلق جانتے ہیں۔ وہ کیا سوچیں گے اس کے بارے میں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ کچھ بے چین ہو گیا تھا، لیکن کیا حرج ہے کہ وہ اس کی باتوں اس کی یادوں سے خود کو خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ عبیرہ کی یادیں اسے جینے نہیں دیتی تھیں، لیکن سبرینہ کی محبت نے اس میں نئی روح پھونک دی تھی۔ وہ جب سے واپس آیا تھا خوش تھا، ہنستا بولتا تھا، مسکراتا تھا۔ نارمل ہو رہا تھا۔ وہ سبرینہ سے محبت کرنے لگا تھا اس سچ کے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے سبرینہ کو ٹکٹ بھیج دیا؟" سب لوگ کھانے کی میز کے گرد جمع تھے۔ آج ہی اس کے امتحانات ختم ہوئے تھے اور رافعہ نے بے قراری سے اخلاق حسین سے اس کے سفر کے بارے میں سوال جواب شروع کر دیے تھے۔ پورا ایک سال گزر گیا تھا، ایک سال سے انہوں نے اسے گلے نہیں لگایا تھا، اس کا ماتھا نہیں چوما تھا۔

"ایک ہفتہ پہلے ہی ای میل کر چکا ہوں۔ اسے کچھ شاپنگ کرنی تھی کہہ رہی تھی ایگزامز سے دو دن بعد کی سیٹ کروائیں اس لیے پرسوں کی فلائٹ کنفرم کروائی ہے۔" وہ جانتے تھے رافعہ بیٹی سے ملنے کے لیے کتنی بے قرار ہے۔ خود وہ بھی دن گن رہے تھے۔

"ایک ہی بیٹی ہے اسے بھی دور بھیج دیا ہے۔" رافعہ جل کر بولیں۔

"ابھی تو وہ پڑھنے گئی ہے کل جب اس کی شادی ہو گی تب تو وہ ہمیشہ کے لیے دور چلی جائے گی، سوچو اگر اس کی شادی ملک سے باہر ہو گئی تو سال دو سال بعد ہی ملنے آیا کرے گی نا....." اخلاق حسین نے ان کے منہ بنانے پہ انہیں وہ حقیقت یاد دلائی جو بیٹیوں کے ماں

باپ ان کی پیدائش کے دن سے ہی جانتے ہیں۔ وہ بھی اس سچ سے واقف تھیں، لیکن یاد نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" رافعہ نے اداسی سے کہا۔

"لیکن میں اس کی شادی ملک سے باہر تو کبھی نہیں کروں گی۔ پاکستان میں ہی کروں گی۔ کتنا اچھا ہو گا نہ اخلاق کہ وہ ہمیشہ ہمارے نزدیک رہے۔" ان کی بات پہ اخلاق حسین اور دادو تو محض مسکرائے تھے، لیکن معید کو اچھو لگا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔" پانی کا گلاس جلدی سے منہ سے لگائے اس نے معذرت کی تھی۔ اخلاق حسین بہت دیر تک معید کو دیکھتے رہے تھے۔ رافعہ نے یہ بات ایسے ہی کہی تھی اس کا مطلب وہ نہیں تھا جو معید نے سمجھا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے ذہن میں بھی نہیں تھی، لیکن معید کے دل میں چور تھا اور اخلاق حسین اس چور کو اسی دن پکڑ چکے تھے جب وہ اسے یہ کہہ کر امریکا گیا تھا کہ وہ اپنے دوستوں سے ملنے جارہا ہے۔ وہ کسی سے بھی ملے بغیر واپس آگیا تھا۔ اس کا جھوٹ وہ اس وقت بھی جانتے تھے۔ اپنے بچوں کی نظروں، ان کے لہجوں اور رویوں سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھے۔ واپس آکر وہ دن کتنا ڈسٹرب رہا تھا۔۔۔ اور پھر اچانک وہ نارمل ہونے لگا تھا۔ بات بے بات مسکرانا، ہنستا بولتا، سب میں بیٹھنا۔۔۔ معید پہلے سے بہت بدل گیا تھا۔ اس نے کہا تھا وہ ایک دو بار سبرینہ سے ملا ہے، لیکن اس کا یہ جھوٹ بھی اخلاق حسین نے پکڑ لیا تھا۔ انہوں نے باتوں باتوں میں سبرینہ سے کنفرم کر لیا تھا کہ معید اس کے پاس کب آیا تھا۔

"معید کے ساتھ کہیں گھومنے نہیں گئیں؟ اس کی چھٹیاں کیسی گزر رہی ہیں اور وہ کہاں کہاں گھومی پھری ہے۔" یہ بات پوچھتے ہوئے انہوں نے اچانک ہی اس سے پوچھ لیا تھا۔

"چار پانچ بار ملاقات ہوئی تھی۔۔۔ کروز پہ گئے، سنیما گئے۔ ایک دو بار ہوسٹل آئے پھر انہیں واپس جانا تھا۔" سبرینہ کو کیا پتا معید ان سے سچ چھپائے گا۔ وہ تو اپنی طرف سے ڈری ہوئی تھی کہ معید ان سے اس کے رویے کی شکایت نہ کردے جیسے اس دن دادو کے سامنے بول پڑا تھا۔ اسی لیے اس نے بتادیا کہ وہ جتنے دن رہا اس سے برابر ملتا رہا البتہ گفٹ والی بات وہ گول کر گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ صرف سبرینہ کی اس میں انوالومنٹ سے واقف تھے، لیکن اب معید کے بدلے ہوئے مزاج انہیں اس کے سبرینہ میں انٹرسٹ کی کنفرمیشن دے رہے تھے۔

"آرام سے بیٹا۔" دادو اس کی پیٹھ تھپک رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج سبرینہ آرہی تھی۔۔۔ گھر میں جیسے جشن کا سماں تھا۔ اس کا کمرہ رافعہ نے خود سیٹ کیا تھا۔ سب ملازمین اس کے استقبال کی تیاریوں میں لگے تھے۔

"پہنچے نہیں اب تک؟" اخلاق حسین اسے لینے ایرپورٹ گئے ہوئے تھے اور دادو پچھلے آدھے گھنٹے میں آٹھویں دفعہ یہ سوال کر چکی تھیں۔ معید ان کی بے قراری سے محظوظ ہوتا مسکرا رہا تھا۔ وہ کیا بتاتا اس بار اس سے ملنے اسے دیکھنے کے لیے اس سے زیادہ شاید ہی کوئی بے قرار ہو گا۔ خود پر لاپروائی کا ملمع چڑھائے وہ ان سب کی باتیں سن رہا تھا۔

"لگتا ہے آگئے۔" رافعہ تیزی سے لاؤنج کے دروازے کی طرف لپکیں۔ گاڑی کی آواز سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ گھر آچکے ہیں۔

"میری بچی، میری جان۔۔۔" اسے سینے سے لگائے بہت دیر تک وہ اسے پیار کرتی رہیں۔ کئی بار اس کا ماتھا چوما۔

"ممی اندر تو آنے دیں لگتا ہے آپ مجھے دروازے سے ہی رخصت کرنے کے موڈ میں ہیں۔۔۔" انہیں روتا دیکھ کر وہ شرارتی لہجے میں بولی تو انہوں نے اس کی کمر پہ ایک دھپ لگائی۔ اخلاق حسین اس کا سامان

نکلوا رہے تھے۔
"دادو...." وہ بھاگتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔
"کیسی ہے میری بچی۔" انہوں نے اس کا منہ چومتے ہوئے محبت سے پوچھا۔
"اچھی ہے...." اس کی بجائے یہ جواب معید نے دیا تھا جو اس وقت ان کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ دادو اور سبرینہ نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔
"میرا مطلب ٹھیک ہے.... ٹھیک ہی لگ رہی ہے.... آئی مین اچھی بھلی لگ رہی ہے۔" وہ جب سے اندر آئی تھی وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ جینز پہ میرون کلر کے ٹاپ پہ ایک بلیک ٹرینچ کوٹ میں وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ بالوں کو کلپ سے ڈھیلا سا باندھا ہوا تھا۔ وہ وہاں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا جب دادو نے اس سے سوال کیا۔ نادانستہ اس کی زبان سے یہ بات پھسلی تھی۔ اپنی بات کو کور کرنے کے لیے اس نے اٹکتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ سبرینہ زیر لب مسکرائی۔ اتنی دیر میں اخلاق حسین بھی کمرے میں داخل ہوگئے۔

دیر رات تک وہاں محفل جمی رہی، کچھ اسے نیند بھی نہیں آرہی تھی کچھ سب سے ملنے کی ایکسائٹمنٹ۔ وہ سب کے لیے تحفے لائی تھی یہاں تک کہ گھر کے ملازموں کے لیے بھی۔ سارا سامان وہیں کھول کر وہ انہیں ایک ایک چیز دکھا رہی تھی۔ پھوپھو اور اپنے کزنز کے تحفے وہ الگ کر چکی تھی۔ آہستہ آہستہ محفل برخاست ہونے لگی۔ پہلے دادو اپنے کمرے میں گئیں اور پھر اخلاق حسین۔ رافعہ اسے آرام کرنے کی تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ معید وہاں بیٹھا کوئی پرانا میچ دیکھ رہا تھا۔ اس کا دھیان پوری طرح ٹی وی میں تھا۔ یوں بھی ان لوگوں کی گفتگو میں اس نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا تھا۔ علیم الدین اس کا باقی کا سامان اس کے کمرے میں رکھنے چلا گیا تو وہ بھی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"سب کے لیے گفٹ لے کر آئی ہو ایک میں ہی یاد نہیں رہا۔ اس کرم کی کوئی خاص وجہ حالانکہ میں جب آیا تھا تو تمہارے لیے خصوصی تحفہ لایا تھا۔" اس کی بات پہ پلٹ کر سبرینہ نے اسے دیکھا جس کی نظریں اب بھی ٹی وی پر ہی تھیں۔
"آپ بھول رہے ہیں، آپ نے تحفہ آنے پہ نہیں واپسی پہ دیا تھا.... میں بھی آپ کا گفٹ جاتے ہوئے دے کر جاؤں گی۔" اعتماد سے کہتی وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ معید اس کی بات سن کر مسکراتا ہوا ٹی وی آف کر رہا تھا۔ اسے بھی نیند آرہی تھی۔

٭ ٭ ٭

آج وہ لوگ پھوپھو کی طرف انوائیٹڈ تھے، سبرینہ کے آنے پہ انہوں نے اس کے لیے دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ تیار ہو کر وہ جلدی سے کمرے سے نکلی، وہی ہوائی رفتار اور بنا دیکھے بھاگنے کی عادت.... اپنے کمرے سے نکلتے معید سے زوردار ٹکر ہوگئی۔ سبرینہ کا سر معید کے سینے پہ لگا اور پھر وہ اپنی ہائی ہیل سینڈل کی وجہ سے خود کو بیلنس نہیں کر سکی اور دھڑام سے زمین پہ گر پڑی۔
"ہائے اللہ میں مرگئی۔" اس کا ایک ہاتھ ماتھے پہ تھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا دایاں پاؤں پکڑا ہوا تھا۔ وہ درد کی شدت سے دہائیاں دے رہی تھی۔
"سبرینہ تم دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔" وہ جتنی قوت سے اس سے ٹکرائی تھی معید کے اپنے اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔
"میں دیکھ کے نہیں چل رہی تھی تو آپ تو چار آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں نا، آپ ہی سائیڈ پہ ہو جاتے۔" سبرینہ نے اس کی آنکھوں پہ لگے نظر کے چشمے کا اضافہ اسے جتایا تھا جو معید نے چند ہفتے پہلے ہی لگانا شروع کیا تھا۔
"دکھاؤ کہاں لگی ہے چوٹ۔" اس کی بات پہ مسکراتا وہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔
"تم نے پھر یہ ہیلز پہن لیں.... جب چلا نہیں جاتا تو کیوں پہنتی ہو یہ اسٹوپڈ اونچی ایڑھی کے جوتے۔"

اس کا پاؤں مڑ گیا تھا اور معید نے اس کے پاؤں میں وہی جوتے پہنے دیکھے جو اس نے شادی پہ پہنے تھے۔
"ایسا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے' میں بہت آرام سے مینیج کر لیتی ہوں ہائی ہیلز کو۔۔۔ یہ تو پتا نہیں ہر بار آپ کی وجہ سے میرے ساتھ کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر ایک بار پھر اپنا پاؤں سہلا رہی تھی۔
"میری وجہ سے؟ عجیب مخلوق ہو تم قسم سے۔۔۔ چلو اب اٹھو مجھے چل کے دکھاؤ تاکہ پتا چلے کتنا درد ہو رہا ہے' زیادہ پرابلم ہوئی تو ڈاکٹر کی طرف چلتے ہیں۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد کرنے کے بعد وہ اب اسے چلا کر دیکھ رہا تھا۔ شروع میں وہ تھوڑا سا لڑکھڑائی' لیکن پھر ٹھیک سے چلنے لگی تھی۔
"زیادہ درد نہیں ہے' میں چل لوں گی۔" شکر تھا اسے زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔
"آر یو شیور؟" معید کے استفسار پر اس نے ہاں میں گردن ہلائی۔
"اچھا پلیز یہ جوتے تو بدل لو۔۔۔ تم پھر گر جاؤ گی۔" معید کو ایک بار پھر اس کے جوتوں کا خیال آیا۔
"نہیں بدل رہی میں جوتے یہ میرے ڈریس سے میچ کرتے ہیں۔" اپنا بازو چھڑا کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ معید سر ہلاتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"سبرینہ بیٹا کیوں نہ آج ایک میچ ہو جائے۔" علیم الدین بچپن سے اس کے ساتھ تھا' اس کی ہر شرارت کا ساتھی۔ ماضی کیسا بھی ہو حال سے اچھا ہوتا ہے اور وہ تو اس کی زندگی کے شاندار دن تھے' جو اس نے اس گھر میں گزارے۔ وہ محبت سے اپنے بوڑھے دوست کی بات پہ مسکرائی۔
"ٹھیک ہے چاچا آج میچ ہو ہی جائے۔" سبرینہ کے چہرے پہ ایکسائیٹمنٹ تھی۔ اس کا بیٹ اور بال علیم الدین نے بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ لان میں سب انتظام ہو چکا تھا۔ آج اتوار کا دن تھا۔ اخلاق حسین اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہوئے تھے۔

رافعہ کچن میں اس کے لیے فرمائشی کھانا بنا رہی تھیں اور دادو سردی سے چھپی اپنے کمرے میں لحاف میں بیٹھی تھیں۔
"لگتا ہے آج پھر کرکٹ کی شامت آئی ہے۔" انداز تو خود کلامی والا تھا' لیکن آواز اتنی بلند تھی کہ لان میں کھڑے سبرینہ اور علیم الدین باآسانی سن سکتے تھے' وہ خود اس وقت ٹیرس میں کھڑے اسے بیٹ سنبھالے دیکھ رہا تھا۔
"ہماری سبرینہ بٹیا بڑی کھلاڑی ہیں معید بیٹا۔" علیم الدین نے خوشی سے کہا اور سبرینہ نے ادا سے گردن اکڑالی۔
"چاچا یہ تب تک ہی کھلاڑی ہیں جب تک آپ باؤلنگ کر رہے ہیں۔" معید کی بات پہ اس کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔
"میدان کے باہر کھڑے ہو کر تبصرہ کرنا بہت آسان ہوتا ہے' جو میدان میں اترے کھلاڑی وہی ہوتا ہے باہر کھڑے ہونے والے کو تماشائی کہتے ہیں۔" معید کی بات سے جل کر وہ اسے ٹھیک ٹھاک سنا رہی تھی۔ معید کوئی بھی جواب دیے بغیر ٹیرس سے چلا گیا تھا۔ سبرینہ کو لگا وہ اس کی بات سے ناراض ہو گیا ہے اسے کچھ پچھتاوا بھی ہوا۔۔۔ وہ جانتی تھی وہ مذاق تھا' لیکن سبرینہ بلاوجہ سیریس ہو گئی تھی۔ علیم الدین اسے گیند کرانے ہی والا تھا کہ معید لان میں آگیا۔
"لائیں چاچا بال مجھے دیں۔۔۔ ذرا دیکھیں تو آپ کی بٹیا کتنی بڑی کھلاڑی ہیں۔" بلیک جینز پہ گرے سویٹر پہنے وہ رف سے حلیے میں علیم الدین کے ہاتھ سے بال لے کر لان کے بالکل آخری کونے میں چلا گیا تھا۔ علیم الدین کے چہرے پہ حیرت اور خوشی کا ملا جلا تاثر تھا۔ سبرینہ خود حیران پریشان اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنی پوزیشن سنبھالی اور بیٹ کو تھامے ہلکا سا جھکی۔ معید کافی پیچھے سے بھاگتا ہوا آیا اور تیز رفتاری سے بال اس کی طرف پھینکی۔ سبرینہ نے بیٹ اٹھایا' لیکن بال اتنی تیز تھی اسے نظر ہی نہیں آئی۔ بیٹ کو چھوئے بغیر وہ نکل گئی تھی۔ اگلی بال بھی سبرینہ کھیل

نہیں پائی تھی۔ تیسری بال سیدھی وکٹ میں لگی تھی۔

"آؤٹ......" معید نے اس کی اتری ہوئی شکل دیکھی اور بیٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ تو علیم الدین کی ہلکی پھلکی گیندوں پہ چوکے چھکے لگاتی تھی۔ کہاں معید کی جارحانہ باؤلنگ' ایک بھی شاٹ کھیلے بغیر وہ آؤٹ ہو گئی تھی۔

اب بیٹ معید کے ہاتھ میں تھا' علیم الدین فیلڈنگ کر رہا تھا۔ سبرینہ کی ہر بال پہ معید پوری طاقت سے شاٹ مارتا اور بال لان کے آخری کونے میں ہوتی۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا معید اتنی اچھی کرکٹ کھیلتا ہے۔ اس نے بہت بچپن میں اسے اپنی بہن کے ساتھ کھیلتے دیکھا تھا اور وہ نہیں جانتی تھی کہ اتنے برسوں بعد بھی وہ اس سے لاکھ گنا بہتر گیم کھیل سکتا ہے۔ بھاگ بھاگ کے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔ سردی کے موسم میں بھی اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے اور یہی حال علیم الدین کا تھا۔ جو لان میں بھاگتا بال ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

"کھلاڑی میدان کے باہر بھی کھلاڑی ہی ہوتا ہے۔" وہ ہانپتی ہوئی بال کرانے آئی تو معید نے کہا۔ اس نے تیزی سے بال کروائی اور معید نے بھرپور شاٹ ماری' بال اڑتی ہوئی لان سے باہر تھی۔

"اور اناڑی میدان کے اندر بھی اناڑی ہی رہتا ہے۔" وہ آج اسے کسی قیمت پہ بخشنے والا نہیں تھا۔

"میں تھک گئی ہوں اب اور نہیں کھیل سکتی۔" آج کا دن سبرینہ ساری عمر نہیں بھول سکتی تھی' یہ کھیل وہ ہمیشہ یاد رکھتی۔

"میری تقلید میں کرکٹ کھیلتی ہی ہو تو کم سے کم کھیلو تو ڈھنگ سے۔" معید بیٹ اٹھائے اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"جی نہیں میں کرکٹ اس لیے کھیلتی ہوں کیونکہ مجھے اس کا بے حد شوق ہے۔" وہ چڑ کے بولی تھی۔

"بالکل بالکل' جیسے تم کولمبیا یونیورسٹی بھی تو اپنے شوق سے گئی تھیں۔" معید نے اسے مزید چڑایا۔

"کیوں آپ کو شک ہے میں کولمبیا آپ کی وجہ سے گئی ہوں؟" وہ اس کی بات سن کر ہنسا۔

"مجھے شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ تم نے کولمبیا یونیورسٹی کا انتخاب صرف اس لیے کیا کیونکہ میں وہاں پڑھتا رہا ہوں۔" وہ تپ گئی تھی' اس سے پہلے کہ وہ اس کی بات کا کوئی جواب دیتی اسی وقت اخلاق حسین کی گاڑی گھر کے اندر داخل ہوئی۔ سبرینہ نے انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا وہ بھی اس کو دیکھ کر مسکرائے اور اسی وقت ان کی نظر لان میں کھڑے معید پہ پڑی جو ہاتھ میں بیٹ تھامے کھڑا تھا۔ ان کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

"سبرینہ کا خیال تھا کہ میں کرکٹ بھول چکا ہوں' میں نے سوچا ذرا چیک تو کروں میں کس فارم میں ہوں۔" وہ ان کی طرف آتا انہیں بتا رہا تھا۔

"پھر کیا اسکور رہا؟" اخلاق حسین نے پوچھا۔

"ون ہنڈرڈ ناٹ آؤٹ......" علیم الدین ہانپتا ہوا بال پکڑے ان کے پاس آیا جو اس نے لان کے کسی کونے سے ڈھونڈی تھی۔ دونوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اخلاق حسین گھر کے اندر چلے گئے معید بھی ان کے پیچھے ہی چلا گیا تھا۔ سبرینہ کمر پہ ہاتھ رکھے اسے دیکھتی رہی۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے پلٹ کر سبرینہ کو دیکھا جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس پہ ایک مسکراتی ہوئی نگاہ ڈال کر وہ اندر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا سوچ رہے ہیں؟" اخلاق حسین کافی دیر سے بیڈ پہ بیٹھے تھے۔ رافعہ کمرے میں آئیں تو انہیں گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

"سوچ رہا تھا ایک ہفتے بعد سبرینہ واپس چلی جائے گی' اس کے ساتھ دو ہفتے کتنی جلدی گزر گئے اب بس کچھ دن میں واپس چلی جائے گی تو گھر خالی خالی لگے گا۔" رافعہ انہیں پہلی بار افسردہ دیکھ رہی تھیں ورنہ اس سے پہلے تو وہ ہمیشہ سبرینہ کے امریکا میں پڑھنے کی طرف داری کرتے رہے تھے۔

"تو آپ روک کیوں نہیں لیتے اسے' وہ یہاں رہ کر بھی تو اپنی تعلیم مکمل کر سکتی ہے۔۔۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ اس کی شادی کے لیے رشتہ دیکھا جائے آخر وہ بیس سال کی ہو چکی ہے۔" رافعہ نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

"تمہیں سبرینہ کی شادی کا خیال ہے' لیکن تم نے معید کے بارے میں کیا سوچا ہے رافعہ' سبرینہ سے پہلے اصولاً" معید کی شادی ہونی چاہیے۔" اخلاق حسین کی بات ٹھیک تھی۔

"معید' شادی کے لیے مانے تو پھر ہے نا' آپ جانتے تو ہیں جب جب اس سے شادی کی بات کی ہے اس نے صاف منع کر دیا ہے' ورنہ میری تو کتنی خواہش تھی کہ اس کی شادی کروں' اس موضوع پہ تو وہ امی کی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں۔" وہ سب جانتے تھے کہ معید شادی کی بات پہ بھڑک جاتا تھا۔

"کیا تم نے سبرینہ سے پوچھا ہے شادی کے متعلق۔۔۔ کیا سبرینہ مان جائے گی شادی کے لیے؟" اخلاق حسین نے انہیں نئی پریشانی میں ڈال دیا تھا۔

"کیا مطلب سبرینہ کیوں نہیں مانے گی۔۔۔ شادی تو اس کی کرنی ہے کوئی ساری عمر گھر تھوڑی بٹھائے رکھنا ہے' اب نہ سہی تعلیم مکمل ہونے پر ہی شادی تو کرنی ہے اس کی۔" اخلاق حسین رافعہ کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

"اور اگر اس نے بھی معید کی طرح شادی سے انکار کر دیا پھر۔۔۔ پھر کیا کرو گی تم؟" رافعہ ان کی بات سے کچھ الجھ گئی تھیں۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں' سبرینہ کیوں انکار کرے گی شادی سے۔۔۔ کیا آپ سے کچھ کہا ہے اس نے؟ آپ بتاتے کیوں نہیں مجھے آخر کیا اس نے آپ سے کچھ کہا ہے۔" اخلاق حسین نے انہیں شروع سے آخر تک تمام بات بتا دی وہ سب جو وہ پچھلے ایک سال سے جانتے تھے۔ وہ ان دونوں کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ سبرینہ کا بدلا ہوا موڈ' اس کی خاموشی' اس کا پاکستان سے چلے جانا وہ بھی نیویارک اور کولمبیا

یونیورسٹی۔۔۔ کڑی سے کڑی ملاتے ہوئے انہیں سبرینہ کی معید کے لیے محبت کی شدت کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ ماں ہو کر اس کے حال دل سے انجان تھیں اور اخلاق حسین باپ ہو کر بھی اس کے اتنے بڑے راز سے واقف تھے۔

"سبرینہ اور معید۔ وہ کافی چھوٹی ہے معید سے۔" رافعہ حیران پریشان بیٹھی تھیں۔

"میرے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" اخلاق حسین کی بات سن کر رافعہ سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"اگر ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہو گا سبرینہ ہمارے پاس ہی رہے گی۔" اچانک ہی ان کا دھیان اس پہلو پہ گیا تھا اور وہ بہت خوش ہو گئی تھیں۔

"میں کافی عرصے سے معید کا بدلا ہوا روپ دیکھ رہا ہوں جس طرح وہ سبرینہ کو ٹریٹ کر رہا ہے میرا خیال ہے وہ خود بھی اس میں انٹرسٹڈ ہے، لیکن میں چاہتا ہوں وہ دونوں خود کوئی فیصلہ کریں۔ میں معید کو اس رشتے کے لیے فورس نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اگر سبرینہ کو پسند کرتا ہے تو اسے یہ فیصلہ خود کرنا ہو گا اور تم بھی اس سے اس سلسلے میں کچھ مت کہنا اور امی سے بھی یہ بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" رافعہ ان کی بات سن کر خاموش ہو گئی تھیں۔ معید ان کو کتنا پیارا تھا' اس جیسا داماد قسمت والوں کو ملتا ہے۔ ان کی عبیرہ اگر زندہ ہوتی تو وہ اس کا مقدر ہوتا۔ عبیرہ نہیں رہی تھی' لیکن ہاں سبرینہ کے ساتھ اس کی شادی کی جا سکتی تھی۔

اگلے دو تین دن رافعہ خاموشی سے ان دونوں کا تجزیہ کرتی رہی تھیں۔ انہیں پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ سبرینہ بہت بدل چکی ہے۔ وہ اپنی باتیں ان سے چھپانے لگی ہے' معید کے لیے اس کی بے خودی جسے وہ کبھی اس کا بچپنا اور ایک کزن کے لیے تجسس سمجھتی تھیں اب انہیں کچھ اور ہی روپ میں نظر آ رہی تھی۔ اس کا معید کو دیکھنا' اس کی موجودگی میں اس پر بھرپور توجہ دینا ان دونوں کا ایک دوسرے طرف جھکنے اچھا لگنا اور پھر معید کا اس کو آج کل ضرورت سے زیادہ توجہ دینا۔ یہ سب انہیں پہلے کیوں نظر نہیں آیا تھا۔ دل کو انجانی سی خوشی بھی ہو رہی تھی اور ایک دھڑکا بھی لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کی طرف مائل بھی تھے اور کھنچے کھنچے بھی۔ کیا یہ ممکن ہو پائے گا۔ وہ آج کل یہی سوچ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"اب تو تمہارے جانے میں تین دن رہ گئے ہیں' اب تو میرا گفٹ دے دو۔۔۔ اتنے دن سے انتظار کر رہا ہوں۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے لاسٹ منٹ پہ جسٹ کڈنگ کہہ کر چلی جاؤ گی۔" وہ اپنے کمرے سے نکل رہی تھی جب معید آفس سے آ کر اپنے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ معید کی بات سن کر وہ رک گئی تھی۔

"اپنے گفٹ کی کتنی فکر ہے اور میں جو یہاں اتنے دن سے ہوں تو کوئی لفٹ ہی نہیں کرا رہے۔ ویسے تو مجھے کہا گیا تھا کہ میرا انتظار کریں گے' ہم اب دوست ہیں' لیکن دیکھیں سب روٹین چل رہی ہے۔ میں سارا دن گھر میں بور ہوتی رہتی ہوں اور آپ پاپا کے ساتھ مزے سے آفس چلے جاتے ہیں۔"

"سوری بھئی مجھے تو خیال ہی نہیں رہا تھا' خیر یہ بتاؤ کہاں چلنا ہے۔"

"آپ کو مجھے ڈنر کرانا ہو گا۔۔۔ وہ بھی میرے فیورٹ ریسٹورنٹ میں۔"

"یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کل چلتے ہیں۔" معید نے فوراً" پروگرام بنا لیا تھا۔ وہ خوش خوش نیچے چلی گئی۔ عجیب شخص ہے یہ بھی محبت کرتا ہے مگر اس کا اقرار نہیں کرتا۔ سبرینہ کو اس کا ہر انداز جتا رہا تھا کہ وہ بھی اس کے لیے وہی جذبات رکھتا ہے' لیکن پھر بھی وہ اس کی زبان سے سننے کی خواہش مند تھی۔

ریڈ کلر کے امبر ائیڈ سوٹ میں وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ میک اپ بھی سلیقے سے کیا ہوا تھا۔ ریڈ اسٹائلیٹو میں وہ بہت اسٹائلش لگ رہی تھی۔ معید دادو کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا تھا جب اس کی نگاہ

سبرینہ پہ پڑی گلے میں دوپٹا ڈالے وہ پہلی سیڑھی پہ کھڑی اسی کو دیکھ رہی تھی۔ معید کی نظروں میں پسندیدگی کی جھلک تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سبرینہ نے سیڑھیاں اترنے کے لیے اپنا پاؤں آگے بڑھایا ماربل کی سیڑھیوں سے اترتے اس کا پاؤں پہلی سیڑھی کے کونے سے پھسلا اور وہ ایک دم لڑکھڑائی۔ اس سے پہلے کہ وہ خود کو سنبھالتی وہ پہلی سیڑھی سے نیچے گری اور پھر گرتی چلی گئی۔ معید نے اسے اپنے سامنے وہاں سے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بے تحاشا اس کی طرف دوڑا وہ آخری سیڑھی پہ تھی جب اس نے اسے پکڑا۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا اور درد کی شدت سے وہ نیم بے ہوشی میں تھی۔ سب گھر والے اس کے گرد جمع تھے۔

"سبرینہ اٹھو۔ آنکھیں کھولو سبرینہ" وہ دیوانہ وار اسے بانہوں میں سمیٹے جھنجوڑ رہا تھا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوسکتا۔۔۔ میری بات سن رہی ہو نہ تم۔۔۔ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ تم ایسے مجھے چھوڑ کے نہیں جاسکتی۔ میں ایک بار اپنی محبت کا ماتم کرسکتا ہوں دوسری بار نہیں۔۔۔ تم اگر مجھے چھوڑ کر گئی تو میں مرجاؤں گا۔۔۔ سبرینہ اٹھو۔" وہ ہذیانی کیفیت میں بولتا اس کے بے ہوش وجود کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ اس کے ماتھے سے بہتا خون معید کی سفید قمیص کو لال کررہا تھا۔ سب گھر والے پریشانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"معید۔۔۔ سبرینہ کو اسپتال لے کر چلتے ہیں۔" اخلاق حسین کی بات سن وہ ہوش میں آیا تھا۔ اسے گود میں اٹھائے وہ گھر سے باہر نکلا اخلاق حسین پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ اسے اسپتال میں فوری ایمرجنسی ٹریٹمنٹ ملا تھا۔ اس کی چوٹیں شدید تھیں۔ سر اور گردن کے علاوہ اس کی کمر' بازو اور پاؤں پہ بھی شدید ضربیں لگی تھیں۔ فوری طور پہ اس کا ایم آر آئی اور سی ٹی اسکین کیا گیا تھا۔

"وہ ٹھیک ہوجائے گی نا دادو۔۔۔ وہ مجھے عبیرہ کی طرح چھوڑ کر تو نہیں جائے گی۔" وہ بچوں کی طرح خوف زدہ تھا۔ سبرینہ اس وقت آئی سی یو میں تھی۔ سب سے زیادہ چوٹ اس کی گردن اور کمر کو لگی تھی' ہڈی نہیں ٹوٹی تھی اسی لیے وہ اب تک زندہ تھی مگر اس کے اندرونی مسلز اور مہروں کو نقصان پہنچا تھا۔

"وہ ٹھیک ہوجائے گی میرے بچے' اسے کچھ نہیں ہوگا۔" وہ دادو کے پاس بیٹھا تھا۔ دادو روتے ہوئے اسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ وہ سارے گھر کی جان تھی اس کے لیے سب ہی پریشان تھے اور اس کی زندگی اور صحت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

"وہ ایک بار ٹھیک ہوجائے میں کبھی اسے خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔" معید کے لیے اس کا وجود آکسیجن پمپ بن گیا تھا جب تک وہ اس کے پاس تھی معید کو لگتا تھا اس کی سانسیں چلتی رہیں گی اور اسے کھو کر وہ اب زندہ نہیں رہ پائے گا۔ پچھلے چند گھنٹے میں وہ جس طرح اس کے لیے تڑپ رہا تھا یہ سچائی کسی سے پوشیدہ نہیں رہی تھی کہ وہ سبرینہ سے بہت محبت کرتا ہے۔ جس بات کو اپنی زبان پہ لاتے ہوئے وہ ہچکچاتا

تھا اب اتنے گھنٹوں میں جانے کتنی بار دہرا چکا تھا۔ ایک نرس بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ وہ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آپ کی پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے میں ڈاکٹر صاحب کو لے کر آتی ہوں۔" وہ انہیں بتا کر تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔ ان سب نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ چند منٹ میں ڈاکٹر کو انہوں نے کوریڈور سے جاتے دیکھا۔ اس کے ایک بازو اور پاؤں پہ پلاسٹر تھا جہاں فریکچر ہوا تھا۔ گردن پہ کالر لگا تھا۔ وہ مرتے مرتے بچی تھی۔ کمر کی چوٹ کی وجہ سے ڈاکٹر نے اسے مکمل بیڈ ریسٹ بتایا تھا۔ اسے انتہائی نگہداشت سے اب کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اخلاق حسین، داود اور رافعہ کو لے کر ابھی گھر گئے تھے۔ معید اس کے پاس ہی تھا۔ ساری رات وہ لوگ اسپتال میں بیٹھے رہے تھے اس نے ان سب کو زبردستی گھر بھیجا تھا۔ وہ خود بھی بہت تھکا ہوا تھا، لیکن سبرینہ کو اکیلا چھوڑ کر جانا اسے منظور نہیں تھا۔

"آپ بھی گھر چلے جاتے۔" سبرینہ اس کی ساری رات جاگی آنکھوں کو دیکھ کر بولی تھی۔ ان میں تھکاوٹ اور بے خوابی دونوں موجود تھی۔

"تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"میں نے آپ سب کو بہت پریشان کر دیا نا۔"

"بہت پریشان کیا ہے۔ ایک بار تو لگا کہ میں نے تمہیں کھو دیا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کتنا ڈر گیا تھا میں۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا نہ سبرینہ میں بھی خود کو ختم کر لیتا۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔ سبرینہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن اب میں ٹھیک ہوں۔ آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔"

"تم میری فکر مت کرو، آئی ایم فائن۔ ویسے بھی میں تمہیں اپنے ساتھ گھر لے کر ہی جاؤں گا۔"

"ایک بات پوچھوں، میرا آپ کی زندگی میں میرا کیا مقام ہے؟" وہ بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ معید نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم میری زندگی ہو سبرینہ۔۔۔ برسوں بعد تمہاری بدولت میں نے ہنسنا سیکھا ہے، زندگی سے محبت کرنا سیکھا ہے، جینا سیکھا ہے۔۔۔ پاگل لڑکی میں تم سے بے تحاشا محبت کرتا ہوں۔ اپنی باقی کی زندگی صرف تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ پچھلی پوری رات میں نے کس عذاب میں گزاری ہے یہ بس میں ہی جانتا ہوں۔۔۔ ایک پل کو تو یوں لگا جیسے میں نے تمہیں کھو دیا ہے۔۔۔ تم میری نظروں کے سامنے سیڑھیوں سے گری تھی۔۔۔ محبتوں کے معاملے میں بڑا بد قسمت ہوں میں، مجھے لگا تم بھی کہیں عبیرہ کی طرح مجھے چھوڑ کر مجھے چلی نہ جاؤ۔ لیکن اب میں تمہیں کبھی خود سے جدا نہیں ہونے دوں گا میں نے داود سے کہہ دیا ہے کہ تمہارے ٹھیک ہوتے ہی میں تم سے شادی کر لوں گا۔۔۔ پھر ہم امریکا چلے جائیں گے، تمہیں اپنی پڑھائی بھی تو مکمل کرنی ہے نا۔" وہ اس پہ جھکا بہت نرمی سے بول رہا تھا۔

"اور عبیرہ آپی۔۔۔ کیا ان کے لیے آپ کے دل میں محبت نہیں رہی؟" وہ کچھ الجھی ہوئی تھی۔

"عبیرہ سے میں کل بھی محبت کرتا تھا، کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔۔۔ وہ ایک ایسی میٹھی یاد ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے بھی سچی چاہت ہے۔" سبرینہ کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ اس شخص کی زبان سے یہ جملہ سننے کے لیے اس نے کتنا انتظار کیا تھا۔ اسے معید کی ہر بات پہ اعتبار تھا، جو شخص محبتوں میں اتنا مخلص ہو کہ کسی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اسے بھول نہ پائے، وفا نبھائے۔۔۔ اس شخص کی محبت مل جانا اس کی خوش قسمتی تھی، اس کی چاہت کسی اثاثے سے کم نہیں تھی اور وہ ہمیشہ یہ کوشش کرے گی کہ اس اثاثے کی حفاظت کرے، اپنی چاہت سے وہ معید کے دل میں اپنی محبت مرتے دم تک کم نہیں ہونے دے گی۔

سمیرا غزل

وہ کافی دیر سے ریموٹ ہاتھ میں دبائے پہلو پہ پہلو بدلتی بڑی ہی بے زاری سے چینل پہ چینل بدل رہی تھی۔ چہرے کے زاویے رات کے بارہ بجا رہے تھے کبھی وہ ریموٹ بے دردی سے بیڈ پہ پٹختی تو کبھی کشن ادھر سے ادھر پٹختی' انگلیاں چٹخاتی تو کبھی اپنی سادہ سی گول گول آنکھیں چاروں طرف گھما کے تھک ہار کے پھر ٹی وی پہ مرکوز کر لیتی۔ اس کا یہ خفا خفا سا انداز کچھ نیا نہ تھا۔ اسے جب بھی کوئی فرمائش منوانی ہوتی تھی اس کے انداز و اطوار کچھ اسی طرح کے ہوتے تھے۔ اس کے برابر میں پہلو نشین جواد نے لیپ ٹاپ پہ سے نظریں ہٹا کے بڑے ہی بے زار کن انداز میں اس کی جانب دیکھا تھا۔

"او مائی گاڈ حرا' تم کب سدھرو گی یار اب تو اماں بن گئی ہو' تھوڑا ٹھہراؤ لاؤ اپنے اندر۔" جواد کا انداز بڑا سخت اور کٹیلا تھا حرا کے تو مانو آگ ہی لگ گئی تھی۔

"کیا... میں ٹھہراؤ لاؤں' واہ کیا بات ہے جناب کی اور ایسا بھی کیا مانگ لیا ہے میں نے جو آپ اس طرح سے بات کر رہے ہیں اور اماں بننے کی تو بات نہ ہی کریں آپ تو بہتر ہے۔ یہ سب کچھ میں اپنے اکلوتے' لاڈلے حسن کے لیے ہی کر رہی ہوں۔" دوبدو جواب دیتے ہوئے اس نے بے بی کاٹ میں لیٹے اپنے گیارہ ماہ کے بیٹے حسن کو بڑے ہی پیار سے دیکھا تھا۔

"دیکھو حرا میں سمجھ سکتا ہوں تمہاری خواہشوں کو' حسن میرا بھی بیٹا ہے مگر اماں کی حالت تو دیکھو' کس قدر طبیعت خراب ہے۔ تم جانتی ہو نہ ان کا اکلوتا بیٹا ہوں میں۔ ابا کے انتقال کے بعد گھر کی ساری ذمہ داری اب میری ہے' اماں ہارٹ پیشنٹ ہیں اس وقت ان کا علاج زیادہ ضروری ہے یوں بھی تم جانتی ہو کہ ہارٹ کی دوائیاں اور علاج کتنا مہنگا ہے اور میں کوئی لینڈ لارڈ تو نہیں ہوں۔" جواد کے لہجے کی سختی اب زائل ہو چکی تھی اب اس کی جگہ بے بسی نے لے لی تھی۔

"ایک تو یہ ساسو ماں ہر دفعہ میری خوشیوں کے مابین حائل ہو جاتی ہیں۔ پتا نہیں کب چین ملے گا ان کو۔" وہ من ہی من بڑبڑائی تھی البتہ جواد کے سامنے ایسا کہنے سے باز رہی تھی۔

"کچھ کہا تم نے...." ہلکی سی بڑبڑاہٹ جواد نے بھی سن لی تھی دراصل دونوں ایک ہفتے سے حسن کی آنے والی پہلی سالگرہ کے متعلق الجھ رہے تھے حرا کا ماننا تھا کہ وہ حسن کی پہلی سالگرہ ہال میں دھوم دھام سے کرے گی۔ خاندان بھر کو بلائے گی' جبکہ جواد کی جیب اس وقت اسے اجازت نہ دیتی تھی ماہانہ تیس ہزار تنخواہ کمانے والا انسان' کس طرح گھر چلا رہا تھا' ماں کی بیماری کو سنبھال رہا تھا' یہ وہی جانتا تھا۔ اوور ٹائم لگا لگا کے وہ تھک جاتا تھا اور ستم یہ کہ اس کی اپنی شریک حیات ہی اس وقت اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔ حسن اس کا بھی اکلوتا بیٹا تھا' یہ وہی جانتا تھا کہ کس دل سے وہ منع کر رہا ہے لیکن حرا اس وقت کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

"آپ سے تو بات ہی کرنا فضول ہے لوگ کیا کہیں گے کہ دیکھو اکلوتے اور پہلے بیٹے کی پہلی سالگرہ بھی نہیں منائی۔" حرا کو اب بھی لوگوں کی اور اپنے دل کی ہی پروا تھی۔

"تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو یو نو واٹ (تم جانتی ہو کیا؟) تم سے بھی بات کرنا فضول ہے۔" جواد نے نہایت غصے سے کہہ کے لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا پھر اسے سائیڈ پہ رکھ کے وہ چادر تان کے کروٹ بدل کے لیٹ گیا تھا حرا غصے سے اسے گھورتی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح توقع کے عین مطابق اپنے اندر بڑے ہی طوفان لیے ہوئی تھی۔ کچن سے متواتر آتی ۔۔۔ کھٹر پٹر کی آوازیں' برتنوں کو بلاوجہ ہی پٹختنا ساس صاحبہ کو بھی یہ باور کرا گیا تھا کہ بہو صاحبہ کے مزاج آج خاصے گرم ہیں۔ جواد بھی بنا ناشتا کیے ہی آفس چلا گیا تھا۔ لاؤنج میں جائے نماز پہ بیٹھی مسلسل تسبیح کے دانے گراتی عالیہ بیگم صبح سے ہی بہو اور بیٹے کے مابین ہونے والی لڑائی کا اندازہ لگا چکی تھیں' اب مسئلہ کیا تھا وہ یہ جاننے سے قاصر تھیں۔ بہو سے پوچھنے کی ان کی ہمت نہ تھی

انہیں اپنی عزت اور خودداری کافی عزیز تھی اور ایسا کوئی پہلی بار نہیں ہوا تھا۔

اور ان دو سال میں ان کی کافی لڑائیاں ہو چکی تھیں وہ تو بس اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیاں چاہتی تھیں مگر دن بہ دن ان کے گھر کا سکون کھوتا جارہا تھا۔ وجہ کیا تھی؟ وہ خود جاننے سے قاصر تھیں۔

وہ ابھی تسبیح پڑھ کے جائے نماز تہہ کرکے اٹھی ہی تھیں کہ حسن کی بری طرح رونے کی آواز سن کے وہ حرا اور جواد کے کمرے کی طرف بھاگی تھیں آج صبح سے ہی حرا حسن کو باہر نہیں لائی تھی۔ اس کے موڈ کو دیکھ کے انہوں نے کچھ کہا بھی نہ تھا مگر حسن کے رونے کی آواز سن کے وہ رہ نہ پائی تھیں۔ حرا کچن صاف کررہی تھی۔

"آمیرا بچہ، بھوک لگ رہی ہے ابھی فیڈر لاتی ہوں" اس سے پہلے کہ عالیہ کمرے میں جاتیں، حرا بجلی کی تیزی کی طرح کمرے میں جا گھسی تھی اور حسن کو گود میں لے لیا تھا۔ عالیہ بے بسی سے بہو کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔ ان کی آنکھیں نم ہو چلی تھیں، وہ جان گئی تھیں کہ حرا نے ایسا جان بوجھ کے کیا ہے وہ حسن کو انہیں دینا نہیں چاہتی تھی۔

"بیٹا تم فیڈر بنالو آرام سے حسن کو مجھے دے دو۔" پوتے کے پیار میں وہ بھی ڈھیٹ بن گئی تھیں۔

"نہیں امی ٹھیک ہے میں بنالوں گی آپ آرام کریں آپ کی طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں رہتی۔" انداز سخت کٹیلا تھا اک پل کو تو عالیہ اس کے لہجے کی ترشی میں ہی کھو کر رہ گئی تھیں پھر برداشت کرتیں اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"ہونہہ! بڑی آئیں میری زندگی میں آگ لگا کے میرے ہی بیٹے کو سنبھالنے والی۔" ان کے جاتے ہی وہ اونچی آواز میں بڑبڑائی تھی پھر حسن کو سنبھالتی کام میں جت گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

حرا کچھ اتنی بھی بری نہ تھی وہ اپنے گھر میں اپنے بھائی اور اماں ابا کی بے حد لاڈلی تھی۔ اس کے ابا کا بھی کئی سال پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا۔ بھائی نے ابا کے گزر جانے کے بعد 'اکلوتی بہن کو سر آنکھوں پہ بٹھا کے رکھا تو اماں نے بھی اس کی اچھی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اماں نے شروع سے اسے ساس سسر کی عزت کا سبق پڑھایا تھا' مگر شادی کے بعد ہی وہ سبق و اسباق جیسے کہیں دور جا سوئے تھے۔ وہ اماں سے ڈرتی تھی سو جب بھی اماں کی طرف جاتی' اماں سے اپنے خیالات دور ہی رکھتی مبادا اماں ڈانٹ ڈپٹ کے کہیں اسے چپ نہ کرادیں' کچھ اس کی اکلوتی بھابھی کی وجہ سے بھی وہ اپنے گھر کا رونا وہاں جا کے نہیں روتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی نجانے کیوں اس نے اپنی اچھی خاصی ساس کو اپنا دشمن سمجھ لیا تھا۔ دراصل اس خلش کی شروعات عالیہ کے ہارٹ اٹیک کے بعد ہوئی تھیں جب ایک روز جواد اور حرا باہر ڈنر کے لیے جارہے تھے اور بلڈ پریشر ہائی ہونے کی وجہ سے عالیہ کی طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نہ اماں، چلیں ہاسپٹل چلتے ہیں آپ بالکل ٹھیک نہیں لگ رہیں مجھے۔" جواد ایک محبت کرنے والا بیٹا تھا ماں کی حالت دیکھ کے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ پھر کہاں کا گھومنا اسے یاد رہتا۔ حرا تیار کھڑی تھی اور وہ اماں کو ہاسپٹل لے کے بھاگا تھا۔

"ہونہہ' ڈرامے باز کہیں کی۔۔۔ ذرا سی بہو کی خوشی برداشت نہیں ہوتی، جلتی ہیں کہ یہ باہر کیوں جارہی ہے۔" خراب موڈ کے ساتھ وہ بڑبڑائی تھی۔ پھر اس کے بعد گزرتے ہر دن کے ساتھ اس کے دماغ میں یہ زہر ناسور کی طرح بھرتا چلا گیا تھا۔ وہ ماں بننے والی تھی بے چاری عالیہ اپنی بیماری کو پس پشت ڈال کے گھر کے کام کاج میں اس کی مدد کرتیں' اسے مکمل احتیاط کراتیں کام کرکے ہانپ جاتیں' مگر حرا کے مزاج نہ بدلتے۔ وہ بے چاری سمجھتیں کہ ماں بننے والی ہے شاید اس لیے مزاج میں چڑچڑا پن آگیا ہے اب یہ اتفاق تھا کہ حرا کی خرابی قسمت جب بھی اسے کہیں جانا ہوتا

عالیہ کی طبیعت خراب ہو جاتی۔ جواد ہر وقت اسے تاکید کرتا۔

"نمک کم ڈالا کرو گھی کم ڈالا کرو امی کو سختی سے منع ہے۔" وہ چڑ سی جاتی کبھی اس کا پالک کھانے کا دل چاہتا تو قیامت آجاتی۔

"تمہیں پتا ہے نہ امی کو پالک سختی سے منع کی ہوئی ہے ڈاکٹر نے امی کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔" وہ تپ سی جاتی۔

"جب اتنی بیمار ہیں تو پرہیزی کا کھانا کیوں نہیں پکواتیں' زبان کے چٹخارے بھی چاہئیں اور طبیعت بھی دیکھنی ہے۔" وہ بڑبڑا کے چپ ہو جاتی۔ جب کبھی اس کی طبیعت خراب ہوتی' یہ اتفاق ہوتا کہ عالیہ کو بھی بلڈ پریشر کی وجہ سے الٹیاں لگ جاتیں اور وہ مزید ان کے خلاف ہو جاتی اسے ان کی ہر چیز محض ڈرامہ ہی لگتی تھی۔ ان ہی حالات میں حسن اس کی گود میں آگیا تھا حسن کی پیدائش سے چند دن پہلے اس کی بھابھی کے ہاں بھی پری زرنش کی پیدائش ہوئی تھی سو دونوں گھروں کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ سوا مہینہ نہا کے اماں کے گھر گئی ہی تھی کہ دو دن بعد ہی جواد اسے لینے آگیا تھا۔

"آنٹی امی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی رات کو میں بھی آفس چلا جاتا ہوں اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو حرا کو میرے ساتھ بھیج دیں۔" اپنی ساس صفیہ سے جواد نے بڑی ہی سمجھ داری سے بات کی تھی۔ حرا کی تو سٹی ہی گم ہو گئی تھی۔

"بیٹا تم تیار ہو جاؤ جا کے' جواد لینے آئے ہیں آپ کو۔" اس کی اماں سمجھ دار تھیں بیٹی کے اترے چہرے کو دیکھ کے پیار سے سمجھایا تھا۔

"پھر ڈرامے شروع ان کے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی تیار ہو گئی تھی اور اگلے کئی دن تک اس کا موڈ خراب ہی رہا تھا۔ حسن کی آمد کے بعد عالیہ کا کولیسٹرول لیول بھی بڑھنے لگا تھا۔ ہاتھ میں بھی ہمہ وقت درد رہنے لگا تھا۔ ڈاکٹرز کافی ٹائم سے اینجیو گرافی کا کہہ رہے تھے اور ہر بار جواد پیسوں کی وجہ سے چپ ہو کے رہ جاتا تھا۔ وہ کافی مہینوں سے اماں کے علاج کے لیے پیسے جمع کر رہا تھا اور اب جبکہ وہ کافی رقم جمع کر چکا تھا حرا حسن کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی ضد لے کے بیٹھ گئی تھی اور اس بار بھی وہ جواد کا جواب سن کے عالیہ کے سخت خلاف ہو چکی تھی اور اب اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہر بار کی طرح اس بار چپ نہیں رہے گی۔

☆ ☆ ☆

یہ مارچ کے اوائل دن تھے سرد و خنک موسم کب کا اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ ہلکی گرمی اور ہلکی خنکی کا ملا جلا یہ بہار بھرا ہرا بھرا موسم سب کے لیے ہی خوشگوار و حسین یادیں لے کے آیا تھا۔ آج یکم مارچ تھی اور ٹھیک 10 دن بعد گیارہ مارچ کو حسن کی سالگرہ تھی سو گزرتے ہر دن کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ آج شام کو جواد جلدی گھر آگیا تھا' اس نے صبح سے ہی تہیہ کر رکھا تھا کہ آج آر یا پار بات ہو کر ہی رہے گی۔ جواد کب سے امی کے کمرے میں بیٹھا' پتا نہیں کون سے راز و نیاز کی باتوں میں مصروف تھا۔ اب اسے اس میں بھی مسئلہ تھا۔ دراصل جس کے دل میں چور ہوتا ہے وہیں ڈر بھی ہوتا ہے' اس لیے ہمہ وقت اس کا دل بھی کانپتا تھا کہ کہیں عالیہ اس کے رویے کی شکایت جواد سے نہ کر دیں۔

کافی دیر بعد جواد کمرے میں آیا تو وہ بلاوجہ ہی الماری کھول کے کپڑے ادھر ادھر کر کے' خود کو مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے یونہی نظریں گھما کے جواد کی جانب دیکھا تھا' جواد اب حسن کو پیار کرنے کے بعد اپنی آفس کی کچھ فائلز اور لیپ ٹاپ لے کے بیٹھ گیا تھا اسی اثنا میں حسن بری طرح رونے لگا تھا۔

"یار اس کو دیکھ لو پہلے یہ کام بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔" جواد نے آج بالآخر اسے مخاطب کر ہی لیا تھا مگر حرا ہنوز الماری میں سر گھسا کے نجانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ جواد کے دوبارہ پکارنے پہ وہ تنتناتی ہوئی آئی اور اپنی امی کے گھر کی جانب سے دی گئی جہیز کی دو چوڑیاں جواد کی فائل پہ پٹخ کے حسن کو گود میں اٹھا

لیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے حرا۔" جواد بری طرح جھنجلایا تھا۔

"آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں نہ میرے بیٹے کی سالگرہ کے لیے آپ یہ بیچ دیں۔" حرا نے بات اتنی آسانی سے کہی تھی کہ جواد اس کی شکل دیکھتا رہ گیا تھا۔

"تمہارا بیٹا...؟ اور کیا اتنا گرا ہوا سمجھتی ہو تم مجھے کہ اب تمہارے زیور بیچ کے میں گھر چلاؤں گا۔ حرا بہت افسوس ہوتا ہے مجھے تمہاری حرکتوں پہ 'ذہنیت پہ' تم ایسی تو نہ تھیں یار تم تو بہت سمجھ دار تھیں۔" جواد کو اب بھی اس کی کم عقلی پہ جیسے یقین نہ آیا تھا۔

"میرے بیٹے کی پہلی سالگرہ ہے اور آپ مجھے سمجھ داری کے سبق پڑھا رہے ہیں آپ کو پتا ہے زرنش کی بھی پہلی سالگرہ ہے کچھ ہی دن میں بھائی بھی دعوت دینے آئیں گے۔ کتنی دھوم دھام سے وہ لوگ اس کی سالگرہ کریں گے۔ میں سب کو کیا جواب دوں گی۔ میرا بھی تو اکلوتا بیٹا ہے۔ کبھی سوچا ہے آپ نے۔"

"حرا پلیز یار ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ (سمجھنے کی کوشش کرو) حسن کی سالگرہ تو ہم بعد میں بھی منا سکتے ہیں اور لوگوں کا کیا ہے وہ تو ہر حال میں باتیں بنائیں گے۔ اس وقت امی کی انجیو گرافی زیادہ ضروری ہے جب ہی ان کا آگے کا ٹریٹمنٹ ہو گا۔ 20 سے پچیس ہزار لگ جائیں گے' اس کے بعد آگے کا ٹریٹمنٹ تم مجھے یہ سال دے دو آئی پرامس (میں وعدہ کرتا ہوں۔) میں اگلے سال تمہاری مرضی سے حسن کی سالگرہ مناؤں گا۔ یار پلیز! تم تو میرا ساتھ دو۔" جواد سمجھ دار تھا اس وقت وہ بجائے حرا پہ چیخ کے تماشا کرنے کے خاموشی سے اسے سمجھانا چاہتا تھا۔

"لیکن اس کی پہلی سالگرہ اگلے سال تو نہیں آئے گی۔ لوگ پہلی سالگرہ ہی یاد رکھتے ہیں" حرا کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"تو اپنی ماں کو چھوڑ دوں بیمار' لوگوں کے لیے' حد ہو گئی ہے یار۔ اپنی چوڑیاں سنبھال کے رکھو میں قرضہ لیتا ہوں کہیں سے بھی۔" جواد اس کی قائم رٹ پہ اب کے بری طرح چڑا تھا۔

"قرضہ کیوں... آپ امی سے بولیں نہ انہوں نے کچھ نہ کچھ تو جمع کر کے رکھا ہو گا۔" حسن ماں کی گود میں آتے ہی چپ ہو گیا تھا حرا اسے تھپک کے سلا رہی تھی۔

"شٹ اپ... امی کا جو کچھ بھی تھا وہ مجھ پہ لگا چکی ہیں اور آئندہ مجھ سے اس قسم کی بات مت کرنا۔" وہ لیپ ٹاپ بند کر کے غصے سے بولا تھا باہر کھڑی عالیہ بیگم نے اتفاقاً" نہ چاہتے ہوئے بھی بہو اور بیٹے کی ساری باتیں سن لی تھیں۔

"تو یہ وجہ تھی دونوں کی ناچاقی کی یا میرے اللہ! تو نے کیوں میرے بڑھاپے کو میری اولاد کے لیے زحمت بنا دیا" ان کے آنسوان کی پلکیں بھگو گئے تھے بہو کی کم عقلی پہ انہیں بے حد تاسف ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج بڑے دن بعد ہمت جتا کے اس نے شلجم پالک گوشت بنایا تھا جواد نے سالن کی ڈش کھولتے ہی منہ بنایا تھا۔

"حرا یہ کیا بنایا ہے تمہیں پتا ہے نہ امی یہ نہیں کھا سکتیں۔" حرا جو کچن سے سامان لا لا کے ٹیبل پہ رکھ رہی تھی جواد کی بات سن کے تنک کے آئی تھی۔

"پتا ہے مجھے امی کے لیے دلیہ بنایا ہے میں نے اسی لیے۔ آج سے امی کے لیے پرہیزی کھانا الگ ہی بنا دیا کروں گی۔ ان کے لیے تو ہلکا سا گھی بھی نقصان دہ ہے نہ" حرا کا لہجہ طنزیہ تھا جواد نے تو نہیں البتہ عالیہ نے بخوبی نوٹ کیا تھا۔

"ارے بٹیا خوامخواہ تکلیف مت کیا کرو اکیلے کام کرنے والی ہو۔ بچے کو بھی سنبھالنا ہوتا ہے بس تم لوگ اپنے لیے دیکھ لیا کرو۔" عالیہ کو اپنی وجہ سے بہو کو زحمت دینا پسند نہ آیا تھا۔

"ارے امی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ کھانا کھائیں آرام سے" حرا کے بجائے جواد نے کہا تھا اسی اثنا میں حرا کا موبائل متواتر بجنے لگا تھا۔

"بھائی کی کال خیریت تو ہے۔" حرا نے نمبر دیکھ کے فوراً" کال ریسیو کی تھی مگر اگلے ہی پل جو خبر اس نے سنی تھی موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے گرا تھا جسے جواد نے پھرتی سے تھاما تھا۔ جواد نے فیصل سے ساری بات پوچھی تھی مگر اگلے ہی پل وہ بھی پریشان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا ساری ناراضی بھلائے اس وقت اسے صرف حرا کو سنبھالنا تھا جو بنا کچھ بولے بنا کچھ سنے رونے میں مصروف تھی۔

☼ ☼ ☼

نجانے راتوں رات ایسی کیا ٹینشن حرا کی اماں صفیہ کو لگ گئی تھی کہ انہیں شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ فیصل کی کال سن کے جواد اور حرا فوراً" ہاسپٹل پہنچے تھے۔ جہاں فیصل اور نتاشا پہلے سے موجود تھے۔

"یہ سب کیسے ہو گیا بھائی ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں ایسی کیا بات ہو گئی تھی؟" حرا فیصل کے گلے لگ کے ایک ہی سانس میں سوال پہ سوال کر رہی تھی۔

"گڑیا اللہ سے دعا کرو کچھ نہیں ہو گا امی کو ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" فیصل نے اس کا سر سہلایا تھا' پھر وہ ڈاکٹرز کے پاس چلا گیا تھا حرا مسلسل کلمہ الٰہی کا ورد کرتی ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی جب ہی فیصل نے نتاشا کو سائڈ میں بلایا تھا وہ بے چاری ایک ہاتھ سے زرنش کو سنبھالے حرا کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ وہ پیسے کیسے دے دوں وہ تو آپ نے زرنش کی سالگرہ کے لیے مجھے دیے تھے۔ ہال کی بکنگ بھی ہو گئی ہے وہ سب پیسے تو میں نے کھانے وغیرہ کے لیے سنبھال کے رکھے ہیں۔ سب کو دعوت دے دی ہے میں نے اور ابھی تھوڑی ہے سالگرہ' چار دن بعد ہے جب تک تو امی بھی گھر آجائیں گی" نتاشا کے تیور ایک دم بدلے تھے۔

"میرے پاس اور پیسے نہیں ہیں تم پلیز میرے ساتھ چلو یا مجھے چابی دو لاکر کی میں نکال لوں گا" فیصل کافی دھیمی آواز میں مخاطب تھا۔

"ارے ایسے کیسے... میری بچی کی پہلی سالگرہ ہے پھر تھوڑی آئے گی آپ اور کہیں سے دیکھ لیں' کچھ نہ کچھ تو امی کے پاس بھی ہو گا نا" نتاشا بھی حرا کی ہی زبان بول رہی تھی چھپ کر ان کی باتیں سنتی حرا سخت غصے میں ان کی طرف آئی تھی۔

"میری ماں اندر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے بھابھی اور آپ کو یہاں زرنش کی سالگرہ کی پڑی ہے۔ اگر میری ماں کو کچھ ہو گیا تو میں چھوڑوں گی نہیں آپ کو' ارے حد ہوتی ہے کیا سالگرہ کسی کی جان سے زیادہ ضروری ہو گئی ہے..." حرا ہاسپٹل کا لحاظ کیے بنا بری طرح چیخی تھی وہ مزید بھی کچھ بولنا چاہتی تھی کہ سامنے کھڑے جواد کے دھواں ہوتے ہوئے چہرے پہ اس کی نظر پڑ گئی تھی' یکایک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا اور یہی وہ لمحہ تھا اس کی اپنی غلطیوں کے ادراک کا' وہ فوراً" جواد کے پیچھے بھاگی تھی۔

"آئی ایم سوری پلیز مجھے معاف کر دیں میں اندھی ہو گئی تھی۔ اپنی خود غرضی میں جس طرح میں اپنی ماں کے لیے پریشان ہوں آپ بھی تو اپنی ماں کے لیے پریشان تھے نا۔" وہ شرمندہ تھی۔

"تم پلیز جا کے آنٹی کے لیے دعا کرو یہ وقت ان باتوں کا نہیں' میں بھی کہیں سے بندوبست کرتا ہوں پیسوں کا آنٹی میری امی بھی تو ہیں۔" جواد نے نہ اسے طعنہ دیا تھا نہ جھڑکا تھا اسے تسلی دیتا وہ باہر نکل گیا تھا اور وہ آنسو بہاتی وہیں نادم سی کھڑی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے یہ میری
کہ ایسا روز مبارک بار بار آئے
تمہاری ہنستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزاروں پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

آج گیارہ مارچ تھی اس نے علی الصباح اٹھ کے نماز سے فارغ ہو کے اپنی ڈائری کھولی اور دو اشعار حسن کے لیے لکھ کے ڈائری بند کر دی۔ پھر اس نے بیڈ پہ لیٹے حسن کو اٹھا کے پیار کیا اور بہت ساری دعائیں

دیں۔ جواد سو رہے تھے وہ جا کے کچن کے کاموں میں لگ گئی۔ آج کی صبح بہت ہی اجلی اجلی اور نکھری تھی۔ عالیہ بھی اس کے بدلتے رویے سے بے حد خوش تھیں، کل حرا خود جواد کے ساتھ جا کے عالیہ کی اینجو گرافی کروا کے آئی تھی اور کل سے اب تک وہ عالیہ کا بالکل بیٹیوں کی طرح خیال رکھ رہی تھی۔ جواد کے آفس جانے کے بعد وہ گھر کی تفصیلی صفائی ستھرائی میں جت گئی تھی۔ حسن کو سنبھالنے کا کام دادی کا تھا اب وہ پوتے کے ساتھ بے حد خوش تھیں۔ آج شام کو اس نے بھائی، بھابھی اور امی کو دعوت پہ بلایا تھا امی بھی ہاسپٹل سے تین دن پہلے ہی گھر آئی تھیں۔ آج صبح سے ہی وہ صفائی ستھرائی اور کچن کے کاموں میں جتی ہوئی تھی۔ شام کو جواد گھر آیا تو ہنستی مسکراتی ہلکی پھلکی سی تیار حرا سیدھا اسے اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، تھوڑی ہی دیر میں اس کے میکے والے بھی آ گئے تھے۔ امی اور بھائی سے مل کے وہ بھابھی کو کچن میں لے گئی تھی۔

"آئی ایم سوری بھابھی میں اس دن کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی" بھابھی سے بھی معافی مانگنا اس نے ضروری سمجھا تھا۔

"معافی تو مجھے تم سے مانگنی چاہیے تھی میں کافی خود غرض ہو گئی تھی۔" بھابھی نے اس کا گال سہلایا تھا پھر دونوں نے مل کے ٹیبل سجائی تھی۔ جواد اتنے سارے گھر کے بنے ہوئے لوازمات دیکھ کے حرا پہ رشک کرتا رہ گیا تھا، کتنا بدلاؤ آگیا تھا اس کے اندر، بریانی اور چکن تندوری اس نے گھر میں خود بنائی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے بیٹے کی پہلی سالگرہ پہ اس نے بڑی ہی محبت سے اپنے ہاتھوں سے کیک بنایا تھا۔ اس کے علاوہ کباب اور آئسکریم بھی اس نے گھر میں ہی تیار کی تھی گھر میں کم پیسوں میں اس نے کافی اچھا انتظام کر لیا تھا۔

"چلو بھئی اب کیک کاٹ بھی لو، حسن کو لاؤ۔" فیصل کو اتنی چیزیں دیکھ کے زوروں کی بھوک لگی تھی، حرا مسکراتی ہوئی امی کے گود سے حسن کو لے آئی تھی۔

"بھابھی زرنش کو بھی لائیں نہ دونوں مل کے کھائیں گے کیک۔" حرا کی اعلا ظرفی دیدنی تھی۔ جواد نے بھابھی کی گود سے زرنش کو لے لیا تھا دونوں نے بڑی ہی محبت سے حسن اور زرنش کا ہاتھ ہلکا ہلکا سا چھری پہ رکھوا کے کیک کٹوایا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو.... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" دادی، نانی دونوں ہنستی ہوئی گنگنانے لگی تھیں۔ اتنا مکمل اور پرسکون منظر دیکھ کے جواد نے محبت سے حرا کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اطمینان اور محبت کی رمق دیکھ کے حرا نے تاعمر اس کے قائم رہنے کی بڑی شدت سے دعا مانگی تھی۔ تمام تر رنجشوں کے بعد بالاخر موج بہار ان کے دل سے تمام کدورتوں کو بہا لے گئی تھی۔

www.Paksociety.com
سالگرہ نمبر
مصباح علی
Downloaded From
Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ناولٹ

بہت اونچی سرسبز چٹان پر آسمان سفید نرم گداز ٹھنڈی برف برسا رہا تھا۔ اونچے چیڑ کے درخت چٹانی سطح سب پر سفیدی چھانے لگی۔ برف ریزوں کی بنائی دھند نے پورے چاند کی سنہری روشنی اپنی شال میں لپیٹ رکھی تھی۔ پھولی پھولی گلابی باربی فراک پہنے سر پر سفید تنکوں کا ہیٹ اور ہاتھوں میں ہزار ہا رنگ بے ترتیب دیا بو کے پکڑے وہ آس لگائے پریشان بیٹھی تھی۔ ہر پھول کے رنگ میں اس کے دل کا اظہار چھپا تھا۔ ہر خوشبو اسے نئی لے پر پکارتی تھی۔ اس کے خوب صورت ہونٹوں کے کناروں پر پڑتے ڈمپل' جگمگاتی بھوری آنکھوں سے جذبات چھلکتے تھے۔ ایک سفید گھوڑے کی ٹاپ کہیں دور سے ابھری تھی۔

ایسے، جیسے وہ پہاڑ کے چہار اطراف چکر لگا رہا ہو، منتظر ہو، ڈھونڈ رہا ہوں کسی کو۔ کبھی تیز، کبھی ہلکی ٹخ! ٹخ! ٹخ!... آواز لمحہ لمحہ قریب آئی اور اس کے دل کی دھڑکن حد درجہ تیز ہو گئی۔ اتنی تیز کے پورے ماحول میں صرف اس کی دھک، دھک، دھک... رہ گئی۔ اسے لگا کسی نے طنابیں کھینچیں ہوں، گھوڑا مخصوص ہنہناتی آواز سے رکا ہو۔ کوئی دیو تا اپالو چھلانگ مار کر اترا تھا۔ وہ اپنی فراک سمیٹتے ہوئے اٹھی بے قراری سے بڑھی تھی۔ چاروں جانب پھیلے سفید خالی صحرا کے سناٹے کو دیکھ کر اک ہذیانی چیخ نکلی۔

"ڈول..." اس سناٹے میں دراڑ ڈالتی تھی۔ وہ بے طرح سے ہڑبڑا کر کانپی اور پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ دسمبر کی سخت برفانی رات، تیز چلتی سانسیں اور پیشانی پر چمکتے قطرے۔ اس نے کمبل اتارا۔ شال سے اپنا چہرہ تھپتھپایا۔ بیڈ سے اتر کر چپل اڑسی، ٹیرس پر کھلتے گلاس ڈور کو دھکیل کر باہر آکھڑی ہوئی۔ خاموش سنسان برف رات۔ ٹھنڈی ہوا سے اس کا گلابی ٹراؤزر پھڑپھڑا رہا تھا۔ بال اڑ اڑ کر چہرے سے آلپٹتے۔ ٹھنڈ کی شدت سے رخسار اور ناک سرخ تھی، اس نے اپنے کندھوں کے گرد سفید شال اچھی طرح لپیٹی، خشک لبوں کو تر کرتے فضا میں کچھ کھوج رہی تھی، پھر پلٹ کر گرل سے ٹیک لگائی اس کی نگاہ سامنے کمرے کی روشن کھڑکی پر جا رکی۔ اسکن رنگ کے پردوں کے پیچھے کوئی سایہ کرسی پر جھولتا محسوس ہوتا تھا۔ اس نے بے دردی سے نچلا ہونٹ کاٹا۔ بھورے کٹوروں سے پانی چھلک کر رخسار بھگتے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

"اب وہ چھینک دو، یہ نیا لے لو۔" اس نے کوئی چھٹا ٹشو اسے پکڑایا تھا۔ لائبہ نے گندا ٹشو پھینکا اور دوسرا جھپٹ کر پھر "سوں سوں" ناک رگڑنا شروع کر دی۔

"خدا کے لیے یار، اب کچھ بتاؤ گی بھی یا روتی چلی جاؤ گی۔" ذوبجان اس کے مسلسل ایک گھنٹے سے رونے پر عاجز آگیا تھا۔ اسے بہت اچھے سے یاد تھا کل رات بھی وہ اچانک اس کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت دلبرداشتہ ہے اور کچھ کہنا چاہتی ہے، مگر اس نے کچھ بھی نہ کہا۔ بس کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ پھر چلی گئی اس نے خود سے بھی جان بوجھ کر نہیں کریدا کہ خود ہی بتا دے گی۔ اسے نہ بتائے۔ آج یا کل یہ ممکن نہ تھا۔ آخر کار اب اس کے پوچھنے پر دو لفظی جملہ کہا۔

"کیا بتاؤں!" پھر سوں سوں۔

"پلیز ڈیئر! یہ سوں سوں پچھلے ایک گھنٹے سے سن کر میں تھک گیا ہوں، ایک بار ناک زور سے صاف کرلو، پھر مسئلہ بتاؤ۔" اس کی پیش کش پر لائبہ نے خوب زور سے ناک رگڑی اور ٹشو پھینک پھر ہاتھ نئے ٹشو کے لیے پھیلایا۔

"ٹک گئے ہیں بی بی!" وہ ہاتھ سے نہیں ہیں کا اشارہ کرتا ناک چڑھا کر بولا۔

"ایسا کرو یہ رکھ لو۔" اس نے اپنا رومال جھاڑ کر دیا۔ لائبہ نے ایک شاکی نگاہ سے اسے دیکھا پھر رومال پکڑ لیا۔

"مجھے دیکھو غور سے!" وہ ممکنہ حد تک آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گھرکی دے کر معصومیت سے بولی۔

"مجھ میں کیا کمی ہے؟ لمبا قد، شکل، رنگ، نقوش..." وہ فوراً" درمیان میں بولا۔

"ہاں ہاں اور سرکاری ٹونٹی جیسی ناک اور آنکھیں بھی، جو ہر وقت رستی رہتی ہیں۔" اس نے اس کی سرخ پڑتی پتلی ناک قدرے دبائی جس پر اس نے خفگی سے اس کے ہاتھ پر تھپڑ مارا وہ خود سنبھلا۔

"اچھا پھر، یہ خوب صورت سراپا کسے نظر نہیں آیا؟"

"ممانی کو!" اس کے چلانے پر وہ مسکرایا۔

"ہو سکتا ہے ان کی نگاہ خراب ہو۔"

"بی سیریس۔" (سنجیدہ ہو جاؤ) اب وہ حقیقتاً"

سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"اچھا بتاؤ؟"

"ممانی کا بس نہیں چل رہا طیفی بھائی کے سہرا باندھیں اور کہیں بھی ہانکتی لے جائیں۔" اس کے سنجیدگی لیے استعارے پر ذوالجان نے فلک شگاف قہقہہ بڑی مشکل سے روکا۔

"کک... کیا۔ تم طیفی بھائی کو کھوتا (گدھا) کہہ رہی ہو۔" اب کے اس نے تنبیہی انداز میں پوری آنکھیں کھولیں' دانت کچکچائے۔

"ذول پلیز... تمہیں پتا ہے' آج پھر طیفی بھائی کے لیے پرپوزل آرہا ہے۔"

"آہو... میں بھی کہوں' یہ صف ماتم آخر کیوں بچھی ہے۔"

"بائی داوے تمہیں کس نے بتایا؟"

"کل شام ہی ممانی کو طیفی بھائی سے کہتے سنا تھا' بہت اچھے لوگ ہیں' اب تم مان جاؤ اور کل جلدی گھر آنا۔" وہ منہ پھلائے ممانی کی خوب نقل اتار رہی تھی اس نے بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کر رکھی تھی کہیں وہ برا ہی نہ مان جائے۔

"اور تم رات اسی لیے میرے کمرے میں آئی تھیں۔" اس نے اثبات میں سرہلایا۔

"مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔"

"بالکل بالکل' اسی لیے رات کھانا نہیں کھایا؟ اور صبح ناشتا بھی..."

"میرے اندر پانی نہیں گزر رہا۔" وہ روندھی آواز میں بولی تھی۔

"اور اب بہت زوروں کی بھوک بھی لگی ہے اور پیسے بھی یاد نہیں رہے۔" اس کے بھولے سے اقرار پر اس نے پل بھر روٹھے پن سے گھر کا پھر اپنی جیکٹ سے کوکیز چاکلیٹ نکال اس کی جانب کیا۔

"یہ کھاؤ اور چلو کینٹین' وہاں کچھ کھلاتا ہوں... غم میں مرہی نا جانا۔" وہ سارے رستے درپیش مسئلے کا حل پوچھ پوچھ کر اس کا سر کھاتی رہی اور وہ گردن سے ٹالتا رہا آخر اُکتا کر بولا۔

"پلیز یار نہیں ہوتا ان کا رشتہ وشتہ' کہو تو لکھ دوں' وہ کسی صورت نہیں مانیں گے اور ویسے بھی آج کل سڑیل کھڑوس کو کون پسند کرتا ہے۔" اس کے آخری جملے پر وہ تپ گئی۔

"تو تمہارا مطلب ہے' میں سڑیل کھڑوس کو پسند کرتی ہوں۔" وہ جانے کے لیے کھڑی ہوئی تھی مگر اس نے نرمی سے اس کی کلائی پکڑی' کینٹین چیئر پر بیٹھالیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تو پھر کیا مطلب تھا تمہارا؟ مومی بھائی کی دفعہ بھی تم ایسے ہی کہتے رہے' نہیں ملتا رشتہ اور پھر دیکھو ان کی بھی شادی ہوگئی' اب دو بچے ہیں اور اب' طیفی بھائی! تم جانتے ہو نا' میں ان سے کتنی محبت کرتی ہوں۔"

"ہاں کلو' وہ کلو تو کرتی ہوگی۔"

"تم سیریس نہیں ہوسکتے؟" اس بار کی ڈپٹ پر وہ قدرے آگے ہوا' ٹیبل پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے اسے تکنے لگا۔

"تمہیں بھائی جیسے سابقے' لاحقے کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا؟"

"بھائی تو ابھی کہتی ہوں' بعد میں تھوڑا کہا کروں گی۔ ویسے بھی وہ مجھ سے اتنے بڑے ہیں خالی نام لیتے اچھا نہیں لگتا۔"

"تو پھر جان' جی ساتھ لگالیا کرو۔" اس کے چڑے انداز پر وہ آنکھیں پٹپٹاتی رہی۔ اسی گھورا گھاری میں

اس نے نہ صرف کو کیز، چاکلیٹ، سینڈوچز، دہی بھلے کھالیے بلکہ جوس کی اسٹرا منہ میں دبائے منمنائی اسے دیکھ رہی تھی۔

"سوچو ناں، اس بار کیا پلان بنائیں، کیسے بھگائیں اس رشتے کو۔" ناچاہتے ہوئے بھی صرف اس کی منتوں پر وہ چٹکی بجاتے کہنے لگا۔

"آئیڈیا!"

"کیا؟" اسٹرا منہ سے نکل گئی۔

"تم لان کے پچھلے کونے میں گندے سے حلیے میں بیٹھ جانا، زبان نکال لینا، آنکھیں چڑھا لینا، بال نوچنا، میں کسی بہانے سے لڑکی کی والدہ کو گھیر گھار کر وہاں لے آؤں گا، تم مزید الٹی حرکتیں کرنا، بس پھر۔" زور سے اپنا ہاتھ ٹیبل پر مار، تالی بجائی۔

"بس پھر کیا... کیا ہو گا؟" وہ اب بھی نہیں سمجھی تھی۔

"ہو نگی... میں کہہ دوں گا یہ ابنارمل ہے اور ہماری فیملی میں تو اکثر بچے ایسے ہی پیدا ہوتے ہیں، آپ لوگوں سے چھپا کر تو اسے یہاں ڈالا ہوا ہے، دیکھنا کیسے سر پر پاؤں رکھے بھاگیں گے۔"

"اگر ممانی کو پتا چل گیا؟" وہی پرانا خوف۔

"یار، میں کرلوں گا کچھ نہ کچھ..." اس نے فرط جذبات میں اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"تھینک یو، ذولجان، یو آر سو جینئس (تم بہت ذہین ہو)۔ تم ہی حقیقتاً" میرے فرینڈ ہو، میری اصلی سہیلی، میرا درد صرف تم ہی جان سکتے ہو، تھینک یو۔" کتنا گرم لمس تھا ان نرم گرم ہاتھوں میں وہ اندر تک پگھل گیا۔ اس کی خشمگیں نگاہیں اس کے چہرے پر پھیلی مسکان دیکھ رہی تھیں۔

"کاش! تم بھی مجھے جان جاؤ..." اس کا دل کہہ رہا تھا۔ یہ کوئی پہلا آئیڈیا نہیں تھا۔ جس سے نوازا جارہا تھا بلکہ ہر بار، بار بار رشتے بھگانے کے لیے اس کی زرخیز سوچ نے ایسے ایسے آئیڈیا ز دیے کہ اللہ کی پناہ۔ مومی بھائی کا رشتہ ان کی مرضی سے "آنا" "فانا" خاندان میں طے ہو گیا تھا۔ وہ کچھ بھی ہاتھ پیر نہ چلا سکی، مگر طیفی بھائی کی بار وہ کوئی بھی موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ پہلی بار رشتہ آنے پر ذولجان نے اسے سمجھا بجھا کر بھیجا کہ تم ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر طیفی بھائی کی خوب تعریفیں کرنا اور جیسے ہی تنہائی میں موقع ملے معصومیت سے کہہ دینا۔

"آنٹی جی ہمارے طیفی بھائی کی تو کوئی مثال ہی نہیں، سارے خاندان میں سب سے اچھے، پھر بھی ان کی منگنی زیادہ چلتی کیوں نہیں۔" اس نے خاصا ہی مسکینیت بھرا چہرہ بنایا تھا۔

"کیا مطلب! پہلے بھی کہیں منگنی ہوئی ہے؟"

"کوئی ایک بار... مگر ٹوٹ جاتی ہے، یقین کریں اتنا اچھا انسان اور یہ حال... مر مرا کر ایک جگہ بات بنی مگر دلہن مکلاوے کے بعد واپس ہی نہیں آئی۔"

"کک... کیا... شادی بھی ہوئی تھی۔" اس نے بھولا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن آپ بے فکر رہیں، بھائی آپ کی بیٹی کو بہت خوش رکھیں گے بہت اچھے ہیں وہ۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی اتنا برا دھوکا!"

"مم... میں نے کچھ نہیں کہا آنٹی، وہ تو میرے منہ سے پھسل گیا تھا، اگر ممانی کو پتا چل گیا، میں نے حقیقت بتائی ہے، وہ تو مجھے مار مار کر گھر سے نکال دیں گی، میں صاف مکر جاؤں گی، آپ جانیں، آپ کی بیٹی جھگتے، پلیز میرا نام مت لینا۔" وہ خاتون کے بگڑے تیور دیکھ کر ڈری پھر بیان بدلنے لگی۔

"کوئی شادی، کوئی منگنی نہیں، میں مکر جاؤں گی۔"

"اور بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا ماموں زاد۔" خاتون اٹھ کھڑی ہوئیں، مروہ اس وقت چائے کا آرڈر دینے گئی تھیں صرف دس پندرہ منٹ ہی لگے ہوں گے۔

"بھلا اتنی سی دیر میں خاتون کو کیا ہو گیا۔" وہ حیران تھیں۔ خاتون نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ "ہونہہ" کر بیگ اٹھا، یہ جا، وہ جا... مروہ ہکا بکا۔ اس نے کندھے اچکائے۔ ایک بار پھر کوئی تشریف لائیں اور وہ سب کے بیچ بیٹھی کبھی ممانی کی تعریفیں تو کبھی طیفی بھائی

کے قصیدے۔ آنے والے خوب مرعوب۔ ممانی بھی حیران "ارے واہ، بیٹی ہو تو ایسی۔" جیسے ہی مروہ ممانی ماموں کو بلانے کے لیے کال ملانے اٹھیں اس نے ذولجان کی ہدایت کے مطابق وار کر دیا۔

"بڑی ہی خوش نصیب ہے آپ کی بیٹی، تب ہی تو ایسا بر مل رہا ہے آنٹی۔"

خاتون بڑی بیٹی کے ہمراہ جھوم گئیں۔

"پر وہ کیا کہتے ہیں آنٹی انسان تو انسان ہے، ایک آدھی برائی تو خصلت میں ہوتی ہے۔"

"ہاں بیٹا، درست کہا تم نے۔" خاتون نے تائید کی۔

"ہمارے طیفی بھائی بھی بہت اچھے ہیں، بس! کبھی کبھار انجوائے کے لیے پی لیتے ہیں، مگر یقین کریں، اس رات گھر نہیں آتے، آپ کی بیوی کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔" ماں بیٹی نے پہلے تحیر سے اک دوجے کو دیکھا پھر اسے۔

"کیا مطلب، وہ نشہ بھی کرتا ہے؟"

"نہیں، نہیں آنٹی جی! بس تھکن اتارنے کے لیے، کبھی کبھار۔ ویک اینڈ پر، لیکن وہ گھر نہیں آتے، باہر ہی رہتے ہیں، دراصل ایک بار ایسی حالت میں گھر آگئے تھے پھر جو ماموں نے جوتوں سے سینکائی کی، پھر ایسی حالت میں گھر کا رخ نہیں کیا، آپ بالکل فکر نہ کریں ہم سب ہیں نا۔"

"دفع دور رفتے منہ!" وہ دونوں یک زبان بولی تھیں۔

"نشہ تو نشہ ہے، ایک آدھ دن، یا روز۔۔۔" مروہ ممانی اسی وقت پلٹی تھیں ان کے منہ سے آخری جملہ سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔ انہیں طیفی اور میاں کو فون کرنے میں دس پندرہ منٹ ہی لگے تھے اتنی سی دیر میں موضوع کیوں بدل گیا وہ گھبرا کر بولیں۔

"باجی کیا کہہ رہی ہیں آپ، کیسا نشہ؟"

"ہاں ہاں بس رہنے دو تم۔" وہ دونوں ممانی کے روکنے پر بھی نہیں رکیں۔ بنا تصدیق کے یقین، رنجش کا باعث تو بنتی ہے ہمارے ہاں ویسے ہی اس کا بہت رواج ہے۔ انہوں نے بھی کسی سے پوچھ پچھ نہ کی اور بات ختم، ممانی نے اس سے استفسار کیا تو لائبہ نے فوراً "رٹے رٹائے" ڈائیلاگ سنا دیے۔

"پتا نہیں ممانی وہ کیا اول فول بول رہی تھیں کہ نشہ تو نشہ ہوتا ہے، ایک آدھ دن یا ہر روز، پر کرنا تو چاہیے، میں نے کہا ہمارے بھائی ایسا ہرگز نہیں کریں گے تو بگڑنے لگیں۔"

"توبہ توبہ، نشئی داماد چاہیے۔" ممانی نے دونوں گال پیٹے اور اس کے دل نے کامیابی پر تالیاں۔ ایک بار لان میں چائے سے لطف اندوز ہوتے مہمانوں کے سر پر چھپر پڑا وہ تلملا بھاگ گئے۔ ایک مرتبہ مہمانوں کے جانے کے بعد صوفوں اور کشن کے نیچے سے تعویذ نما کاغذ نکال ممانی کو تھمائے۔ انہوں نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"اف خدایا! ابھی رشتہ ہوا نہیں، لڑکے کو پٹانے کے تعویذ گنڈے پہلے ہی شروع۔" اور انکار ہو گیا۔ لائبہ اور ذولجان اپنی شان دار کامیابی ہر بار سیلیبریٹ کرتے۔

✲ ✲ ✲

لائبہ نے سنا تھا اماں ابا حج کرنے گئے تھے۔ نیک روحیں تھیں منیٰ کی بھگدڑ مچنے پر اللہ نے اپنے جوار رحمت میں محفوظ کر لیں۔ تب وہ صرف دو سال کی تھی اسے معلوم نہیں تھا ماں کی ممتا باپ کی شفقت کیا ہوتی ہے، چچی، تائی لڑکی کی بھاری ذمہ داری اٹھانے سے ہچکچا ئیں۔ پھوپھی نے مشترکہ سسرالی نظام کے تحت انکار کر دیا۔ نانی اماں زندہ تھیں اور مروہ ممانی، ستارہ ممانی دونوں سگی بہنیں، لائبہ ان کی اکلوتی نند کی اکلوتی نشانی، معصوم فرشتہ، بالکل حور جیسی گڑیا۔ ساس کے کہنے پر انہوں نے باخوشی اسے قبول کیا تھا۔ مروہ ممانی کے دو بیٹے موی، طیفی، ستارہ ممانی کا ایک بیٹا ذولجان۔ وقت کی رنگین چڑیا کوتی ڈال ڈال کدکتی بہت آگے بڑھ گئی۔ اسے یاد بھی نہ تھا ماں باپ کے ناز و نعم کیا ہوتے ہیں۔ ماموں ممانیوں نے لاڈ تو کیا اسے ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا۔ ایک تو بنا والدین کی اولاد اوپر سے

گھر بھر میں اکلوتی لڑکی۔ نانی اماں کے وفات پا جانے کے بعد بھی اس کی محبت میں ذرا برابر فرق نہ پڑا تھا۔

مومی اس سے دس سال بڑا' طیفی نو سال۔ بڑے ہونے کے ناطے وہ کم کم' مگر بہت لاڈ سے بات کرتے' لیکن ان کا رعب اپنی جگہ برقرار تھا۔ ذولجان صرف دو سال بڑا تھا۔ اسی لیے لڑکے لڑکی کی تمیز بھلائے ہر وقت ساتھ ساتھ' ہم عمر مہربان سہیلی جیسا' ساتھ پڑھنا لکھنا' آنا جانا' ہر چیز میں ایک جیسی پسند' ذرا سی بات شیئر کرنا اور اک دوجے کی فکر کرنا اور شاید اتنی ہم آہنگی کی اہم وجہ وہ شروع سے ستارہ ممانی کے ساتھ رہی تھی۔ ذولجان اور وہ ایسے تھے جیسے ایک روپ کے دو مجسمے۔ ذولجان کو دیکھتے ہوئے اس نے بھی اسی یونی میں وہی سبجیکٹ رکھ لیے۔ یونی کی دنیا بالکل الگ تھی۔ پتنگوں' درختوں' تتلیوں' پیڑوں' کرکٹ' ٹینس سب سے مختلف۔ امنگوں' خوابوں کی دنیا۔ ہر دوسری لڑکی کسی رنگ میں رنگی کسی خواب میں بسی' خیال میں ڈوبی اسے ان سب کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

اسکول کالج میں تو صرف ذولجان سے ہی دوستی تھی۔ فری پریڈ یا بریک میں ملتے رہتے۔ اس کے چلے جانے کے بعد بھی اس نے کوئی خاص دوست نہیں بنائے تھے خاصی ریزرو سی رہی' مگر یہاں یونی میں ڈیپارٹمنٹ خاصے فاصلے پر اور پھر دن اور ٹائمنگ یکسر مختلف اسی لیے کم کم ملاقات ہوتی تھی تو زندگی میں نئی سہیلیاں آگئیں۔ وہ بہت مختلف باتیں کرتی تھیں' آئیڈیلز کی' ہیروز کی اور وہ سوچتی رہ جاتی۔

"زندگی ایسی بھی ہوتی ہے؟ کیا خوب صورت زندگی گزارنے کے لیے ایک عدد ہیرو ضروری ہے؟"

اور پھر اپنی بے کیف زندگی کو کوستی۔" خوامخواہ ہی ذولجان کے ساتھ درختوں پر ٹنگی' امرود توڑ' کرکٹ' فٹ بال سے شیشے' ٹیوبیں توڑ اور کچھ سوچا ہی نہیں اور یہاں رفعیہ مزے لیتی کہہ رہی ہے۔

"لڑکے تو عمر میں بڑے ہوں' کچھ سوبر سے وہی ساتھ اچھے لگتے ہیں۔" نازی بولی۔

"سنجیدہ سنجیدہ' اکھڑ سے۔ یار! دل میں اتر جاتے ہیں۔"

"میرے دل میں تو آج تک کوئی نہیں اترا؟ جانے خون بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔" وہ منہ بسورے سوچتی۔

"ہاں بھئی!" پینا نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"روک ٹوک کرتے' تحفظ کا احساس دلاتے' بالکل میرے منگیتر کی طرح۔"

"بڑا ہی خوب صورت ہے' تمہارا منگیتر' سوکھا سڑا کالنے جیسا' روک ٹوک کرلیتا ہے وہ؟" رفعیہ اسے چڑانے پر اتری تھی اس نے جواباً" کے ٹھوکے اور پھر اس کے نخریلے کزن کا قصہ لطف لے کر سنانے لگی جو خاصا کم گو ہے' مگر رفعیہ کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ رفعیہ کا چہرہ خوشی سے تمتمایا۔

"اف میرے خدایا! یہ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ اور مجھے کون دیکھتا ہے دزدیدہ نگاہ سے؟" سوچتے ہوئے اچانک اس کی نظر قدرے فاصلے پر گھاس کاٹتے مالی پر گئی وہ ترچھی نگاہ سے اسے اور اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ لحہ بھر تو وہ چونکی۔

"یہ ہے دزدیدہ نگاہ؟ تو کیا یہ مجھ سے۔۔۔؟" جانے آگے کیا سوچتی فوراً" ہی سنبھل گئی تاہم" وہ بے دھیانی میں گھاس نوچ رہی تھی اور مالی نے نتھنے پھلاتے قینچی دکھائی۔

"ہاتھ روک لو' ورنہ کاٹ دوں گا۔" اور وہ جھٹ رک گئی' مگر ذہن ابھی بھی الجھا تھا اور زیادہ تب الجھا جب پینا نے کندھا مار کر کہا۔

"یار تم نہیں کسی کا ذکر کرتیں؟ کون ہے۔" اس کے کہنے سے پہلے ہی نازی بول اٹھی۔

"بڑی گھنی ہے یہ۔۔۔ حالانکہ تین تین کزن ہیں گھر میں۔۔۔" ان کی ہنسی پر وہ الجھ کر رہ گئی۔ "تین تین کزن" آج سے پہلے تو سوچا ہی نہیں' پر ان میں سے کون میری فکر کرتا ہے' ذولجان سہیلی کی طرح اپنے روپ کا حصہ لگتا تھا' طیفی بھائی پاکستان میں نہیں تھے جانے کیسے ہوں گے اور مومی بھائی۔۔۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔۔۔" اس نے ایسے کتنے سوال خود سے

کیے تھے۔

☆ ☆ ☆

مومی بھائی، مومامی کے ساتھ لان میں بیٹھے لیپ ٹاپ پر کچھ کر رہے تھے تب وہ دونوں یونی سے واپس گھر میں داخل ہوئے۔ کسی بات پر ہنستے ہوئے لائبہ نے اپنی فائل اس کے کندھے پر ماری جواباً" وہ اس کی پونی کھینچ آگے بڑھ گیا۔ مومی بھائی نے بھنویں اچکا کر دونوں کو دیکھا تھا۔

"السلام علیکم! مومی بھائی۔" اس نے رکتے ہوئے کہا تھا۔

"وعلیکم السلام!" ان کے لہجے کی ناگواریت بھانپتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگی تب انہوں نے کہا تھا۔

"اب تم لوگ بڑے ہوگئے ہو! تمیز سے آیا جایا کرو۔" جانے یہ تنبیہہ فائل مارنے پر تھی یا پونی کھینچنے پر وہ کڑوا سا منہ بنا آگے بڑھنے لگی جب ہی مومی بھائی کو ممانی سے کہتے سنا تھا۔

"سمجھایا کریں اسے 'اب چھوٹی نہیں رہی۔ اور چادر، گاؤن لا کر دیں اسے، دوپٹے میں اچھی نہیں لگتی۔ ذولجان کو تو شاید عقل آنی ہی نہیں، ایسے ہی لیے پھرتا ہے۔" اور جانے وہ کیا کیا بدلائے تھے، مگر وہ لمحہ کے لیے ساکن ہوگئی۔ "روک ٹوک، تحفظ کا احساس" کچھ پل ذہن بھٹکا پر خیر۔ لیکن اس دن اس کی سوچوں کی رو بھٹک ہی گئی جب شام میں گھلتے اندھیرے میں وہ لان کے اسٹیپ پر بیٹھی تیز تیز رٹے لگا رہی تھی۔ یونی میں اس کا پہلا ٹیسٹ تھا اور وہ چاہتی تھی سب پر بہت اچھا امپریشن پڑے۔ اسی لیے شدومد سے لگی رہی تھی۔ مومی بھائی کی آمد کا تب پتا چلا جب وہ قدرے قریب کھڑے تفکر سے بولے۔

"اتنی کم لائٹ میں کیوں پڑھ رہی ہو! نگاہ پر اثر ہوگا، اسٹڈی میں جاؤ۔" پھر کہاں کی اسٹڈی کہاں کی پڑھائی۔ وہ ہونق سی ہونق تھی اور کانوں میں رفیعہ کی کھنکتی آواز۔

"ریزہ ریزہ سا بندہ، خوامخواہ تمہاری فکر میں گھلے، سمجھو دال میں کالا ہے۔" ایک پل کے لیے اس کے ہونٹوں پر تحیر سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"تو کیا مومی بھائی۔۔۔ ارے، مجھے پتا بھی نہ چلا۔"

اور بس پھر تو ان کی ہر بات، ہر خیال محبت کے تابوت میں کیلوں کی طرح ٹھکنے لگے۔ الجھی الجھی، بکھری بکھری اس کی صورت اگر کسی نے محسوس کی تھی وہ ذولجان تھا۔ وہ کئی دن سے سوچ رہا تھا۔ شاید بڑی ہوگئی ہے والدین، بہن بھائی کی کمی محسوس کرتی ہو یا پھر یونی کی ٹف پڑھائی، مگر استفسار پر جب وہ بولی تو اس کی آنکھیں منہ پھٹے رہ گئے اور دل ایسے تھا جیسے خودکش بلاسٹ ہو رہے ہوں۔

"تم سے، تم سے کس نے کہا، کیا؟ کچھ کہا مومی بھائی نے تم سے۔۔۔؟" اس کے صاف انکار پر لے قرار آیا۔

"لیکن مجھے لگتا ہے، انہیں مجھ سے محبت ہوگئی ہے، وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور شاید! مجھے بھی اچھے لگتے ہوں۔۔۔ تم بتاؤ نا۔" وہ قلم انگلیوں میں گھماتی ہونٹوں پر بجاتی اس سے پوچھ رہی تھی وہ تلملا گیا۔

"تمہارا دماغ ٹھکانے ہے۔" بلاسٹ کا دھواں لہجے سے اٹھا۔ "وہ تم سے دس سال بڑے ہیں۔"

"تو کیا ہوا، بڑی عمر کے لڑکے زیادہ اچھے ہوتے ہیں، سوبر سنجیدہ ڈیسنٹ۔"

"اور۔۔۔ یہ کس نے کہا؟"

"تازی نے۔۔۔" اس کے معصوم اقرار پر کون نہ مر جائے، مگر اس وقت ذولجان کا اس کی کم عقلی پر ڈنڈے توڑنے کو جی چاہا۔ "بے وقوف۔۔۔" اس نے سر جھٹکا "جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں یونی جاتے اور باتیں دیکھو کیسی کرنے لگی ہو۔ عمر دیکھو اپنی ہونہہ۔"

"بیس سال۔" وہ فوراً بولی۔ "وہاں تو ہر لڑکی ہی ایسی باتیں کرتی ہے، میرے پاس تو کوئی بات ہوتی ہی نہیں اور پھر تم ہی میرے سیکریٹ فرینڈ ہو، تم ہی سے شیئر کروں گی۔"

"کون سے سیکریٹ؟" اس نے جواب طلبی نگاہ اٹھائی اور وہ رو دینے کی حد تک سرخ ہوگئی۔

"اب بس کر جاؤ اور ملوانا ان گھر دماغ لڑکیوں سے۔" وہ اسے ڈپٹ کر باہر نکل گیا تھا۔ پھر کتنے ہی دن اس کی اداس' روئی صورت دیکھتا رہا اور چند دن بعد وہ ٹیرس پر اس کے پاس بیٹھی اتنا روئی کہ وہ جز بز ہو گیا۔

"پلیز۔ کیوں رو رہی ہو اتنا؟"

"تمہیں پتا ہے' ممانی موی بھائی کا رشتہ کر رہی ہیں؟" وہ کڑک کر بولا۔

"تو۔"

"تو تم جانتے ہو نا کہ میں....؟"

"پلیز۔" اس نے دانت جمائے "پلیز ایسا کچھ مت کہنا کہ میں تمہارا سر توڑ دوں۔"

"کیوں؟ کیوں نہ کہوں۔" وہ تلملائی۔

"پلیز۔ پلیز تم کچھ ایسا کرو وہاں بات نہ بنے' صرف چار سال کی تو بات ہے میرا بی سی ایس کمپلیٹ ہو جائے گا اور پھر... تم... ممانی سے بات کرنا میرے... لیے...." آخری جملہ اس نے اٹک اٹک کر کہا تھا۔

"خدا کے لیے' بس کر جاؤ۔" اس کے درشتی سے ہاتھ جوڑنے پر وہ ہچکولے لیتی زور سے رونے لگی۔

"او مائی گاڈ۔ میرا مطلب ڈانٹنا نہیں تھا۔ پلیز چپ کر جاؤ۔" پھر وہ بہت تحمل سے اسے سمجھانے لگا۔

"ابھی کہیں نہیں ہوتا ان کا رشتہ۔ ویسے بھی ان کے آدھے سر سے بال غائب ہیں' موٹے شیشوں کی عینک لگی ہوئی ہے' اتنی جلدی کون پسند کرے گا' مائی ڈیئر تم بے فکر ہو کر اپنا بی سی ایس کمپلیٹ کرو اور باقی میں دھیان رکھوں گا۔" اس نے اپنی جان چھڑانے کے لیے تسلی دی اور چند ماہ گزر گئے اور پھر اچانک موی بھائی کی منگنی کا غلغلہ اٹھا جس میں ان کی مکمل رضا شامل تھی۔ یقیناً" وہ ان کی منگنی پر جی بھر کر ماتم کرتی اگر ان ہی دنوں طیفی بھائی عرصہ دراز بعد آسٹریلیا سے واپس نہ آ جاتے۔ وہ اے لیول کے بعد اسکالرشپ پر آسٹریلیا چلے گئے تھے۔ عرصہ بعد بہت سی ڈگریاں سمیٹ اپنوں میں آئے تو ہر کسی کا حد درجہ خیال رکھتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پوچھنا' پڑھائی کے متعلق' مشاغل' مستقبل کی پلاننگ' بات بات پر مسکرانا' اپریشیئیٹ کرنا' گھمانے پھرانے لے جانا۔ وہ رشتوں کے ترسے ہوئے تھے۔ ہر کسی کے لیے دل گداز' محبت سے بھرا' مگر اسے لگتا شاید وہ صرف اسے ہی خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ ایک بار رفیعہ نے کہا تھا۔

"جب کسی خوبرو کے بلانے پر دل میں گھنٹیاں بجیں تو سمجھو الارم محبت ہے۔" اور طیفی بھائی کے بلانے پر گھنٹیاں' سیٹیاں کیا ڈھول باجے' نقارے طبل بجنے لگتے تھے۔ "موی بھائی تو صرف ڈانٹ ڈپٹ یا رعب ہی جھاڑتے تھے' ہونہہ اوپر سے غلط فہمی علیحدہ پیدا کی' مگر طیفی بھائی اف...." اور بس وہ گوڈے گوڈے نہیں بلکہ ساری ہی عشق کے سمندر میں غوطہ زن تھی اور تیر کر آنے کے لیے کوئی کنارہ نہ تھا۔ موی بھائی سے یک طرفہ نام نہاد محبت' حماقت نامی گڑھا کھود' دفنائی اور دل سے ان کی شادی میں شریک ہوئی تھی۔ یہ ان کی شادی کا قصہ تھا۔ مکیش دار میرون انار کلی فراک' چوڑی دار پاجامہ' کھلے بال' ہلکا میک اپ' کلائیاں بھر بھر چوڑیاں اور آویزے۔ سب سے مختلف' پری سی' برا ہو اونچی ہیل کی سینڈل کا ایسا بل آیا کہ دبی چیخیں اور گہرے آنسو وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ طیفی بھائی قریب ہی تھے۔ فوراً" لپکے۔

"کیا ہوا؟" پاؤں کو دباتے اس نے جھکا سر اٹھایا۔ رخساروں پر دونوں جانب پانی بہہ رہا تھا۔

"موچ آ گئی؟" وہ استفسار کرتے اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ سینڈل اتاری' پاؤں ہلا کر دیکھا۔

"لگتا ہے پری صاحبہ کو نظر لگ گئی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے سرسری سا کہا تھا' مگر اسے وہ وقت پوری جزئیات سے یاد آ گیا جب وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تھی اور وہ کہہ رہے تھے۔

"ارے! حور زمین پر کہاں سے۔" اس وقت تو شاید اتنا محسوس نہ ہوا تھا' مگر اب وہ حدت سے سرخ پڑ گئی تھی۔ دل ایسا دھڑکا کیا گھڑیال کا گھنٹہ یا مندر کا شنکھ۔ ذوالجان اسے دیکھتے ہی گھبرا گیا تھا۔ لائبہ دل کی ہلچل سے سرخ تھی اور وہ سمجھا شدت تکلیف سے۔

اس کی پیشانی گھبراہٹ آلود۔ وہ بھاگ چن فلر بجل لے آیا اس سے پہلے کہ وہ لگاتا طیفی بھائی اس کا ہاتھ پکڑا ٹھنے میں مدد دے رہے تھے۔

"ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں یار' کہیں زیادہ مسئلہ نہ بن جائے۔"

"ہاں ہاں! بھائی میں لے جاتا ہوں۔" اس کی فخریہ آفر طیفی بھائی نے یہ کہہ کر رد کر دی۔

"میں لے جا رہا ہوں' تم یہاں رکو' کوئی کام نہ ہو' بابا کو۔۔۔" ماموں نے بھی تائیدی سر ہلا دیا۔ ان کا صرف ایک بار وہ بھی بڑے ہونے کے ناطے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ذوالجان کے ہمیشہ کے ساتھ پر بھاری ہو گیا تھا۔ پھر تو اٹھتے بیٹھتے' آتے جاتے طیفی بھائی یہ' طیفی بھائی وہ' طیفی بھائی ایسے' طیفی بھائی ویسے۔ یہاں تک کہ یونی میں چند منٹوں کی ملاقات میں بھی ان ہی کا تذکرہ سن سن وہ عاجز آگیا تھا۔

"کیا ہر وقت طیفی پہاڑہ پڑھتی رہتی ہو۔"

"تم کیوں چڑ رہے ہو۔ مجھے ان کا بتانا' ان کا پوچھنا اچھا لگتا ہے۔"

"پھر ایسا کرو۔" وہ چڑ کر بولا۔ "اپنا سر پھاڑ لو۔۔۔ روزانہ پوچھیں گے' ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔۔۔ ہونہہ۔" وہ دانت تلے آئی کڑواہٹ سامنہ بنائے لیب پر کوئی تھیسس ڈاؤن لوڈ کر رہا تھا۔ رخ ہی پھیر لیا۔ اس کی ناراضی ہضم ہونے والی نہیں تھی۔ کچھ ہی توقف سے بولی تھی۔

"ناراض ہو گئے ہو؟"

"نہیں۔" اس کی اکتاہٹ محسوس کیے بنا وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر پوچھنے لگی۔

"اچھا نول۔۔۔ یہ تو بتاؤ انار کلی فراک میں میں کیسی لگ رہی تھی؟"

"کیوں۔۔۔؟" یکسر مختلف سوال پر اس نے الجھ کر دیکھا تھا۔

"طیفی بھائی کہہ رہے تھے۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ بات پوری کرتی وہ ڈپٹ کر بولا تھا۔

"جھوٹ بول رہے تھے' ایک دم جوکر لگ رہی تھیں تم' آئندہ مت پہننا۔" اسے اتنا غصہ آیا وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگتی "نول' نول۔۔۔" پکارتی رہی۔

✡ ✡ ✡

کچھ ہی دن خاموشی سے گزرے ہوں گے۔ جانے اس نے کیسے مگر بہت ضبط سے اس کے سامنے طیفی بھائی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ "پتا نہیں وہ کیوں چڑ جاتا ہے۔" وہ اکثر سوچتی' مگر زیادہ دن تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ آخر دنیا میں ایک ہی تو تھا جس سے وہ ہر بات بلا خوف و خطر کہہ دیتی۔ آج بہت ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

"نول۔۔۔!"

"ہوں۔"

"طیفی بھائی۔۔۔" پل بھر کے لیے نچلا ہونٹ کترا۔ "طیفی بھائی کو کیسے بتاؤں' کہ میں ان سے۔۔۔" اس کی استفہامیہ اٹھتی نگاہ پر وہ غرایا۔

ایک لوش کارڈ بناؤ اور پیارا سا لکھ دو۔

سڑک پہ سڑک' سڑک پہ گڑھے

طیفی بھائی' ہم بھی وہیں کھڑے

اس کی گھرکی پر وہ مسکرایا۔ "کیوں پسند نہیں آیا' چلو پھر یہ لکھ دینا۔

بریانی پکی ہے' سب کھاتے ہیں

ہم صرف طیفی بھائی کو جانتے ہیں

وہ نوٹس اس کے ہاتھ سے کھینچ' شانے پر کے برسا' واک آؤٹ کر گئی۔ اس کا دل تھا اب کبھی ذوالجان سے بات نہیں کرے گی' وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے' مگر ان ظالم سوچوں کا کیا کرتی جو نہ دن میں چین لینے دیتیں نہ رات کو سکون۔ پڑھائی الگ ڈسٹرب اور پھر وہی بچتا تھا جس سے کچھ کہہ سکتی تھی۔ یقیناً" اسے بھی اس کی احمقانہ سوچ کا اندازہ ہو چلا تھا۔ تب ہی در گزر کیے کچھ نہ کچھ مشورہ دے ہی دیتا۔ رات پوری طرح چھائی نہیں تھی۔ وہ ہلکی سی ناک دے کر اس کے کمرے میں آگئی۔ وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ اسے

دیکھتے ہی ہیئر برش رکھا اور بھنوئیں اچکائیں۔

"کیا ہوا؟" وہ کچھ دیر انگلیاں موڑتی رہی جیسے کچھ کہنا ہو پھر ادھر ادھر چیزیں چھیڑ، یونی کی ایک دو بات پوچھ واپس چلی گئی۔ اسے حیرت تھی۔

"یہ کیوں آئی تھی؟ کیا کام تھا؟" بہت دیر سوچا پھر کندھے اچکائے۔

"بتائے گی تو مجھے ہی، آج نہیں تو دو چار دن بعد۔" اور پھر اسے زیادہ سوچنا نہیں پڑا تھا۔ اگلے ہی دن فری پریڈ میں وہ اس کے پاس گراؤنڈ میں آبیٹھی۔ وہ اپنا کچھ لکھ رہا تھا۔ پہلے گم صم رہی پھر آہستہ اور پھر قدرے زور سے رونے لگی اور طیفی بھائی کے نئے آنے والے رشتے کا بتایا تھا۔ وہ ان کا رشتہ پکا ہونے پر بھنگڑے ڈالتا، بتاشے بانٹتا، منتیں چڑھاتا اگر کچھ دن پہلے مروہ خالہ اور طیفی بھائی کی گفتگو اتفاق سے نہ سن لیتا۔ غالباً" مروہ خالہ انہیں بہت دلار سے مشرقی اور مغربی ماحول کے تصادم پر قائل کر رہی تھیں۔

"امی پلیز، میں اپنی فیملی کا ماحول خود بنا سکتا ہوں، آپ کسی بھی طرح ابو کو راضی کریں ورنہ میں خاموشی سے وہاں شادی کر لوں گا۔" اور اس طویل گفتگو نے اسے اندر تک شانت کر دیا تھا کہ طیفی بھائی لائبہ تو کیا کسی اور لڑکی سے بھی شادی نہیں کریں گے، ان کا دل آسٹریلوی نے لے لیا۔ لائبہ کی جذباتی حماقتیں وقتی تھیں سو انجوائے کرنے کے لیے دکھی دکھی منہ بنا کر سننے لگا تھا۔ ہر رشتہ بھگانے کے لیے ایسے ایسے مشورے دیے کہ واللہ۔ دوہرے فائدے۔ ایک طرف لائبہ خوش دوسرے طیفی بھائی سے ذاتی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ سو کیوں نہ ممانی تنگ آکر مان ہی جائیں۔ ہر رشتے میں ثواب کی نیت سے آڑے ڈالی تھی، مگر اب کے جو اینار مل بننے کا مشورہ دیا تھا وہ کارگر نہ ہو سکا۔ اس روز ممانی نے لائبہ کو اپنے ساتھ کچن میں مصروف رکھا۔ پھر چائے کے وقت بھی پاس ہی بٹھالیا۔ اپنا وار خطا ہونے پر وہ دل و جان سے کڑھتی رہی، مگر یاوری قسمت رشتہ واقعی نہ ہوا۔ غالباً" طیفی بھائی خاصی دیر سے آئے پھر بے زاریت لیے چند پل بیٹھے پھر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ایسے بدتمیز، اکھڑ لڑکے کو کوئی جوتا نہ دے لڑکی کون دیتا؟ ہاں البتہ رشتے کروانے والی فروزہ خالہ جاتے جاتے مروہ ممانی کو نگاہ کی عینک لگا گئی۔

"اے بہن! بغل میں تمہارے ہیرا ہے اور تم ادھر ادھر ہاتھ مار رہی ہو۔"

"آپا کیا مطلب، میں سمجھی نہیں۔۔۔" ممانی عقل سے پیدل ہی تھیں۔

"تمہاری لائبہ کی بات کر رہی ہوں۔" "تو جی۔۔۔ پھر تو ممانی کا سمجھو پورا منہ کھل گیا۔

"ہا آئے۔ یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا، بھولی بھالی معصوم سی اور اس طرح تو نہ صرف میاں راضی ہو جائیں گے بلکہ طیفی کی خواہش پوری ہونے کے بھی امکان سیدھے ہو جائیں گے۔" زندگی میں پہلی بار ممانی نے سفاکی سے اپنی فیملی کا سوچا تھا۔

"لائبہ کا کیا ہے، طیفی نہ رکھے خیال، میں ہوں نا خیال رکھنے والی۔" انہوں نے پہلی فرصت میں میاں سے مشورہ کیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر صاف کہا۔

"دیکھو بیگم! میں چاہتا ہوں طیفی کا رشتہ پاکستانی لڑکی سے ہو، یہ طے ہے تم اسے قائل کرو گی۔ اب بات رہ گئی لائبہ کی تو تم اس سے بھی رائے لے لو۔ پھر کر دیتے ہیں بسم اللہ۔۔۔" ممانی ہتھیلی پر سرسوں اگانا چاہتی تھیں۔ باتوں باتوں میں کیا انہوں نے صاف پوچھ لیا۔

"میری لائبہ رانی، تمہارا طیفی کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"دل جان سے اقرار ہی اقرار ہے ممانی۔" جملہ صرف دل میں گدگدایا تھا۔ وہ چپ رہی۔

"دیکھو گڑیا مجھے تم بہت پسند ہو، یقیناً" طیفی بھی انکار نہیں کرے گا، مگر تمہارے ماموں چاہتے ہیں تم سے بھی پوچھ لوں۔" وہ تو ڈھول بجا کر کہتی قبول ہے، مگر مشرقیت بھی کسی چیز کا نام ہے۔ اس نے ہونٹ دبائے اور اثبات میں سر ہلایا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا بے شک طیفی جی کئی دنوں سے گم صم تھے جب جب بھنوئیں اچکا کر اسے دیکھتے۔ ان کی نگاہ میں جو بھی تھا مگر اسے وہ نگاہ دل کو جکڑتی محسوس ہوتی اور جب ذولجان کو بتایا لمحہ بھر کے لیے وہ ساکت رہ گیا تھا۔ سانسیں اندر اٹکیں' دماغ میں بگولے جو آنکھوں میں اندھیرے بھر گئے۔ بمشکل اس نے کہا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟ طیفی بھائی کیسے مان گئے۔"

"تو ہو کیوں نہیں سکتا' ممانی نے خود بات کی ہے مجھ سے۔۔۔" اس نے فرضی کالر جھاڑے "دیکھا میرا کمال' آخر راضی کر ہی لیا۔" وہ بہت دیر اس کے چہرے کو ٹٹولتا رہا۔

"اس کی حماقتیں یا میری خوش فہمی۔۔۔" اس کا دل کسی صورت یہ حقیقت قبول نہ کرتا اگر شام میں ہی امی سے تصدیق نہ ہوتی۔ وہ سنتے ہی گم صم ہو گیا۔

"ہاں۔۔۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔ "کل ہی باجی نے مجھے بتایا ہے' بھائی جان کا بھی یہی خیال ہے۔"

موہوم سی امید ٹمٹمائی۔

"آپ نے کچھ نہیں کہا' خالہ کو میرے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔"

"میں کیا کہتی ذولجان۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ اپنے قریب بٹھایا۔ "باجی نے رائے یا مشورہ تھوڑی مانگا تھا' صرف اطلاع دی تھی کہ بھائی جان نے لائبہ کو طیفی کے لیے پسند کر لیا ہے' آج کل میں رسم کریں گے۔"

"طیفی بھائی کیسے مان گئے۔" آواز ڈوبتی تھی۔

"میں تو خود حیران ہوں۔"

"آپ کو کچھ تو کہنا چاہیے تھا' اپنے بیٹے کے لیے آپ کچھ بھی نہیں بولیں۔" وہ قدرے توقف سے سمجھانے لگیں۔

"دیکھو بیٹا' طیفی پڑھا ہے' برسر روزگار ہے' باجی اس کا رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں اور اب جب انہوں نے سوچ لیا تو میں ٹانگ اڑاتی اچھی لگتی' پھر تمہارا ابھی ایم ایس کا رزلٹ آنا ہے' پھر جاب' تب جا کر اگلی بات کہہ سکتی۔"

"تو کیا مجھے کبھی جاب نہیں ملے گی؟" اس نے سوالیہ نگاہ اٹھائی۔ "تو وہ کون سا بہت بڑی ہو گئی ہے' ابھی بی سی ایس کا ایک سمسٹر رہتا ہے اس کا۔"

"ذول' قسمت میں جو' جب لکھا ہوتا ہے' اتنا' تب ہی ملتا ہے بیٹا۔"

"میری قسمت بدل سکتی ہے امی' اگر آپ چاہیں تو۔۔۔"

"ذولجان۔۔۔ ذولجان۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔!" ستارہ اسے پکارتی رہ گئیں' مگر وہ رکا نہیں تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ ششدر تھا اتنی آسانی سے لائبہ اس سے دور ہو جائے گی۔ اس نے تو کبھی اس موضوع کو سنجیدہ لیا ہی نہ تھا صرف انجوائے منٹ کی خاطر الٹے سیدھے حربے بتاتا رہا وہ عمل کرتی رہی کیا پتا تھا یہ سب مقدر بن جائے گا۔ زندگی کا مشکل ترین کام اپنی خواہشات' آرزوؤں کا قتل ہے اور اسے یہ قتل اپنی آنکھوں دیکھنا تھا۔ یہ اس کی ہمت سے باہر تھا' بے حد مشکل کام۔ اس کی آواز کی کھنکھناہٹ چہرے کی رعنائی' اسے پاتال میں اتارتی تھی۔ "کیا وہ واقعی خوش تھی' اگر ہے تو پھر رہے۔۔۔" ایسا کیسے ممکن ہے کوئی پوری شدتوں سے کسی کو چاہے' سوچے اور وہ بے خبر رہے؟ مگر وہ بے خبر تھی۔ اسے نہیں پتا تھا وہ خوش کیوں ہے' مگر وہ شاید تھی۔

✡ ✡ ✡

وہ مختلف میگزین کارپٹ پر پھیلائے بیٹھی تھی۔ وہ کاوچ پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر اپنا کام کر رہا تھا۔

"ذول دیکھنا' یہ ڈریس منگنی کے لیے کیسا رہے گا؟" وہ انگشت ایک فوٹو پر رکھے پوچھ رہی تھی' مگر اس نے توجہ نہیں دی۔

"بتاؤ نا؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ ایسے تھا جیسے سنا ہی نہ ہو۔ "میں کیا پوچھ رہی ہوں۔"

"پلیز لائبہ میں بزی ہوں، مجھے کام کرنے دو۔" اس کے حد درجہ تپے تلے انداز پر وہ اٹھی اور جھٹکے سے لیپ ٹاپ چھین لیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، تم جانتے ہو نا میں تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کچھ کر سکتی اور تم ہو کہ بات ہی نہیں سنتے، بات کیا ہے آخر؟ کیوں ناراض ہو؟" اس کی روز کی چپ پر وہ پریشان تو تھی آج بول ہی پڑی۔

"بات یہ ہے میم! اب ہم بڑے ہو گئے ہیں اور مجھے بھی زندگی گزارنے کے لیے کچھ کرنا ہے۔۔۔ دو ادھر۔" اس نے ترش انداز میں کہتے ہاتھ لیپ ٹاپ کی جانب بڑھایا۔ چند پل وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

اس کا تلخ لہجہ اس کی سوچ سے بھی باہر تھا۔ وہ دنیا میں اس کا بہترین واحد دوست تھا۔ کزنز، یونی اور دیگر فرینڈز میں یکسر مختلف۔ بہت ہمدرد سا، ہر معاملہ، پر الجھن آج تک اسی سے شیئر کی تھی۔ اس کے مشوروں پر چلتی رہی۔ ایک پل اس کے بغیر نہیں گزرتا تھا جو کہتا تھا ہماری دوستی ایک مثال ہوگی، ہمیشہ ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے، احترام کریں گے ہر معاملے میں، اب جب زندگی کا سب سے بڑا معاملہ شادی کا طے ہونے جا رہا ہے تو وہ اس سے بے زار ہے، اس کی خوشی کا کوئی خیال نہیں۔ بات تک سننا نہیں چاہ رہا۔ وہ کتنے دنوں سے محسوس کر رہی تھی ذولجان کے گھر آنے کے کوئی مقرر اوقات نہیں رہے کھانے پر نہیں ملتا اور اگر گھر پر ہو بھی تو ایسے جیسے موجود نہیں، ہر وقت خود میں مصروف، اپنے کمرے تک محدود، اس نے ستارہ مامی سے بھی تذکرہ کیا انہوں نے صاف کہہ دیا۔

"وہ جاب وغیرہ ڈھونڈ رہا ہے، اسی لیے۔" یہ تو کوئی جواز نہ تھا کہ جاب نہ ملے تو بندہ بدمزاج ہو جائے گھر والوں کو بھول جائے۔ وہ کیسے مجھے اگنور کر سکتا ہے، ہماری دوستی کو بھول سکتا ہے۔ اس کی آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئیں۔ جبڑے بھاری، ناک میں مرچیں کاٹنے لگیں۔

"تم بدل گئے ہو، ذول۔۔۔" اس نے بھیگی آواز میں کہتے لیپ ٹاپ اس کے سامنے دھرا اور باہر نکل گئی۔

"میں نہیں بدلا شاید تم مجھے سمجھ نہیں سکیں۔" وہ پھیکا سا مسکراتا سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

خاموش چاند سے دن، بے کیف زندگی۔۔۔ اس کی نادیدہ چپ نے ہر خوشی پر کہر گرا دی۔ کسی کام، کسی چیز میں دل نہ لگتا ہر وقت قنوطیت، بے زاری۔۔۔ ہر مطلب، معانی اس وقت بالکل ہی مٹ گیا جب اسے تین دن بعد پتا چلا ذولجان صبح کی فلائٹ سے مسقط چلا گیا ہے۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اسے ہلکا سا چکر آگیا۔ غالباً" وہ چند دن سے مروہ ممانی کے ساتھ منگنی کی شاپنگ کے سلسلے میں مصروف تھی۔ اور قدرے، جان کر اس سے خفگی کا تہ کرر رکھا تھا کہ شاید وہ منانے آئے، اسے اپنی دوستی پر مان تھا کہ وہ ضرور ناراضی دور کرے گا، مگر مان کے ماننے یانے احساسات کی کھڈی پر تب تک تن سکتے ہیں جب جولاہے کو دھاگے کی حساسیت کی جانچ ہو اور اس کی جانچ شروع سے کمزور تھی۔ وہ اسے اب بھی نہ سمجھ پائی۔ آنکھیں، منہ پھاڑے مرمری مورتی بنی مامی کو تکتی رہی۔

"بنا بتائے، بنا ملے۔۔۔ چلا بھی گیا؟"

"تم جانتی تو ہو، وہ جاب کے لیے کتنا پریشان تھا۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ بٹھالیا۔ "ایک دوست نے مسقط سے ویزا بھیجا، جلدی کی تاریخ تھی اور بس۔۔۔ پھر اس خیال سے بھی تمہیں نہیں بتایا، تم اداس ہو جاؤ گی۔۔۔ تمہاری خوشی کا موقع ہے۔"

"تو کیا ممانی، اس نے یوں چھپ کر جا کر اداس نہیں کیا۔۔۔ خوشی پھیکی نہیں کی؟" بے شک وہ شاپنگ میں مصروف تھی، مگر رہتی آج بھی ستارہ ممانی کے پورشن اور اپنے کمرے میں تھی۔ کمرے سے کھلتی گلاس ونڈو سے آتے جاتے اسے دیکھتی تھی۔ کتنی بار اس کے کمرے کی کھڑکی میں تانک جھانک بھی کی، وہ مصروف، الجھا الجھا ضرور لگتا تھا۔ ہر وقت لیپ ٹاپ،

موبائل۔۔۔ مگر وہ اتنا بڑا فیصلہ، یوں اچانک بنا بتائے کیسے کر سکتا ہے؟ یک دم کئی ستارے آنکھوں کے سامنے ناچے، مورتی میں دراڑیں آنے لگیں، بھربھری بےدم مورتی دھپ سے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"آخر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، کیوں ناراض ہے مجھ سے؟ کچھ بتائے تو۔۔۔" اس بن تو طیفی بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے جن سے اتنا اہم رشتہ جڑنے جا رہا تھا، اب کچھ محسوس ہی نہ ہوتا۔ اسی سے تو اپنی فیلنگز شیئر کرتی تھی اب تو کوئی احساس ہی نہ بچا تھا۔

"پلیز ذول تم آجاؤ، ورنہ میرا تو دم ہی نکل جائے گا۔" کتنے دن وہ بے دم، اچاٹ دل سے کمرے تک محدود رہی۔ مروہ ممانی شاپنگ کا کہتیں تو طبیعت خرابی کا بہانہ کر دیتی بلکہ ایک دن مروہ ممانی نے بہت مشکل سے طیفی کو راضی کیا کہ اسے آئس کریم کھلا لائے، گھمائے پھرائے، کچھ انڈرسٹینڈنگ ہو دونوں میں۔ وہ جانے کیسے مگر راضی ہو گئے جب اس سے کہا تو صاف انکار کر دیا۔

"مجھے پہلے ہی فلو ہے، ممانی۔۔۔" اگر یہی فرمائش کچھ عرصہ پہلے ہوتی تو وہ یقیناً "بھاگ کر جاتی اور خوب لطف لے کر ذولجان کو بتاتی مگر اب۔۔۔؟ کئی بار اس کے سیل پر ٹرائی کیا یا تو بزی جاتا یا ریسیو نہ کرتا۔ بہت دنوں بعد اس نے کال بیک کی اس کا حال چال پوچھا اور اتنا کہا تھا۔

"میں یہاں بہت مصروف ہوتا ہوں لائبہ، پلیز بلاوجہ کال مت کیا کرو۔"

"مجھے صرف اتنا بتا دو، تم کس بات سے ناراض ہو، کیا برا لگا ہے؟" وہ کچھ دیر چپ رہا پھر دھیرے سے کہا۔

"مجھے کوئی حق نہیں ہے، کسی سے ناراض ہونے کا، تم خوش رہو اور اپنا بہت خیال رکھنا۔" اس کا جواب سنے بغیر فون ٹک سے بند کر دیا۔ گرد کے بگولوں میں بھلا کوئی خوش رہا ہے؟ اور وہ اسے خوش رہنے کی ہدایت کر رہا تھا۔ اس نے اس کے متعلق پہلے دن سے سوچنا شروع کیا۔ کزنز، فرینڈ شپ، حد درجہ ذہنی ہم آہنگی، خیال، حساس۔ اس کی آنکھ کا پانی، اس کا دل ڈبوتا تھا۔ بھوک اس کی، بلبلاتا وہ، صرف اور صرف پاؤں میں بل ہی تھا اور اس کے چہرے پر تفکر کی لکیروں کا جال۔۔۔ وہ نامحرم لڑکا لڑکی بھلے کزن ہوں، دوستی کیا معانی رکھتی ہے؟ کیا حیثیت، دل دھڑکا۔

"کیا وہ مجھ سے۔۔۔؟" دماغ حاضر۔

"نہیں ایسا نہیں ہے، ہم صرف فرینڈز تھے۔" دل کرلایا۔

"نامحرم میں فرینڈ شپ، اس کا طاقت ور حملہ نفس ہے اور نفس۔۔۔ یا مقام، یا بدنام۔" دماغ حجت دے رہا تھا۔

"میں نے اسے بدنام نہیں کیا!" دل کا اقرار

"ہاں تو مقام بھی نہیں دیا۔" دماغ و دل کی جنگ میں روح سسکاری بھرتی تھی۔ اس نے سر بیڈ کراؤن سے ٹکا لیا۔ دل کی دھک دھک سے زیادہ آنسوؤں کی ٹپ ٹپ تھی۔

"میرا وہم ہے!" اس نے دونوں گیلے رخسار پونچھ لیے۔ "وہ جاب کے لیے واقعی پریشان تھا، یقیناً" جاب ہی کے لیے وہاں گیا ہے۔۔۔ اور بس۔"

دل کی ایک اور حجت نے دماغ کو کچھ شانت کرنے کی سعی کی تھی۔ وہ کوشش کس حد تک کارگر ثابت ہوئی ابھی وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مرے دل، بجھی روح، بے آب و گیاں چہرہ لیے پڑھائی میں مصروف تھی۔ شریانوں میں گرما تا خون پل بھر کے لیے سمٹ جاتا۔ ان دیکھا کھنچاؤ، نادیدہ ہول لمحے کے سترہویں حصے میں حاوی ہو جاتے اور وہ پل کا سترہواں حصہ صدیوں پر سبقت لے جاتا۔ تقریباً" چھ ماہ گزر چکے تھے منگنی ہو جانے کے بعد بھی اس کی کیفیت پر چھائی اوس سرکتی نہ تھی۔ بار بار سوچتی آخر مجھے کیسے لگا طیفی کو مجھ سے محبت ہے، کیا ثبوت؟ کوئی قول، عہد؟ شاید بچکانا اک وہمہ تھا۔ اور یہ وہمہ بھی اک دن ٹوٹ ہی گیا۔

لاؤنج کی گلاس ونڈو سے سر لگائے زبردستی گھستی دوپہر کی نقرئی کرنیں سرد موسم میں فرحت کا احساس بخشتی تھیں۔ ان کے نکاح میں چند دن رہ گئے تھے۔

مروہ ممانی نے آج اسے برائیڈل ڈریس پسند کروانے لے جانا تھا۔ وہ بہت دیر نیچے ان کے آنے کا انتظار کرتی رہی پھر خود ہی اٹھ کر اوپر ان سے پوچھنے آئی تھی کہ کب جانا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اس وقت طیفی گھر پہ ہوں گے۔ اس کے قدم آوازوں پر تھم گئے۔

"یہ نکاح صرف آپ کی ضد اور شرط پر ہو رہا ہے امی' ورنہ مجھے لائبہ جیسی امیچور لڑکیاں بالکل پسند نہیں۔"

"آہستہ بولو.... جانتی ہوں میں۔" مروہ ممانی نے ڈپٹا تھا۔

"جانتے تو ہو تم اپنے باپ کو.... وہ کسی صورت غیر ملکی لڑکی کو بہو نہیں بنائے گا' ہاں اگر تم اس سے شادی کرلو گے تو باپ کی کمزوری تمہارے ہاتھ آجائے گی ہم لائبہ کو نہ چھوڑنا اور وہ تمہیں نہیں روکیں گے' پھر بھلے جہاں مرضی رہنا' رکھنا۔" یہ تھا ممانی کا پلان جو فروزا (رشتہ کروانے والی) کے توسط ذہن میں کوندا تھا۔ اس طرح میاں بھی راضی اور بیٹا بھی۔ لائبہ کا کیا ہے' پہلے بھی تو یہاں بیٹی بنا کر رکھا ہوا تھا اب بہو کے نام پر رہتی رہے گی۔ ان کا منصوبہ بے شک طیفی کو دل سے پسند نہیں تھا مگر مجبورا"۔ خیر وہ جھنجلا کر بولا تھا۔

"پتا نہیں' آپ کیا کرنے جا رہی ہیں' بہرحال میں نکاح کے ایک ماہ بعد ہی آسٹریلیا چلا جاؤں گا' وہاں شادی کرنے۔"

"اچھا اچھا چلے جانا۔" انہوں نے قصہ ہی ختم کیا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے' بازار جانا ہے' وہ بہت دیر سے انتظار کر رہی ہے۔" سیسہ کی طرح کانوں میں انڈلتے لفظ۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اپنے قدموں پر جمے رہنا بے شک اس کے لیے دشوار تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ وہ گر جاتی۔ ٹھکرائے جانے جیسی کم مائیگی کا احساس ضرور ہوا تھا مگر اندر کوئی خاص ہلچل نہیں تھی۔ سانسیں معمول کی طرح آرہی تھیں۔ شاید ان سے وہ رشتہ وابستہ نہ ہوا تھا۔ جو بننے جا رہا تھا۔ وہ سوچتی رہی تھی۔ البتہ ذولجان کے وہ قیافے جو کبھی توجہ سے سنے بھی نہ تھے اس وقت پوری جزیات سے گونجنے لگے۔

"طیفی بھائی مان گئے! کبھی نہیں؟ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ کسی طور مان جائیں' یار لکھوالو' وہ بندہ خود ہی نہیں مانے گا۔ تم کیوں پریشان ہوتی ہو' وہ خود انکار کردیں گے ہر رشتے کو۔"

"تو کیا ذول سب حقیقت جانتا تھا۔"

اس نے سوچتے ہوئے گہرا سانس لیا اور ہمت کر کے اندر آگئی۔ ممانی' طیفی کے چونکنے پر بھی وہ لڑکھڑائی نہیں بلکہ انگلی سے انگوٹھی نکال اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"میں بھی کہوں' یہ اتنے دن سے میری انگلی میں ہے' مگر اس کا لمس میرے وجود کو پگھلاتا نہیں' میں دن میں کئی بار زبردستی خود کو باور کرواتی ہوں کہ مجھے اس سے محبت ہے مگر.... اتارتے ہوئے ذرا بھی تکلیف نہیں ہو رہی۔" وہ کچھ سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتی رہی پھر زور دے کر کہا۔

"میں تو نادان' بے وقوف امیچور ہوں' مگر آپ تو مرد' طاقت ور' میچور ہیں پھر کیوں؟"

وہ جس قدر تیزی سے اندر آئی تھی اتنی ہی تیزی سے باہر چلی گئی۔ طیفی تو ہکا بکا تھا ہی مگر مروہ اس کے پیچھے بھاگیں' آوازیں دیں مگر وہ رکی ہی نہیں۔

✵ ✵ ✵

کتنے دن سیلاب زدہ ندی کے دھاروں کی طرح بہتے چلے گئے۔ کوئی کسی سے کچھ کہہ نہ پایا تھا۔ ستارہ پریشان تھیں یک لخت شادی کی تیاریاں تھم کیوں گئیں۔ مروہ باجی نے آئیں بائیں کر کے ٹال دیا۔ البتہ ایک دن اوپر پورشن میں شور اٹھتا سنا تھا۔ طیفی خلاف عادت چیخ رہا تھا۔

"جب وہ اس شادی پر راضی نہیں' میں راضی نہیں' تو آپ لوگ خوامخواہ کی ضد کیوں لگا رہے ہیں' میرے انکار کی تو کوئی حیثیت نہ تھی مگر اب' اس نے خود تعلق توڑا ہے' سو پلیز! مجھے اب کوئی منع نہ کرے۔"

"کیا۔ لائبہ نے منگنی خود توڑ دی۔؟" ستارہ چونکی
"ہاں۔ میں نے غور ہی نہیں کیا' اس کی انگوٹھی کہاں ہے؟"
انہیں سب غیر واضح تھا۔ مناسب سا وقت دیکھ کر لائبہ سے پوچھ لیا۔
"لائبہ بیٹے آخر بات کیا ہے' تم نے انکار کیوں کر دیا؟ تم تو طیفی کو پسند کرتی تھیں؟"
"پسند! ہونہہ' ممانی بچکانا ذہن سہیلیوں کے کہے سنے میں بھٹک جائے' تو وہ پسند تو نہ ہوئی' پسند تو وہ ہے جس کی خاموشی' غیر موجودگی آپ کو گھول دے' لمحہ صدی لگے اور طیفی۔۔۔۔ بھائی۔" وہ توقف سے بولی۔
"ان سے منگنی توڑنے پر تو بہت کوشش سے' سوچنے سمجھنے کے باوجود 'پل بھر کے لیے ہی سہی پر کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا' میری حماقت میری پسند کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جہاں دونوں فریقین میں ذرہ برابر پسند نہ ہو' تو زندگی کیسی گزرتی' میں نے بہتر فیصلہ کیا۔"
ستارہ کے چہرے پر جتنا تحیر تھا اتنا کہیں اطمینان بھی اترا تھا۔

ستارہ کتنے دن سے اسے کال ملا رہی تھیں۔ مگر وہ فری نہ ملتا تھا۔ سلام دعا' حال احوال پوچھ کر بند کر دیتا۔ وہ چاہتی تھیں کہ اسے یہاں آنے پر قائل کریں اور پھر ساری بات بتائیں مگر وہ واپسی کے لیے راضی نہ تھا۔ لائبہ نے اپنی زندگی خاصی محدود کر لی تھی۔ یونی سے آ کر کچھ کام میں ہاتھ بٹاتی پھر اسٹڈی میں قید۔
ستارہ' ذولجان کے خیالات شروع سے جانتی تھیں اور قدرے خوش بھی تھیں جب بیٹے کے منہ سے اس کی پسند کا پتا چلا تھا۔ لائبہ کی پرورش انہوں نے ہی کی تھی اور وہ ان کے پاس ہی رہے گی۔ ہمیشہ سے اسے بیٹی میں کھلی بہو کی نظر سے دیکھا تھا۔ مگر جب مروہ باجی نے پہلے بات کر لی تو دم بخود رہ گئیں۔ اپنے بیٹے کی بات کرنا پھر مناسب نہ سمجھا۔ اور جب لائبہ سے پوچھا شاید وہ رشتے پر خوش تھی۔ پھر اچانک سے یہ کہہ کر توڑ بھی دیا کہ وہ سہیلیوں کے کہے سنے میں بھٹک گئی تھی۔ اب ستارہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس سے ذولجان کے بیٹے بات کی جائے یا نہیں۔ "جانے وہ اسے بھی پسند کرتی ہے یا انکار ہی کر دے" ادھر وہ واپسی کے لیے تیار نہ تھا۔

✲ ✲ ✲

اکلوتے بیٹے کی جدائی اور گھر میں نئی نئی بنتی بگڑتی صورت حال۔ کشمکش میں ان کا ذہن خاصا الجھ گیا۔ اکثر طبیعت خراب رہنے لگی۔ اور ایک دن تو اچھی خاصی خراب ہوئی کہ ایمرجنسی میں لے جانا پڑا تھا۔ سب لوگ ہی پریشان ہو گئے تھے۔ لائبہ نے اسپتال سے ہی اسے فون کیا تھا۔ یاوری قسمت اس نے اٹینڈ بھی کر لیا۔ لائبہ نے اس سے زیادہ بات نہیں کی تھی صرف سلام کے بعد یہ چند جملے کہے تھے۔
"ستارہ ممانی ہاسپٹلائزڈ ہیں' ہارٹ اٹیک ہوا ہے' ملنا چاہتے ہو؟ دیکھنا چاہتے ہو؟" تو آجاؤ' ورنہ بعد میں گلہ مت کرنا۔" اور فون ڈسکنیکٹ کر دیا تھا۔
وہ بوکھلا گیا تھا۔ امی کو اچانک۔۔۔ امی کو کیا ہو گیا۔ چند دن پہلے ہی تو بات ہوئی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک تھیں مگر اب؟ اس نے کئی بار ٹرائی کیا مگر وہ اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ پھر اس کی بات ابو سے ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی ملتا جلتا ہی کہا تھا۔ ذولجان کا بس چلتا تو اڑ کر پہنچ جاتا مگر دیار غیر سے اڑ کر آنے کے لیے فارمیلٹیز ہوتی ہیں۔ اسے سیٹ کنفرم کرنے میں ہفتہ لگا تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ ان کے قدموں میں بیٹھا ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ وہ اتنی بیمار نہیں تھیں جتنی چہرے سے مضمحل لگ رہی تھیں۔ انہیں اس حالت میں چھوڑ کر جانے کے لیے اس کا اپنا بھی دل نہیں تھا مگر اسے انتہائی کوشش کے باوجود صرف ایک ہفتے کی چھٹی ملی تھی۔ ایک ہفتہ گزرنے کا پتا بھی نہ چلا۔ اب وہ جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ وہ اسے ہر طرح سے روک رہی تھیں۔ اسے طیفی اور لائبہ کی منگنی ختم ہونے کا تفصیلا" بتایا تھا۔ وہ خامشی سے سنتا رہا۔ اس نے استفسار پر صرف اتنا کہا تھا۔

"امی طلحہ بھائی کے بارے میں اسے حقیقت ان کے منہ سے پتا چلی اور انکار کردیا بس۔ اب اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں "ویکنسی فری" کا لیبل لگا کر اس کے سامنے چلا جاؤں۔"

"بیٹا میں تو یہ کہہ رہی ہوں تم یہاں رہو اسے بتاؤ' سمجھاؤ' اور ویسے بھی جب سے تم گئے ہو' اس نے تمہاری کمی کو محسوس کیا ہے' وہ اب پہلے جیسی نہیں رہی ہم اسے کچھ تو کہو۔"

"امی۔ محبت زبردستی سمجھائی' بتائی نہیں جاتی' خود بخود محسوس کی جاتی ہے۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔

"اور امی یہ احساس اس میں خود بے دار ہونے دیں۔"

"ذول۔ تم ایک بار پھر غلطی کر رہے ہو بیٹا۔"

"امی پلیز۔ مجھے اپنی خواہش کے لیے اس کی مرضی قتل نہیں کرنی' ہو سکتا ہے جو میں چاہتا ہوں وہ' وہ نہ چاہتی ہو۔ خیر آپ اس معاملے کو یہیں چھوڑ دیں۔"

وہ سوپ کا باؤل تھامے دروازے کی چوکھٹ پر سب سن چکی تھی۔ رخسار سے نیچے لبوں کے کنارے پڑتے ڈمپل میں نمکین پانی لحہ بھر کے لیے ٹھہرا پھر گردن پر لڑھک گیا۔

"ذول تم کیا سمجھتے ہو' مجھے اس عرصے میں کچھ بھی محسوس نہیں ہوا' میں نادان تھی' ادھر ادھر چکراتی رہی۔ یہ تو تمہارے چلے جانے کے بعد معلوم ہوا محور تو تم تھے۔ بنا محور کیا حیثیت رہ جاتی ہے کسی چیز کی۔"

وہ خشک لبوں کو کاٹتی وہاں سے ہٹ گئی۔ سوپ بھی اندر لے کر نہیں گئی۔

کتنی بے قرار' بے آرام تھی وہ رات۔ کاٹے نہیں کٹ رہی تھی۔ گلاس ونڈو سے نظر آتے لان میں جلتے چھوٹے چھوٹے بلبوں کی زرد روشنی دھند نے خاصی پھیکی کردی تھی۔ اس نے اسکن پردے ونڈو پر برابر کردیے اور چیئر پر بیٹھا یے چینی سے جھولنے لگا تھا۔ غالباً "اس کی صبح فلائٹ تھی۔ وہ خواب سے ہڑبڑا کر اٹھی۔ رات کے کسی پہر آنکھ لگ گئی تھی۔ کیا سوچتے سوئی تھی جو ہونٹ ابھی تک "ذول" کی گونج سے کپکپا رہے تھے۔ سفید صحرا میں باربی تنہا تھی۔ گھوڑے کی ٹاپ زیادہ دور بھی نہیں تھی۔ بس پکارتے اٹھ کر جانا تھا۔ اپنے اڑتے بال پونی میں سمیٹتے شال درست کی اور ٹیرس سے لان میں آگئی۔ کیاریوں میں کھلے پھولوں کو زرد روشنی نہلاتی صبح ہونے کا پتا دیتی تھی۔ اس نے بے حد نرمی سے چند پھولوں کا رنگین گلدستہ بنالیا تھا۔ اب وہ اس کے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔ تیسری دستک پر دروازہ کھل گیا۔ چوکھٹ کے آر اور پار دو مسافر کھڑے تھے۔ جن کی آنکھوں میں شناسائی تھی۔ جن کے چہرے کی رعنائی میں ماضی کی نادان مسکراہٹ تھی۔ نہ لب ملے' نہ لفظوں نے آواز کی زر لپیٹی۔ بس اک وقت سحر گواہ تھا۔ پھول شاہد تھے۔ پتھرائی بھوری آنکھوں پر پلکیں جھکیں رخساروں پر شفق لہرائی' دو ننھے قطرے رخسار سے پھسلتے ڈمپل کو چھوتے گرنے کو تھے۔ اس نے فوراً" ٹشو نکال کر اسے تھمایا۔

"کیا ہوا' باربی ڈیئر' کیا اب تیسرے ہیرو کی زندگی میں رخنے ڈالنے کی ترکیب چاہیے۔"

"نہیں۔" اس نے مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے آنسو پونچھے۔ "تیسرے نہیں' پہلے۔ میں دیر سے ضرور سمجھی مگر سمجھ گئی پہلے اور آخری۔"

☼ ☼

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کر کے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں
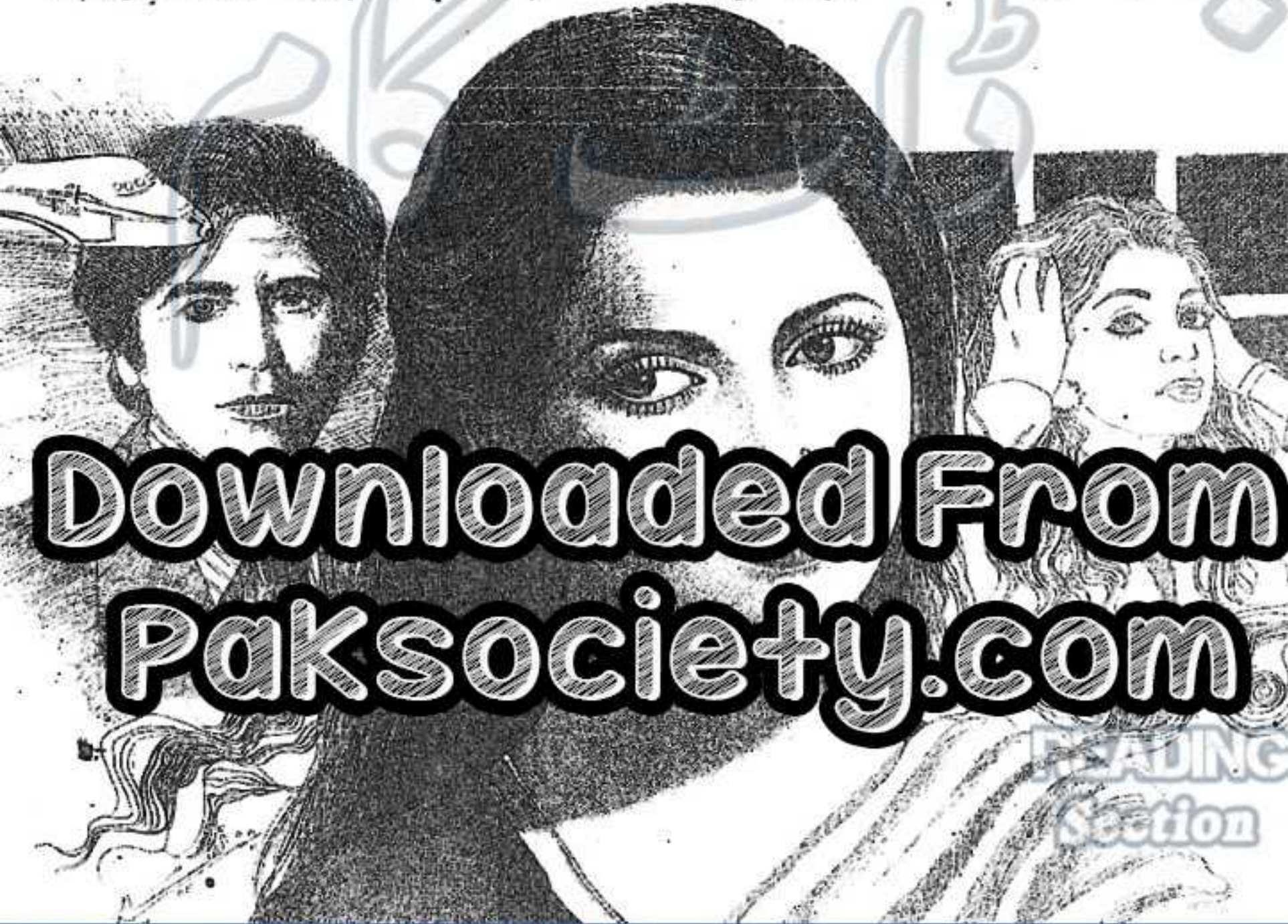
نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوادی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کرکے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہو جاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک توسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنادیا گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور دوستوں کی بیویوں سے' بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ کی ساس کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کا ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جاکر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے' بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر پلو لے کر اپنے بیڈروم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپروا ہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی' بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتے ہیں۔

سلیم' نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کردیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کررہا ہے "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کردیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں پہلی دل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کرودیتا ہے۔ حبیبہ غصہ میں کاشف کے تھپڑ مار دیتی ہے۔

شہرین اماں رانیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کردیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

نویں قسط

"مہر کا اپنے باپ کے گھر میں رہنا ہی بہتر ہے۔" سلیم نے اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ وہ جانتا تھا وہ بھڑک اٹھے گی اور یہی ہوا۔

"اب تم اپنی نئی دکان کھول کر بیٹھ جاؤ۔ کوئی میری بات نا سمجھنا۔ سب کو اس کی دادی سے ڈر لگ ہے۔ کوئی اللہ سے کیوں نہیں ڈر رہا۔ وہ ننھی سی بچی کیسے رہے گی وہاں... کسی کو اس بات کی پروا نہیں ہے... پروا ہے تو اس بات کی کہ اس کی دادی جھگڑا کریں گی اور ناراض ہو جائیں گی۔" وہ دانت چبا چبا کر بول رہی تھی۔ سلیم کو بھی دل ہی دل میں تاسف محسوس ہوا لیکن وہ بے بس تھا۔ اس کے امی ابو نے یہی فیصلہ کیا تھا اور خود وہ بھی اسی بات کو مہر کے لیے بہتر سمجھتا تھا۔

"نینا ایک بات تم بھول رہی ہو... نوشی باجی ان کی بیٹی نہیں تھیں... لیکن مہران ہی کی اولاد ہے... وہ اسے بہت چاہتے ہیں... میں نے اس کی دادی کو اس کے لیے فکر مند دیکھا ہے۔ اس کے باپ کو بھی بیوی کی بے شک پروا نہیں تھی لیکن بیٹی پر جان چھڑکتا ہے وہ... اور پھر ہم کس بنیاد پر ان سے بحث کریں... ہمارے گھر تو خود کوئی نہیں ہے اسے سنبھالنے والا... امی کو گھٹنوں، ٹخنوں کے درد نے عاجز کیا ہوا ہے... وہ کیسے سنبھالیں گی ایک چھوٹی بچی کو... دادی کے گھر میں مہر زیادہ اچھے طریقے سے رہے گی۔ اس کی پھوپھو ہے... وہ بہت محبت کرتی ہے مہر سے...." نینا چھلانگ لگا کر اسٹول سے اتری اور اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"چلو بس کرو اب... تمہارے پانچ منٹ ختم ہو گئے ہیں اور یہ تقریر بھی کسی اور کو سنانا... نینا متاثر نہیں ہوتی ایسی باتوں سے...." وہ باہر نکلنے لگی تھی۔

"بات تو سنو... رکو تو سنی...." سلیم اسے روک رہا تھا۔

"نہیں شکریہ... مجھے ڈر ہے، میں تمہارے پاس زیادہ دیر رکی تو مجھے بھی اس لاعلاج بیماری کے جراثیم لگ جائیں گے جو تم سب کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر چکے ہیں... خود غرض ڈرپوک لوگ... اونہہ...." وہ ناک چڑھا کر ناگواری سے بولی تھی۔ سلیم نے اب کی بار اسے روکنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آئی ایم سوری...." سمیع نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ وہ اس سے لپٹ کر کافی دیر رو چکنے کے بعد اب خود احتسابی کے عجیب سے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ شہرین نے اس کے انداز پر زیادہ پسندیدگی ظاہر نہیں کی تھی۔ وہ دونوں اپنے بیڈ پر دراز تھے۔ سمیع چت لیٹا تھا جبکہ شہرین نے اس کی جانب کروٹ لی ہوئی تھی اور دونوں ہتھیلیاں گالوں کے نیچے رکھے وہ ابھی بھی سمیع کے رویے کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔

"سوری کس خوشی میں بول رہے ہو تم...؟" وہ صرف سمیع کے مزاج کو بحال کرنے کے لیے چڑانے والے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"سوری خوشی میں کب بولا جاتا ہے... شرمندگی میں بولتے ہیں سوری...." سمیع نے اس انداز میں لیٹے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اچھا... تو شرمندہ کیوں ہو رہے ہو تم...." وہ پھر پوچھ رہی تھی۔

"مجھے رونا نہیں چاہیے تھا... میں نے پریشان کر دیا تمہیں۔" وہ ایسے بولا جیسے بولنے کے لیے کچھ بچا نہ ہو اور بولے بنا چارہ بھی نا ہو۔ شہرین نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا، پھر وہ ذرا سا آگے ہوئی اور اس کے بازو کو سیدھا کر کے اس کے سینے پر سر رکھ کر بولی۔

"پریشان ہو میرے دشمن...." اس نے اتنا کہا، پھر گہری سانس بھری، پھر ذرا سا مزید اس کے قریب ہوئی۔

"کاش میں یہ کہہ سکتی سمیع... کاش میں یہ کہہ سکتی کہ تمہارا رویہ مجھے پریشان نہیں کر رہا... حقیقت یہ ہے کہ میں بہت بے چین ہوں... تم اس طرح بی ہیو کیوں کر رہے ہو؟" وہ واقعی بے چین لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ سمیع نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، پھر لحہ بھر میں ہی نظریں چرا کر کہیں اور دیکھنے کی سعی کرنے لگا۔

"کس طرح بی ہیو کر رہا ہوں میں...؟" وہ سوال در سوال کر رہا تھا۔ اس کے پاس بولنے کو، وضاحت دینے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔

سچ تو یہ تھا کہ اس کی حسیات مفلوج ہوئی جا رہی تھیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ یہ ساری صورت حال کسی سے ڈسکس بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ شہرین سے شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد جب اس نے فیصل آباد سے آکر کراچی رہائش اختیار کی تھی تو جو چند یار دوست تھے ان سے میل ملاقات نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی جبکہ خاندان برادری والوں سے وہ خود ہی زیادہ ملتا نہیں تھا، کیونکہ اس کی امی نے شہرین کے متعلق کافی الٹی سیدھی باتیں پھیلا رکھی تھیں، جن کی وضاحت وہ ہر ایک کو نہیں دے سکتا تھا اور پھر آج سے پہلے کبھی اسے شہرین کے سوا کوئی بھی ہم راز و ہمنوا درکار ہی نہیں رہا تھا۔ اب شہرین کی اس خوف ناک بیماری، علاج، اور بعد کے لائحہ عمل کو وہ کس سے ڈسکس کرے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آرہی تھی۔

"سمیع تم میری بات کو کبھی اس طرح نہیں ٹالتے... اور پھر ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ تمہیں مجھ سے نگاہیں چرانی پڑی ہوں... لیکن اب... مجھ سے کیا اور کیوں چھپا رہے ہو سمیع..." وہ لجاجت سے بولی۔ اس کے ساتھ بھی یہ سب پہلی بار ہو رہا تھا۔ ان کا رشتہ تو اس قدر مضبوط رہا تھا کہ وہ جو سوچتی تھی سمیع اس سوچ تک بھی پہلے سے رسائی رکھتا تھا۔

"میں نگاہیں چرا رہا ہوں تم سے... نہیں... بالکل نہیں۔" سمیع نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے لہجے کو پائیدار رکھنے کی کوشش کی۔

"سمیع! تمہیں کیا لگتا ہے شہرین کیسی محبت کرتی ہے تم سے... ویسی جیسی کوئی بھی عام عورت اپنے مرد سے کرتی ہوگی؟" وہ اس سے سوال پوچھ رہی تھی، جبکہ سمیع مسکرایا۔ وہ جانتا تھا شہرین اب دل ہی دل میں اس کے انداز سے چڑ رہی ہے۔

"سوال تو یہ ہے کہ کیا شہرین واقعی سمیع سے محبت کرتی ہے؟" وہ محبت بھرے انداز میں اس کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"یہ ہی تو سمجھانا چاہ رہی ہوں تمہیں کہ شہرین عام سی محبت نہیں کرتی تم سے... میں تو تمہاری ابرو کی جنبش سے تمہارے دل کا حال جان لیتی ہوں... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی پریشانی لاحق ہو اور مجھے خبر نہ ہو... تم مسلسل کسی سوچ میں گم ہو اور میں سمجھ نہ سکوں... ایسا تو ہو نہیں سکتا نا۔" وہ اب مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔ سمیع نے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔ اب جھوٹ بولے بنا چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگا تھا اسے کیا کہہ کر شہرین کو ٹالنا ہے۔

"امی آئی تھیں کچھ دن پہلے... جب تم اسپتال میں تھیں... ناراض تھیں مجھ سے... بس ان کی ناراضی سے دل ٹوٹ جاتا ہے میرا... وہ سمجھتی ہیں میں نافرمان ہوں جبکہ میں ایسا نہیں ہوں... میں تو کبھی ایسا نہیں تھا یار... تم جانتی ہو نا میں نافرمان تو نہیں ہوں۔" اس کا دل اور لہجہ اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ شہرین کا بھی دل دکھ سا گیا۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ اس کے ساس سسر اس کی غیر موجودگی میں آئے تھے۔ رانی سے اور اماں رضیہ سے بھی یہ خبر اسے مل چکی تھی، لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس بار ان کی آمد سمیع کے حواس پر اس قدر بھاری پڑے گی۔

"تم نے بھی اچھا نہیں کیا سمیع..." وہ اسی قدر کہہ سکی... سمیع نے اس کا چہرہ دیکھا، پھر گہری سانس بھری... وہ

اس کے جھوٹ سے بہل گئی تھی۔

"اماں رضیہ بتا رہی تھیں کہ جب وہ آئیں تو انہوں نے تمہیں کال کی تھی لیکن تم نے کال اٹینڈ کی' نہ ان سے ملنے آئے۔۔۔ یہ تو بہت بری بات ہے۔۔۔ وہ اسی لیے ناراض ہو کر گئی ہیں اور کہہ گئی ہیں کہ اب کبھی اس گھر میں قدم نہیں رکھیں گی۔۔۔ وہ تو پہلے ہی ناراض رہتی ہیں ہم سے اور تم نے انہیں مزید ناراض کر دیا۔" وہ اپنی رائے کا اظہار بھی کر رہی تھی اور شوہر کو سمجھا بھی رہی تھی۔ سمیع نے سر ہلایا جیسے اس کی بات سے مکمل اتفاق ہو۔

"میں جانتا ہوں وہ واقعی اب یہاں نہیں آئیں گی۔۔۔ ان کی طبیعت میں بہت ضد ہے۔" سمیع تاسف بھرے لہجے میں بولا تھا۔ دل ہی دل میں وہ ماں سے سخت ناراض تھا۔ ایک دن پہلے کی گئی کال کی تلخی ابھی تک قائم تھی۔

"اس کا مطلب۔۔۔ تم اپنی امی پر گئے ہو' عادات کے معاملے میں۔۔۔" شہرین نے شاید اسے چڑانا چاہا تھا' لیکن سمیع نے اس کی تائید کی تھی۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ اور پتا ہے میری دادی بھی یہ ہی کہا کرتی تھیں اور تب امی خوش ہوا کرتی تھیں سن کر۔۔۔ جبکہ اب کوئی ایسا کہے تو امی برا مان جاتی ہیں۔" اپنی امی کے متعلق بات کرتے ہوئے وہ مگن سا نظر آنے لگا تھا۔

"امی بہت اچھی ہیں دل کی۔۔۔ مجھ سے محبت بھی بہت کرتی ہیں' لیکن ناراض ہیں۔۔۔ شاید کبھی ان کا دل میری طرف سے نرم ہو جائے تو مجھے بھی سکون ہو جائے۔۔۔ ابھی تو دل میں اس بات سے بہت بے سکونی رہتی ہے۔۔۔ ماں ناراض ہے تو اللہ بھی کہاں راضی ہو گا مجھ سے۔۔۔" وہ کس قدر بجھا ہوا تھا۔ شہرین کو دکھ ہوا۔

"مسئلے کی اصل جڑ تو میں ہوں سمیع۔۔۔ کاش میں تمہاری زندگی میں کہیں نہ ہوتی۔۔۔ کبھی نہ ہوتی۔" وہ خود کو یہ کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔ سمیع نے کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموش رہا تھا۔ اس کے چہرے کی جانب ایک ٹک دیکھتا ہوا سمیع اسے کچھ اجنبی سا لگا۔ چند لمحے اس کی جانب خالی نگاہوں سے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اس کو زور سے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

"سمیع کی زندگی میں تم نا رہی تو سمیع بھی نہ رہے گا شہرین۔۔۔ مر جائے گا۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔ شہرین نے اس کے لہجے پر غور کیا تھا نہ الفاظ پر۔۔۔ اسے بس اچھا لگا تھا کہ سمیع کے انداز میں گرم جوشی تھی۔

✲ ✲ ✲

"امی آپ کی چھوٹی بیٹی بالکل پاگل ہو چکی ہے۔" زری نے چائے کا کپ انہیں تھماتے ہوئے اپنی سخت خفگی کا اظہار کیا تھا۔

"امی کچھ نہیں بولیں۔۔۔ بلکہ ان کے چہرے کے تاثرات میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ زری کو ان کا چہرہ پڑھنے میں بہت مہارت حاصل تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ نیناں کے رویے کی بد صورتی نے ان کو اس قدر کبیدہ خاطر کر دیا ہے۔ انہوں نے کھانا بھی بس برائے نام ہی کھایا تھا اور اس بات کا بھی زری کو برا قلق تھا۔ اس نے بہت محنت سے دو گھنٹے لگا کر قیمہ کریلے بنائے تھے اور کھانے کو ذائقہ دار بنانے کے لیے جتنی لوازمات درکار ہو سکتے تھے اس نے وہ سب استعمال کیے تھے۔ کھانا شروع ہونے سے پہلے وہ بہت پرجوش تھی کہ امی بہت خوش ہوں گی اور اس کی تعریف بھی کریں گی' لیکن نیناں کی ناراضی نے کھانے کا سارا مزا کرکرا کر دیا تھا۔ امی نے نصف سے بھی کم روٹی لی تھی اور پھر بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے ہاتھ روک لیے تھے۔ فطری طور پر زری کو اس ساری صورت حال میں دکھ سے زیادہ غصہ آ رہا تھا' جبکہ دوسری جانب امی نیناں کے رویے پر شدید دکھی تھیں۔

"چھوٹی بیٹی کا تو پتا نہیں' لیکن میں ضرور اس کے دکھ میں پاگل ہو جاؤں گی۔۔۔ یہ لڑکی میری جان لے کر ہی دم

لے گی۔" امی نے بالآخر زبان کھولی تھی۔

"اچھا چھوڑیں آپ۔۔۔ اس کی تو عادت بن چکی ہے۔۔۔ پہلے سب کا دل جلانا اور پھر خود گھنٹوں جلتے رہنا۔۔۔ پتا نہیں یہ لڑکی کس کے جیسی ہے۔۔۔ عجیب عادتیں ہیں اس کی اور یونی ورسٹی جانے سے دماغ مزید ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے۔" زری ناک چڑھا کر بول رہی تھی۔ امی نے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر چند لمحے دیکھتی ہی رہیں۔ شاید انہیں کچھ یاد آنے لگا تھا۔

"چھوڑا ہی تو نہیں جاتا۔۔۔ بیٹی ہے میری۔۔۔ کل کو دوسرے گھر بھی جانا ہے۔۔۔ یہ ہی عادتیں رہیں تو کون آئے گا بیاہنے اور بالفرض کوئی آ بھی گیا تو اگلے دن ہی واپس چھوڑ جائے گا۔ حد ہوتی ہے خودسری اور بدتمیزی کی بھی۔۔۔ ماں ہوں اس کی۔۔۔ سوکن نہیں ہوں اس کی۔۔۔ ابھی تو میں تمہارے باپ کو کچھ پتا نہیں چلنے دیتی۔۔۔ پردے ڈالتی رہتی ہوں ان کے سامنے۔۔۔ انہیں پتا چلے گا تو کیا گزرے گی ان کے دل پر۔۔۔ اور پھر سارا الزام تو ماں کی تربیت پر آجاتا ہے نا۔۔۔ کتنا سمجھایا ہے پیار سے غصے سے کہ تمیز سے بات کیا کرو بیٹی۔۔۔ بیٹیاں اچھی نہیں لگتیں ماں باپ کے سامنے زبان چلاتی ہوئی، لیکن مجال ہے کان پر جوں بھی رینگے۔۔۔"

امی کو بھی جیسے بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بہت دکھی تھیں اور زری دیکھ سکتی تھیں کہ ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ زری کا دل بھی بجھ سا گیا۔ اس نے سوچا کہ بات بدل دے لیکن پھر یہ سوچ کر چپ رہی کہ اچھا ہے امی تھوڑا بول لیں، ورنہ اکیلی بیٹھی سوچ سوچ کر کڑھتی رہیں گی۔

"کبھی کبھی تو ایسی بات پر بحث کرنے لگتی ہے کہ جس میں بحث کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔۔۔ بتاؤ اگر مہر کی دادی یا باپ نہیں چاہتے کہ ہم اس سے ملیں۔۔۔ تو ہم کیسے اس سے مل سکتے ہیں۔۔۔ اس کی دادی نے اتنی بے عزتی کی اس روز تمہاری خالہ کی اور میری۔۔۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہمیں گھر کے اندر بھی نا بلوائیں اور دروازے سے ہی باہر بھیج دیں۔ ایسی صورت حال میں کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ ہم دوبارہ اس بچی سے ملنے جائیں۔۔۔ ہم سے تو نہیں کروائیں جاتی بے عزتیاں۔۔۔ ہم سے زیادہ تو آپا (سلیم کی امی) کا دل دکھتا ہوگا نا۔۔۔ بیٹی تو چلی گئی، لیکن ظالم لوگ بیٹی کی بیٹی سے ملنے بھی نہیں دے رہے، لیکن انہوں نے بھی تو صبر کیا ہے نا۔۔۔ سینے پر سل رکھ ہی لی ہے نا حوصلے کی۔۔۔ ان کا کلیجہ نہ پھٹتا ہوگا جب اس ننھی بچی کے بارے میں سوچتی ہوں گی، لیکن اس ناہنجار نمنا کی طرح بے صبری تو نہیں ہو رہی نا۔۔۔ اس کے نرالے ہی مطالبے شروع ہو جاتے ہیں۔۔۔ آئے ہائے۔۔۔ کیا کیا دعائیں مانگتا ہے انسان اولاد کے لیے۔۔۔ اس کے روشن نصیبوں کے لیے۔۔۔ اور اولاد یہ دن دکھاتی ہے ماں باپ کو۔۔۔" امی نے تاسف سے بھری لمبی گہری سانس بھری تھی۔ آنسو بھی ٹپکنے کے ہی قریب تھے لیکن حوصلہ کر رہی تھیں اور انہیں روکنے کے جتن بھی کر رہی تھیں۔ زری نے مناسب سمجھا کہ بات ہی بدل دے۔

"مہر کی دادی تو چلو پہلے بھی ایسی ہی تھیں، یہ اس کے ابا کو یک دم کیا ہوا۔۔۔ بھلا بتاؤ نانی کے گھر جانے سے بھی روک دیا اور یہ حکم بھی صادر کر دیا کہ کوئی نانی کے گھر سے ملنے بھی نہ آئے۔ اب اس قدر بھی پتھر دل نہیں ہونا چاہیے انسان کو۔۔۔ پہلے تو ایسے نہیں تھے آصف بھائی۔۔۔ یہ سعودیہ جا کر ہی کچھ ہوا ہے ان کو۔" وہ بات کو گھما کر مہر کے خاندان کی طرف لے گئی تھی۔

"ارے پہلے بھی ایسا ہی تھا، بس نوشی ہمیں بتایا نہیں کرتی تھی۔ بڑا ہی بدبخت نکلا یہ آصف تو۔۔۔ سنا ہے آصف نے دوسری شادی کرلی ہوئی ہے وہاں۔۔۔ سال ڈیڑھ سال پہلے کی تھی جب پاکستان سے چھٹی گزار کر گیا تھا۔ نوشی کو اتنی امید تھی کہ اب کی بار بیٹا ہوگا تو اس کے حالات سسرال میں بدل جائیں گے، لیکن شوہر نے ہی ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ چھ مہینے سے نہ کبھی بے چاری کو فون کرتا تھا، نہ ہی ایک دھیلا بھیجا تھا۔ ہم سے تو ہمیشہ چھپاتی ہی رہی ہے یہ شادی والی بات بھی پتا تھی اسے، لیکن یہاں کسی سے ذکر نہیں کیا تھا اس نے، بس اسی غم میں گھلتی جا رہی

تھی۔" امی نے ناک چڑھا کر کہا' پھر اپنی چائے کے ٹھنڈے ہوتے ہوئے کپ سے سپ بھرا تھا۔
"دوسری شادی... اور نوشی باجی نے تو کبھی ہوا بھی نہ لگنے دی... آصف بھائی کی تو اتنی تعریفیں کیا کرتی تھیں وہ۔"
زری کو یہ بات سن کر بڑا دھچکا لگا۔ ان سب کے لیے نوشی کے سسرال میں آصف ہی سب سے زیادہ قابل بھروسا آدمی تھا جس کی وہ سب دل سے عزت کرتے تھے' کیونکہ نوشی باجی ہمیشہ ہی شوہر کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا کرتی تھیں۔
"بس یہ مرد ذات ہوتی ہی ایسی ہے... اور عورت بس پردے ڈال کر دنیا کے سامنے اسے فرشتہ بنائے رکھتی ہے... اگر عورت میں یہ خوبی نہ ہو تو دنیا میں مرد کی عزت کرنے والا شاید کوئی بھی نہ بچے۔"
امی نے اپنا چائے کا مگ اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ ان کے چہرے پر سوچوں کا جال تھا۔ زری نے شکر کیا کہ گفتگو کا موضوع بدل رہا تھا۔ پہلے وہ اپنی اولاد کی خامیاں بیان کر رہی تھیں تو کڑھ رہی تھیں اور اب کسی اور کی اولاد کی خامیوں کی بات شروع ہوئی تھی تو دکھ سے زیادہ ناگواری لہجے میں در آئی تھی۔
"دنیا میں عورت کے لیے تو بس یہ ہی جھمیلے ہیں... اپنا آپ گل جاتا ہے' مگر اولاد راضی ہوتی ہے نہ شوہر... شوہر کی پردہ داری کر کے فرصت ملتی ہے تو اولاد منہ کو آنے لگتی ہے۔ بھلا بتاؤ اگر وہ اپنی پوتی کو نہیں بھیجنا چاہتے تو اس میں میرا کیا قصور' تو جو تمہاری ہمشیرہ صاحبہ مجھ سے بدتمیزی پر اتر آئیں... بے تکی سی بات کرنے لگتی ہے کبھی کبھی تو... ایسی بھی کیا محبت جاگ پڑی اس کے دل میں اب مہر کے لیے۔" امی اب خود کلامی کے سے انداز میں بات کر رہی تھیں۔ زری نے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ کس قدر بجھی ہوئی لگتی تھیں۔
"آپ دل پر نہ لیں امی... آپ کو تو پتا ہے اس کی طبیعت کا... پاگل ہے پاگل... کہتی ہے مہر کو گود لے لوں گی اور خود پالوں گی۔" اس نے انہیں تسلی دینے کے ساتھ مزید گوہر افشانی کی تھی۔ امی نے اس کی جانب دیکھا' پھر ناگواری سے سر ہلایا۔
"الٹی رمز ہے اس لڑکی کی... کب کس کی محبت اس کے دل میں جاگ جائے' پتا نہیں چلتا... اور ماں کو تو پانی کا گلاس نہیں پلایا ہو گا کبھی اٹھ کر... اس پرائی بچی کو گود لینے کے منصوبے بنا رہی ہے۔ بہت محبت جاگ گئی ہے اس (مہر) کے لیے تو اور ماں باپ کو عزت سے مخاطب کرتے ہوئے بھی جان جاتی ہے۔ ایسا بھی کیا نظر آ گیا اب مہر میں اسے۔" امی کو بہت غصہ آ گیا تھا۔ زری نے ان کی شکل دیکھی' پھر جھجکتے ہوئے بولی۔
"وہ کہتی ہے اسے مہر میں کو نین کاشف نثار کی جھلک نظر آتی ہے۔" امی نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر دیکھتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"پچاس ہزار... اس عام سے کرتا شلوار کے...!" کاشف کا منہ کھل سا گیا تھا۔ رخشی نے ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔
"ابھی بھی پچاس ہزار میں نے بحث کر کے دیے ہیں... میری پرانی یاری ہے اس سے ورنہ جتنا اس کا نام ہے نا... لاکھوں میں بکتے ہیں اس کے کپڑے... ڈیزائنر ویئر کوئی عام بات تھوڑی ہے چن (چاند) میرے... لیکن تمہارا پہلا تجربہ ہے نا اس لیے تمہیں مہنگا لگ رہا ہے۔" وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔ کاشف نے اسے گھور کر دیکھا۔
"ایسی بات بھی نہیں ہے اب... کپڑا تو میں نے شروع سے ہی عمدہ اور نفیس پہنا ہے... اور یہ جو پچاس ہزار کا

بوسیدہ سا کرتا شلوار تم نے مجھے دلوایا ہے نا... اس سے کہیں بہتر میرا درزی سی کر دیتا ہے... دبئی سے کپڑا لا کر دیتا ہوں اسے اور جب وہ سلائی کر کے واپس بھجواتا ہے تو اس کرتے شلوار سے کہیں زیادہ گریس نکلتی ہے کپڑے کی... جس محفل میں چلا جاؤں لوگ بار بار تعریف کرتے ہیں۔" وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ رخشی نے اس کی بات پر سرہلا کر گویا تائید کی۔

"او بادشاہو... تہاڈی کیڑی گل اے... تم تو اچھرے سے ملنے والا بیس روپے میٹر والا کپڑا کا شلوار کرتا بھی پہن لو تو کپڑے کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہ اس درزی کی نہیں تمہاری شخصیت کا چارم ہے میری جان" وہ مکھن لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ کاشف کی جھوٹی انا کو ایسی باتوں سے بڑی تسکین ملتی تھی۔ ابھی بھی اس کا سینہ فخر سے پھولا تھا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ مجھے میری مرضی کا لباس پہننے دیا کرو لیکن تم مجھے اس ڈیزائنر کے پاس لے آئیں۔ چلو پیسے کی تو خیر ہے لیکن مجھے یہ کرتا شلوار پسند ہی نہیں آیا۔" وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہ اس انڈسٹری کا تقاضا ہے... اور تم یہ باتیں جتنی جلدی سیکھ لو اتنا اچھا ہے... جمعرات کو ایوارڈ شو ہے... وہاں پر میڈیا کی زبردست کوریج ہوگی... حبیب کا ارادہ ہے کہ تمہیں وہیں ہیرو کے طور پر متعارف کروایا جائے... تمہاری تصویریں آئیں گی سب بڑے اخباروں میں... فیشن میگزین میں... اس لیے کسی نامی گرامی ڈیزائنر کا جوڑا اشد ضروری تھا میری جان..." کاشف نے سرہلایا۔

اسے یقین تھا رخشی صحیح کہہ رہی ہے۔ وہ اس کے مشوروں پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتا تھا۔ وہ اس کی دست راست تھی' اس کی خیر خواہ تھی۔ اسے فلم انڈسٹری کا تجربہ تو تھا نہیں' اس لیے رخشی جو کہتی تھی اسے وہی ٹھیک لگتا تھا۔ وہ ہر روز حبیب رضوی کے آفس آتا تھا جہاں اسے کاسٹنگ اور کہانی سے متعلقہ لوگوں سے ملوایا جاتا تھا۔ وہ ہر روز بڑکیں مارتے ہیرو اور فصلیں خراب کرتی مٹکتی لچکتی ہیروئن کی کہانی سنتا تھا' بڑی توندوں اور بڑے نخروں والے اداکاروں کے تھکے ہوئے آڈیشن دیکھتا تھا پھر اس کے بعد مہنگے ہوٹلوں سے کھانا آرڈر کروایا جاتا۔ شراب پانی کی طرح پی جاتی۔

ہر تیسرے چوتھے روز ایک الھڑ مٹیار چیختے ہوئے رنگوں والا لباس پہن کر آڈیشن کے نام پر کانوں سے دھواں نکالتا ہوا رقص پیش کرتی اور جاتے جاتے ایک خطیر رقم خیر سگالی کے طور پر لے کر رخصت ہو جاتی۔ معاملہ آگے بھی بڑھ سکتا تھا لیکن چونکہ رخشی بھی ہمراہ ہوتی تھی تو بات رقص و سرور تک ہی رہتی۔ ہر روز حبیب رضوی کے اسٹوڈیو میں بیٹھ کر سید اسحاق گل کے ہتک آمیز رویے کو بار بار دہرایا جاتا۔ اس سے بدلہ لینے اور اسے نیچا دکھانے کی نئی حکمت عملی تیار کی جاتی۔ کاشف کافی مصروف ہو گیا تھا۔ گھر سے تیار ہو کر شوروم جانے کے لیے نکلتا اور پھر رخشی کے گھر جا کر بیٹھا رہتا یا پھر سیلف گرومنگ کے لیے شاپنگ یا سیلون کے چکر شروع ہو جاتے۔

☆ ☆ ☆

"صوفیہ تم تو آتی ہی نہیں ہو کبھی ہمارے یہاں... ہاں بھئی بڑے آدمی کی بیوی جو ہوئیں..." صوفیہ کی کزن نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔ وہ اس سے ملنے کے لیے آئی تھیں۔ صوفیہ اپنے بھاری بھر کم وجود کی جانب دیکھتے ہوئے آہ بھرنے والے انداز میں مسکرائی اور ابھی کچھ کہہ بھی نہیں پائی تھی کہ بی بی جان بولیں۔

"ارے بیٹی یہ کیا بات کی تم نے... ہمیں ایسا کوئی احساس کمتری نہیں ہے... اللہ نے تو سب انسان برابر بنائے ہیں... یہ چھوٹے بڑے کی تخصیص تو انسانوں کی پیدا کی ہوئی ہے" انہیں ایسی باتیں بڑی ناگوار گزرتی تھیں۔ صوفیہ کی کزن کو اس بات کا یکدم ہی احساس ہوا کہ شاید بی بی جان کو اچھا نہیں لگا اس لیے مسکرا کر وضاحت دینے

والے انداز میں بولیں۔

"بی بی جان بالکل ٹھیک کہا آپ نے لیکن آپ خود بتائیں کتنے کتنے دن گزر جاتے ہیں صوفیہ ہماری طرف آتی ہی نہیں۔۔۔ میری ساس الٹا پوچھتی ہیں کہ نگینہ تمہاری کزن تو آتی ہی نہیں اور تم ہر دو مہینے بعد اس کے یہاں جانے کی رٹ لگا دیتی ہو۔۔۔ میرا بھی دل چاہتا ہے ناکہ آپ لوگ ہمارے یہاں آئیں۔"

"ضرور آئیں گے بیٹی۔۔۔ کیوں نہیں آئیں گی۔۔۔ تم ناراض مت ہو۔۔۔ دراصل میں ہی صوفیہ کو زیادہ باہر آنے جانے سے روکتی ہوں۔۔۔ اب تو چند ہی ہفتے باقی ہیں ذرا اللہ خیر خیریت سے فراغت دے دے پھر ان شاء اللہ آئیں گے ہم۔۔۔ تم بہن جی کو بھی میرا سلام اور پیغام دینا" بی بی جان سبھاؤ سے بولی تھیں۔ صوفیہ کی کزن نے سر ہلایا۔

"اور ہاں دوبارہ یہ چھوٹے بڑے والی بات نا کرنا بیٹی۔۔۔ ہم سب ایک خاندان کا حصہ ہیں۔۔۔ ایک برابر۔۔۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے۔"

بی بی جان کچھ معاملات میں زیادہ ہی زود رنج ہو جاتی تھیں۔ صوفیہ نے کچھ کہہ کر بات سنبھالنی چاہی لیکن اس کی کزن پھر ہنس دیں اور بولیں۔

"آپ تو برا مان گئیں بی بی جان۔۔۔ دراصل میرے کہنے کا مطلب ہے کہ اب تو سنا ہے کاشف بھائی فلم میں ہیرو وغیرہ آئیں گے نا۔۔۔ مشہور ہو جائیں گے۔ اس لیے میں نے تو مذاق میں کہہ دیا تھا۔" بی بی جان اور صوفیہ نے چونک کر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔

"کیا بتا رہے ہیں کاشف۔۔۔؟" صوفیہ کو لگا اسے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔ بی بی جان بھی کچھ نا سمجھی کے سے عالم میں سر پر رکھے ڈوپٹے کی فال درست کرتے ہوئے صوفیہ کی کزن کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"وہ فلم۔۔۔ دراصل اخبار اور میگزین میں تصویریں دیکھی تھیں میں نے۔۔۔" وہ اتنا ہی بولی تھیں کہ صوفیہ نے بات کاٹ دی۔

"وہ تو چیمبر کامرس کی کوئی میٹنگ ہوگی باجی۔۔۔ کبھی کبھی اس کی تصویر آجاتی ہے اخبار میں۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ شاید۔۔۔ لیکن۔۔۔ شام کے اخبار میں تھی تصویر شوبزنس والے صفحے پر لکھا تھا کاشف نثار۔۔۔ نیا خوبرو ہیرو۔۔۔" وہ بے چاری کچھ تذبذب کا شکار ہو گئی تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے وہ خود بھی ٹن گن لینے آئی تھیں۔ صوفیہ کے خاندان میں اداکاری وغیرہ کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ ایسی باتیں معیوب سمجھی جاتی تھیں اور پھر فلم انڈسٹری جس قدر زبوں حالی کا شکار تھی' وہاں جس قسم کے لوگوں کا راج تھا یہ کسی سے بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ کاشف کے فلم انڈسٹری کے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہی صوفیہ کے بھائیوں کو بھی پسند نہیں تھے' لیکن چونکہ بہن کے سسرال اور شوہر کا معاملہ تھا اس لیے کسی نے کھل کر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا اور پھر صوفیہ خاندان سے باہر بیاہی جانے والی پہلی لڑکی تھی۔ کاشف خاندان کے سب دامادوں سے زیادہ امیر' زیادہ تعلقات والا آدمی تھا۔ سب اسے سیٹھ آدمی سمجھتے تھے اور اس کے معاملات میں زیادہ بولنے سے کتراتے تھے۔

"آپ لوگوں کو شاید پتا ہی نہیں ہے۔۔۔ میں نے بھی اخبار میں دیکھا تھا۔۔۔ لیکن بات نہیں کی کسی سے۔۔۔ مجھے تو خود بہت حیرت ہوئی تھی کہ کاشف بھائی کس قسم کے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں۔۔۔ شریف آدمی کا کیا کام فلم انڈسٹری میں۔" وہ اتنا ہی بولی تھیں کہ صوفیہ نے ناگواری سے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے باجی۔۔۔ کاشف ایسے الٹے سیدھے چکروں میں نہیں پڑتے۔۔۔" صوفیہ قطعیت بھرے انداز میں بولی تھیں۔ اس کی کزن چپ کی چپ رہ گئیں جبکہ بی بی جان کے پاس بھی کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا لیکن وہ بہو کی طرح بات کو جھٹلا بھی نہیں سکتی تھیں کیونکہ اپنے بیٹے کی حرکتیں ان سے چھپی ہی تو تھی نہیں۔ اس کے رنگینی اور اسی جیسے لوگوں کے ساتھ تعلقات انہیں پہلے ہی بہت بری طرح کھٹکتے تھے اور اب یہ نئی خبر

سامنے آگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم صبح صبح کیسے آگئیں.... تمہارے بارے میں تو سنا تھا کہ یونیورسٹی میں پڑھتی وڑھتی ہو.... یہاں کیسے آگئیں اس وقت۔" مہر کی دادی نے اس کو دیکھ کر کہا تھا۔ ان کے انداز میں ناگواری تھیں تجسس تھا' نیناں نے بمشکل خود کو سخت الفاظ کے استعمال سے روکا تھا۔

"جی خالہ یونیورسٹی ہی جاؤں گی یہاں سے.... مہر کو دیکھنے آئی تھی میں۔" اس نے مدعا بیان کیا۔ وہ واقعی اپنے مخصوص پنک پولکا ڈاٹس والی قمیص اور سفید ٹراؤزر اور ڈوپٹا میں ملبوس تھی اور اسے یہاں سے یونیورسٹی ہی جانا تھا۔ اس نے راستے سے مہر کے لیے جوس اور چاکلیٹس خریدی تھیں۔ وہ شاپر بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اس نے جان بوجھ کر سلیم کی دکان سے کچھ بھی نہیں لیا تھا جو اس کی سخت ناراضی کا اظہار تھا۔

"مہر کو دیکھنے آئی تھی....؟" اس کی دادی نے دہرایا۔

"وہ بیمار ہے کیا....؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ نیناں نے ان کے انداز پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھایا ہوئی تھی۔

"بیمار تو میں ہوں خالہ.... ڈاکٹر نے بولا ہے صبح صبح کسی پرنور چہرے والی عورت سے دو چار جلی کٹی سن لوں تو افاقہ ہو گا.... اس لیے آپ کے یہاں چلی آئی.... جلی کٹی سنانے والی تو بہت ہیں میرے احباب میں.... لیکن آپ سے زیادہ پرنور چہرے والی تو دور دور تک کوئی اور نہیں....." وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی اور پھر انہی کے ساتھ تخت پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ انہوں نے سابقہ انداز میں اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ انہیں اس لڑکی کی باتیں پہلے بھی زیادہ سمجھ نہیں آیا کرتی تھیں۔

"مہر کہاں ہے....؟" انہیں اسی طرح شش و پنج میں چھوڑ کر وہ دوسرا سوال کر رہی تھی۔ خالہ نے طنزیہ سی گہری سانس بھری۔

"دیکھو بیٹی.... تم اب گھر چل کر آئی ہو تو میں کچھ نہیں کہوں گی۔ مل لو مہر سے.... لیکن روز روز یہ گولیاں ٹافیاں اٹھا کر یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے.... بچی کو ورغلانے کی کوشش مت کرو تم لوگ۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولی تھیں۔ نیناں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا۔ اس کی امی نے اس انداز میں کچھ کہا ہوتا تو وہ بدتمیزی کی انتہا کر دیتی لیکن اب وہ ذرا مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"خالہ وہ ہماری بہن کی بیٹی ہے.... ہمیں اس میں اپنی مری ہوئی بہن کی جھلک نظر آتی ہے.... اتنا ظلم بھی نا کریں آپ.... ہم کسی بات پر اعتراض تو نہیں کر رہے لیکن آپ اسے ہم سے ملنے سے روک کیوں رہی ہیں.... میری ناقص سمجھ میں تو یہ بات آ ہی نہیں رہی۔" وہ واقعی اس بات پر حیران تھی کہ مہر سے اتنی محبت تو اس کے باپ یا دادی نے پہلے کبھی نہیں ظاہر کی تھی۔

"اب تم میرے منہ سے ہی سننا چاہتی ہو تو سن لو کہ مہر کے باپ کو تم لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں ہے.... وہ نوشین کے غم سے نڈھال ہے.... بہت جلد بچی کو اپنے ساتھ سعودیہ لے جانا چاہتا ہے.... وہ نہیں چاہتا کہ بچی کو کسی خالہ نانی سے زیادہ انسیت ہو اور وہ وہاں جا کر اس کو پریشان کرے یا ساتھ جانے سے ہی انکار کر دے.... ہم نہیں چاہتے کہ وہ کسی ذہنی کشمکش سے گزرے.... پہلے ہی بچی نے ماں کا تازہ تازہ غم جھیلا ہے.... وہ بہت مشکل دور سے گزر رہی ہے۔ تم لوگوں کا کیا بھروسا.... اس کے دل میں باپ کے لیے کیسی کیسی غلط باتیں بھر دو.... اسے کہہ دو کہ اس کی دادی اس کی دشمن ہے۔ یا اس کا باپ اس سے محبت نہیں کرتا اور اسے اس کے باپ کے ظلم و ستم کی داستانیں سنا سنا کر اسے باپ سے ہی متنفر کر دو.... تم لوگوں کا تو کچھ نہیں جائے گا لیکن ہماری بچی تو نکل جائے گی نا

ہمارے ہاتھ سے۔" وہ اپنا موقف بیان کر رہی تھیں۔ نینا کو سخت برا لگا۔

"آپ عجیب منطق بیان کر رہی ہیں... ہم کیوں کریں گے ایسی کوئی کوشش... ہم لوگ ایسے جاہل بھی نہیں ہیں... ہاں ٹھیک ہے۔ ہو گئی تھی غلطی... کر دی تھی نوشین باجی کی شادی آپ لوگوں میں... لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ہمیں بالکل ہی کم عقل سمجھ لیں اور پھر مہر پانچ سال کی ایک چھوٹی سی بچی ہے۔ اس وقت اسے ہم سب کی ضرورت ہے تاکہ اسے جذباتی سہارا مل سکے... ہم سب صرف اتنا چاہتے ہیں... یہ جتنی خاندانی سیاست کی باتیں آپ نے بیان کر دی ہیں' یہاں تک تو ہماری سوچ بھی نہیں گئی ابھی تک۔" وہ چڑ چڑ کر بول رہی تھی۔ خالہ نے بغور اس کو دیکھا۔ وہ بھی ڈھیٹ ہی لگتی تھی۔ اتنی واضح باتیں سن کر بھی ویسے ہی بیٹھی تھی۔

"میں صبح صبح بحث میں نہیں پڑنا چاہتی... شوگر کی دوائی کھا کر ابھی تو ناشتا نہیں کیا میں نے اور تم نے یہ باتیں شروع کر دیں... میرا تو دل گھبرانے لگا ہے۔ اب تم گھر چل کر آئی ہو تو مل لو مہر سے... بھیجتی ہوں۔ میں اسے... لیکن دس منٹ سے زیادہ نہیں ہیں اس کے پاس... اسے اسکول کے لیے نکلنا ہے... خیر سے اپنی پھپھو کے ساتھ ہی جاتی ہے۔ مہنگے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کروایا ہوا ہے اسے... میری بیٹی بھی وہیں پڑھاتی ہے... دونوں ایک ساتھ ہی جاتی ہیں اور واپس آتی ہیں۔ بھیجتی ہوں میں اسے..." وہ تخت سے اتری تھیں اور پھر بولتے بولتے دائیں طرف بنے کمرے کی جانب چل دی تھیں۔

نینا کو سخت سبکی کا احساس ہوا اور ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوا کہ اس کی امی اور خالہ اگر یہاں آنے سے کترا رہی تھیں تو ان کا رویہ جائز ہی تھا۔ نوشی باجی کی ساس واقعی پہلے سے زیادہ بے مروت ہو چکی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھ کر مہر کا انتظار کرنے لگی لیکن اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔ وہ تو سوچ کر آئی تھی کہ مہر کی دادی کو رضامند کر لے گی کہ چند دن اسے ان کے گھر رہنے کے لیے بھیج دے لیکن یہاں تو معاملہ بالکل ہی بگڑا ہوا تھا وہ تو اس کے ان سے ملنے تک پر بھی معترض تھیں۔

"منیبہ جلدی آجاؤ... مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ وہیں بیٹھی تھی کہ کسی کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ یہ پپو کی آواز تھی اور وہ اسے پہچانتی تھی۔ ایک لمحے بعد وہ اسی کے تخت پر آ بیٹھا تھا اور اپنے جوتے پاؤں میں اڑستے ہوئے ان کے تسمے باندھنے لگا تھا۔ اس نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس لیے نینا بھی خاموشی سے بیٹھی مہر کا انتظار کرتی رہی۔

"اوہ بہن جی آجاؤ... مجھے دیر ہو رہی ہے۔" تسمے باندھ کر وہ سیدھا ہوتے ہوئے پھر چلایا تھا۔ اسی اثنا میں مہر اور اس کی پھپھو چلی آئی تھیں۔

"نینا خالہ..." مہر اسے دیکھتے ہی دوڑ کر اس کے پاس آئی تھی اور اس سے لپٹ گئی تھی۔

"مہر دیر ہو رہی ہے۔ چلو۔" اس کی پھپھو نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے مہر کو کہا تھا۔ آواز میں تلخی تھی جسے سن کر مہر کو بھی جیسے یاد آگیا کہ اسے کیا تاکید کی گئی تھی۔ وہ ذرا سنبھل کر نینا سے الگ ہو گئی اور اپنا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ سے چھڑوا لیا۔ نینا کا دل جیسے بالکل ٹوٹ کر رہ گیا۔ مہر اس سے اور زری سے بہت قریب رہی تھی بالخصوص زری سے بہت اٹیچڈ تھی وہ... جب بھی نانی کے گھر آتی تو کئی کئی گھنٹے زری کے پاس بیٹھی باتیں بگھارتی رہتی تھی۔ زری بھی اس کے بالوں کی پونیاں بناتی' مہندی سے اس کی ننھی ہتھیلیوں پر پھول بوٹے بناتی رہتی۔ مہر کے ددھیال والے اس کے ننھے ذہن میں نجانے کون کون سی باتیں بھر رہے تھے۔

"اللہ اکبر... یہ تم اسکول جا رہی ہو یا حلوائی کی دوکان پر شوکیس میں بیٹھنے جا رہی ہو" پپو اپنی بہن کو دیکھ کر بولا تھا۔ اس نے کافی شوخ رنگ کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی۔

"تم تو چپ کرو... ہر وقت ٹانگ بولتے رہا کرو۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"اوئے میں تو چپ ہی تھا۔ تم نے ہی مجھے مجبور کیا ہے یہ راگ درباری شروع کرنے کے لیے۔۔۔ بھلا بتاؤ صبح صبح ایسے تیار ہو کر جا رہی ہیں جیسے اسکول نہیں بلکہ کسی کے نکاح کی تقریب اٹینڈ کرنے شادی ہال میں جا رہی ہوں۔۔۔ جاؤ منہ دھو کر آؤ" وہ ناگواری سے بولا تھا۔ نینا کے سامنے شمع اتنی توہین پر سخت برا مان کر پاؤں پٹختے ہوئے صحن سے واپس کمرے کی جانب چلی گئی تھی نینا اور مہرو دونوں نے ہی اسے کمرے تک جاتے ہوئے دیکھا۔

"چلیں بی بی اب منہ اٹھا کر ادھر ہی نا دیکھتی رہیں۔ اتنے وقت کو غنیمت جانیں اور کرلیں اپنی بھانجی سے دو باتیں۔۔۔ ورنہ ابھی وہ تھانیدارنی آجائے گی۔" وہ نینا کو دیکھ کر بولا تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا وہ بھی اسی سمت چلا گیا تھا جس سمت اس کی بہن گئی تھی۔ نینا نے مہر کو اپنی بازو کے حصار میں لیا اور تخت پر آبیٹھی۔ مہر کا انداز سہما ہوا تھا اور یہی بات نینا کے دل کو مزید بے چین کرتی جاتی تھی۔ وہ اسے چاکلیٹ دے کر بہلانے کی کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"فلم فلم کی کیا رٹ لگائی ہوئی ہے آپ لوگوں نے۔۔۔ کیا ہو گیا۔۔۔ اب ایسی بھی کوئی بری چیز نہیں ہے۔۔۔" کاشف نے بی بی جان کے استفسار پر سخت لہجے میں کہا تھا۔ بی بی جان کو سخت برا لگا۔

"ایسی ویسی کی خوب کہی تم نے۔۔۔ یہ ناچ گانا الٹی سیدھی باتیں۔۔۔ یہ ہمارے خاندان میں دور دور تک کسی نے نا کی ہوں گی۔۔۔ تم نے سوچا بھی کیسے کہ میری اجازت کے بغیر تم ایسا کوئی کام کر سکتے ہو" بی بی جان پھنکار کر بولی تھیں۔ صوفیہ بھی وہیں موجود تھی۔ اس کی ابھی تک کاشف سے علیحدگی میں اس موضوع پر بات نہیں ہوئی تھی لیکن ایک بات حتمی تھی اسے اب دنیا میں کاشف کے سوا سب ہی غلط لگتے تھے۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ بی بی جان کاشف سے سخت لہجے میں بات کیوں کر رہی ہیں۔

"بی بی جان آپ کے خاندان میں کوئی ایک بھی تو کاشف شار جیسا نہیں گزرا۔۔۔ مجھ جیسی خوبرو شخصیت، پہننے اوڑھنے ملنے برتنے کا طریقہ کسی میں تھا بھی تو نہیں۔۔۔ مجھ میں پوٹینشل ہے بی بی جان۔۔۔ مجھ میں کچھ تو ایسا ہے نا کہ مجھے ہیرو بننے کی پیشکش ہوئی ہے۔۔۔ آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھتیں۔۔۔ اور اب وہ پرانا دقیانوسی دور گزر چکا جب اداکاراؤں کو بھانڈ میراثی کہا جاتا تھا۔۔۔ اب تو اداکاری ایک باقاعدہ قابل عزت پروفیشن بن چکا ہے۔۔۔ اس میں پیسہ بھی ہے اور شہرت بھی۔۔۔ آپ یقین کریں یہ ایسی ویسی فارمولا فلم نہیں ہے جس کی وجہ سے ہمارے خاندان کی عزت پر کوئی حرف آئے۔۔۔ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپ کا بیٹا ہو کر کوئی الٹے سیدھے کام میں پڑ سکتا ہوں۔۔۔ میں نے خود اس فلم کی کہانی سنی ہے۔ اسکرپٹ اپنے سامنے بیٹھ کر لکھوایا ہے۔۔۔ یہ ایک بہت اچھے گھریلو موضوع پر بنائی جانے والی فلم ہو گی جس میں اہم سوشل ایشو کو زیر بحث لایا جائے گا۔۔۔ آپ ذرا نرمی کی نظر ڈالیں مجھ غریب پر۔۔۔ ناراض مت ہوں۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ خوش آمد کرنے والے انداز میں بولا تھا۔ ماں کی ناراضی بہر حال اسے خائف کر دیتی تھی۔ بی بی جان نے چڑ کر اسے دیکھا یہ ان کی اکلوتی اولاد ہمیشہ ان کے لیے مسائل کا انبار ہی اکٹھا کرتی رہی تھی۔

"تم کچھ بھی کہو بیٹے۔۔۔ الفاظ کو جس طرح مرضی توڑ موڑ کر میرے سامنے پیش کر دو۔۔۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ فلم ڈرامے میرے خاندان کا مقام نہیں ہیں۔۔۔ ہمیں ایسی چیزیں راس نہیں آسکتیں۔۔۔ جو چیز میری نظر میں قابل عزت نہیں ہے میں تمہیں اسے اپنانے کی اجازت کیسے دے سکتی ہوں۔۔۔ تم جسے اداکار یا ہیرو کہہ رہے ہو نا۔ میرے لیے وہ بھانڈ میراثی ہی ہیں۔ میری نظر میں ان کا درجہ کبھی نہیں بڑھ سکتا۔۔۔ کیونکہ جو غلط ہے وہ غلط ہی رہے گا۔۔۔ اور میری یہ بات یاد رکھنا تم۔۔۔ خنزیر کو تکبیر پڑھ کر چیر پھاڑ لینے سے بھی وہ مسلمان کے لیے حلال نہیں

ہو جاتا۔"

وہ حتمی لہجے میں بولی تھیں اور پھر چونکہ بیٹے کی ضدی ہٹ دھرم طبیعت سے واقف تھیں اس لیے انہوں نے وہاں بیٹھ کر اپنا وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ اٹھ کر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی جانب چل دی تھیں۔ کاشف نے صوفیہ کا چہرہ دیکھا۔ وہاں بے یقینی تھی۔ وہ آگے بڑھا اور بیوی کے پاس آبیٹھا۔ اس کے وجود سے بہترین پرفیوم کی مہک اٹھ رہی تھی' اس کے بدن پر بیش قیمت دیدہ زیب لباس تھا۔ اس نے نہایت قیمتی گھڑی پہن رکھی تھی۔ اس کے بال اور چہرہ کسی بھی عام آدمی سے زیادہ خاص تھا۔

"کیا تمہیں بھی یہی لگتا ہے صوفیہ... کیا تمہیں بھی یہی لگتا ہے صوفیہ کہ میں کچھ غلط کر رہا ہوں... تمہیں تو اپنے کاشف پر بھروسا ہونا چاہیے تم تو میرا ساتھ دو... تم تو میری طاقت ہو... ایسی نگاہوں سے دیکھ کر تم تو مجھے یوں بے حوصلہ مت کرو۔" کاشف نے اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگاتے ہوئے ٹوٹے ہوئے لہجے میں التجا کی تھی۔ صوفیہ کا دل جیسے کسی ننھے ہاتھوں میں لے کر لیموں کی طرح نچوڑ ڈالا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھے۔

"آپ کی صوفیہ کو آپ پر مکمل اعتماد ہے کاشف... میں زندگی کے ہر مقام پر آپ کے ساتھ کھڑی رہوں گی۔ آپ جو کرنا چاہتے ہیں سر اٹھا کر کریں... اللہ آپ کا ساتھ دے گا۔" وہ ایسی ہی عورت تھی۔ یہ اس کی تربیت اور طبیعت دونوں کا حصہ تھا۔ مجازی خدا اس کے لیے واقعی خدا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا تلاش کر رہے ہو بیٹا" سمیع ناشتے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر آکر بیٹھا تھا۔ جب اماں رضیہ اس کے لیے ناشتے کی ٹرے سجا کر لائیں تو دیکھا وہ کافی سارے پیپرز میز پر بکھرائے خود ٹیلیفون اسٹینڈ کے قریب کھڑا نجانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

"اماں یہاں ایک نیلے سے رنگ کی ڈائری تھی۔ پرانی سی... ٹیلیفون کے اسٹینڈ پر پڑی رہتی تھی... اب نظر نہیں آرہی؟" اسے ایک دو پرانے فون نمبر درکار تھے۔ موبائل کی سہولت کی وجہ سے لینڈ لائن کا استعمال کافی کم ہو کر رہ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ڈائری بھی متروک چیزوں میں شامل ہو چکی تھی۔ اب ضرورت پڑی تھی تو مل نہیں رہی تھی۔

"تم ناشتا کرو بیٹا... میں ڈھونڈتی ہوں... یہیں کہیں موجود ہوگی" انہوں نے ٹرے میز پر رکھ کر اسے کہا تھا۔ وہ چیزوں کو بہت سنبھال سنبھال کر رکھنے کی عادی تھیں۔ ایک ایک کاغذ کا ٹکڑا پھینکنے سے پہلے تسلی کر کے شیرین سے پوچھ کر ہی ادھر ادھر کرتی تھیں کہ کہیں کوئی ضروری کاغذ گم نا جائے۔ انہوں نے ٹیلیفون اسٹینڈ کے نچلے والے دونوں درازوں کو چیک کرنے کے بعد اوپر کی ایک شیلف کو بھی چیک کیا تھا لیکن ڈائری کہیں موجود نا تھی۔ انہیں بالکل بھی یاد نہیں آیا تھا کہ آیا نیلے رنگ کی کوئی ڈائری انہوں نے کبھی یہاں دیکھی ہے یا نہیں۔

"بیٹا یہاں تو کوئی ڈائری نہیں ہے... شاید تمہارے کمرے میں موجود ہو گی۔" وہ بولی تھیں۔ سمیع نے چائے کے کپ کو ہاتھ لگایا' نا ہی سلائس اٹھایا تھا۔ وہ اماں رضیہ کو کچھ دنوں سے الجھا الجھا سا نظر آتا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ ماں باپ کے رویے نے سمیع کو پریشان کیا ہوا ہے۔

"نہیں اماں... کمرے میں نہیں ہے... یہیں رکھی ہوتی تھی۔ کافی پرانی تھی۔" وہ الجھ کر بولا۔

"ارے بیٹا... پریشان مت ہو... مل جائے گی اگر یہاں رکھی تھی تو... تم ناشتا کرو... آرام سے چائے پیو... کتنے دن ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ کھانا پینا سب بھولے بیٹھے ہو۔ مار بھاگم بھاگ بس کام نبٹانے میں لگے ہو... کبھی

یہ کر رہے ہو کبھی وہ... چہرہ دیکھو کیسا پیلا ہو رہا ہے... اپنا خیال رکھو بیٹا... یہ دنیاداری تو نگل لیتی ہے انسان کو... وقت کے پیچھے کاہے کو بھاگنا... یہ کس کے ہاتھ آتا ہے بھلا" وہ نصیحت کیے بنا رہ نہ پائی تھیں۔ سمیع نے ان کی جانب دیکھا پھر سر ہلایا۔

"ٹھیک کہتی ہیں اماں... وقت کسی کے ہاتھ نہیں آتا... اور میرے ہاتھ سے تو بہت تیزی سے نکلتا ہی جا رہا ہے... نکلتا ہی جا رہا ہے۔ بس نکلتا ہی جا رہا ہے۔" وہ اس قدر اداس اور بجھا ہوا لگا تھا کہ اماں کا دل پسیج سا گیا۔

"ارے صبح صبح اتنا کلیجہ پھٹنے والا انداز کیوں اپنا رہے ہو بیٹا... اللہ تمہاری ساری مشکلیں آسان کرے۔ میرے تو روم روم سے تمہارے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔"

"دعائیں ہی درکار ہیں بس... جن کو دینی چاہئیں وہ تو ناراض ہیں ہم سے... آپ ہی ذرا دعاؤں کی ڈوز بڑھا دیجیے ہمارے لیے... کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں کبھی ایسا وقت بھی آئے گا کہ دعائیں اس طرح اکٹھی کرنا پڑیں گی۔" وہ اپنے انداز میں مگن بولا تھا۔ اماں رضیہ ٹیلیفون اسٹینڈ چھوڑ کر تڑپ کر اس کے قریب آئیں۔

"ارے بیٹا کیوں ایسی باتیں کر رہے ہو سویرے سویرے... سب خیریت تو ہے نا... ڈاکٹر نے کیا بول دیا ہے ایسا... غور کر رہی ہوں کہ کچھ پریشان ہو... اب منہ سے نہیں کہتے ہو تو کیا ہمیں دکھتا بھی نہیں ہے... جس دن سے ہاسپٹل سے آئے ہو۔ ایسے ہی ہو بجھے بجھے سے... سب ٹھیک تو ہے نا..." وہ اس کے قریب آکر دلار سے بولی تھیں۔ سمیع نے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔ اسے سہارے کی ضرورت تو تھی۔ اسے کوئی تو ایسا چاہیے تھا جس سے وہ اپنا غم کہہ سن سکتا۔

"اماں بس دعاؤں کی اشد ضرورت ہے... شیرین ٹھیک نہیں ہے... ڈاکٹر نے ایک خوف ناک بیماری کا انکشاف کیا ہے... دعا کریں اللہ اس مصیبت کو ٹال دے... ہماری مشکل آسان کر دے۔" وہ کہہ رہا تھا... آنکھیں بھیگی تو نہیں تھیں لیکن لہجہ بالکل ٹوٹا ہوا تھا۔ اماں نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"رحم یا رب العالمین رحم... بچی کی حالت دیکھ کر تو مجھے پہلے ہی شک گزرتا تھا کہ کچھ ہے جو اسے کھائے جا رہا ہے... بلاوجہ کسی کو سر درد ہوتا ہے... ؟ ہر روز یہی دکھڑا رہتا ہے بچی کا کہ سر میں درد ہے... اب بتاؤ بیٹا ڈاکٹر نے کیا بولا ہے... کب تک آرام آجائے گا بچی کو۔" وہ بے چین ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

"ابھی علاج تو شروع ہی نہیں ہوا... کل لے جاؤں گا دوبارہ... ایک ٹیسٹ ہے۔ اس کی رپورٹس لاہور جائیں گی... پھر کچھ بتائیں گے ڈاکٹر۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"اللہ اپنا خاص کرم کرے۔ تم نے صبح صبح کیسی خبر سنا ڈالی۔ دل بے سکون ہو گیا ہے میرا تو... ابھی نوافل پڑھ کر دعا مانگتی ہوں بچی کے لیے۔"

"بس دعاؤں کی ہی ضرورت ہے اماں... اور دھیان رکھیے گا یہ بات ابھی آپ کے اور میرے درمیان ہی رہنی چاہیے... شیرین کو ابھی پتا نہیں چلنا چاہیے... میں بایوپسی کی رپورٹ آنے کے بعد سوچوں گا کہ مجھے یہ بات اسے بتانی ہے یا نہیں... آپ کسی سے بھی تذکرہ نہیں کیجیے گا۔" وہ تاکید کر رہا تھا۔ اماں رضیہ نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ سر ہلایا۔

"اور وہ ڈائری تو تلاش کیجیے۔ مجھے اس میں سے کچھ ضروری نمبر تلاش کرنے ہیں" وہ دوبارہ سے تلاش میں مگن ہوا تھا۔ اماں رضیہ ادھر ادھر دیکھتی اندر کی جانب چل دی تھیں۔ اسٹور روم میں بھی کچھ پرانے کاغذات وغیرہ اٹھا کر رکھے تھے انہوں نے... وہیں تلاش کرنے کی غرض سے وہ اس سمت میں مڑ گئی تھیں... کچھ دیر کی تلاش بسیار کے بعد وہ مایوسی سے واپس مڑی تھیں۔

"اللہ جانے کدھر رکھ دی... معاف کرنا بیٹا... میرے ذہن میں بالکل نہیں آرہا اس وقت کہ کہاں رکھ بیٹھی

ہوں.... پھر تم نے خبر ایسی سنا دی ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں سن ہوئے جا رہے ہیں.... فی الوقت بالکل ہمت ختم ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔" وہ لاچاری سے بولیں۔ سمیع نے سر اٹھایا نا ان کی جانب دیکھا۔

"اماں آپ کے پاس رحیم بھائی کا نمبر ہو گا۔ سلمان چاچو کے بڑے بیٹے۔ وہ جو لاہور میں رہتے ہیں.... وہ شوکت خانم میں ایڈمن کی کوئی جاب وغیرہ کرتے تھے نا.... ایک بار ذکر کیا تو تھا انہوں نے مجھ سے کہیں ملاقات میں.... لیکن دوبارہ ملنا جلنا ہی نہیں ہوا۔" وہ اپنے ابو کے کزن کے بیٹے کا تذکرہ کر رہا تھا۔ اماں رضیہ سارے خاندان کی خبر گیری کرنے میں ہمیشہ آگے رہتی تھیں اس لیے اس نے ان سے پوچھا تھا کہ ممکن ہو ان کے پاس نمبر ہو۔

"ہاں بیٹا ضرور ہو گا.... سلمان کے یہاں کافی اچھا وقت گزرا ہے میرا۔ ان کے بیٹوں کے چھلہ میں نے ہی کروائے تھے.... رحیم بھی تمہاری طرح بڑی عزت کرتا ہے میری.... اب تو ماشاء اللہ اس کے اپنے بچے بھی بڑے بڑے ہو گئے ہیں۔" وہ تفصیل بتانے لگی تھیں۔

"آپ دیکھیں ذرا اپنے فون میں.... کوئی نمبر مل سکے تو.... پلیز۔" وہ اپنی کنپٹیوں کو دباتا ہوا بولا تھا۔ نیند رات بھر نہیں آئی تھی اور جو پریشانی لاحق تھی وہ الگ.... سر درد تو لازم سی بات تھی۔

✡ ✡ ✡

"آپ سلیم بول رہے ہیں؟" اس نے فون کان سے ہی لگایا تھا کہ کسی نے مدبر سے لہجے میں پوچھا۔

"جی نہیں.... میں تو اردو بول رہا ہوں۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتا ہوا وہیل چیئر پر سیدھا ہوا تھا۔ اس شخص نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"میرے کہنے کا مطلب تھا.... آپ سلیم بات کر رہے ہیں۔"

"سلیم باتیں کون کرتا ہے آج کل.... یہ تو نفیس باتوں کا دور ہے...." وہ خواہ مخواہ بے تکلف ہو رہا تھا۔ دوپہر کے وقت زیادہ تر ہول سیل ڈیلرز اپنی ادائیگی وغیرہ کے سلسلے میں کال کیا کرتے تھے۔ وہ سب اسی کی طرح کے عام کم پڑھے لکھے انسان تھے۔ ان سب کے سامنے سلیم خود کو بڑا قابل سمجھتا تھا۔ دوسری جانب سے اس شخص کی مزید ہنسنے کی آواز آئی۔

"دراصل میں جگ بیتی میگزین کی طرف سے کال کر رہا ہوں.... کبیر احمد نام ہے میرا.... آپ کی کچھ کہانیاں موصول ہوئی تھیں.... ان کے بارے میں بات کرنی تھی۔" اس شخص نے وضاحت کی۔ سلیم کو زور کا جھٹکا لگا۔ اس نے کبھی کسی میگزین کو اپنے اصل نام سے کوئی تحریر نہیں بھجوائی تھی اور اس سے پہلے اس کو کبھی اس طرح کال بھی موصول نہیں ہوئی تھی۔

"سلیم صاحب.... ہیلو.... آپ سن رہے ہیں نا۔" اس کی خاموشی سے اکتا کر دوسری جانب سے پوچھا گیا۔

"جی جی.... ہاں جی.... سن رہا ہوں جی.... آپ کہیے" وہ یکدم خود کو بہت بونا سا محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ پرچون کی دکان والا تھا تو بہت پر اعتماد تھا لیکن اب جب خود کو ادیب متعارف کروانا پڑ رہا تھا تو اس کے اعتماد کی دھجیاں بکھر گئی تھیں۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کیا بات کرے کیا جواب دے۔ اسے کم پڑھے لکھے ہونے کا احساس کمتری ایسے مواقعوں پر زیادہ ہی گھیر لیتا تھا۔

"سلیم بھائی، آپ کے تو فین ہو گئے ہم.... کیا ہی اچھی تحاریر ہیں آپ کی.... میں نے پہلے بھی کچھ چیزیں دوسرے میگزینز میں دیکھی ہیں.... بہت روانی ہے آپ کے قلم میں.... جزئیات نگاری پر کافی مہارت ہے آپ کو...." وہ کھل کر سراہ رہے تھے۔ سلیم کو دل ہی دل میں اچھا بھی لگا اور ساتھ ہی شرم سی بھی آئی کہ کیا جواب دے۔

"ارے بھائی کچھ تو بولو.... کیا ہوا" وہ اس کی مسلسل خاموشی سے چڑ کر دوبارہ ذرا اونچی آواز میں بولا۔

"کچھ نہیں جی..... میں سن رہا ہوں..... آپ کہیے....." وہ یکدم کنفیوز سا ہو گیا تھا۔
"میں کیا کہوں..... کوئی غزل کہہ دوں کیا..... لیکن یاد رہے میں دو چار غزلیں ایک ساتھ کہہ کر ہی دم لوں گا پھر..... یہ نا ہو کہ بعد میں تم اعتراض کرو۔" وہ مزاحیہ سے انداز میں بولا۔ سلیم کو ہنسی آگئی تھی۔
"نہیں نہیں آپ کہیے..... میں سن رہا ہوں۔" وہ اسی انداز میں بولا تھا۔
"ایسا لگتا ہے کافی مصروف ہو تم بھائی..... میں نے غلط وقت پر فون کر دیا شاید۔" یقیناً" اس شخص کو برا لگا تھا۔ سلیم نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔
"معاف کیجیے گا..... میں دراصل کھانا کھا رہا تھا..... آپ برا نا مانیے گا میں آپ کو شام کو فون کرتا ہوں۔" وہ بہانہ بنا کر بولا تھا۔
"ہاں ہاں..... کوئی مسئلہ نہیں ہے..... آرام سے کھانا کھاؤ..... ابھی تو بس مجھے تمہاری تعریف ہی کرنی تھی..... بہت متاثر ہوا ہوں میں تمہارے انداز تحریر سے..... تم میں بہت مارجن نظر آرہا ہے مجھے..... ذرا سا نکھر گئے تو بہت آگے جاؤ گے" وہ کھل کر سراہ رہا تھا۔
"بہت بہت شکریہ سر..... بس قلم ہی گھسیٹنا سیکھ رہا ہوں ابھی تو۔" وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا۔
"ماشاءاللہ قلم گھسیٹنے کی رفتار اتنی عمدہ ہے تو جب قلم دوڑے گا تو کیا صورت حال ہوگی..... یہ بتاؤ کیا کرتے ہو..... کہاں رہتے ہو" وہ مزید سوال پوچھنے لگا تھا۔ سلیم نے چند لمحے سوچا پھر دوبارہ گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔
"ابھی تو پڑھ رہا ہوں..... ایم اے میں ایڈمیشن لیا ہے۔" اس نے بنا سوچے سمجھے جھوٹ بول دیا تھا۔
"اچھا..... اچھا بہت خوب تمہاری تحریر سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ ماشاءاللہ پڑھے لکھے قابل انسان ہو" اب کی بار سلیم کا منہ لٹک سا گیا۔
"چلو کھانا کھاؤ..... بات چیت ہوتی رہے گی ان شاءاللہ..... اس بار کے شمارے میں تمہاری تحریر لگا رہا ہوں..... مزید لکھتے رہنا..... میں منتظر رہوں گا۔" کبیر احمد نے کہا تھا۔ سلیم نے سر ہلاتے ہوئے خدا حافظ کہا تھا۔ فون بند کرتے ہی ایک جانب مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی اور پھر ساتھ ہی اس نے گہری سانس بھری تھی۔ تعریف کسے بری لگتی ہے لیکن اسے جھوٹ بولنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"یہ نیناکے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے ہی میرا فرضی نام تبدیل کر کے لفافے پر اصلی نام لکھ ڈالا ہو گا" وہ سوچ رہا تھا پھر اس نے اپنا سیل فون دوبارہ اٹھایا۔ یہ بھی تو خوشی کی بات اور وہ اسے نینا کے ساتھ ہی شیئر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نینا کا نمبر ملایا تھا۔ رنگ جا رہی تھی لیکن تین چار رنگ جانے کے بعد کال کاٹ دی گئی تھی۔ یہ ہی عمل کل بھی دہرایا گیا تھا تب سلیم نے سوچا تھا کہ وہ شاید مصروف ہوگی لیکن اب اس حرکت سے وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔ اس نے تاسف سے سر جھٹکا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے ایک اور نمبر ملایا تھا۔ چند لمحے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔
"زری..... میں سلیم بول رہا ہوں" اس نے نرم سے لہجے میں کہا تھا۔ زری کو اس نے کبھی پہلے اس طرح کال نہیں کی تھی۔ وہ سب بھائی نینا سے بے تکلف تھے لیکن زری کی کسی کے ساتھ زیادہ بات چیت نہیں تھی۔ سلیم نے بہت وقت سے زری کا نمبر محفوظ کر رکھا تھا۔ وہ اکثر واٹس ایپ پر اس کا اسٹیٹس چیک کرتا رہتا تھا اور کبھی کبھی وہ اس کا لاسٹ سین آپشن بلاوجہ دیکھتا رہتا۔
"ہاں بولو..... خیریت....." وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔ سلیم کو سمجھ نا آئی کہ اس نے سنجیدہ سے لہجے کے جواب میں وہ کیا کہے۔
"ہاں وہ دراصل..... میں نینا کو فون کر رہا تھا..... وہ کال نہیں ریسیو کر رہی۔ تو میں نے سوچا کہ پوچھ لوں..... وہ ٹھیک

ہے نا" اس نے جملہ ترتیب دینے میں کوئی دو منٹ تو ضرور ہی لگائے ہوں گے۔

"اس وقت وہ یونیورسٹی میں ہوتی ہے... تمہیں پتا تو ہے۔" وہ تنگ کر بولی تھی۔ سلیم کا منہ لٹک سا گیا۔ اس کا انداز کافی ہتک آمیز تھا۔

"ٹھیک ہے..." سلیم نے بجھے ہوئے انداز میں فون بند کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی کہ اللہ خیر کرے تم اتنے دن سے آ ہی نہیں رہی تھیں اور دو ایک بار کال بھی کی تو تم نے جواب نہیں دیا۔ مجھے تو رانیہ نے کل بتایا کہ تمہاری کزن کا انتقال ہو گیا تھا" مسز رحیم اس کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھیں۔ وہ پورے ایک ہفتے بعد رانیہ کو پڑھانے کی غرض سے آئی تھی۔ کہاں تو وہ بلاوجہ چھٹی کرتی ہی نہیں تھی اور کہاں بتا بتائے ہفتہ بھر سے غائب تھی۔ ایک دن پہلے ہی رانیہ کے واٹس ایپ پیغام کے جواب میں اس نے بتایا تھا کہ وہ کزن کے انتقال کے باعث نہیں آ رہی۔ اسی لیے رانیہ کی مما مسز رحیم اس سے تعزیت کر رہی تھیں۔ اس کی بات کے جواب میں نینا نے سر ہلایا لیکن منہ سے ایک جملہ بھی ادا نا کیا۔ ایک ہفتہ ہی تقریباً اسے مہر سے ملے ہوئے ہو گیا تھا۔ دوبارہ اس کے گھر جانے کی اس میں ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی دادی کے رویے نے اسے بڑا دل برداشتہ کیا تھا۔ اپنی ماں سے بحث کرنا ایک الگ بات ہے اور دوسرے رشتہ داروں سے زبان چلانا ایک بالکل الگ بات... نینا اب اتنی بھی خود سر نہیں ہوئی تھی کہ کسی اور کے گھر جا کر ان سے بدکلامی کرتی۔ یہ اور بات تھی کہ اس کا دھیان مسلسل مہر کی جانب لگا رہتا تھا، جبکہ گھر میں سخت کرفیو کا ماحول نافذ تھا۔ امی اور زری اسے ضرورت کے سوا مخاطب ہی نہیں کر رہی تھیں۔ وہ بھی گھر میں ناک منہ پھلا کر بیٹھی رہتی لیکن دل ہی دل میں وہ سخت اداس اور پریشان تھی۔ امی کے ساتھ بدتمیزی کر لینے کے بعد اس کا دل ہمیشہ ملال کا شکار ہوتا تھا لیکن منہ سے اظہار کرنا اسے آتا ہی نہیں تھا۔ سلیم سے تو وہ سخت ناراض تھی۔ اس کی کالز اٹینڈ کرنا تو دور کی بات اس کے واٹس ایپ پیغامات کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہی تھی وہ۔

"کیا ہوا تھا ان کو...؟" مسز رحیم نے پوچھا تھا۔ رانیہ اس کے لیے چائے بنانے گئی ہوئی تھی۔

"کن کو...؟" وہ چونک۔ اپنے دھیان میں مگن تھی۔ اس لیے سمجھ نہیں پائی کہ وہ کس کی بات کر رہی ہیں۔

"تمہاری کزن کو۔ جن کا انتقال ہوا ہے؟ بیمار تھیں کیا؟" انہوں نے وضاحت کی۔

"کچھ بھی نہیں... بس اچانک ہی..." وہ ان کی جانب دیکھے بنا بولی تھی۔ دل تو چاہا کہہ دے۔

"ان کے خون میں شوہر سے محبت کی زیادتی ہو گئی تھی۔ بس یہی لاعلاج مرض ان کی جان لے گیا" وہ اتنی منہ پھٹ تھی کہ اگر اپنے خاندان کا کوئی شخص سامنے کھڑا یہ سوال کرتا تو کہہ بھی دیتی لیکن غیروں کے سامنے اس کی مروت ذرا قائم و دائم رہتی تھی سو چپ ہی رہی۔

"اب تو سمجھ ہی نہیں آتی۔ بس اچانک پتا چلتا ہے کہ فلاں کو فلاں بیماری ہو گئی... یا اس کا انتقال ہو گیا... جواں مرگی بہت عام ہوتی جا رہی ہے... کبھی کبھی تو بہت ڈر لگتا ہے... بیماریاں بھی تو کئی کئی قسم کی ہو گئی ہیں اب ... اور یہ کینسر تو سمجھو نزلہ زکام کی طرح ہونے لگا ہے انسانوں کو... پہلے کبھی کبھی کسی کا پتا چلتا تھا کہ اس کو یہ بیماری ہے۔ اب ہر تیسرے چوتھے گھر میں کینسر کا کوئی نا کوئی مریض سننے میں آ جاتا ہے... میرے میاں کے ایک کزن ہیں ... کراچی میں رہتے ہیں... اس کی بیوی کے بارے میں بھی پتا چلا کہ کینسر ہو گیا ہے... اتنی خوب صورت لڑکی ہے ... عمر بھی کوئی اٹھائیس انتیس ہی رہی ہو گی... دونوں کی محبت کی شادی تھی... لیکن دونوں طرف والے اس شادی سے سخت ناراض ہیں، اس لیے ملتے جلتے نہیں تھے... بائیکاٹ کیا ہوا تھا... کبھی کوئی خیر خبر کی اطلاع بھی

نہیں آتی تھی۔۔۔ ابھی رات ہی رحیم مجھے بتا رہے تھے کہ چند دن پہلے سمیع کا فون آیا تھا۔۔۔ پریشان تھا بہت۔۔۔ شہرین کو کینسر ڈائگناز (تشخیص) ہوا ہے۔۔۔ میں تو سن کر ہل ہی گئی۔۔۔ وہاں سے یہاں شوکت خانم بھجوائی ہیں رپورٹس۔۔۔ کل جائیں گے رحیم ڈاکٹر سے میٹنگ کرنے۔۔۔ وہ لوگ کراچی سے لاہور موو کرنے کا سوچ رہے ہیں۔۔۔ کیونکہ ہماری تو ساری فیملی یہاں پنجاب میں ہی ہے۔ رحیم بھی یہی کہہ رہے تھے اسے کہ لاہور آجاؤ۔۔۔ میری تو دعا ہے اللہ صحت دے اس لڑکی کو۔۔۔ ملواؤں گی تمہیں۔۔۔ بہت ہی خوب صورت لڑکی ہے۔ لیکن قسمت دیکھو۔۔۔ ہائے ہائے۔" وہ مخصوص انداز میں تعزیت کرنے کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے روانی سے باتیں کررہی تھیں۔ اختتام پر انہوں نے تاسف سے بھری لمبی گہری سانس لی۔

نمنا کو تاسف تو محسوس ہوا لیکن اسے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے لیے آج کل سب سے بڑا دکھ صرف یہ تھا کہ مہر کی ماں مرچکی تھی اور اس کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ مہر اکیلی ہوگئی تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لانا چاہتی تھی۔ اسے کیا غرض تھی کسی کی بیماری سے۔۔۔

"اونہہ۔۔۔ قسمت کی خوب کہی۔۔۔ سب کے اپنے اپنے دکھ ہیں۔۔۔ سکھی تو کوئی بھی نہیں ہے مسز رحیم۔۔۔ جن کو بیماریاں نہیں کھاتیں۔۔۔ وہ کون سا قسمت کے دھنی ہیں۔۔۔ جن کو کینسر نہیں ہوتا۔۔۔ وہ بھی اس دنیا میں اپنی اپنی ذات کے ناسور پال رہے ہیں۔۔۔ ہمیں نا سنائیں کسی کے غم۔۔۔ ہمیں تو خود اپنے دکھ سے بڑا دکھ کسی کا نہیں لگتا۔۔۔ بس دعا ہے کہ اللہ سب کو اپنا اپنا ناسور جھیلنے کی طاقت دے" وہ بس میز کی سطح کی جانب دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ایسی تلخ ترین باتیں وہ اکثر سوچتی رہتی تھی۔ اس کے لیے مشکلات اور مصائب صرف اس کو لاحق تھے۔

✲ ✲ ✲

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ فلم بنانے کے لیے اتنا سرمایہ درکار ہوتا ہے۔" کاشف نے پانچ لاکھ کا چیک کاٹتے ہوئے حبیب رضوی کو کہا تھا۔ اس کا پیسہ تھا' پانی کی طرح بہہ رہا تھا اس لیے اسے دکھ بھی زیادہ ہو رہا تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے کاشف سیٹھ۔۔۔ یہ محاورہ نہیں سنا کہ جتنا گڑ اتنا میٹھا۔۔۔ جس قسم کا کام آپ اور ہم کر رہے ہیں نا۔۔۔ اس کے لیے یہ چھوٹی موٹی رقم تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ آپ دیکھنا دنیا صدیوں یاد رکھے گی اس فلم کو۔۔۔ ایسی زبردست چیز تیار ہوگی کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام رہے گا۔۔۔ آپ یہ دس بیس لاکھ کی پروا نا کریں۔ یہ دوگنا چوگنا ہو کر واپس آنے والا ہے۔۔۔ فلم سپر ڈوپر ہٹ ہوگی۔۔۔ ایسا ریکارڈ بزنس ہوگا کہ آپ دیکھتے اور نوٹ گنتے رہ جائیں گے" حبیب رضوی نے اسے تسلی دی۔ وہ اس کام میں ماہر تھا۔ وہ کاشف کے حوصلے کے گراف کو کبھی گرنے نہیں دیتا تھا۔

اس فلم کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ یا تو سیلف گرومنگ پر دھیان دے رہا تھا یا نئی آڈیشن کے لیے آنے والی لڑکیوں کے ساتھ وقت گزار رہا تھا جبکہ ہر تیسرے روز رخشی یا حبیب رضوی ایک بڑی رقم کا مطالبہ لے کر اس کے سامنے آموجود ہوتے۔۔۔ یہ نہیں تھا کہ کام نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ یقیناً" ہو رہا تھا۔۔۔ لیکن سب کام فائلوں کی حد تک تھا۔ پیپر ورک کے نام پر کاشف کے سامنے اتنے انبار لگائے جارہے تھے کہ وہ سوچتا تھا بس فلم بننے میں شاید کچھ ہی دن باقی ہیں۔ اس کا دن سوتے ہوئے اور شام شراب کے نشے میں دھت رہنے میں گزرنے لگی۔

رات کیسی ہی کیوں نا ہو۔۔۔ اس کی صبح ضرور ہوتی ہے۔۔۔ اور نیند چاہے غفلت کی کیوں نا ہو۔۔۔ ٹوٹ جایا کرتی ہے۔

کاشف کو بھی جاگنا پڑا۔ بینک سے دس لاکھ کا ایک چیک واپس آگیا تھا۔ اس کے اکاؤنٹ میں ساڑھے پانچ لاکھ کی رقم رہ گئی تھی۔ یہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ کاشف بلبلا اٹھا۔

"تم لوگ اتنی رقم آخر خرچ کہاں رہے ہو۔۔۔ ہر دوسرے روز ایک نیا چیک میرے سامنے رکھ دیتے ہو۔۔۔ اور میں بھی کاٹھ کے الو کی طرح اس پر دستخط کر دیتا ہوں۔۔۔ میں ولوالیا ہو چکا ہوں۔۔۔ جبکہ میرا پیسہ کہاں خرچ ہو رہا ہے مجھے بتایا بھی نہیں جا رہا۔۔۔ مجھے ایک بات بتاؤ۔ تم لوگ فلم بنا رہے ہو کہ شتر مرغ کا انڈہ سینچ رہے ہو۔" وہ رخشی پر چڑھ دوڑا تھا۔

"اوہ بادشاہو۔۔۔ اتنا غصہ کس بات کا۔۔۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ تمہاری مرضی اور منشا کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔۔۔ مجھ پر تو رقم نہیں خرچ کر رہے تم اپنی۔۔۔ اپنی ذات پر لگا رہے ہو یا اپنی فلم پر لگا رہے ہو۔۔۔ مجھ پر غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میرا کیا قصور ہے اس میں۔۔۔" رخشی کو پتا تو چل چکا تھا کہ کاشف کے پاس اب لٹانے کے لیے وافر پیسہ نہیں رہا سو اس نے آنکھیں فوراً" ماتھے پر رکھ لیں۔

"تمہارا ہی قصور ہے رخشی۔۔۔ تم نے ہی مجھے اس سارے چکر میں پھنسایا ہے۔" اس نے غرا کر ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ رخشی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کاشف نثار۔۔۔ اس انداز میں مجھ سے بات مت کرو۔۔۔ یہاں رخشی کی عزت ہے۔۔۔ اور رخشی ایسا لہجہ برداشت نہیں کرتی۔۔۔ مجھے الزام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو۔ اپنی مرضی سے کر رہے ہو" اس کا لہجہ کاشف کے لہجے سے بھی زیادہ تلخ تھا۔ اسے بے پناہ غصہ آگیا۔ یہ عورت ایک دن پہلے تک اس سے میری جان اور میرا شہزادہ کہہ کر بات کرتی تھی اور اب یکدم کیسے اس کے انداز و اطوار ہی بدل گئے تھے۔

"مجھے اب سمجھ میں آئی ہے تمہاری۔۔۔ تم ہو ہی دو نمبر عورت۔۔۔" کاشف نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ رخشی نے اس سے زیادہ تیز نگاہوں سے اسے گھورا۔

"ابے او گندی فطرت والے بدنیت 'بدقماش انسان۔۔۔ دو نمبر ہو گی تیری ماں۔۔۔ تیری بہن اور تیری وہ چھٹانک بھر کی بیٹی۔۔۔" کاشف نے پہلے بھی اسے گالیاں بکتے سنا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ عورت جس کے منہ سے اس کے لیے پھول جھڑتے ہیں 'کبھی اس طرح اسے ماں' بہن کی گالیاں دے گی۔ اس نے آگے بڑھ کر دائیں ہاتھ سے دو تھپڑ اسے جڑ دیے تھے۔ رخشی بھاری بھرکم عورت تھی۔ اس نے سنبھلتے ہوئے میز پر پڑا گلدان اٹھا کر اسے مارنا چاہا تھا۔ اسی دوران حبیب رضوی اور اس کے دو ساتھی بھی اسٹوڈیو میں آگئے۔ انہوں نے کاشف کو گارڈ کے ذریعے باہر بھجوا دیا تھا۔ کاشف کے حواس بالکل ہی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ یہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا۔ ایک دو دن میں صوفیہ کی ڈیلیوری متوقع تھی اور یہاں وہ اس مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہ سخت غصے میں گھر آگیا لیکن اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی نا ہی اس معاملے میں کسی کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی تھی۔

اگلے دن صبح کے وقت تین بڑے اخبارات کے شوبز کے صفحوں پر ایک ہی خبر جگمگا رہی تھی۔ رخشی نے اس پر زیادتی کا الزام لگاتے ہوئے اس کی فوری گرفتاری کی اپیل کی تھی۔ یہ چھوٹی خبر نہیں تھی۔ سارے خاندان میں کھلبلی مچ گئی۔ وہی کاشف، جو ہیرو بننے کے خواب دیکھ رہا تھا یکدم زیرو ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی رات صوفیہ کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا۔ جس کا نتیجہ اسٹل برتھ کی صورت نکلا۔ ان کے یہاں مردہ بچے نے جنم لیا۔ یہ بھی انتہائی دکھ والی بات تھی لیکن اصل پریشانی یہ تھی کہ رخشی نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروادی تھی۔

سب کچھ دیکھتے ہی دیکھتے درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی ہے؟" شہرین نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"کیوں... کیا ہوا... اچھا نہیں لگ رہا کیا" سمیع نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ شوکت خانم کے کنسلٹنٹ سے رابطے میں تھا۔ بائیوپسی کے بعد مزید چیزیں کلیئر ہو گئی تھیں۔ شوکت خانم والوں نے فوری ریڈی ایشن کا مشورہ دیا تھا۔ ریڈی ایشن سے پہلے یہ بہت ضروری تھا کہ سمیع شہرین کو اعتماد میں لیتا... یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس پروسیجر (کارروائی) سے گزرتی اور اسے پتا نا چلتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے جبکہ سمیع اس قدر کنفیوز اور اس سے زیادہ بے چین تھا کہ اس کو تو اپنی دنیا لٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"تم نے پندرہ دن سے شیو نہیں کی... حلیہ دیکھو ذرا اپنا... مجھے تو لگتا ہے تم نے بہت دن سے کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے..." شہرین تنقیدی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"وہ کم آن یار... اب اتنی آفت بھی نہیں مچی ہوئی۔ ایک ویک ہی ہوا ہے شیو کیے ہوئے... اور پھر رف اینڈ ٹف لک جچتی ہے مجھ پہ..." وہ صرف اس لیے کہ شہرین پھر اس کے رویے سے پریشان نا ہو بہت نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔

"یہ کس نے کہا؟" شہرین مسکرائی تھی۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تم ہی ایسے کہا کرتی تھیں۔" وہ بھی مسکرایا تھا۔

"یہ ذکر پرانے زمانے کا ہے۔ جب آتش جوان ہوا کرتا تھا۔ اب تو تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے... ورنہ لوگ مجھ سے پوچھا کریں گے کہ آخر آپ نے اس آدمی میں کیا دیکھا جو اس سے لو میرج کی... کہاں آپ اتنی خوب صورت اور کہاں یہ پرانا سا بوسیدہ سا آدمی...؟" وہ لہجے میں زمانے بھر کی شرارت سمو کر بول رہی تھی۔ سمیع نے اس کے چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اس کے لیے جتنا پریشان تھا وہ اتنی ہی دلفریب باتیں کرنے لگی تھی۔ سمیع کی توانائی کو بحال رکھنے کے لیے وہ اپنی بساط سے زیادہ فریش نظر آنے کی کوشش کرتی تھی، خوش رہتی تھی اور

کوشش کرتی تھی کہ ان کے درمیان کوئی بھی ایسی بات نا ہو جس سے پریشانی کا کوئی بھی عنصر جنم لے۔ سمیع نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم کہہ دینا کہ یہ بوسیدہ سا آدمی تمہاری محبت میں بالکل پاگل ہو چکا تھا۔ اس لیے تم نے ترس کھا کر اس سے شادی کر لی تھی۔" وہ بولا تھا۔ شہرین نے مصنوعی ناراضی کے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"تم تو بالکل ہی بدذوق ہو چکے ہو سمیع..... میں تو مذاق کر رہی تھی اور تم سنجیدہ ہو گئے۔ کسی کی مجال ہے کہ تمہیں کچھ کہہ کر دکھائے..... میں تو تمہیں چڑا رہی تھی ورنہ تم تو میرے لیے آج بھی اتنے ہی ہینڈسم اتنے پروقار اور وجیہہ ہو جتنا پہلے دن تھے..... وقت گزرنے کے ساتھ تمہارا جادو میرے حواسوں کو مزید مفلوج کرتا رہا ہے۔ تمہاری محبت نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا" وہ اس طرح کا اظہار کب کیا کرتی تھی۔ سمیع کو خود پر ترس آیا۔ وہ ایسی باتوں کے جواب میں خود کو کس قدر لاچار پاتا تھا' ورنہ پہلے تو ایسی ایک آدھ بات شہرین کر بھی دیتی تھی تو سمیع خوشی سے پاگل سا ہو جاتا تھا۔

"میری محبت نے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑا..... لیکن میری محبت میں تم مجھے نا چھوڑ دینا شہرین..... کبھی نا چھوڑنا مجھے..... میں مر جاؤں گا۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے قریب کر رہا تھا۔ شہرین نے پھر ناک چڑھائی۔

"اف ف ف..... کیا ہو گیا ہے تمہیں..... آج کل تم مرنے مارنے کی باتیں کچھ زیادہ نہیں کرنے لگے۔ مت کیا کرو ایسی باتیں..... مرنا ہے تو بس مجھ پر مرنا۔" سمیع آج کل جتنا بجھا ہوا رہتا تھا' شہرین اس قدر اس پر نثار ہوئی جاتی تھی۔ ابھی بھی اس کی ذرا سی پیش قدمی پر وہ فوراً اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔

"دل چاہتا ہے تم سے گانا سنانے کی فرمائش کی جائے" وہ لاڈ بھرے لہجے میں بولی تھی۔ سمیع نے نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں..... میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"انکار کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا نافرمان شخص کہ ملکہ شہرین کے دربار میں انکار کرنے والوں کے ساتھ زیادہ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا" اس کی بذلہ سنجی کچھ زیادہ ہی عروج پر تھی۔ سمیع نے اس کے سر پر اپنی ٹھوڑی رکھ دی تھی۔ وہ اسے ہنسانے والی باتیں کرتی تھی جبکہ اس کا دل بوجھل ہوا جاتا تھا۔

"میرا دل نہیں کر رہا ملکہ عالیہ۔" وہ اسی بجھے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"ملکہ عالیہ بار بار اصرار کرتی اچھی لگیں گی کیا۔" وہ مزید اس کے قریب ہو گئی تھی۔ اس نے شاید گھنٹہ بھر پہلے شیمپو کیا تھا۔ اس کے بالوں سے ٹھنڈی میٹھی سی خوشبو سمیع کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔

"اچھا بابا..... فرمایئے ملکہ عالیہ۔ کیا پیش کروں۔" وہ ہار مانتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"وہی جو ملکہ عالیہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔" اس کی پشت سمیع کی جانب تھی' سمیع نے گہری سانس بھری۔ وہ اکثر اس کے لیے گانے غزلیں گنگناتا رہتا تھا۔ یہ ان دونوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ گنگنایا کرتا تھا اور شہرین اس سے چپکی بیٹھی سنتی رہا کرتی تھی۔

تیری قسم! ہم کو تیری یادیں جو آتی ہیں ہمیں ہر پل ستاتی ہیں
اب تو نہیں لگتا ہمارا دل تمہارے بن' اب ہر دھڑکن رلاتی ہیں
تمہارا ساتھ اگر ملتا ہمارا دل نا یوں جلتا کہ جل کر ہم نے راتوں میں
تڑپ کر بے قراری میں گزارے ہیں وہ کتنے پل..... وہ یادوں میں
رہو تم خوش جدھر بھی ہو' ہمارا حال مت پوچھو

تمہاری یہ دعائیں ہیں۔ تمہاری جو بھی راہیں ہیں
تمہیں لے جائیں گلشن میں بہاروں میں
تیری قسم! ہم کو تیری یادیں جو آتی ہیں ہمیں ہر پل ستاتی ہیں
اب تو نہیں لگتا ہمارا دل تمہارے بن اب ہر دھڑکن رلاتی ہیں

کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں بھرنے لگی تھیں۔ اس نے شہرین کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ بنایا تھا اور اس حلقے کی گرفت کچھ اس قسم کی تھی کہ جیسے کوئی بچہ اپنی من پسند چیز کے چھن جانے کے خدشے سے بے حال ہوا جا رہا ہو۔

قیامت دل پہ یوں گزری بھلائیں ہم بھلا کیسے
دھواں اٹھتا ہے دل سے یوں، لگی تھی آگ یہ کیسے
وہی یادیں، وہی بیتی ہوئی باتیں
جب آتی ہیں، ہمیں ہر پل جلاتی ہیں
ہمیں ہر پل ستاتی ہیں

وہ گا رہا تھا، لہجہ گلوگیر ہوا جاتا تھا۔ بالآخر اس سے ضبط نا ہو سکا تھا۔ اس نے شہرین کو دھکیل کر خود سے الگ کیا تھا اور خود اس کی جانب دیکھے بنا وہاں سے لمبے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا تھا۔ شہرین ہکا بکا اس کا انداز دیکھتی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے پاس پپو کا نمبر ہے؟" وہ یونیورسٹی کے لیے نکلتے ہوئے سلیم کی دکان پر آئی تھی اور بنا کسی دعا سلام کے مدعا بیان کر دیا تھا۔ سلیم نے سخت ناپسندیدگی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"السلام علیکم" اس نے با آواز بلند اسے سلام کیا تھا۔ نینا نے جواب تک نا دیا تھا۔

"میں نے پوچھا تمہارے پاس پپو کا نمبر ہے؟" وہ ناک چڑھا کر پوچھ رہی تھی۔

"کون پپو....؟" سلیم نے بھی ناک چڑھائی۔ اسے نینا کا انداز ذرا بھی نہیں بھایا تھا۔

"وہی.... مہر کا چاچو...." اس نے جواب دیا۔ وہ دکان کے چبوترے تک بھی نہیں آ رہی تھی۔

"جن کے ساتھ اس کی رشتہ داری تھی۔ وہ ملک عدم سدھار چکیں.... میرے کچھ نہیں لگتے وہ لوگ.... اور جو لوگ میرے کچھ نہیں لگتے ان کے نمبر شمبر بھی نہیں ہوتے میرے پاس" اس کا انداز جتاتا ہوا تھا۔

"اچھی بات ہے.... میرا نمبر بھی ڈیلیٹ کر دو۔" وہ اتنا کہہ کر اس کی جانب سخت نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ سلیم کو اس قدر غصہ آیا کہ دل چاہا کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر میں دے مارے۔ اس نے شیلف پر پڑا فون اٹھایا تھا اور کانٹیکٹس کھول کر نینا کا نام سرچ کیا تھا۔ پہلا لیٹر لکھتے ہی نینا کا نام نمایاں ہو گیا تھا۔ اس نے غصے سے اس نمبر کو کھول کر ڈیلیٹ کا آپشن کھولا تھا اور لمحہ ضائع کیے بنا وہ نمبر ڈیلیٹ کر دیا تھا۔

"یہ لو نینا بی بی.... کیا یاد کرو گی تم بھی۔" اس نے ناک چڑھا کر خود کلامی کی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

فرحت شوکت

اس نے ڈور بیل پر ہاتھ رکھا تو دوسری ہی بیل پر ہانی کا مسکراتا چہرہ نمودار ہوا، جس پر اس نے ایک تیز نظر ڈالی، پھر اندر داخل ہو کر گیٹ بند کرتے ہوئے اس سے درشتی سے مخاطب ہوا۔

"میں نے کتنی بار منع کیا ہے گیٹ کھولنے سے پہلے کنفرم کرلیا کرو لیکن تم لوگوں کی سمجھ میں میری کوئی بات نہیں آتی۔"

"اوہو بھائی.... آپ کو پتا تو ہے ہمیں پہلے ہی پتا چل جاتا ہے آپ کے آنے کا اس لیے فوراً" گیٹ کھول دیتے ہیں، ورنہ ہم ایسے ہی گیٹ نہیں کھولتے ہیں۔" ہانی نے اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے لاپروائی سے کہا تو وہ اسے گھورتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"بھائی آپ لاؤنج میں چلیں میں لیزے سے کہہ کر آپ کے لیے بھی اچھی سی کافی بنواتی ہوں۔" اسے لاؤنج کے دروازے پر چھوڑ کر ہانی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"السلام علیکم!"

وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوا سامنے صوفے پر

بیٹھی نازک اندام سی لڑکی نے کھڑے ہو کر نہایت نزاکت سے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا تو وہ حیرانی سے اس اجنبی لڑکی کو دیکھنے لگا۔
"وعلیکم السلام! کون ہیں آپ؟" سخت لہجے میں سلام کا جواب دیتے ہوئے اس نے ناقدانہ اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا' جس کا تعلق بظاہر اچھی فیملی سے دکھائی دے رہا تھا۔
"جی میں ضوفشاں ہوں' علیزے کی فرینڈ' اس کی کلاس فیلو بھی ہوں۔" اس کی پروقار اور بارعب شخصیت کے آگے ضوفشاں پر گھبراہٹ بری طرح حاوی ہو گئی تھی' وہ بار بار اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہی تھی۔
"تھینکس بھائی... آپ آ گئے۔" اسی وقت لیزے ہاتھ میں ٹرے اٹھائے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے جوش سے بولی۔
"بھائی یہ ضوفشاں ہے' میری بیسٹ فرینڈ... پلیز آپ بیٹھیں نا بھائی۔" لیزے ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔
"فرینڈ آپ کی ہے' آپ بیٹھ کر باتیں کریں' مجھے ضروری کام سے باہر جانا ہے' میں چینج کرتا ہوں'
انجوائے یور سیلف۔" لفظوں کو چبا کر بولتا ہوا وہ لیزے کو تیز نظروں سے گھورتا باہر نکل گیا۔
"بھائی دیٹس ناٹ فیر..." وہ کپڑے چینج کر کے ابھی اپنے روم سے باہر نکلا ہی تھا کہ لیزے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے لڑنے والے انداز میں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔
"کیا ہوا؟" اس نے اطمینان سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"بھائی ضوفشاں کو اتنا شوق تھا' آپ سے ملنے کا' آپ سے باتیں کرنے کا اور آپ... آپ نے تو ایک منٹ کے لیے بیٹھنا بھی پسند نہیں کیا اس کے پاس۔ گھر آئے مہمان کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کیا؟" لیزے نے افسوس کے ساتھ اسے دیکھ کر کہا' جسے اپنے بھائی سے اس رویے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"میں سب سمجھتا ہوں، تمہیں بھی اور اسے بھی۔ اس لیے جو کچھ تمہارے دماغ میں چل رہا ہے نا اسے باہر نکال دو۔" اتنا کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گیا' تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

"ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے بھائی۔ ضوفشاں اتنا زیادہ آپ کو پسند کرتی ہے اور ایک آپ ہیں کہ......"

"ملیزے......"

اس کی پوری بات سنے بغیر اس نے سختی سے اسے ٹوک دیا تو وہ بھی خاموش ہو گئی۔ جانتی تھی وہ کبھی اس سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا' بلکہ لمبا چوڑا سا لیکچر ہی سننے کو مل جائے گا کہ ابھی وقت نہیں آیا' ابھی حالات بہتر نہیں ہوئے کہ شادی کرنے کا سوچا جائے یا پہلے تم لوگوں کی اسٹڈیز مکمل ہو جائے' پھر دیکھا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

"چلو جلدی سے آؤ اور کھانا بنواؤ میرے ساتھ۔"

اس کی آواز پر ملیزے مایوسی سے سرہلاتی اس کے پاس سے کھڑی ہوئی اور اس کے کہنے پر پیاز کاٹنے لگ گئی۔

"ہانی کھانا تیار ہونے تک ٹیسٹ کی تیاری کرلو اور انوشے سے کہو آج وہ ریسٹ کرے کھانے کے بعد میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا۔" ہانی کچن میں پانی پینے آئی تھی جب اس نے اسے ہدایات دیں جسے سن کر وہ سرہلاتی باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب ڈائننگ روم میں بیٹھے کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ حسب معمول اپنے دن بھر کی روداد بھی سنا رہے تھے۔

✵ ✵ ✵

"انو...... انو......"

وہ کب سے اسے لان سے ہی آوازیں لگا رہا تھا مگر اس تک شاید اس کی ایک آواز بھی نہیں پہنچ رہی تھی۔ بالآخر وہ پیپر ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"ملیزے' انو کہاں ہے؟" کچن میں اس کے لیے چائے بناتی علیزے سے اس نے پوچھا۔

"بھائی وہ اوپر اسٹور میں ہے۔" بے دھیانی میں اسے جواب دے کر وہ سر پر ہاتھ مار کر اپنی عقل کو برا بھلا کہنے لگی' پھر فوراً" پلٹ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی جو اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"بھائی میں نے چائے بنا دی ہے' آپ چائے پی لیں' ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی' میں انوشے کو بلا آتی ہوں۔"

اس کے کہنے پر وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ ہانی نے جلدی سے چائے کپ میں انڈیلی اور اسے کپ تھما کر تیزی سے اوپر کی جانب بڑھ گئی۔

"جی بھائی......" اگلے دو منٹ بعد ہی انوشے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"انو کیا بات ہے' تمہارے ٹیسٹ اچھے کیوں نہیں ہو رہے' میں پہلے بھی کئی بار تمہیں کہہ چکا ہوں اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو لیکن رزلٹ وہی ہے' اگر کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتاؤ۔" وہ انوشے کے کالج میں ہونے والے اس کے تمام ٹیسٹ چیک کر رہا تھا جو تسلی بخش نہیں تھے اور اس کی یہ حالت اس کے لیے خاصی پریشان کن تھی۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں بتاؤ انوشے اگر کوئی پرابلم ہے تو اور اگر تمہیں مجھ سے پڑھنے میں کوئی مسئلہ ہو رہا ہے تو وہ بھی بتا دو' میں تمہیں کوئی اکیڈمی جوائن کرا دوں گا۔" وہ نرمی سے مخاطب تھا۔

"نہیں بھائی' ایسا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" انوشے خاصی شرمندہ سی ہو رہی تھی۔

"اگر ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے تو میں آئندہ اس قسم کا رزلٹ نہ دیکھوں' انڈر اسٹینڈ۔" اس نے اس کے تمام پیپرز اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تنبیہہ کرنے والے انداز میں کہا تو اس نے فوراً" اثبات میں سرہلا دیا۔

انوشے' ملیزے اور ہانی کی نسبت' بہت جلد اس کے

غصے سے ڈری سی جایا کرتی تھی۔ اس کی ناراضی اسے کسی طور برداشت نہیں تھی۔ لہٰذا کوشش کرتی تھی کہ اسے شکایت کا کوئی موقع نہ دے لیکن کوششوں کے باوجود وہ اس کی توقعات پر پورا نہیں اتر پا رہی تھی۔ جس کا اسے خود بھی بہت افسوس تھا۔

"جاؤ اپنی بکس لے کر آؤ اور پڑھنا شروع کرو' تب تک میں ایک کلائنٹ کے پاس جا رہا ہوں' اگر کوئی پرابلم ہو تو لیزے سے سمجھ لینا' اوکے...؟" اتنا کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جی بھائی..."

"آؤ گیٹ بند کرو۔" اس نے پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا' تو وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ گاڑی گیٹ سے نکلتے ہی گیٹ بند کر کے وہ دوڑتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی' جہاں لیزے اور ہانی کاموں میں مصروف تھیں۔

"بھائی چلے گئے۔" انوشے کے اطلاع دیتے ہی ان کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"اوہ گڈ... اب ہم اپنی فیورٹ ڈرامہ سیریل دیکھیں گے' بھائی دو گھنٹے سے پہلے نہیں آئیں گے اب..." ہانی کا خوشی سے برا حال تھا۔

"نہیں ہانی' بھائی آکر تم لوگوں سے تمہاری اسٹڈی کا پوچھیں گے' اس لیے بہتر ہے پہلے پڑھ لو' پھر جو مرضی کر لینا۔"

لیزے نے انہیں سمجھانا چاہا مگر وہ ڈرامہ دیکھنے پر بضد تھیں' سو اسے بھی اپنے ساتھ ڈرامہ دیکھنے کے لیے زبردستی گھسیٹ لیا۔

"پلیز انوشے' پلیز ہانی' مجھے ابھی بہت کام کرنے ہیں' میں تمہارے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔"

علیزے نے کئی بار انہیں منع کیا مگر انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور پھر وہ تینوں ٹی وی کے آگے بیٹھ گئیں۔

بمشکل ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا جب گیٹ پر اس کی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا تو وہ تینوں حیرت و پریشانی کے عالم میں کتنی ہی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں' پھر ہانی اور انوشے تیزی سے اپنے بیڈ کی طرف بھاگیں اور بستر میں گھس گئیں۔

"تم دونوں ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہو میرے ساتھ' خود بچ جاتی ہو اور مجھے پھنسا دیتی ہو لیکن آج کے بعد میں کبھی تم دونوں کی باتوں میں نہیں آؤں گی پرامس..."

ٹی وی آف کرتے ہوئے لیزے مسلسل بول رہی تھی۔ اسے پتا تھا اب اسے کوئی بہانہ گھڑنا پڑے گا۔ وہ دونوں کمبل میں منہ دیے بمشکل اپنی ہنسی کو روکے ہوئے تھیں۔

لیزے کمرے سے نکلنے سے پہلے جاتے جاتے ان دونوں کے اوپر سے کمبل کھینچ کر صوفے کی طرف اچھال گئی تھی جو ہانی ایک ہی جست میں دوبارہ اٹھا لائی تھی۔

"ہانی' انوشے' بھائی تم دونوں کو بلا رہے ہیں' اگر آئس کریم کھالو' ورنہ پگھل جائے گی۔" لیزے ان دونوں کو دروازے میں سے ہی پیغام دے کر جا چکی

تھی۔ جبکہ آئس کریم کا سن کر ان دونوں کے منہ میں پانی بھر آیا تھا' وہ جلدی سے بستر سے نکلیں اور اس کے پاس لاؤنج میں چلی آئیں۔ شاید وہ ان ہی کا منتظر تھا۔

"ہبکس لے کر آؤ نا' خالی ہاتھ کیوں آگئی ہو۔" اس نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر ان دونوں کو دیکھ کر کہا' تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"بھائی چائے۔۔۔" لیزے لاؤنج میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ سجی تھی' جس کا مطلب تھا کہ لیزے نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔

ان کی اتری شکلیں دیکھ کر اسے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے سیدھا لاؤنج میں جانے کے بجائے لان میں ہی چلا آیا' جہاں لیزے ٹیبل پر بکس اور اسائنمنٹس پھیلائے بیٹھی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر لیزے نے سلام کیا اور ہاتھ میں موجود فولڈر کو فوراً" بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"بھائی چائے لاؤں آپ کے لیے؟" تھوڑی دیر بعد باتوں کے دوران لیزے نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا' تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کفلنکس کھولتے ہوئے اس کی نظر اچانک اسی فولڈر پر جا پڑی' جس کو لیزے کھولے بیٹھی تھی مگر اس کے قریب آنے پر اس نے فولڈر بند کر کے رکھ دیا تھا اور بک اٹھالی تھی۔ غیر ارادی طور پر اس نے ہاتھ بڑھا کر فولڈر اٹھایا اور ان میں موجود صفحات کو بغور پڑھنے لگا۔

جس وقت لیزے اڑی رنگت کے ساتھ چائے کی ٹرے اٹھائے اس کے پاس کھڑی تھی وہ بدستور ان ہی کاغذوں میں مغرق تھا۔

ڈر کے مارے لیزے کا برا حال تھا۔ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر وہ وہیں قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"یہ تم نے لکھا ہے؟" تمام صفحات پڑھنے کے بعد وہ لیزے کی جانب متوجہ ہوا۔

"جی۔" اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"آئی کانٹ بلیو اٹ مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ تم نے لکھا ہے لیکن ابھی تک کسی پیپر میں کیوں نہیں بھیجا؟" اس کی بات پر لیزے کو اپنے کانوں پر شک ہونے لگا تھا۔ وہ حیرانی سے آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا' ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے مسکرا کر اس کے چہرے پر پھیلی حیرت کو دیکھ کر پوچھا۔

"بھائی آپ سیریس ہیں؟" وہ ابھی تک بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ارے تو تمہیں کیا لگ رہا ہے' میں مذاق کر رہا ہوں۔ میری بہن اتنی ٹیلنٹڈ (قابل) ہے' اتنا خوب صورت ناول لکھا ہے تو کیا میں نہیں چاہوں گا کہ اس کی اس گاڈ گفٹڈ (قدرتی) صلاحیت سے دنیا بھی واقف ہو۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے اس نے نہایت محبت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لیکن بھائی آپ تو میرے ڈائجسٹ پڑھنے پر ناراض ہوتے تھے۔" اس نے دل میں موجود ڈر اسے بتایا۔

"ہاں۔۔۔ کیونکہ میں چاہتا تھا کہ تم اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو۔ میڈیکل بہت ٹف ہوتا ہے اور میں تمہیں ایک اچھا ڈاکٹر بنتے دیکھنا چاہتا ہوں' اس لیے میری کوشش ہوتی تھی کہ تم فی الحال صرف اپنی اسٹڈیز کو ٹائم دو' اس کے بعد جو دل میں آئے کر لینا لیکن تمہارے اندر اچھا ناول لکھنے کی صلاحیت ہے تو اس کو ضائع مت کرنا اور جب موقع ملے کچھ نہ کچھ لکھ ڈالنا۔ تم یہ مجھے دینا' میں پوسٹ کرا دوں گا۔۔۔ اوکے؟" اس نے ناول کی طرف اشارہ کر کے کہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تھینکس بھائی۔"

وہ اندر کی طرف بڑھ رہا تھا جب لیزے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تشکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں نمی واضح تھی۔

"اس میں تھینکس کی کیا بات ہے؟" اس نے

ڈپٹتے ہوئے نرمی سے کہا۔
"آپ نے مجھے اتنا سپورٹ کیا ہے بھائی۔ آپ بہت اچھے ہیں۔" لیزے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔
"بری بات ہے روتے نہیں ہیں میری جان۔"
اس نے لیزے کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ آہستہ سے مسکرا دی۔
"او گڈ، چلو اب کھانا لگاؤ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"
اس کے کہنے پر لیزے جلدی سے اندر کی جانب بڑھ گئی اور کچن میں آکر کھانا گرم کرنے لگی۔
"لیزے پلیز بھائی سے کہو ہمارے لیے میڈ ارینج کریں مجھ سے نہیں ہوتے یہ والے کام۔"
ہانی پچھلے دو گھنٹوں سے لاؤنج اور کمروں کی صفائی کرنے میں مصروف تھی مگر وہ ابھی تک فارغ نہیں ہوئی تھی اور اب انتہائی جھنجلاہٹ میں وہ اس کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔ آج سنڈے تھا اس لیے پورے گھر کی صفائی کا ذمہ اس کے سر تھا جبکہ باقی دنوں میں وہ اور انوشے مل کر صفائی کر لیتی تھیں۔ سنڈے کو انوشے چھت اور اسٹور کی صفائی کرتی تھی۔
"اگر تمہیں صفائی کرنے پر ابلم ہے تو مت کرو۔ تم کچن کی رسپانسبلٹی (ذمہ داری) لے لو۔ میں بھائی سے کہہ دوں گی ہم نے اپنی ڈیوٹیز چینج کر لی ہیں کیونکہ یہ تو تمہیں پتا ہے بھائی میڈ کبھی نہیں رکھیں گے۔"
لیزے نے بڑے آرام سے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا وہ بلبلا اٹھی تھی۔
"جی نہیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" تھوڑی دیر پہلے ٹیبل پر رکھا ڈسٹر دوبارہ اٹھاتے ہوئے اس نے تپ کر کہا اور باہر نکل گئی تو وہ زور سے ہنس پڑی۔
وہ جانتی تھی اسے کچن کے کاموں میں ذرہ برابر دلچسپی نہیں تھی اس لیے وہ گھر کی صفائی کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھے گی لہٰذا اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼
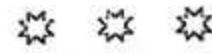
ڈور بیل کب سے بج رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا

کر سائڈ ٹیبل پر رکھی رسٹ واچ اٹھا کر ٹائم دیکھا رات کے بارہ بجے تھے۔

اس وقت کون آگیا؟ پاؤں میں سلیپر ڈالے کمرے کی لائٹ آن کر کے وہ کمرے سے باہر نکل آیا اور گیٹ کی طرف چل پڑا۔

"کون؟" گیٹ کے قریب جاتے ہوئے اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"میں دانشہ ابراہیم ہوں' گیٹ کھولیں۔" باہر موجود لڑکی کے اتنے تفصیلی انداز میں تعارف کرانے پر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور پھر کچھ سوچ کر گیٹ کھول دیا۔

"اتنی دیر سے بیل بجا رہی تھی مگر آپ دروازہ ہی نہیں کھول رہے تھے۔" تیزی سے اندر داخل ہوتے ہی وہ بولنا شروع ہو گئی تھی۔

ٹائٹس اور شارٹ شرٹ میں ملبوس کسی بھی قسم کی مصنوعی آلائش سے پاک چمکتی گندمی رنگت پر تیکھے نین نقش بہت جاذب نظر دکھائی دے رہے تھے۔ سلکی بالوں کی پونی ٹیل جو بات کرتے ہوئے اس کی گردن کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں جھول رہی تھی۔

"اسلام آباد سے آرہی ہوں فلائٹ دو گھنٹے لیٹ تھی اس لیے دیر ہو گئی ورنہ میں نو دس بجے تک آجاتی۔ خیر آپ بتائیں آپ وہیر ریحان ہیں نا' تایا جی کے بڑے بیٹے؟" وہ کون تھی اور کہاں سے آئی تھی؟ یہ معمہ اس کے سوال نے ہی حل کر دیا تھا۔

وہ ابراہیم چاچو کی بیٹی تھی جو گزشتہ بیس برسوں سے اسلام آباد میں رہائش پذیر تھے۔ بڑے پاپا اور پاپا کی مرضی کے خلاف جاب اور پسند کے خلاف شادی کر کے ہمیشہ کے لیے شکاگو شفٹ کر گئے تھے' لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر دو سال بعد ہی پاکستان آگئے تھے' مگر انہوں نے واپس مڑ کر نہیں دیکھا۔

"تایا جی کہاں ہیں؟" اس کے سوال پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ایک سال پہلے ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" اس کے بتانے پر وہ ایک لمحہ کے لیے چپ ہو گئی تھی۔ یقیناً اسے سن کر افسوس ہوا تھا۔

"اوہ سوری۔" اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

"اٹس اوکے۔"

"علیزے' ہانیہ اور انوشے کہاں ہیں؟" وہ سب کے ناموں سے واقف تھی' اسے حیرت ہوئی تھی۔ وہ ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اس وقت رات کے بارہ بج رہے ہیں اور عموماً یہ ٹائم سونے کا ہوتا ہے۔" گیٹ بند کرتے ہوئے اس نے بتایا اور اس کے پیچھے چلا آیا۔

"بائی دا وے آپ کس سلسلے میں آئی ہیں؟" وہ لاؤنج میں رکھے صوفے پر بے تکلفی سے بیٹھی تھی جب اس نے اس کی آمد کا سبب پوچھا۔

"میرے تایا کا گھر ہے کیا میں یہاں نہیں آسکتی؟" اس نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"ان کی موجودگی میں آتیں تو مجھے آپ سے یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے یہ جاننا میرے لیے بہت ضروری ہے کہ اتنے برسوں میں پہلی بار یہاں آنا کیا مقصد رکھتا ہے؟" اس کا سوال بجا تھا۔

ایک لمحہ کے لیے وہ خاموش ہو گئی پھر اسی اعتماد کے ساتھ گویا ہوئی۔

"ماما کی لاسٹ منتھ ڈیتھ ہو گئی تھی اور جانے سے پہلے ماما نے میرے اکیلے رہ جانے کے خیال سے سختی کے ساتھ مجھ سے تایا جی کے پاس جانے کا وعدہ لیا تھا' سو میں آگئی۔" اس نے مختصراً بتایا تو وہ فوری طور پر کچھ نہ بول سکا اور چپ ہو گیا۔

"ایکسکیوز می مجھے بہت نیند آرہی ہے۔ کیا آپ بتائیں گے مجھے کہاں سونا ہے؟" نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے اس نے اس سے پوچھا' جسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے؟ پھر کچھ سوچ کر وہ اسے لیے ان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور نہایت آہستگی سے ادھ کھلا دروازہ کھول کر اسے اندر لے آیا۔

خوب صورت رنگوں سے پینٹ کیا گیا یہ کمرہ

لڑکیوں کے ذوق اور پسند کو ظاہر کر رہا تھا۔ گلاس ونڈو پر گلابی جالی کے نفیس پردے ماحول کو مزید جلا بخش رہے تھے۔

کمرے کے دائیں طرف دو بیڈ تھے جن میں سے ایک بیڈ پر علیزے اور انوشے گہری نیند سو رہی تھیں جبکہ دوسرے بیڈ پر ہانیہ بے سدھ لیٹی ہوئی تھی۔ ہانیہ کے بیڈ کی طرف اشارہ کر کے وہ کمرے سے باہر چلا گیا تو وہ فوراً" ہانیہ کے ساتھ بیڈ پر جا لیٹی۔

اگلے ہی لمحے وہ بھی ان تینوں کی طرح بے خبر سو رہی تھی۔

صبح کے سات بجے تھے جب ہانی کی آنکھ الارم کی تیز آواز کے ساتھ کھلی تھی۔ اس نے الارم بند کیا اور کروٹ لے کر دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی، مگر ایک بار آنکھ جو کھلی تو دوبارہ بند ہی نہ ہوئی وہ کتنی ہی دیر تک اپنے ساتھ لیٹے اس وجود کو تکتی رہی پھر یک دم چیخ مار کر بستر سے اٹھی اور دور جا کھڑی ہوئی۔ اس کی چیخ کی آواز پر علیزے اور انوشے بھی گھبرا کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسی کے ساتھ جا لگیں اور بغور اسے دیکھنے لگیں۔

"میں تم لوگوں سے کہتی تھی نا کہ چڑیلیں کہیں بھی اور کسی بھی وقت نظر آسکتی ہیں تو دیکھو یہ چڑیل ہی ہے اور مجھے تو لگتا ہے رات کو اس نے کسی کا خون پیا ہے جب ہی یہ اتنی گہری نیند سو رہی ہے بلکہ میں نے تو یہ بھی پڑھا تھا کہ......"

"ہانی پلیز مجھے ڈراؤ نہیں۔" انوشے کچھ زیادہ ہی ڈرپوک واقع ہوئی تھی اسی لیے التجائیہ انداز میں ہانی کو مزید کچھ کہنے سے روکنے لگی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں کیوں کہ......"

"ہانی اسٹاپ دس نان سینس چڑیلیں اتنی پیاری نہیں ہوتیں۔" لیزے نے ہانی کو ٹوکتے ہوئے مزید کہا۔ "مجھے لگتا ہے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔" لیزے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولی پھر اس کے قریب جا کر غور سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے یہ ابراہیم چاچو کی بیٹی ہے۔" بہت قریب سے دیکھنے پر لیزے کسی نتیجے پر پہنچ ہی چکی تھی۔

"وہ تمہیں کیسے پتا؟" ہانی نے اس کے پاس آکر نہایت آہستہ آواز میں پوچھا۔

"تمہیں یاد ہے جب ابراہیم چاچو کی موت ہوئی تھی تو پاپا مجھے اپنے ساتھ لے کر گئے تھے وہاں۔ تب میں اس سے ملی تھی۔ اس وقت یہ نائنتھ کلاس میں پڑھ رہی تھی اور یہ مجھے اب تک اس لیے یاد ہے کیوں کہ اس کی شکل ابراہیم چاچو سے بہت ملتی تھی۔" تمام غور و خوض کے بعد وہ تینوں اب مکمل طور پر مطمئن تھیں۔

وہ اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھیں، لیکن آٹھ بجے تک بھی جب وہ نہ اٹھی تو وہ کالج اور یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔

ناشتے کی میز پر دیر نے بھی انہیں دانشہ ابراہیم کے بارے میں بتا دیا تھا۔

"کتنے عرصے کے بعد کوئی نیا چہرہ اپنے گھر میں دیکھا ہے ہم نے بھائی سچ بہت اچھا لگ رہا ہے۔" ہانی نے بات کرتے کرتے اسے بھی مخاطب کر کے کہا تو وہ محض ایک نظر اسے گھور کر رہ گیا۔

"لیزے تم آج آف لے لو اور اس کے پاس رہ جاؤ۔ اس طرح اسے اکیلے چھوڑنا مناسب نہیں لگتا۔" بریڈ کا سلائس منہ میں رکھتے ہوئے اس نے لیزے کو مخاطب کر کے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بھائی آج میں بھی آف کر لوں، پلیز بھائی میرا بہت دل کر رہا ہے دانشہ سے ملنے کو اس سے باتیں کرنے کو......" انوشے نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"بھائی انو ٹھیک کہہ رہی ہے پلیز ہمیں بھی آف کرنے دیں آفٹر آل وہ ہماری کزن ہے اور پہلی بار ہمارے گھر آئی ہے ہمیں اسے کمپنی دینی چاہیے۔" ہانی بھی پیش پیش تھی۔

"تم دونوں کے آج امپورٹنٹ ٹیسٹس ہیں، ہرگز چھٹی نہیں کرنی۔ بس لیزے رہے گی اس کے پاس۔ تم دونوں واپس آکر مل لینا۔ اب جلدی سے ناشتا کرو

میں تم لوگوں کا ہی ویٹ کر رہا ہوں۔"
اس کی بات پر دونوں کے منہ اتر گئے تھے۔ ناچار انہوں نے جلدی جلدی ناشتا مکمل کیا اور اس کے ساتھ چل پڑیں۔

✵ ✵ ✵

اسے یہاں ایک مہینہ ہونے کو تھا اور یہ ایک مہینہ گزرتے پتا ہی نہ چلا تھا۔ طبیعتاً" وہ خود بھی بہت جلد گھلنے ملنے والی تھی اسی لیے اس کی تینوں کے ساتھ اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ سب بھی فطرتاً" نرم دل' پر خلوص اور دوستانہ طبیعت رکھتی تھیں سوائے اس کے' جو اس سے زیادہ بات ہی نہیں کرتا تھا نہ اس کے ہونے اور نہ ہونے کے فرق کو محسوس کرتا تھا۔
"دانشہ تمہیں بھائی باہر لان میں بلا رہے ہیں۔"
لیزے نے آکر اسے پیغام دیا تو وہ جو ہانی کے ساتھ اپنی فیورٹ مووی دیکھنے میں مصروف تھی حیرانی سے لیزے کو دیکھتی وہاں سے اٹھ گئی اور اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔
"جی۔" وہ لان چیئر پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا جب اس کی آواز پر اس نے اخبار تہ کر کے ٹیبل پر رکھا اور اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔
"آپ نے واپس کب جانا ہے اپنے گھر؟" اس کے سوال پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا جو سوالیہ نظریں اس پر جمائے ہوئے تھا۔
"میرا تو کوئی گھر نہیں ہے۔" اس نے صاف جواب دیا۔
"پھر یہاں کب تک رہنے کا ارادہ ہے؟" اس نے اگلا سوال کیا۔
"ہمیشہ کے لیے۔" اس نے بلا تردد جواب دیا۔
"کیوں؟" اس کا لہجہ خود بخود سخت ہو گیا تھا۔
"کیوں کہ اس گھر کے علاوہ نہ تو کوئی دوسرا میرا گھر ہے اور نہ رشتہ دار۔" اس کا انداز قطعی تھا۔
"لیکن میں تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا۔" وہ لفظ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

"کیوں' آپ کو کیا پرابلم ہے؟" اس نے جرح کی۔
"مجھے لوگوں کی باتیں سننے کا شوق ہے نہ ضرورت اس لیے بہتر ہو گا کہ......"
"لوگوں کی پروا آپ کرتے ہوں گے میں نہیں۔"
اس کی بات کاٹ کر وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔
"لوگوں کی باتوں کی پروا کرنا میری مجبوری ہے سمجھیں تم اور رہی بات تمہارے یہاں رہنے یا نہ رہنے کی تو میں واضح کر چکا ہوں کہ تم یہاں نہیں رہ سکتیں تو بہت اچھا ہو گا اگر میری بات کو سمجھو اور اپنا کوئی ارینج منٹ کر لو۔" اس نے دو ٹوک انداز میں بات مکمل کی۔
"سوری میرے پاس دوسرا کوئی آپشن نہیں ہے۔ اسے میری بھی مجبوری سمجھ لیں۔" اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں اور اندر کی جانب بڑھ گئی تو وہ کتنی ہی دیر تک لاؤنج کے دروازے کو تکتا رہا جہاں سے وہ گزر کر اندر گئی تھی۔

✵ ✵ ✵

"بھائی پلیز میں ایسا نہیں چاہتی' میں یہیں رہ کر پریکٹس کر لوں گی۔ میں اتنی دور نہیں جا سکتی بھائی پلیز۔ مان لیجئے میری بات۔" لیزے اسے کب سے منا رہی تھی مگر وہ اس کی ایک بھی نہیں سن رہا تھا۔
"نہیں لیزے میں نے کہا نا تم لاہور جاؤ گی اور ضرور جاؤ گی' میں نے سارا بندوبست کر دیا ہے۔ بس نیکسٹ ویک تک تمہاری کال آ جائے گی تب تک تم اپنی پیکنگ کر لو۔ اور ہاں خوب محنت کرنا میں تمہیں ایک اچھی ڈاکٹر بنتے دیکھنا چاہتا ہوں' اوکے؟" اس نے بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ تو لیزے کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔
"بھائی ان شاء اللہ میں آپ کی تمام امیدوں پہ پورا اتروں گی' لیکن بھائی میں اکیلے اتنی دور نہیں رہ سکتی۔ آپ کو تو پتا ہے میں کبھی اکیلے گھر سے باہر نہیں جاتی شہر سے باہر کیسے رہوں گی۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔
"یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے قدموں پہ چلنا

سیکھو بغیر کسی سہارے کے پورے اعتماد کے ساتھ۔ اس طرح ڈر ڈر کر زندگی نہیں گزرتی۔ ماما کے بعد پاپا نے تم لوگوں کو سنبھالا۔ پاپا کے بعد میں ہوں، لیکن میرے بعد کوئی نہیں ہو گا اس لیے خود کو مضبوط بناؤ تاکہ ہر قسم کے حالات کو فیس کر سکو۔" اس کی باتوں سے لیزے کو بہت حوصلہ مل رہا تھا وہ بس نم آنکھوں سمیت اپنے فرشتہ صفت بھائی کو دیکھے جا رہی تھی۔

"میں ہر ماہ تمہارے ناول کا انتظار کروں گا۔ اسی طرح اچھا اچھا لکھنا جیسے پچھلے دو ناول لکھے تھے، لیکن پلیز ہیروئن کو اتنا مظلوم مت دکھانا کسی کہانی کی ہیروئن کو ظالم بھی دکھا دیا کرو۔"

وہ لیزے کے ناولز بڑے شوق اور باریک بینی سے پڑھتا تھا اور اسے اپنی آرا سے بھی آگاہ کرتا تھا اس کی آرا وہ اپنے لیے بہت اہم سمجھتی تھی۔ اس کی آخری بات پر لیزے کھل کر ہنس پڑی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

ڈور بیل پچھلے پانچ منٹ سے مسلسل بج رہی تھی، مگر وہ تینوں ایک ہی کمرے میں بند بستر میں گھسی ایک دوسرے کی شکلیں تک رہی تھیں۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے پتا نہیں کون ہے اس وقت؟" انوشے کمبل میں منہ دیے بول رہی تھی۔

"بھائی نے تو رات کو دیر سے آنے کا کہا تھا پھر کون ہو سکتا ہے؟"

"مجھے تو لگ رہا ہے کوئی جن ہے، کیوں دانشہ؟" بات کرتے کرتے ہانی نے اس سے پوچھا جو خود کمبل میں دبکی ہوئی تھی۔

"ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے کیوں کہ تمام جن اور بھوت اکثر شام کو ہی باہر نکلتے ہیں اور پھر چاروں طرف پھیل جاتے ہیں۔" اس نے بھی ہانی کی تائید کی تو انوشے کا ڈر کے مارے مزید برا حال ہو گیا تھا۔

"پلیز چپ کر جاؤ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ایک تو موسم اتنا خراب ہو رہا ہے اور دوسرا تم دونوں کی باتیں اوہ مائی گاڈ۔" آسمان پر بجلی چمکنے کی آواز اتنی تیز تھی کہ یک دم ان تینوں نے منہ بھی کمبل کے اندر چھپا لیا تھا۔

کسی میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اٹھ کر کمرے کی لائٹس ہی آن کر سکے۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا جس کے باعث بجلی کے کڑکنے کی آواز اور روشنی ماحول کو عجیب پر اسرار سا بنا رہی تھی۔

"آئی تھنک (میرے خیال میں) ہمیں بھائی کو فون کر کے گھر بلا لینا چاہیے۔" گیٹ پر بیل مستقل بج رہی تھی جب ہانی کی کمبل کے اندر سے گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

دونوں طرف سے مکمل خاموشی پا کر اس نے بمشکل ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل پر رکھے سیل کو چارجنگ سے ہٹا کر آن کیا پھر اس کا نمبر ملانے لگی۔

"ہیلو بھائی کوئی بہت دیر سے گیٹ پر بیل بجا رہا ہے ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے پلیز آپ.... کیا؟" پہلی ہی بیل پر فون ریسیو کرتے ہی ہانی بولتی چلی گئی پھر ایک جھٹکے سے کمبل چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر دروازہ کی طرف دوڑ پڑی۔

"کتنی دیر سے بیل بجا رہا ہوں، لیکن کسی کو سنائی نہیں دیتا۔ کہاں تھے تم لوگ؟" وہ بہت غصے میں لگ رہا تھا۔

"کمرے میں تھے بھائی، ایکچوئیلی ہم سمجھے تھے گیٹ پر کوئی بھوت ہے جو....."

"اسٹاپ اٹ ہانی! یہ جو تم فضول قسم کی "روحوں کے قصے" اور "جن کے اولادیں" جیسی بکس پڑھتی رہتی ہو نا انہوں نے تمہارا دماغ خراب کر کے رکھا ہوا ہے ابھی جاؤ اور یہ تمام بکس مجھے لا کر دو۔ اور ہاں فون آف کیوں جا رہا تھا تمہارا؟" بات کرتے کرتے اس نے اچانک فون کا پوچھا۔

"بھائی بیٹری ڈیڈ تھی چارجنگ پہ رکھا ہوا تھا فون۔" اس نے پژمردگی سے جواب دیا۔

"جاؤ جتنی بھی اس قسم کی بکس ہیں سب لے کر آؤ میرے پاس۔" پورچ، لان اور لاؤنج کی لائٹس آن کرتے ہوئے اس نے کہا تو وہ بمشکل قدم اٹھاتی کمرے

کی طرف بڑھ گئی۔ وہ تو سمجھی تھی اسے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ ہارر اسٹوریز پڑھتی ہے مگر وہ تو بکس کے نام بھی جانتا تھا۔

اس کے آتے ہی گھر میں ایک دم سے رونق اور روشنی سی پھیل گئی تھی۔ وہ کچن میں پانی پینے جارہی تھی جب اس نے محسوس کیا۔ وہ ہانی اور انوشے سے مسلسل باتوں میں مصروف تھا۔

"کھانے میں کیا بنایا ہے آج؟" ٹی وی آن کرتے ہوئے اس نے ہانی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" ہانی نے بڑے آرام سے جواب دیا جس پر وہ ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"بھائی مجھے تو کوکنگ نہیں آتی۔" اس نے بدستور اسی اطمینان سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اب لیزے گھر پر نہیں ہے تو کھانا ہی نہیں بنے گا" ہے نا؟"

"میں نے ایسے تو نہیں کہا بھائی۔" اس کی ناراضی کے ڈر سے وہ جلدی سے بول پڑی۔ "میرا مطلب تھا کہ مجھے تو کچھ بھی بنانا نہیں آتا پھر کیا بناتی۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ لیزے کے جانے سے پہلے اس کے ساتھ مل کر کوکنگ میں ہیلپ کرادیا کرو، لیکن تم نے بات نہیں مانی میری۔" اسے غصہ آرہا تھا۔

"بھائی ان دنوں میرے ٹیسٹس ہو رہے تھے اس لیے ٹائم نہیں دے سکی تھی۔" وہ شرمندہ شرمندہ سی تھی وہ مزید کچھ نہ بولا۔

"دانشہ۔" وہ کچن سے نکل کر کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب اس کے پکارنے پر پلٹ کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔ اتنے عرصے میں آج پہلی بار اس نے اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔

"تمہیں کھانا بنانا آتا ہے؟" اس کے پوچھنے پر اس نے غیر ارادی طور پر اثبات میں سرہلادیا۔

"کچھ دنوں تک تم ہانی کو اپنے ساتھ رکھ کر کھانا بنا لینا پلیز۔ جب یہ سیکھ جائے گی تو کھانا یہی بنایا کرے گی۔" اس کی بات پر ہانی نے نہایت بے چارگی سے اسے دیکھا تھا مگر وہ اسے کچھ کہہ نہ سکی۔

☆ ☆ ☆

بے کیف سے دن تھے جو بس یونہی گزرتے جارہے تھے۔ اسے یہاں آئے چھ ماہ ہونے کو تھے اور ان چھ ماہ میں وہ خود کو اس گھر کا فرد تصور کرنے لگی تھی اور اس میں بھی کوئی شک نہ تھا کہ اس گھر کے تمام افراد نے بھی اسے بھی دل سے اپنایا تھا۔

اس گھر کو اپنا گھر سمجھتے ہوئے اس نے بہت سی ذمہ داریاں کسی کے کہے بغیر اپنے سر لے لی تھیں، لیکن اس بات کا شاید کسی کو بھی احساس نہیں تھا اور اس کی بڑی وجہ ان کی مصروفیات تھیں۔ لیزے تو گزشتہ کئی ماہ سے لاہور تھی جہاں وہ اپنا میڈیکل کمپلیٹ کررہی تھی وہ ہر ہفتہ باقاعدگی کے ساتھ اس سے ملنے جاتا تھا جبکہ ہانی کا سوفٹ ویئر کمپیوٹر انجینئرنگ میں لاسٹ ایئر چل رہا تھا جس کے مکمل ہوتے ہی وہ ہیرلے سے شہر کی کئی ملٹی نیشنل کمپنیز کے علاوہ شہر سے باہر کمپنیز میں بھی جاب کے لیے انٹرویوز کی تیاری اکیڈمی سے کرا رہا تھا۔

انوشے کو ایف ایس سی کے ساتھ شام میں اس نے آرٹس کلاسز میں ایڈمیشن دلایا تھا صرف اس کی دلچسپی اور شوق کو دیکھتے ہوئے۔ جب اس نے ایک دن اسٹور میں انوشے کو کینوس پر خوب صورت رنگوں کے ساتھ پینٹنگ کرتے دیکھا تب ہی اس کی سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ پڑھائی میں کیوں تنگ کررہی ہے؟

انوشے کے ہاتھوں سے بنے خوب صورت اور دلفریب فن پارے دیکھ کر وہ خود بھی حیران اور گنگ ہوگیا تھا کتنی ہی دیر تک اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ انوشے نے بنائے ہیں۔ تب ہی اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اس کی بنائی ہوئی پینٹنگز کی نمائش کرے گا مگر مناسب وقت آنے پر۔ انوشے کی تخلیقی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کے لیے اس کا حوصلہ بڑھانا بہت ضروری تھا سو اب وہ خود اسے اسٹڈی کے ساتھ ساتھ پینٹنگز کو بھی ٹائم دینے پر زور دینے لگا تھا۔

وہ ان کی طرف حسرت سے دیکھنے لگی تھی۔ جن

کے مستقبل بنانے کے لیے وہ ان کے ساتھ قدم بہ قدم چلتا تھا' ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا' صحیح غلط کی تمیز سکھاتا تھا۔ گھنے سائے کی مانند ہر لمحہ ان کے سروں پر چھایا رہتا تھا۔ پتا نہیں کیوں دل ہمکنے لگا تھا کہ کوئی اس کی بھی پروا کرے اس کا بھی خیال کرے اسے بھی اچھے برے میں فرق بتائے اس کے آنے والے ہر لمحے کے لیے پریشان ہو' مگر ایسا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کیا پہنتی اوڑھتی ہے کہاں آتی جاتی ہے اسے کوئی غرض ہی نہیں تھی جبکہ وہ ان تینوں کے بارے میں ان چیزوں کو لے کر بہت حساس تھا۔ گھر کے کاموں کے علاوہ ان کا چلنا پھرنا' کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا ہر ہر چیز پر اس کی گہری نظر ہوتی تھی جس پر وہ فوراً" ٹوک بھی دیتا تھا۔

ماما پاپا نے تو اسے بہت لاڈ میں پالا تھا اسے تو یاد ہی نہیں پڑتا کہ انہوں نے کبھی اسے کسی بات پر روکا ہو اور وہ ان کے اس لاڈ کی عادی بھی تھی' لیکن پتا نہیں کیوں دل کرنے لگا تھا کہ وہ اسے بھی بتائے کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ مگر وہ تو اس سے اس حد تک لاتعلق بنا ہوا تھا کہ غلطی سے بھی اس پر نظر پڑ جاتی تو سیکنڈ کے ہزارویں حصے سے پہلے واپس لوٹ جاتی تھی۔

جبکہ دل تھا جو اس کی توجہ کی خواہش کرنے لگا تھا۔ اب اسے بھی اپنے آنے والے کل کی فکر ستانے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"انوشے کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ لان میں بیٹھی تھی جب گیٹ سے باہر گاڑی کے مخصوص ہارن کی آواز پر اس نے فوراً" گیٹ کھول دیا۔ گاڑی سے اترتے ہی اس نے سوال کیا۔

"پہلے سے بہتر ہے۔" اس نے جواب دیا پھر گیٹ بند کرکے دوبارہ لان چیئر پر آکر بیٹھی اور میگزین کی ورق گردانی کرنے لگ گئی۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"سارا دن گزر گیا کم از کم تم انوشے کو میڈیسن تو دے سکتی تھیں نا اور اگر تم سے یہ کام کرنا مشکل ہو رہا تھا تو مجھے بتا دیتیں میں خود آجاتا دوپہر میں۔"

اس نے کچھ اس لب و لہجے میں اسے کہا کہ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے واقعی اس نے جان بوجھ کر انوشے کو نظرانداز کیا ہے۔

"میں کئی بار اس کے کمرے میں گئی تھی لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا' لیزے یا ہانی میں سے کوئی بھی گھر پر ہوتی تو میں کبھی تمہیں یہ کام کہہ کر نہ جاتا انڈر اسٹینڈ (سمجھیں)؟" وہ اسے غلط سمجھ رہا تھا۔

"آپ کیوں مجھ پر اس طرح ری ایکٹ کررہے ہیں۔ میں بتا رہی ہوں میں دینے گئی تھی' لیکن وہ سو رہی تھی اور دوسری بات یہ کہ یہ گھر اور آپ میری ذمہ داری نہیں ہیں جو مجھ سے ہر چھوٹی چھوٹی بات پر اس طرح پوچھ گچھ کی جائے۔" اس کا رویہ اسے تکلیف دے گیا تھا سو وہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"ذمہ داری تو تم بھی نہیں ہو میری' سمجھیں تم۔" وہ دھیمے' مگر سخت لہجے میں بات کہہ کر رکا نہیں اور واپس پلٹ گیا تو وہ دور تک اس کی چوڑی پشت کو تکتی رہ گئی اور پھر چیئر پر بیٹھتی چلی گئی۔

صحیح ہی تو کہہ رہا تھا' وہ اس کی لگتی ہی کیا تھی؟ پتا نہیں کیوں دل یک دم گھبرا سا اٹھا تھا۔ عجیب سی بے چینی پورے وجود پر طاری ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی گویا بس ہی گئی تھی۔

اس دن کے بعد سے وہ اس سے بات کرتے وقت بہت محتاط ہو گئی تھی اور شاید وہ بھی احتیاط برتنے لگا تھا' اسی لیے اتنے اتنے دن گزر جاتے تھے وہ اسے مخاطب ہی نہیں کرتا تھا اگر کوئی بہت ضروری بات ہوتی تو وہ ہانی یا انوشے کے ذریعے اس تک پیغام پہنچا دیا کرتا تھا۔ دن کبھی تیزی سے گزرتے محسوس ہوتے تو کبھی انتہائی سست روی سے۔ بس صبح سے شام ہو رہی تھی اور شام سے صبح۔

اب لیزے پریکٹس کے سلسلے میں شہر سے کچھ فاصلے پر موجود گورنمنٹ اسپتال سے ملحق گھر میں شفٹ ہو گئی تھی اور ہانی بھی اسلام آباد کی ایک بڑی ملٹی

نیشنل کمپنی کی جانب سے ملنے والے اپائنمنٹ لیٹر کے بعد کمپنی کو جوائن کر چکی تھی تو وہ تمام دن پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔ انوشے کالج سے آ کر اکیڈمی چلی جاتی تو وہ اس سے بھی زیادہ بات نہیں کر پاتی رات کو آتے ہی تھکان کے باعث وہ جلد ہی سو جاتی۔ جبکہ وہ اکیلے رہ رہ کر ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ بھی رہنے لگی تھی۔ حالانکہ وہ گھر میں کوئی نہ کوئی مصروفیت ڈھونڈ نکالتی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی اتنا ٹائم وہ فارغ بیٹھے بیٹھے گزار دیتی۔ اپنے تمام دنوں میں سے وہ ایک ویک اینڈ کا شدت سے انتظار کرتی تھی جب وہ سب اکٹھے ہوتے تھے۔ بس وہی دن ہوتا تھا جب وہ ہنس بول پاتی تھی، لیکن اس ویک اینڈ پر تو عجیب ہی ٹینشن ہو گئی تھی۔ اسے تو خود بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

گزشتہ چند دنوں پہلے دبیر کے قریبی دوست جہانزیب بھائی کی مدر جہانزیب بھائی کی شادی کا کارڈ دینے آئیں جہاں ان کی ملاقات سب سے پہلے اسی سے ہوئی تھی اور وہ انہیں اس قدر بھائی کہ گھر جاتے ہی اپنے دوسرے بیٹے صہیب کے لیے اس کا رشتہ مانگ لیا جس پر دبیر نے سوچنے کا کچھ وقت مانگا اور اپنے طور پر تمام چھان بین کر کے لیزے کے ذریعے اس کی رضامندی معلوم کرنا چاہی جس پر اس نے فوراً "انکار" کر دیا۔ اس کے انکار پر گھر میں یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ انکار کی وجہ جاننا چاہتا تھا، مگر وہ مسلسل خاموش تھی اور اس کی یہ خاموشی اس پر بری طرح کھل رہی تھی۔

لیزے اور ہانی نے جانے سے پہلے بھی اسے کئی بار قائل کرنے کی کوشش، مگر اس کا جواب انکار میں ہی تھا۔ سو انہوں نے زیادہ زور دینا مناسب نہ سمجھا اور چپ کر گئیں۔

"تم سے ضروری بات کرنی ہے میں باہر لان میں انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔" لیزے اور ہانی کے جانے کے بعد وہ کچن سمیٹ رہی تھی جب اسے اپنی پشت پر اس کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ کر جا چکا تھا جبکہ وہ کتنی ہی دیر تک بس یونہی کھڑی رہی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کیا ضروری بات کرنا چاہتا ہے؟ وہ گہرا سانس اپنے اندر اتارتی خود کو تیار کرتی باہر نکل آئی۔

وہ بالکل سامنے چیئر پر آف وہائٹ کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس، آستینیں کہنیوں تک چڑھائے، ٹانگ پر ٹانگ جمائے پرسوچ نظریں ٹیبل پر جمائے بیٹھا تھا۔ ہلکی سی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اپنے سامنے رکھی چیئر کی طرف اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" صاف ظاہر تھا کہ وہ بمشکل اپنا غصہ دبائے اس سے نرمی سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے فوراً "بتایا۔

"پھر صہیب میں کیا برائی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے اسے کبھی دیکھا ہی نہیں تو کیسے بتا سکتی ہوں کہ اس کے اندر کیا برائی ہے۔" اس نے بڑے آرام سے جواب دیا۔

"اگر دیکھ کر کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہو تو بتا دو میں صہیب سے....."

"ایکسکیوزمی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کسی سے ملنے کی....." اس کی بات کاٹ کر وہ تیزی سے بولی۔

"پھر شادی سے انکار کیوں کر رہی ہو؟" وہ استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔" دوسری طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"یہ تمہارا ذاتی مسئلہ نہیں ہے دانشہ یہ اس گھر کا مسئلہ ہے۔ میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے کہ میں انہی کاموں میں لگا رہوں گا مجھے اور بھی بہت سے مسئلے حل کرنے ہوتے ہیں۔" اس نے سختی سے اسے ٹوکا۔

"اگر اتنی ہی جلدی ہے تو لیزے اور ہانی کی فکر کریں مجھے درمیان میں مت گھسیٹیں مجھے ابھی اپنا فیوچر سیکور (مستقبل محفوظ) کرنا ہے۔" اس کا انداز

دوٹوک تھا۔

"یہ رشتہ تمہارے لیے آیا تھا اس لیے تم سے بات کر رہا ہوں۔ لیزے یا ہانی کے لیے آتا تو ذرا بھی دیر نہ کرتا میں۔ کیوں کہ صہیب مجھے بھی ذاتی طور پر بہت پسند ہے اور رہی فیوچر کی بات تو تمہیں پہلے اس کا خیال نہیں آیا۔" اس کی بات پر اس نے تپ کر کہا۔

"آپ میری فکر نہ کریں کیوں کہ میں آپ کی ذمہ داری نہیں ہوں اور نہ بننا چاہتی ہوں۔" اس نے پچھلے دنوں کہی اس کی بات اسے لوٹائی۔ ایک لمحہ کے لیے اسے اس پر شدید غصہ آیا، مگر وہ ضبط کر گیا۔ چند لمحوں تک دونوں طرف خاموشی چھائی رہی جس کو اس کی آواز نے توڑ ڈالی تھی۔

"جب تک تم یہاں ہو میری ذمہ داری ہو۔ یہاں سے جانے کے بعد میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ اس لیے اپنی......"

"جب تک میں یہاں ہوں سے کیا مراد ہے آپ کی؟" وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر تیز لہجے میں گویا ہوئی۔ "میرا جب تک جی چاہے گا میں اس گھر میں رہوں گی۔ آپ یا کوئی اور مجھے میرے گھر سے نکالنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ کیوں کہ اس گھر اور بزنس پر جتنا حق آپ کا ہے اتنا میرا بھی ہے۔" وہ بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔

جبکہ وہ کتنی ہی دیر تک تاسف سے اسے دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔

"تو تم اب تک یہی سمجھتی رہی ہو کہ میں یا کوئی اور تمہارے حق کو چھیننے کی کوشش کر رہا ہے، ہے نا؟" وہ بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا پھر قدرے نرمی سے گویا ہوا۔

"تم بے فکر رہو دانشہ ابراہیم تمہیں تمہارا پورا حصہ دوں گا اور اس کے باوجود کہ بزنس کو آج سے کئی سال پہلے بڑے پاپا کے سامنے جتنا نقصان ہوا تھا ان کے بعد پاپا اس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہے اور آج آٹھ سال سے میں اس کوشش میں لگا ہوا ہوں کیوں کہ پاپا اور میں اچھی طرح سمجھتے تھے کہ زندگی میں کبھی نہ کبھی ابراہیم چاچو یا ان کی اولاد آ کر اپنا حصہ ضرور مانگیں گے وہ بھی اسی وصیت کے مطابق جو اس نقصان سے پہلے لکھی جا چکی تھی اور اگر ہم تب تک بزنس کو وہاں تک نہ لا سکے تو شاید ہم پر شک کیا جائے گا کہ ہم نے کچھ گڑبڑ کی ہے۔ تمہیں شاید اس بات کا احساس تک نہیں ہو گا کہ آخر اتنے بڑے گھر میں ایک بھی ملازم کیوں نہیں ہے کوئی لینڈ لائن نمبر نہیں ہے ایکسٹرا سیل فونز نہیں ہیں۔ تینوں بہنوں کو میں ہی پک اینڈ ڈراپ کیوں کرتا ہوں کیوں کہ میں ان تمام جگہوں پر ہونے والے خرچوں کو بچا کر سیونگ کرتا تھا اور بزنس میں انویسٹ کر دیتا تھا۔ اینی وے میں یہ بات مانتا ہوں کہ اس گھر اور بزنس میں تم برابر کی حصہ دار ہو۔ اس گھر سے تمہیں نکالنے کا نہ پہلے کبھی سوچا تھا اور نہ اب سوچا ہے اس لیے تمہیں جو مناسب لگتا ہے تم کرو اور رہی بزنس کی بات تو جب ٹھیک لگے تم آفس جوائن کر سکتی ہو آفٹر آل تمہیں بھی تو اپنا فیوچر سیکور کرنے کی خواہش ہے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ چند لمحوں کے لیے چپ ہو گیا تھا۔ پھر وہ خاموشی سے اٹھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک وہیں بیٹھی نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔

وہ بھی تو اپنے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی تاکہ کل کو کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی تھی وہ بھی کسی سہارے کے بغیر، لیکن چاہ کر بھی وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی اب موقع ملا تو اسے گنوانا اس کی بے وقوفی تھی۔ وہ ایک گہرا سانس اپنے اندر اتارتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اندر چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

آج ایک امپورٹنٹ میٹنگ تھی، لیکن وہ آفس سے اس وقت بہت دور تھا لہٰذا اس نے اسے فون کر کے میٹنگ کال کرنے کو کہا تھا۔ جس وقت وہ کانفرنس روم میں پہنچی، روم میں تقریباً" پچیس سے

تیس افراد موجود تھے اور ان تمام افراد کی نگاہ کا مرکز صرف وہ تھی۔ کنفیوز ہونا فطری تھا۔

وہ پچھلے ایک ماہ سے مستقل آفس آرہی تھی، لیکن یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس طرح ڈائس پر کھڑی تھی۔ اب سے پہلے اس نے اسے ہی ڈائس پر کھڑے ہو کر پر اعتماد انداز میں اسپیچ دیتے سنا تھا۔

"گڈ مارننگ ایوری ون۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے باری باری سب کو دیکھ کر وش کیا پھر بولنا شروع ہو گئی۔ ایک گھنٹہ بعد جس وقت وہ آفس آیا تھا وہ اپنے روم میں بیٹھی فائلز مکمل کر رہی تھی۔

"میم آپ کو سر اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔" پیون نے آکر اطلاع دی تو وہ فائلیں بند کر کے سائڈ پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی دانشہ آپ نے منظر صاحب کو وہ پوائنٹس سمجھا دیے تھے جو میں نے آپ کو بتائے تھے؟" اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے اس نے استفسار کیا جبکہ نظریں فائل پر جمی تھیں۔ وہ آفس میں اس سے نہایت مودبانہ انداز میں بات کرتا تھا اور اسے اس کا یہ انداز بہت بھلا لگتا تھا۔

"جی میں نے بتا دیے تھے۔" اس نے جواب دیا۔

"اور آج میٹنگ میں ڈسکس ہونے والے پوائنٹس....."

"جی سر، میم نے آپ کا میسج پہنچا دیا تھا کہ آپ کل خود پوائنٹس ڈسکس کریں گے۔" منظر صاحب اس کے سوال کو جواب سمجھے تھے۔ وہ ایک لمحہ کے لیے چپ ہو گیا پھر جانچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"آں، جی منظر صاحب آج میں سائٹ پر چلا گیا تھا کل ان شاء اللہ آپ لوگوں کے ساتھ میٹنگ ہو گی بس آپ کو یہی کہنے کے لیے بلایا تھا' او کے؟"

"او کے سر۔" منظر صاحب کے روم سے نکلتے ہی وہ اپنا دایاں ہاتھ چہرے پر پھیر کر بمشکل دبائی اپنی مسکراہٹ کو مزید چھپانے کی کوشش کرنے لگا مگر اس کی مسکراہٹ اس سے ہرگز مخفی نہ رہ سکی تھی۔

"میں جانتی ہوں آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں۔" اس نے خفگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ واقعی دل کھول کر ہنس پڑا تھا اور وہ پہلی بار اسے اس طرح ہنستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں اسے اچھا لگ رہا تھا اس کا اس طرح ہنسنا۔ وہ بس یونہی اسے ہنستے ہوئے دیکھتی چلی گئی۔

"پچیس سے تیس افراد کو کال کر کے تم نے یہ کہا کہ کل میں خود پوائنٹس ڈسکس کروں گا' ہاؤ انٹرسٹنگ (کتنا دلچسپ ہے) ناں؟" بات کرتے کرتے وہ ایک بار پھر بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"آئندہ آپ مجھے کوئی بھی میٹنگ ہینڈل کرنے کے لیے مت کہیے گا پلیز۔" اس نے صاف صاف کہہ دیا تو وہ جلد ہی مان گیا تھا۔

"او کے۔ ایز یو وش۔"

☆ ☆ ☆

اسے آفس جوائن کیے چار ماہ ہو گئے تھے اور وہ کمپنی کے پرافٹ اور لاس کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا کمپنی کی ساکھ کو بچانے کے لیے جس طرح وہ دن رات محنت کرتا تھا اس کا حساب نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کام کر کے وہ بہت کچھ سیکھ چکی تھی وہ اپنے کام اور ورکرز کے ساتھ بے حد مخلص اور سنجیدہ تھا یہی خلوص اور سنجیدگی اس کی شخصیت کا خاصا بن چکی تھی۔

وہ گاڑی کے پاس کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا جب وہ تیزی سے چلتی ہوئی پورچ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر اس نے فرنٹ ڈور کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ اسی وقت رک کر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"دانشہ۔" وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ رہی تھی جب اس کے پکارنے پر وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"یہ ڈریسنگ جاب کے لیے مناسب نہیں ہے تم ایسا کرو چینج کر کے آجاؤ تب تک میں ویٹ کر لیتا ہوں۔" اس نے بڑے عام سے انداز میں کچھ اس

طرح کہا کہ اسے بالکل بھی برا نہیں لگا تھا بلکہ اچھا ہی لگا تھا کہ اس نے پہلی بار اسے ٹوکا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے کپڑوں پر دوڑائی آج اس نے کافی عرصہ بعد ٹراوزر اور شرٹ پہنی تھی۔

وہ خاموشی سے کپڑے چینج کرنے کے لیے اندر کی جانب بڑھ گئی تو وہ جو کب سے خود کو موبائل پر مصروف ظاہر کر رہا تھا اسے اس طرح خاموشی سے جاتا دیکھ کر قدرے حیران ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے ساتھ بحث کرے گی مگر......

آج آفس میں مصروفیت سے بھرپور دن تھا۔ کئی کلائنٹس کے ساتھ اس کی میٹنگز بھی تھیں اور کچھ کے ساتھ اس نے سائٹس پر بھی جانا تھا جبکہ آج کچھ ایمپلائز بھی آف تھے۔ ان کا کام بھی ساتھ ساتھ کرنا ضروری تھا۔ اس کی ایک کلائنٹ کے ساتھ ایک ہوٹل میں میٹنگ تھی۔ وہ منظر صاحب کو لے کر جس وقت آفس سے نکلا وہ بھی ایک کلائنٹ کے ساتھ سائٹ پر جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی جب اس کی اچانک اس پر نظر پڑی تھی۔

ریڈ لانگ شرٹ اور سیاہ چوڑی دار پاجامے کے ساتھ بڑا سا سیاہ دوپٹا شانوں پر پھیلائے وہ بہت سوبر سوبر سی لگ رہی تھی۔

پتا نہیں کیوں اس کا دل نہیں مان رہا تھا اسے اس طرح اکیلے بھیجنے پر۔

"دانشہ۔" اس کے پکارنے پر وہ جو گاڑی میں بیٹھنے ہی والی تھی مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"منظر صاحب آپ سرفراز صاحب کو سائٹ پر لے جائیں۔ دانشہ میرے ساتھ میٹنگ میں جائیں گی۔" اس کے کہنے پر وہ اس کی طرف بڑھ گئی اور فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی۔

"آپ نے پلان کیوں چینج کر دیا؟" گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی اس نے بزنس پوائنٹ آف ویو سے سوال کیا۔ جس پر وہ بس خاموش ہی رہا تھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا؟" کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جب اس نے نہیں بتایا تو وہ جاننے پر مصر ہو گئی

تھی۔

"بعض سوالوں کے جواب نہیں ہوتے جب سر پر پڑتی ہے تب سمجھ آتی ہے۔" اس کی بات اسے کچھ زیادہ سمجھ نہیں آئی تھی للذا خاموش ہو گئی جبکہ وہ بھی پورا راستہ چپ ہی تھا۔

✡ ✡ ✡

لیزے کے لیے اس کے کولیگ ڈاکٹر کا رشتہ آیا تھا جو ہر لحاظ سے بہت اچھا تھا۔ پس اس نے اللہ کا نام لے کر ہاں کردی تھی اور نیکسٹ ویک منگنی کی چھوٹی سی رسم بھی ادا کرنے کا پروگرام بنا تھا۔ ہانی اور انوشے کا تو خوشی سے برا حال تھا وہ بس کپڑوں کی سلیکشن پر ہی تمام گفتگو کا آغاز اور انجام کرتی تھیں وہ بھی ان دونوں کے ساتھ پیش پیش تھی۔

کتنے برسوں کے بعد اس گھر میں کوئی خوشی گنگنا رہی تھی۔ وہ بے حد خوش تھا' مگر دل عجیب سی کیفیت میں گھرا محسوس ہو رہا۔

"آپ پریشان ہیں؟" وہ کب سے اسے ایک ہی پوزیشن میں صوفے پر بے حس و حرکت بیٹھے دیکھ رہی تھی جب اس سے رہا نہ گیا تو پوچھ ہی لیا۔

"نہیں تو۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور توجہ ٹی وی کی جانب مبذول کرلی۔

"آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ آج آپ اپنے ماں باپ کا فرض پورا کرنے جا رہے ہیں۔" اس نے اسے تسلی دینے والے انداز میں کہا پھر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ تو وہ کافی دیر تک اس کی کہی بات کو سوچتا رہا۔ اسے آج پہلی بار محسوس ہوا کہ کوئی اسے بھی تسلی دینے والا ہے کوئی ہے جو اس کی اندر کی پریشانی کو بھانپ کر چند الفاظ اسے وان کردے۔ وہ ایک گہرا سانس اپنے اندر اتار کر ایک بار پھر اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔

✡ ✡ ✡

وہ ابھی ابھی دو تین کلائنٹ سے مل کر آفس آیا تھا اور آتے ہی ٹیبل پر رکھی فائلز چیک کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ جب اسی دوران اس نے دانشہ کو اپنے روم میں بلایا۔

"سر وہ تو آفس میں نہیں ہیں۔" اس کے جواب پر اس نے چونک کر سامنے کھڑی سیکریٹری کو دیکھا۔

"کہاں ہیں وہ؟" اس نے فوراً" استفسار کیا۔

"سر وہ بارہ بجے سرفراز حبیب صاحب کے ساتھ سائٹ پر گئی تھیں۔" سیکریٹری کے ٹائم بتانے پر اس نے جلدی سے بائیں ہاتھ میں بندھی رسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔ سہ پہر کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔

"ٹھیک ہے آپ جائیں۔"

سیکریٹری کو جانے کا کہہ کر وہ بے چین سا اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنی دیر؟ اس نے ٹیبل پر رکھا اپنا سیل اٹھایا اور اس کا نمبر ملانے لگ گیا۔ نہ جانے اس نے کتنی بار اس کا نمبر ملایا تھا' مگر وہ فون ہی ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ پھر اچانک اسے یاد آیا کہ آج تو وہ گھر سے فون اٹھانا ہی بھول گئی تھی۔ شدید غصے اور پریشانی کے باعث اس کا برا حال تھا وہ بے چینی کے عالم میں ادھر سے ادھر مسلسل ٹہل رہا تھا۔

"سرفراز حبیب کا پرسنل سیل نمبر سینڈ کریں' فوراً" جب اسے کچھ بھی سمجھ نہ آیا تو مجبوراً" اسے سرفراز حبیب کا نمبر لینا پڑا۔

"سر سیل نمبر تو فیڈ نہیں ہے لینڈ لائن نمبر ہے۔" سیکریٹری کے اطلاع دینے پر اس کا دل چاہا انٹرکام اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

"آئندہ اگر کسی کا سیل نمبر فیڈ نہیں کیا آپ نے تو بہت بری طرح پیش آؤں گا' میں آپ کے ساتھ' انڈر اسٹینڈ؟" کہہ کر اس نے زور سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

وہ اس وقت اپنے آفس سے نکل کر پارکنگ ایریا کے باہر سڑک کے پاس منتظر نظروں سے ہر آنے جانے والی گاڑی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہر ہر انداز سے بے قراری نمایاں تھی۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے بھی پکڑ کر

اسے اپنے سامنے لاکھڑا کرے اور اس کا وہ حال کرے کہ..... اس نے سرفراز حبیب کے آفس بھی فون کیا تھا مگر اس کا پرسنل سیل نمبر آفس کے کسی فرد کے پاس بھی نہیں تھا۔

وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا جب اچانک اس کی نظر پارکنگ ایریا میں داخل ہوتی وہائٹ کرولا پر جا پڑی جو سرفراز حبیب کی تھی۔ وہ لمحہ کی تاخیر کیے بغیر تیزی سے اس طرف بڑھ گیا اور بمشکل سرفراز حبیب سے رسمی سا مصافحہ کر کے اس کی طرف متوجہ ہو گیا جو بالکل نارمل سے انداز میں کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"آپ میرے آفس چلیں میں ابھی آتا ہوں۔" اس کے کہنے پر وہ آفس کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ابھی چیئر پر آکر بیٹھی ہی تھی کہ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر کے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر ثبت کر دیا۔ وہ جو اس حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی۔ لڑکھڑا کر گر ہی پڑتی۔ اگر اس کا بازو اس کے آہنی ہاتھ کی قید میں نہ ہوتا جس نے اسے گرنے سے بچالیا تھا۔

"وکس سے پوچھ کر گئی تھیں تم اکیلی سائٹ پر سرفراز حبیب کے ساتھ؟" وہ پوری قوت سے چیخا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ اسے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا سوائے اس کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کے۔

"کیا پوچھ رہا ہوں میں جواب دو۔" وہ دھاڑا تھا۔

"میں نے منع کیا تھا نا اکیلے کسی کے ساتھ بھی سائٹ پر جانے سے، لیکن تمہاری نظر میں میری بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ پتا ہے تمہیں کس قسم کا آدمی ہے وہ؟" غصے کے عالم میں اسے چیئر پر دھکیلتا وہ خود کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے اضطراری انداز میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔

"اگر آئندہ دوبارہ اس قسم کی حرکت کی یا مجھ سے پوچھے بغیر کوئی قدم اٹھایا تو قدم اٹھانے سے پہلے تمہیں باہر اٹھا کر پھینک دوں گا، سمجھیں تم؟" دونوں ہاتھوں سے اس کی چیئر کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑے وہ ذرا سا جھک کر غرایا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ ایک نظر اس کے جھکے سر پر ڈال کر وہ سیدھا کھڑا ہوا اور خاموشی سے اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔ وہ مسلسل روئے جا رہی تھی اور وہ بے قرار و بے اختیار اسے دیکھے جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر رونے کے بعد جب اس نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے تو بہت زیادہ رونے کے باعث چہرہ متورم ہو چکا تھا اور سفید ناک گلابی ہو رہی تھی۔ لمبی گھنی پلکیں گیلی ہو کر آنکھوں کے حسن کو مزید بڑھا رہی تھیں۔ وہ دل سنبھالتا اسے دیکھتا چلا گیا جبکہ وہ سوں سوں کرتی چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اور وہ اسی خاموشی کے ساتھ اسے جاتے دیکھتا رہا پھر ایک گہرا سانس لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

اگلے کئی روز تک وہ آفس جانا تو دور کمرے سے بھی باہر نہیں نکلی تو اس سے رہا نہ گیا اور خود اس کے کمرے میں اس کے پاس جا پہنچا تھا۔ وہ وارڈ روب کے پاس کھڑی پیکنگ کرنے میں مصروف تھی۔ پیکنگ کرتے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر رکا پھر آہستگی سے چلتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اپنے قریب سے آتی اس کی بھاری، مگر مدھم آواز پر نہ جانے کیوں اس کا دل یکبارگی سے دھڑک اٹھا تھا، مگر وہ نظر انداز کیے کپڑے بیگ میں رکھنے میں مصروف ہو گئی۔

"بتاؤ کہاں جا رہی ہو، میں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ بظاہر سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا، مگر لہجہ اس کے برعکس تھی۔

"میں چلی جاؤں گی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"ابھی تک غصہ نہیں اترا؟" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بڑے دوستانہ انداز میں بولا تھا، مگر جواباً" وہ

خاموش ہی رہی۔
"سوری۔" اس کے ہاتھ میں موجود ہینگر کو واپس وارڈ روب میں رکھتے ہوئے وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔
"پتا نہیں اس دن مجھے کیا ہو گیا تھا۔ بس میں بہت پریشان ہو گیا تھا تمہاری طرف سے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کروں، کہاں جاؤں؟ بس میں اپنی کیفیت نہیں بتا سکتا، لیکن مجھے اتنا ضرور پتا چل گیا ہے کہ جن سے محبت ہوتی ہے انہی کا خیال رکھنے کو دل کرتا ہے اور انہی کی پروا کرنے کو جی چاہتا ہے۔"
اس کی بات پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو اس سے محبت کا دعوا کر رہا تھا، لیکن چہرے کے بائیں جانب گرم ہوتا گال اس کی آنکھیں بھر گیا تھا۔
"مجھے جانا ہے میں یہاں صرف اپنے تحفظ کے لیے آئی تھی، نہ حصہ لینا چاہتی تھی اور نہ حصہ دار بننا چاہتی تھی بس یہاں آکر یہ دل ضرور چاہنے لگا تھا کہ میرا بھی کوئی آپ کی طرح خیال رکھے، پروا کرے بالکل اسی طرح جس طرح آپ لیزے، انوشے اور ہانی کو لے کر فکر مند ہوتے تھے خیال رکھتے تھے، لیکن اب سمجھ میں آیا فیوچر سیکور کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" اس کی آنکھیں خود بخود جھلملانے لگی تھیں۔
"میں بھی تو چاہتا تھا تم اپنا فیوچر بناؤ، مگر میرے ساتھ مل کر۔" اس کی بات پر اس کے وجود پر ارتعاش سا پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بمشکل ہی اس کی طرف ایک نظر دیکھ پائی پھر سر جھکا گئی۔
"تمہیں پتا ہے میں نے کبھی تمہیں آگے کچھ کرنے کو کیوں نہیں کہا؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"کیوں کہ میں سمجھتا تھا کہ تمہارے لیے ایم بی اے بہت ہے اور اس کے بعد تمہارے لیے بیسٹ جاب گھر کی ہے کیوں کہ تم گھر بہت اچھا سنبھال لیتی ہو اور مجھے یقین ہے کہ مجھے بھی سنبھال لو گی بہت تھک گیا ہوں۔" اس کے آخری فقرے پر اس نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا جہاں واقعی برسوں کی تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
"اگر تمہیں پالیا تو مجھے یقین ہے میری ہر لمحہ کی تھکن ایک لمحہ میں اتر جائے گی، ہے نا؟" اس کے اتنے یقین سے کہنے پر بے ساختہ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ یک دم پرسکون سا ہو گیا تھا اور مسکرا کر اسے دیکھنے لگا جو نہ جانے کب اس کے دل میں براجمان ہو گئی تھی کہ اپنے لیے اس کے قیمتی ہونے کا احساس بڑھتا چلا گیا تھا۔
"ویسے بھائی آپ کی کہانی کی ہیروئن تو بہت ظالم نکلی جو اس گھر کی پہلی خوشی میں سے غائب ہونا چاہتی تھی اب اس کی سزا یہ ہے کہ پرسوں آپ بھی اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام کر اس گھر میں قید کر لیجیے گا تاکہ یہ دوبارہ کبھی یہاں سے جانے کا خیال دل میں نہ لا سکے۔"
لیزے نہ جانے کمرے میں کب آئی تھی اور آتے ہی اس نے جو بات کی اس پر وہ دونوں ہی مسکرا اٹھے تھے۔
اس نے تشکر آمیز انداز میں لمحہ بھر کے لیے پلکیں جھکا لیں جن میں نمی خود بخود اتر آئی تھی۔ ایک پل کے ساتھ میں ہی اسے لگا جیسے اسے پا کر اس کی ساری محرومیاں اور تشنگیاں ختم ہو گئی ہیں۔
ہانی اور انوشے بھی کمرے میں آچکی تھیں اور دبیر کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے ان چاروں کو دیکھتی چلی گئی اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگی جس نے اس سے چند رشتے واپس لے کر بدلے میں مزید اچھے رشتوں سے ملایا تھا۔

☆ ☆

سالگرہ نمبر
صدف آصف
وفا شناس

موسم کی رعنائی اپنے عروج پر تھی یا شاید اس کے دل کا موسم بڑا خوشگوار ہو چلا تھا' وہ شام سے آئینے کے سامنے کھڑی' خود کو خوشبوؤں میں بساتی ہوئی' بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ بالوں کے لچھوں کو انگلیوں سے سیدھا کرتے ہوئے' ہلکے سروں میں کچھ گنگنانے لگی۔ اس کے پرکشش چہرے پر گویا آنے والی خوشیوں کے عکس جھلملا اٹھے' آج کے خاص دن کی مناسبت سے اس نے آئس بلیو شیفون کا اسٹائلش سوٹ پہنا ہوا تھا' سنہری رنگت کو ہلکے میک اپ نے دمکا دیا تھا۔ پنک لپ اسٹک کا آخری ٹچ ہونٹوں پر سجا کر' وہ بڑے سبھاؤ سے دروازے کی جانب بڑھی۔

اسی وقت دروازے پر بڑے زور دار انداز میں دستک دی گئی' اس کا دل گھبرا گیا' ہاتھ بڑھا کر ہینڈل پر دباؤ ڈالا تو باہر ماں کو کھڑا پایا' ان کے چہرے پر اضطراب کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیا۔

"ممی... کیا ہوا؟" ماوری نے پریشانی سے پوچھا۔

غزالہ ارشد نے خاموش رہ کر ایک ٹک بیٹی کو گھورا۔

"یہ کتنی خوش ہے' کیسے اس کے ارمانوں کا خون کر دوں؟" وہ بڑی الجھن میں پڑ گئیں۔

"پلیز... ممی ایسے کیا دیکھ رہی ہیں' بتائیں نا۔ کیا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" ماوری نے پریشان ہو کر انہیں جھنجوڑ ڈالا۔

"وہ... یوشع کا فون آیا تھا' اس نے منگنی توڑ دی ہے" ان کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی' ماوری کے پیروں تلے زمین نہ رہی۔

"نہیں... وہ ایسا نہیں کر سکتا" ماوری بڑی بڑی براؤن آنکھوں پر تیزی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے چیخ پڑی۔ غزالہ بیٹی کو سنبھالنے آگے بڑھیں' جواب گھٹنوں کے بل بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی' اچانک اس کے خیالوں میں شہاب کے ہلتے ہونٹ چلے آئے' اس کا تجزیہ درست نکلا' جنہیں اس نے حسد کا نام دے کر در خور اعتنا نہیں جانا۔

یادیں ماضی کے جھروکوں سے دھندلے دھندلے انداز میں ابھری اور اس کے ذہن پر سوار ہونے لگی۔ وہ خیالوں میں کھو گئی۔

☆ ☆ ☆

ماوری' غزالہ اور ارشد علی کی اکلوتی اولاد تھی' بڑی ہوئی تو گھر میں پھیلی تنہائی اسے کاٹتی' غزالہ کو اس کا دوستوں کے گھر زیادہ آنا جانا بھی پسند نہ تھا۔

"بس... جس سے ملنا ہے گھر میں بلالو' تمہیں کسی کے گھر جانے کی ضرورت نہیں جانے کیسے لوگ ہوں" ماوری اکیلے بیٹھے بیٹھے بے زار ہو کر پاس پڑوس میں دوستی بڑھانا چاہتی تو غزالہ فوراً" انکار کر دیتی۔

وہ جہاں بھی جاتیں بیٹی کو ساتھ رکھتیں۔ ماسٹرز کرنے کے بعد ماوری کی دنیا بہت محدود ہو کر رہ گئی۔ اسے گھر کی خاموشی کاٹ کھانے کو دوڑتی۔

ایک دن ماوری کے خالہ زاد بھائی سلمان دبئی سے آتے ہوئے' اس کے لیے لیپ ٹاپ لے آئے' گھر میں انٹرنیٹ کی سہولت پہلے سے ہی موجود تھی' یوں اسے اپنی تنہائی دور کرنے کا مصرف مل گیا۔

اس نے ایک سماجی ویب سائٹ پر اپنا اکاؤنٹ بنایا اور اچانک' بہت سارے دوست اس کی خاموش زندگی میں ہلچل مچانے چلے آئے' ان سے چیٹ کرنے میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔

"چلو... اچھا ہے۔ مصروف تو ہوئی' ورنہ میری جان کھاتی رہتی۔" غزالہ بیٹی کو گھر میں مصروف دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔ یہ جانے بنا کہ کبھی بے ضرر لمحے زہر آلود ہونے میں وقت نہیں لگاتے۔

☆ ☆ ☆

یوشع آسٹریلیا سے چار سال بعد وطن واپس لوٹا تو یونیورسٹی کے پرانے ساتھیوں کی کھوج میں لگ گیا' اس کے ذہن میں شہاب کا نام بھی گونجا' وہ دونوں بہت اچھے دوست تھے' مگر باہر جانے کے بعد سے رابطے منقطع ہو گئے تھے ایک روز جب وہ فرصت سے بیٹھا تھا تو اس نے شہاب کے نمبر پر رابطہ کیا۔ جو اس نے اپنے ایک اور ساتھی سے مانگا تھا۔ شہاب نے عادت کے مطابق یوشع سے بڑی گرمجوشی سے بات کی۔ دونوں

کافی دیر تک گپ شپ میں لگے رہے اور یونیورسٹی کی پرانی یادوں کو تازہ کیا۔

یوشع ایک ہفتے بعد جب کسی کام سے اس کے علاقے سے گزرا تو دوست سے ملنے کا خیال آیا' اس نے گاڑی شہاب کے بتائے ہوئے پتے کی جانب موڑ دی۔ وہ ایک پوش محلے کے وسیع و عریض گھر کے سامنے پہنچا تو اس کی نگاہوں میں ستائش آگئی۔

"واہ... لگتا ہے شہاب نے بڑی ترقی کرلی ہے۔" اس نے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر سوچا' پھر اسے خیال آیا کہ شہاب نے فون پر بتایا تھا کہ وہ آج کل اپنے ماموں کے گھر میں رہائش پذیر ہے۔

"واؤ..." یوشع کو اس وقت مزید خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب اطلاعی گھنٹی بجانے پر دروازہ کھولنے والی کو دیکھا کھلتا ہوا سنہری مائل رنگ و روپ' براؤن غلافی آنکھیں' موو کلر کی کرتی اور بلیو ٹراؤزر میں ملبوس اس پیاری لڑکی نے لمحوں میں اس کا دل اپنی گرفت میں لے لیا۔ پتا چلا کہ وہ شہاب کی ماموں زاد بہن' ماوری ارشد ہے۔

شہاب کے گھر والے حیدر آباد میں رہتے تھے' مگر وہ یہاں ایک دفتر میں اچھی پوسٹ پر فائز تھا' اسی لیے ماموں کے اصرار پر انیکسی میں شفٹ ہوگیا' والد کے نہ ہونے سے ان سب نے بہت مشکل وقت جھیلا تھا' حالات بدل چکے تھے' اس کے باوجود اس کی شخصیت کا دبو پن اور وجود پر لگی احساس کمتری کی چھاپ ختم نہ ہو سکی۔

یوشع کا متاثر کن قدو قامت' بولنے کا ایسا انداز کے سامنے والا لمحوں میں اسیر ہو جائے' پھر ماوری کیسے اس کی شخصیت کے سحر سے بچ پاتی۔ اس کی نگاہوں کو اس کا انتظار رہنے لگا' اکثر جب شہاب اور یوشع لان میں بیٹھے باتوں میں محو ہوتے تو ماوری لاشعوری طور پر دونوں کا موازنہ کرنے میں لگ جاتی اور یوشع کا پلا بھاری نکلتا۔

"اس لڑکی کی آنکھوں میں جادو ہے" یوشع جب بھی ماوری کو دیکھتا' دل میں پسندیدگی کی لہر اٹھتی۔ ان کا چھوٹا سا گھرانہ بھی اسے بہت پسند آیا۔

یوشع اب اکثر کسی نہ کسی بہانے سے ان کی طرف چلا جاتا۔ غزالہ نے بھتیجے کے آسٹریلیا پلٹ دوست کی آنکھوں میں بیٹی کے لیے پسندیدگی کی جھلک دکھائی دی تو اس کی آؤ بھگت میں لگ گئیں' اچھے رشتوں کا ویسے بھی کال پڑا تھا' ان کے اصرار پر وہ کئی بار رات کے کھانے پر وہاں رک گیا' تو ارشد صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی۔ شہاب کا دن تو آفس میں گزر جاتا' پر شام میں وہ بھی فارغ ہوتا تو یوشع کو جم کر کمپنی دیتا۔ دونوں کے بیچ گھریلو باتیں بھی ہوتیں۔

یوشع کو شہاب کی باتوں سے کبھی کبھار گمان ہوتا کہ وہ بھی ماوری کو چاہتا ہے۔ مگر گزرتے وقت کے بعد یہ عقدہ بھی کھل گیا معاملہ یکطرفہ ہے۔ ماوری کو اپنے کزن میں رتی برابر بھی دلچسپی نہیں۔

یوشع کے جانے کے دن قریب آگئے' اس دوران وہ ماوری سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ ایک دن اس نے ماوری کو تنہائی میں پرپوز کیا تو وہ سر ہلا کر شرماتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔ اس کے دل کی کلی کھل گئی۔

غزالہ نے بھی اشاروں کنایوں میں اس پر دباؤ ڈالا کہ بیٹی کے لیے کچھ اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں۔ یوشع کو اس لیے شادی کے لیے جلد سنجیدہ ہونا پڑا' شہاب خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا' یوشع نے مما پپا سے اس بات کا ذکر کیا تو وہ بخوشی ماوری کے گھر والوں سے ملنے کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک قباحت تھی' اس کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ شہاب سے اس بات کا تذکرہ کیسے کرے؟

"ہیلو..." کچھ سوچ کر اس نے فون اٹھایا اور نمبر پریس کرنے لگا۔

"میں تمہیں پک کرنے آرہا ہوں۔ کھانا کھانے باہر چلتے ہیں" یوشع نے شہاب سے اپنی بات کہنے کے فوراً" بعد لائن کاٹ دی۔

✻ ✻ ✻

"اچانک... پروگرام بنالیا" دونوں آمنے سامنے

بیٹھے کھانا کھا رہے تو شہاب نے لقمہ منہ تک لے جاتے پوچھا۔

"بس... ویسے ہی۔" یوشع نے چاول ٹونگتے ہوئے ٹالا۔

"کیا کوئی مسئلہ ہے... بڑے چپ چپ لگ رہے ہو؟" شہاب نے اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی بھانپ لی۔

"ہونہہ... کچھ خاص نہیں۔" یوشع نے ایک بار پھر ٹالنا چاہا' پھر اپنا حال دل کہہ دیا۔ وہ تو بھونچکا رہ گیا۔

"ماوری کی مرضی معلوم کی کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" شہاب نے کچھ دیر پوچھا۔

"ہاں اسے کوئی اعتراض نہیں۔" یوشع نے جواب دیا۔

"ایک بار پھر سوچ لو... تم جلد بازی تو نہیں کر رہے ہو؟" اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں تھیں۔

"نہیں... میں سچے دل سے ماوری کو چاہنے لگا ہوں اور واپس جانے سے پہلے' منگنی کرنے کے موڈ میں ہوں" یوشع نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ شہاب جز بز سا ہونے لگا۔

"ایک... بات کہوں... میں تمہیں بھی شروع سے جانتا ہوں اور ماوری کو بھی۔ تم جتنے جذباتی اور الٹے دماغ کے ہو' وہ اتنی ہی معصوم اور نازک دل کی لڑکی ہے۔ ڈرتا ہوں کہ... اس کے ساتھ کچھ غلط نہ ہو جائے۔" وہ یوشع کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ بات تم مجھ پر چھوڑ دو' تمہیں میری وجہ سے کسی قسم کی شرمندگی نہیں اٹھانی پڑے گی۔" یوشع نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اسے شہاب کا انداز بہت برا لگا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ممانی سے بات کروں گا۔" شہاب نے ٹھنڈی سانس بھری اور حامی بھرلی۔

"میں کل ہی مما پپا کو لے کر آؤں گا تاکہ جانے سے پہلے بات پکی ہو جائے" یوشع نے سر ہلایا' دل کو اطمینان ہوا' مگر شہاب کا سکھ چین غارت ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

ان لوگوں نے اتنی جلدی مچائی کہ غزالہ کو حامی بھرنی پڑی اور ایک ہفتے بعد ماوری اور یوشع کی منگنی کا دن طے پا گیا' سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ ماوری کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ ابھی تیاری مکمل نہیں ہو پائی تھی کہ منگنی کا دن سر پر آ کھڑا ہوا' دس کام باقی رہ گئے اس پر افتاد یہ پڑی کہ غزالہ کا بی پی لو ہو گیا' شاید بازار کی دوڑ دھوپ نے اثر دکھایا' اتنے چکر آنے لگے کہ ان کا کھڑا ہونا مشکل ہو گیا۔

"ممی... اٹس ناٹ فیئر اس خاص موقع پر... آپ نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔" وہ ماں کی بیماری سے پریشان ہو کر بولی۔

"تم ایسا کرو' شہاب کے ساتھ مارکیٹ چلی جاؤ۔" غزالہ نے اسے بستر پر لیٹے لیٹے مشورہ دیا۔

"ممی... آپ جانتی ہیں... نا" ماوری نے منہ بنایا' وہ جانا نہیں چاہ رہی تھی کہ اس کے پاپا اور ان کی بہن یعنی شہاب کی امی اس رشتے پر زیادہ خوش نہیں تھے۔

"مجبوری ہے۔ آج کل حالات ویسے ہی خراب ہیں' میں تمہیں اکیلے تو نہیں بھیج سکتی" غزالہ نے اسے شہاب کے ساتھ زبردستی شاپنگ کے لیے بھیج دیا۔

شاپنگ مال میں بہت رش ہو رہا تھا' عام حالات میں اسے بڑی مشکل سے کوئی چیز پسند آتی' مگر اس وقت وہ جلدی جلدی ضروری چیزیں خریدتی چلی گئی' شہاب کی نگاہیں مسلسل اس کے طواف میں تھی' وہ جز بز ہوئی جا رہی تھی۔

جانے کیا بات تھی اسے شروع سے ہی اپنے کزن کی قربت الجھن میں مبتلا کر دیتی' یہ ہی وجہ تھی کہ جب پھوپھی اماں نے اس کا رشتہ شہاب کے لیے مانگا تو' ماوری نے باپ کی خواہش کے باوجود انکار کر دیا۔ اس دن کے بعد سے دونوں کے بیچ اجنبیت کی لکیر مزید گہری ہوتی چلی گئی۔ اس کی بے اعتنائی کے باوجود وہ اسے من ہی من میں چاہتا رہا۔

ماوری جیولری شاپ میں داخل ہوئی تو' شہاب بھی اس کے پیچھے چل دیا۔ خلافی آنکھوں پر سایہ فگن گھنی

پلکیں اور دھلا ہوا سادہ چہرہ' وہ اس کی حرکات و سکنات کو بڑی حسرتوں سے تک رہا تھا' کبھی کوئی جھمکا کانوں پر رکھ کر دیکھتی' یا کوئی ہار گلے سے لگا کر آئینہ میں اپنا جائزہ لیتی' کبھی جڑاؤ انگوٹھی اپنی نازک انگلی میں پہن کر چیک کرتی۔

"یہ... کتنی من موہنی ہے' کاش جان سکتی کہ میرے دل میں اس کے لیے کتنی محبت چھپی ہے۔"

شہاب نے اداسی سے سوچا۔

یوشع۔ جیسے بندے کے ساتھ گزارا آسان نہیں۔

اس کی نگاہوں میں یونیورسٹی کے کئی ایسے مناظر گھوم گئے' جب وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپے سے باہر ہو کر اپنا آپ بھول جاتا۔ شہاب سوچتا ہوا بے اختیار' اس کے عقب میں آکر کھڑا ہوا' براؤن اونچی ہیل کے شوز سے جھانکتی اس کی گلابی ایڑیاں...

"چلیں..." ماوری نے پوچھا' وہ خیالوں میں کھوئے کھوئے سرہلا کر اس کے پیچھے چل دیا۔

"ماوری... !کیا تم نے یوشع کو اچھی طرح جان لیا ہے" شہاب سے رہا نہ گیا اس نے ماروی سے پوچھ ہی لیا۔

"جی میں جانتی ہوں... تو؟" ماوری نے نہ سمجھ میں آنے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"میں اس کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں' وہ بہت اچھا ہے۔ پر اس کی سو اچھائیوں پر دو برائیاں حاوی ہیں' ایک وہ بے حد جذباتی اور غصہ ور ہے' دوسرا حد سے زیادہ کانوں کا کچا ہے۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولتا چلا گیا۔

"پلیز۔ دو دن بعد ہماری منگنی ہے۔ آپ ہم دونوں کے بیچ دراڑیں ڈالنے کی کوشش نہ کریں' مجھے ان کی وفا پر پورا یقین ہے" ماوری کے چہرے پر ناگواری چھا گئی' اس نے سن گلاسز لگا کر منہ پھیر لیا۔

"اللہ... تمہارے یقین کو سلامت رکھے۔"

شہاب نے گہری سانس لے کر دل میں کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ پورے راستے وہ عجیب سی الجھنوں کو سلجھاتی رہی' جو شہاب کی باتوں سے من میں پیدا ہو چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"ماوری' میں نے بڑی مشکل سے آنٹی کو منایا ہے' کچھ گھنٹے تمہارے ساتھ گزار سکوں۔ تیار ہو جاؤ۔ پانچ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" یوشع امجد کے بھاری لہجے نے ماوری کے من میں ہلچل مچادی۔ دو دن پہلے ہی تو ان کی منگنی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے انجام پزیر ہوئی تھی۔

"اتنا اچانک مجھے تیار ہونے کا وقت تو دیں" وہ اپنے منگیتر سے موبائل پر بات کرنے کے ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پر بھی بزی تھی۔

"پلیز' سمجھنے کی کوشش کرو' میری کل کی فلائٹ ہے۔ جانے کی تیاری بھی کرنا ہے۔" یوشع نے التجا کی۔

"اتنی جلدی واپسی..." اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔

چیٹنگ سے بھی دل اچاٹ ہو گیا' لاگ آؤٹ ہو کر پوری توجہ فون پر مبذول کرلی۔

"بس... بہت موج مستی کرلی اب ذرا' کام دھندے پر بھی توجہ دوں' آخر شادی ہونے والی ہے۔" یوشع نے پیار سے کہا۔

"مجھے تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا... کب واپس آئیں گے؟" ماوری نے بے قراری سے پوچھا۔

"باقی۔ باتیں راستے میں کرلیں گے۔ اسی لیے تو آ رہا ہوں... پلیز تم ٹائم ضائع نہ کرو۔" اس کے لہجے کا امرت' ماوری پر پیار بھری مستی چھا گئی۔

"اتنی جلدی... او کے صرف آدھا گھنٹہ دے دیں۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"فورا" باہر آجاؤ' میں تمہارے گھر کے باہر کھڑا ہوا۔ ویسے بھی مجھے تو تم ہر حلیہ میں اچھی لگتی ہو۔" وہ جوش و خروش سے بولتا ہوا' ماوری کے ہاتھوں کے توتے اڑانے لگا۔

"شکر ہے نہا کر ابھی استری والے کپڑے پہنے ہیں۔" اس نے لباس پر نگاہ دوڑائی' بلیک اونچی کڑھائی

والی شرٹ اور سگریٹ پینٹ اس پر جچ رہی تھی' جلدی سے خود پر جی بھر کر پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا' لپ اسٹک لگائی' بالوں پر الٹا سیدھا برش پھیرا اور ماں کو بتاتی بیگ اٹھا کر باہر بھاگی۔ راستے میں شہاب سے ملاقات ہوئی' دونوں کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں' اس نے منہ پھیر لیا' شہاب کے چہرے میں ایسا حزن طاری تھا کہ ماوری کے لیے نگاہیں ملانا مشکل ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ لمحے ماوری کی زندگی کا حاصل ٹھہرے' جو ان دونوں نے اس شام ایک دوسرے کی سنگت میں گزارے۔ رم جھم برستی بارش سے بھیگی' سیاہ لمبی سڑک پر لانگ ڈرائیو کا اپنا ہی مزہ تھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے جب بھی یوشع پیار سے برابر والی سیٹ پر براجمان ماوری کو دیکھتا تو وہ نیلگوں شام میں برستی بارش کا حصہ نظر آتی۔

کافی دیر بعد انہیں بھوک کا احساس ہوا۔ بارش بھی رک چکی تھی۔ وہ دونوں ساحل کی طرف نکل پڑے چوڑی سڑک کے اطراف پر لائن سے بنے ریستوران کی روشنیوں سے سمندر جھلملا رہا تھا' اماوس کے گھور اندھیرے میں سفید چاندی سے بگلوں کے پروں کی لطیف پھڑپھڑاہٹ' مہکتی ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی' ماحول خاصا رومان پرور بنا ہوا تھا۔ وہ دونوں قدم سے قدم ملا کر وہاں جا بیٹھے جہاں چٹانوں سے ٹکراتی لہروں کی آواز ماحول کی دلکشی بڑھانے کا سبب بنی ہوئی تھی۔

کھانے کے بعد ماوری نے بار بار گھڑی دیکھی تو یوشع نے اٹھنے کا عندیہ دیا۔

"آخری بات تو سن لو۔" یوشع نے ہاتھ تھاما۔

"جی... کوئی خاص بات ہے؟" ماوری بڑی بے چین سی ہو گئی۔

"میں نے مما پپا کو منا لیا۔" اس نے سسپنس کری ایٹ کیا۔

"پلیز جلدی بتائیں کس چیز کے لیے منا لیا؟" وہ مسکرائی' رات کی سیاہی میں اس کے چہرے کا سنہرا پن چھلکا۔

"ہم دونوں کی شادی... اب ایک سال کے بجائے' چھ مہینے میں ہونے والی ہے' میں نے اسی لیے اپنا اس دفعہ کا ٹور مختصر کر دیا ہے' تاکہ جلدی واپس آسکوں اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنا بنا کر یہاں سے لے جاؤں۔" وہ ایک سرشاری میں بولتا چلا گیا اور ماوری تو جیسے' ان بگلوں کے سنگ ہواؤں میں اڑنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"یوشع... تم نے ایسا کیوں کیا؟ وہ خیالوں سے لوٹی تو سوچتی چلی گئی۔

"تم تو کہتے تھے محبت جیت ہے... مگر تم جھوٹ بولتے تھے' محبت جیت ہو کر بھی ہار گئی نا" ماوری نے خود کو آئینہ میں دیکھ کر سوچا' سوجی ہوئی آنکھیں' بکھرے بال' پپڑی جمے ہونٹ' چند دنوں میں ہی وہ قسمت کی بساط پر پٹے ہوئے مہرے کی طرح ہاری ہوئی لگ رہی تھی۔

"وہ دن کتنا معتبر تھا' اس دن تمہارے گھر والے شادی کی تاریخ رکھنے آرہے تھے۔ اور تم نے' اچانک... منگنی توڑنے کا اعلان کر کے مجھے نامعتبر کر دیا۔" اس بات کو ایک ہفتہ سے زیادہ گزر چکا تھا' مگر اس کے آنسو تھمنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ سوچ سوچ کر دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

اس نے ایک بار پھر یوشع کا نمبر ملایا' مگر فون بند' ماوری نے غصے میں سیل فون زمین پر دے مارا اور گھٹنوں میں منہ دے کر دوبارہ رونا شروع کر دیا۔

غزالہ اور ارشد صاحب نے بھی کئی بار ان لوگوں سے وجہ جاننے کی کوشش کی' مگر ادھر سے یوشع کے والد امجد اور ان کی بیگم فاطمہ نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی بس ایک ہی جواب' اب یوشع یہاں شادی کے لیے رضامند نہیں۔ یہ لوگ بھی لڑکی والے تھے کتنا جھکتے' چپ ہونا ہی پڑا۔ شہاب بھی حیدر آباد گیا ہوا تھا' ابھی بات خاندان میں پھیلی نہیں تھی' اسی لیے وہ لوگ اس کی واپسی کے منتظر تھے' شاید وہ یوشع سے

بات کرکے اسے سمجھا سکے۔

✲ ✲ ✲

"ماوری... تم نے اپنے ہاتھوں اپنی خوشیوں کو آگ لگادی۔" غزالہ نے بیٹی کو لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا دیکھا تو ماتھا پیٹ لیا۔ وہ کئی دنوں بعد دل بہلانے کے لیے آن لائن ہوئی تھی۔

"کیا... کیا ہوا امی؟" وہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے دو دن قبل... شہاب کو کال کرکے چپکے سے ساری بات بتائی' اس نے یوشع سے اس مسئلے پر تفصیلی بات کی' مگر وہ تمہارا نام سننے کو تیار نہیں۔" غزالہ ہانپ اٹھیں۔

"آخر مجھ سے ایسا کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے؟" ماوری ہسٹریائی انداز میں چیخی' اس دن سے سوچ سوچ کر اس کا اپنا دماغ پک گیا تھا۔

"تمہارا کوئی نیٹ فرینڈ' شیری تھا۔" انہوں نے دانت کچکچا کر پوچھا۔

"شیری...!" اس نے کچھ دیر سوچا' اسے یاد آگیا۔ ایک سال قبل شیری نام کا لڑکا اس کی فرینڈز لسٹ میں شامل تھا۔ شیری نے شروع میں تو بات چیت بہت مہذب انداز اپنایا' وہ بھی اس سے چیٹ کرتی رہی' مگر چند مہینوں کی دوستی میں وہ کھل کر سامنے آگیا' اس کی بے ہودہ گوئی' جب حد سے بڑھنے لگی تو ماوری نے اسے ان فرینڈ کر دیا۔ اسے ماں کے کہنے پر ساری بات یاد آگئی۔

"جی تھا ایک فضول سا لڑکا... مگر اس کا میرے اور یوشع کے معاملے سے کیا تعلق ہے؟" وہ نا سمجھ میں آنے والے انداز میں بولی۔

"وہ ہی منحوس تو ہے... اس منگنی کے خاتمے کا سبب۔ وہ بھی آسٹریلیا میں رہائش پذیر ہے۔" غزالہ نے بیٹی کو دیکھ کر غصے سے کہا۔

"شیری... وہ اس نے کیا کیا؟" ماوری ہکلائی' اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

"ہاں... وہی۔"

"اس کا مطلب تم اپنی دشمن خود ہی نکلیں۔" انہوں نے ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ بیٹی کو اس وقت کوئی رعایت دینے کے حق میں نہیں تھیں۔

"ممی پلیز پوری بات تفصیل سے بتادیں' ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔" ماوری کی آنکھوں سے آنسو قطار در قطار ٹپکنے لگے۔

"یوشع' یہاں سے خوشی خوشی' آسٹریلیا لوٹا' اس کے سارے دوستوں نے انگیجمنٹ کی خبر سنی تو ٹریٹ مانگی' اتفاق سے شیری بھی چند ماہ پہلے اسی بلڈنگ میں شفٹ ہوا تھا جہاں یوشع رہتا ہے' وہ بھی اس پارٹی میں شریک ہوا' سب کی فرمائش پر جب یوشع نے منگنی کی تصاویر دکھائیں تو' شیری تمہیں پہچان گیا' اس وقت تو اس نے کچھ نہیں کہا' مگر بعد میں دھیرے دھیرے اس کے کان بھرنا شروع کر دیا' وہ تمہیں ایک بدکردار لڑکی کہتا ہے۔"

"ممی... وہ جھوٹ بولتا ہے' میری اس سے صرف دوستی تھی۔ تصویریں بھی اس نے میرے پروفائل سے اٹھائی ہوں گی' جو میں نے اپنے دوستوں کے فرمائش پر لوڈ کیں۔ دراصل میری پکچرز دیکھنے کے بعد جب اس کی بات کرنے کا انداز بدلا تو میں نے اسے ان فرینڈ کر دیا۔" ماوری کے چہرے پر پھیلی معصومیت' اس کی سچائی کی گواہ تھی۔

"مجھے خبر ہوتی کے تم گھر میں بیٹھ کر یہ گل کھلا رہی ہو تو پہلی فرصت میں نیٹ کا کنکشن کٹوا دیتی۔" انہوں نے بیٹی کی بے وقوفی پر ماتھا پیٹا۔

"ممی' سب میرے اچھے دوست ہیں۔" اس نے صفائی دی لائیک اور تعریفی کمنٹس کی خواہشمند ماوری کو کیا خبر تھی کہ اس کا مستقبل یوں تباہ ہو جائے گا۔

"اف میرے اللہ اس لڑکی کو تھوڑی عقل دے' ایسے راہ چلتے' سب لوگ اچھے اور سچے ہونے لگے تو... تو معاشرہ سدھر نہ جائے؟" غزالہ نے سر پیٹا۔

"پھر کیا ہوا؟" اس کے ہونٹ کپکپائے۔

"یوشع نے چند دنوں تک تو تمہارا دفاع کیا' مگر ایک دن شیری نے تابوت میں آخری کیل کے طور پر تمہاری تصاویر اور ان باکس میں کی جانے والی چیٹ کا امیج اسے میل کر دی۔ بس وہیں سے یوشع کا دل خراب ہوا' اس نے ماں باپ سے انکار کا کہا' وہ لوگ شریف لوگ تھے' اسے سمجھاتے رہے' مگر جب بات شادی کی تاریخ طے کرنے تک جا پہنچی تو یوشع نے دھمکی دے دی' آپ لوگ وہاں جا کر تاریخ دے دیں' مگر میں پاکستان نہیں آؤں گا' اس کے بعد اس نے یہاں ایک منٹ کی کال کی اور منگنی توڑنے کی اطلاع دے کر فون بند کر دیا۔" غزالہ نے ہانپتے ہوئے ساری کہانی بیٹی کے گوش گزار کی جو انہیں شہاب کے ذریعے پتا چلی۔

"اس نے شہاب سے یہ بھی کہا کہ اگر اتنی آزاد خیال لڑکی کو بیوی بنانا ہوتا تو یہاں لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔" غزالہ نے زہر آلود نگاہ ڈال کر کہا۔ ماوری اس کی بے اعتباری پر سن رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"بیٹا... اب تم ہی کچھ کر سکتے ہو۔ ابھی خاندان میں کسی کو اس بات کی خبر نہیں' سوچو تمہارے ماموں کی کتنی بدنامی ہوگی۔" شہاب جلد ہی حیدر آباد سے لوٹا تو غزالہ نے رو رو کر اس سے یوشع سے ایک بار پھر بات کرنے کی التجا کی۔

شہاب نے ماوری سے صفائی کا ایک لفظ بھی نہیں مانگا' وہ اسے اچھی طرح سے جانتا تھا' اسے پورا یقین تھا کہ شیری نامی لڑکا جھوٹ سے کام لے رہا ہے اور چیزوں کو جس طرح سے بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے ویسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔

اس نے دوست کو کئی بار فون گھمایا اور اس کا مقدمہ کچھ اس ڈھنگ سے لڑا کہ یوشع کے دل پر چھائیں ساری کثافتیں دھیرے دھیرے دھل گئیں' بدگمانیاں ختم ہونے لگیں۔ کئی دنوں تک جاری گفت و شنید کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اس رشتے کو دوبارہ جوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔

"ارے لڑکی جلدی سے کچھ کھلاؤ' من کی مراد پوری ہونے والی ہے۔" شہاب نے اپنے دل پر قابو پاتے ہوئے' ماوری کے کمرے میں شور مچاتا داخل ہوا۔ وہ روشنیاں گل کرے' یوشع کی بے وفائی اور بدگمانی کا سوگ منانے میں مشغول تھی۔

"اب کون سی مراد پوری ہوئی ہے۔" پہلے تو اس نے اداس نگاہیں اس پر ڈال کر پوچھا' پھر شہاب کے تفصیل بتانے پر اسے کچھ باتیں بہت چبھیں۔

"مبارک ہو... ماوری۔" یوشع اگلے ہفتے پاکستان آرہا ہے... تاکہ تم دونوں کی نکاح کی رسم ادا کی جا سکے۔" شہاب نے مسکرا کر اپنی تئیں خوش خبری سنائی۔

"نہیں ان کو منع کر دیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" ماوری کے من میں عجیب سا تضحیک کا احساس جاگا۔

"پلیز میں نے اسے بڑی مشکل سے منایا ہے۔ تمہاری ایسی باتوں سے وہ دوبارہ ناراض ہو جائے گا۔" شہاب ایک دم گڑبڑا اٹھا۔

"مجھے ایسا مستقبل نہیں چاہیے' جس میں ہمیشہ روٹھنے اور منانے کا خدشہ رہے' آپ نے سچ کہا تھا کانوں کے کچے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے۔" ماوری کی پرسوچ نگاہیں شہاب کا جائزہ لینے لگی۔

"جو ہو گیا... سو ہو گیا۔ بیتی باتوں کو بھول کر نئی زندگی شروع کرو" شہاب نے مسکرا کر دلاسا دیا' اس کی آنکھوں سے نرمی اور خلوص جھلک رہا تھا۔

"میں بے وقوف تھی' جو اس کی وفا پر ایمان لے آئی جسے مجھ پر یقین ہی نہ تھا' پر اب اچھی طرح سے جان گئی ہوں کہ وفا شناس اور محبت نواز کون ہے" ماوری کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔ اس نے ان چند دنوں میں بے وقوفی سے سمجھ داری تک کا سفر بڑی سرعت سے طے کیا۔

"ماوری... پلیز میری پر خلوص کوششوں کی لاج رکھ لو' میں بس تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

شہاب نے التجا کی اس کے چہرے پر گمشدہ محبتوں کے رنگ ابھرے۔

"جس وقت یوشع نے مجھ سے پوچھے بنا شیری کی بات سن کر یکطرفہ فیصلہ کیا۔ بس وہ ہی لمحہ تھا اور ہمارے رشتے میں دراڑ پڑ گئی' ویسے ہی جیسے شیشے کا گلاس چیخ جاتا ہے اور قابل استعمال نہیں رہتا۔" ماوری نے کہا تو وہ حیرت سے اس لڑکی کو تکنے لگا۔

"محبت اس سے کرنا' جس کے بغیر زندگی مشکل ہو جائے۔۔۔ بے وقوفی ہے۔۔۔ محبت تو اس کے ساتھ کا نام ہے۔ جس کے ساتھ زندگی آسان ہو جائے۔" ماوری کے لب ہلے' اس کا ذہن حتمی نتیجے تک جا پہنچا۔

"کیا کہہ رہی ہو۔۔۔ میں کچھ سمجھا نہیں؟" سب کچھ اس کی توقع کے برخلاف ہو رہا تھا' منہ حیرت سے کھل گیا۔

"اگر۔۔۔ ایسی بھوندو' جیسی شکل نہ بنائیں' تو شخصیت اتنی بری نہیں ہے۔" ماوری نے اس کی ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر منہ بند کر کے کہا۔

"سو۔۔۔ سوری۔" وہ مزید ہونق بن گیا تو ماوری نے سر پیٹ لیا۔

"آپ پھوپھی اماں سے بات کر لیں' اس بار انہیں مایوسی نہیں ہوگی۔" اس نے کچھ دیر بعد ایک اور دھماکا کیا اور مسکرا دی۔

"کیا۔۔۔ مطلب؟" شہاب نے تصدیق چاہی' پورا وجود دل بن کر دھڑکنے لگا۔

"یا اللہ۔ اب مطلب بھی میں سمجھاؤں۔" ماوری نے کہا' اس کے گلاب کی پنکھڑیوں سے لرزتے لب' جھکی جھکی غلافی آنکھیں' بہت کچھ سمجھا گئیں۔

"تم کبھی مجھ سے دور تو نہیں جاؤں گی۔" شہاب نے یقین دہانی چاہی۔

"نہیں۔۔۔ اب کبھی نہیں۔" وہ مڑی اور سر ہلا کر بولی۔

"سچ؟" شہاب کی آنکھوں میں جذبے لو دینے لگے۔

"سچ۔۔۔" اس نے شرارتی انداز میں کہا' خراماں خراماں اندر کی جانب بڑھ گئی۔ شہاب کو لگا گویا سکون کی ایک لہر اس کی روح کے اندر تک سرائیت کر گئی ہو۔ ماوری کے لفظوں میں کیسی مسیحائی تھی۔ بے قرار دل کو قرار آنے لگا۔

نایاب جیلانی

چوتھی قسط

اس کے پیروں میں چکی کے پاٹ بندھ گئے تھے اور ایک ایک قدم اٹھانا محال ہو چکا تھا۔

ماہ رو نے گردن موڑ کر نہیں دیکھا تھا پھر بھی وہ جانتی تھی کہ اس کی نام نہاد سہیلیاں بہت فرصت میں اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ رہی تھیں۔ ایک ایک الجھے دھاگے کو زبردستی کھینچ کھینچ کر اسے تکلیف دے رہی تھیں۔

"اس کے پاس حسن اور دولت کا ہتھیار تھا سو فریحہ بے چاری نے شکست کو تسلیم کرنا ہی تھی۔۔۔ جانے اس کے دل پہ کیا گزری ہو گی؟" ہما نے افسردگی سے کہا۔

"پھر اتنی بڑی بدنامی کے بعد محبت حاصل کرنا، مر جانے کے برابر ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عزت اور بے عزتی ان لوگوں کے لیے برابر ہے۔" سمیرا تلخی سے بولی تھی۔

"دیکھا نہیں، مہارانی کو ذرا بھی شرمندگی نہیں۔۔۔ جیسے بڑی عزت آبرو اور شان کے ساتھ اس گھر میں لائی گئی ہے۔ میرے شوہر بتا رہے تھے۔ بڑی مجبوری کے عالم میں رحمان چچا کو اس عذاب کی وجہ سے لانا پڑا۔ ورنہ ان کی بدنامی تو دور دور تک ہو چکی تھی۔ لوگوں کے منہ بند کرنے کے لیے نکاح پڑھوایا تھا۔۔۔ ورنہ تو۔۔۔" اگلی بکواس اس نے نسبتاً" ہلکی آواز میں کی تھی پھر بھی ماہ رو کے کانوں میں گرم سیال گرتا چلا گیا تھا۔ اگر پہلی سی صورت حال ہوتی تو ماہ رو پلٹ کر ان سب کا منہ توڑ دیتی۔ لیکن اس وقت وہ ضبط اور برداشت کرنے پہ مجبور تھی۔ پھر وہ سب اٹھ کر فریحہ کے تکون کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ اسے بھی مزید سلگانے، جلتی پہ تیل ڈالنے۔۔۔ کیونکہ اس دنیا کا یہی وطیرہ تھا۔

اور اگر فریحہ عقل مند ہوتی تو ان کی باتوں میں نہ آتی۔۔۔ اگر پہلے سے حالات ہوتے تو فریحہ تب بھی کسی کی بات میں نہ آتی۔ لیکن اس وقت وہ چوٹ کھائی ہوئی تھی۔ سو فریحہ کی عقل، سوچ اور فہم تو کب کی ختم ہو چکی تھی۔ سمجھنے کی ہر ہر صلاحیت مفلوج تھی۔ وہ بس وہی سنتی اور سمجھتی تھی جو لوگ اسے بتانا یا سمجھانا چاہتے تھے۔ اس لیے ایک نئی فریحہ جنم لے رہی تھی۔

ماہ رو ان سب کی بکواس کو بھاڑ میں جھونک کر سر جھٹکتی ہوئی اپنے روم میں آ گئی تھی، جہاں ماہم پہلے سے موجود تھی اس کنڈیشن میں کہ ماہ رو کو ایک اور مرحلے سے گزرنا پڑا تھا۔ وہ کب سے تنہائی کی منتظر تھی۔ ماہ رو کو اکیلا آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اٹھ کر دروازہ بھی لاک کر دیا تھا۔ ماہ رو گہرا سانس کھینچ کر سمجھ گئی تھی۔ اس کی تمام تر اداکاری کو ماہم نے جان لیا تھا۔

کچھ دیر اس کا تفصیلی اپنی آنکھوں سے ایکسرے

کرنے کے بعد ماہم نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"تم نے مجھے اپنا رونمائی کا گفٹ بھی نہیں دکھایا! وہ کوئی ایسی چھپا دینے والی چیز نہیں تھی جسے تم چھپا کر بیٹھی ہو۔" اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور نرم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ماہ رو گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ ساری دنیا کے سامنے خود پہ ملمع چڑھا کر ایکٹ کر سکتی تھی لیکن ماہم کے سامنے جھوٹی بشاشت کا رول پلے کرنا بہت کٹھن تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب ماہم بہت ساری چیزوں کو سمجھ رہی تھی۔ ماہ رو نے اعصاب

ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔ پھر اس نے ڈریسنگ سے لوشن اٹھا کر چہرے پہ لگانا شروع کیا۔ کچھ دیر بعد ٹشو کی مدد سے کنسیلر کی تہ اتار کر اس کے بالمقابل آکھڑی ہوئی۔

"یہ میرے چہرے پہ خوب صورت پرنٹ اور ڈیزائن رونمائی کا خوب صورت گفٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ ذرا غور فرما کر دیکھو اب دکھائی دیا نا۔" اس کے لہجے میں واضح کھنک اور بشاشت تھی یوں کہ ماہم کو شدید دھچکا لگا تھا۔ اس کی آنکھیں دور تک پھیلتی چلی گئیں۔۔۔ حیرانی، صدمہ، دکھ اور دھچکے کی ہر کیفیت ماہم کے چہرے پہ رقم تھی۔

"واٹ ربش کیا مذاق ہے ماہ رو!" وہ جھڑک کر بولی تھی۔ ماہ رو سابقہ انداز میں مسکراتی رہی۔۔۔ ماہم کے چہرے پہ پھیلے ہراس کو دیکھتی رہی۔۔۔ وہ جو ابھی تک

شاک کے عالم میں دنگ کھڑی تھی۔

"مذاق نہیں حقیقت ہے۔" ماہ رو نے لاپروائی سے بتایا۔ جیسے اپنے پھول سے رخساروں کو داغ دار کروا کر بڑی مطمئن اور سرشار تھی۔ گویا کوئی میڈل یا اعزاز ملا ہو۔

اس ماہ رو کو کبھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے ٹچ نہیں کیا تھا کجا کہ اتنی بے دردی سے پیٹنا۔ وہ بھی شادی کی پہلی رات 'اپنے دولہا کے ہاتھوں؟ ماہم کا دماغ جیسے بند ہونے لگا تھا۔

"عون نے یہ سب کیوں کیا؟ آخر کیوں؟ میں اسے پوچھتی ہوں۔ مزا چکھاتی ہوں۔" بہت دیر بعد سنبھل کر ماہم تنک اٹھی تھی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا۔ اس مہذب وحشی کو تہس نہس کر دے۔

"ہرگز نہیں۔ تم کچھ نہیں کہو گی۔ نہ ڈیڈی کو بتاؤ گی۔ سمجھ لو' وہ حق بجانب تھا۔" ماہ رو نے انتہائی سرعت سے کہتے ہوئے زبردستی ماہم سے وعدہ لیا تھا۔

وہ شدید جھلاہٹ میں پھٹ پڑی۔

"تو کیا اس وحشی کے ہاتھوں پٹتی رہو گی؟ اس کا دماغ ٹھکانے لگاؤ۔ اسے روکو' اس کے بڑھے ہاتھ کو کنٹرول کرنا تھا۔ آخر اس کی اتنی جرات کیسے ہوئی۔ اس نے تمہیں ہاتھ کیسے لگایا؟"

"میں تو خود اس تمام اپ سیٹ سچویشن پہ ابھی تک ورطہ حیرت میں ہوں۔ ایکچوئیلی! (دراصل) ہوا کچھ اس طرح سے تھا۔" ماہ رو لگے ہی لمحے دھیرے دھیرے ساری تفصیلات سے ماہم کو آگاہ کرتی رہی تھی۔ وہ ساری باتیں' فریحہ کی شادی کا قصہ' عون کے والد کا اس کے ساتھ شدید قسم کا جھگڑا ناراضی (جو ابھی تک برقرار تھی) نفرت' حقارت اور ہر قسم کی چھوٹی اور بڑی بات' جو اس نے یہاں آکر سنی تھی۔ جس سے ماہم اور ماہ رو دونوں ہی بے خبر تھیں۔ ماہم کا منہ حیرت سے ایک مرتبہ پھر کھل گیا تھا۔ یہاں تو انکشاف در انکشاف ہو رہے تھے۔ اور انکشاف بھی خاصے گھناؤنے تھے جو فلموں اور ڈراموں میں اتفاقات کے طور پر سامنے آتے تھے۔ مگر حقیقی زندگی میں ان کا تصور بھی نہ تھا۔ لیکن جو کچھ ماہ رو کے ساتھ ہوا تھا وہ کسی فلم سے کم نہیں تھا۔

ماہم ہکا بکا سی تفصیلات سنتی ہونق بنی بیٹھی رہ گئی تھی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا کسی ڈرامے سے کم نہیں تھا۔

اس سارے قصے میں اسے ماہ رو کا کہیں قصور نظر نہیں آ رہا تھا۔ سوائے ان فون کالز یا ملاقاتوں کے جو اس نے زبردستی عون کے ساتھ کی تھیں۔ باقی ہر معاملے میں ماہ رو بے قصور تھی۔ ہاں' فقط محبت کرنا اور محبت کا اظہار کرنا اگر جرم سمجھا جاتا تھا تو وہ اتنے سے فعل کے لیے مجرم ضرور تھی۔

اور اب جو ماہ رو کی زندگی میں محبت کی تکمیل کے بعد ڈرامائی موڑ آیا تھا۔ اس کو کیسے نبھانا تھا اور عون کی بے اعتنائی پلس بے زاری' نفرت کے بعد وہ اپنے لیے کیا فیصلہ کرنا چاہتی تھی؟ وہ عون کے ساتھ کس طرح سے گزارہ کر سکتی تھی؟ وہ بھی اس صورت میں جب عون سرے سے اسے ناپسند کرتا تھا اور دھتکار چکا تھا۔ اگر عون کی محبت اس کے ساتھ ہوتی تب بھی وہ اس ماحول اور سیٹ اپ میں ایڈجسٹ کر سکتی تھی۔ لیکن اب کیسے یہاں رہ پائے گی؟ اس گھر کا ماحول' یہاں کے لوگ' بودوباش' ان کا لائف اسٹائل سب کچھ الگ اور مختلف تھا۔ ماہ رو ایک آزاد دنیا کی باسی تھی جبکہ یہ لوگ ایک حد تک خوشحال اور آزادی کے قائل تھے۔ ان کی روایات' اصول' قواعد زندگی گزارنے کے ڈھب مکمل طور پر اور تھے۔

پھر عون بھی اپنے گھر والوں کی طرح روشن خیال نہیں تھا۔ یہ لوگ ایک حد تک آؤٹ موڈڈ (دقیانوسی) خیالات کے مالک تھے۔ پھر ماہ رو یہاں کیسے رہ سکتی تھی؟ اسے تو ابھی کے ابھی کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے تھا۔ اور ماہم اس کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔ اگر ماہ رو اتنی پرسکون ہے تو اس نے کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لیا ہوگا۔ اور وہی اس کا اٹل فیصلہ ہوگا۔ جس سے دنیا کی کوئی طاقت اسے ہٹا نہیں سکتی تھی۔

"کیا تم یہیں رہو گی؟ ایسے حالات میں بھی؟" ماہم

اس کی خاموشی پہ بے چین ہو کر بول پڑی تھی۔ ماہ رو نے بھنویں اچکا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

"آف کورس (یقیناً)"۔

"اور عون کا رویہ؟ اس کی بدتمیزیاں، وحشیانہ پن، حیوانیت؟" ماہم کے منہ میں کونٹے کڑک گئے تھے۔ دل چاہ رہا تھا۔ عون کا نام تک نہ لے۔ اس کا ذکر تک نہ کرے۔ کچھ ایسا ہی تاؤ اسے عون پہ چڑھ رہا تھا۔

"کیا تم ایسے آدمی کے ساتھ رہ سکتی ہو؟"

"وائے ناٹ (کیوں نہیں؟)۔" ماہ رو سنجیدہ ہوتی چلی گئی تھی۔ "میں نے اس سے محبت کی ہے تب یہ دیکھ کر محبت نہیں کی تھی وہ مہذب ہو گا یا غیر مہذب؟ اکھڑ ہو گا یا نرم؟ محبت کرے گا یا نفرت، ہر چیز سے بالاتر ہو کر میں نے اس سے محبت کی تھی۔ اب اتنی سی بات پہ اسے چھوڑ سکتی ہوں؟ کبھی نہیں۔" اس کا انداز دو ٹوک قسم کا تھا۔

"لیکن وہ تمہیں نہیں چاہتا۔ اس کی فریحہ سے شادی طے تھی۔ کیا پتا، وہ فریحہ سے محبت کرتا ہو۔ تم ایسے حالات میں فریحہ کے ساتھ ایک گھر میں کیسے رہو گی؟ ابھی تک تو فریحہ صدمے میں ہے۔ معمولات زندگی سے الگ تھلگ ہے۔ لیکن چند ہفتوں بعد جب وہ سنبھل جائے گی تو منظر عام پہ بھی آئے گی۔ تب تمہیں فریحہ کی موجودگی میں سروائیو کرنا بہت مشکل ہو گا۔ ابھی تم ان نزاکتوں کو نہیں سمجھ رہی۔" ماہم ایک اچھے دوست کی طرح اسے سمجھا رہی تھی۔

"میں فریحہ کے سامنے کیوں گلٹ فیل کروں گی..... میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ جو بھی اس کے ساتھ کیا۔ اس کی تقدیر نے کیا۔ میرا کیا قصور ہے۔ گو کہ انسانیت کے ناطے میں اس کی تکلیف کو سمجھ سکتی ہوں۔ تاہم اس کی تکلیف کو کم کرنے کی اتھارٹی (اختیار) نہیں رکھتی۔" اس نے انتہائی گہرے لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی۔

"اور رہی عباس کی فریحہ کے ساتھ کسی سابقہ انگیج منٹ (لگاؤ) کی بات تو مجھے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"لیکن وہ تم سے محبت بھی نہیں کرتا۔" ماہم کی سوئی بس یہیں کہیں اٹک سی گئی تھی۔ وہ اس نادانی کو کیسے سمجھاتی! عون کے ساتھ اس کی زندگی انتہائی کٹھن تھی۔ ایک اس کا سرد، اکھڑ، برفیلا رویہ، دوسری بے اعتنائی اور تیسرا اس کے گھر کا گھٹا گھٹا ماحول (جو ماہم کے نزدیک حبس زدہ تھا) ماہ رو کس کس مقام پہ کمپرومائز کر سکتی تھی؟ اس ماحول پہ، لوگوں پہ، رویوں پہ..... یہاں تو پہلا "ایشو" (مسئلہ) اس کی ڈریسنگ پہ ہو سکتا تھا۔ ماہم سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ لوگ اسے من پسند کپڑے پہننے کی اجازت دے سکتے تھے۔

وہ کہاں کہاں اپنا من مار سکتی تھی؟

"ماہم! تمہیں کس طرح سے سمجھاؤں؟ ہم کسی کو اپنی مرضی سے چاہ تو سکتے ہیں۔ لیکن کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ نہیں کہہ سکتے۔ تم بھی مجھ سے محبت کرو۔" وہ جیسے تھک گئی تھی۔ زچ ہو گئی تھی۔ ماہم کو چپ ہونا پڑا۔ جیسے وہ سمجھ گئی تھی کہ ماہ رو کا کچھ بگاڑا نہیں جا سکتا۔ وہ ہر انتہا کو سوچ کر مطمئن تھی۔ اس کے اطمینان کو دیکھ کر ماہم نے گھٹی گھٹی سانس کو سینے کی قید سے باہر نکالا اور بولی۔

"تو گویا تم سب کچھ طے کر چکی ہو۔"

"آج سے نہیں..... اس دن سے جب مجھے عباس سے محبت ہوئی تھی۔" اس نے ایک جذب کے ساتھ کہا تھا۔ وہ عون کو ہمیشہ عباس ہی کہا کرتی تھی اس کے ارد گرد رہنے والے سب لوگ اسے عون کے نام سے بلاتے تھے۔ ایک واحد ماہ رو تھی جو اس کا سرنیم بلاتی۔ اسے عباس کہنا ہی اچھا لگتا تھا۔

"او کے، میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا کرے کہ عباس تمہاری محبت کی قدر کر سکے۔ کیونکہ ایسی بے لوث اور دیوانگی کی حدوں کو چھوتی محبتیں ہر روز نہیں ملا کرتیں۔" ماہم نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔ ماہ رو دھیمے انداز میں مسکرا دی تھی۔

"ایک چیز تو ہے ماہ رو!" اب وہ ماحول کی کثافت ختم کرنے کی غرض سے ہلکا پھلکا انداز اپنا رہی تھی۔

"تمہیں اس جلاد کے سامنے بہت ہمبل (متحمل مزاج) ہونا پڑے گا۔ خاصا مشکل سا الجبرے کا سوال ہے۔" وہ عون کے متعلق اپنی رائے دے رہی تھی کہ اسے سمجھنا اتنا آسان نہیں۔ بہت کٹھن سا گورکھ دھندا تھا۔

"میں اپنے اسٹیمنا (قوت برداشت) کو آخری حد تک آزما ڈالوں گی۔ ماہ رو سرفراز ہوں.... بزنس ٹائیکون کی بیٹی.... وہ حساب دان ہے تو جمع، ضرب تقسیم سے ہم بھی مبرا نہیں.... سیر اور سواسیر کی خوب رہے گی۔" ماہ رو بھی اتنے بہت سے غبار زدہ کثیف ماحول میں ہنسی کی پھوار گراتے ہوئے پہلے سے کچھ اطمینان محسوس کر رہی تھی۔

"ویسے تمہاری عقل کے بھی کیا کہنا۔ بندہ محبت کرے تو سوچ سمجھ کے۔ ایسے ہارڈ "ان سول" (سخت دل) بندے سے محبت کرکے عمر بھر ڈپریشن میں رہنے سے بہتر ہے کنوارا ہی مرا جائے۔" ماہم اپنا پرس سنبھالتی کھڑی ہو گئی تھی۔ ماہ رو نے بھی تنقیدی نگاہ سے خود کو آئینے میں دیکھا۔ آخر فریش تو لگنا چاہیے تھا۔ کیونکہ شازمہ کی کلاس سے گزر کر اپنے روم میں جانا تھا۔

ماہم دیوار پہ لگی عون کی شاندار انلارج سائز فوٹو کو دیکھنے کے لیے رک گئی تھی۔

یہ یونی ورسٹی کے کنووکیشن کی فوٹو تھی۔ ڈگری لیتے ہوئے، گلے میں گولڈ میڈل پہنے، نیچے بلیک گاؤن اور خوب صورت کیپ.... وہ بہت خوب صورت، زندگی سے بھرپور اور عالی شان لگ رہا تھا۔ کالی آنکھوں سے مسکراتا ہوا۔ ہونٹوں پہ فتح مندی کی مسکراہٹ تھی۔ جیسے سب کچھ پالیا ہو۔ ماہم نے دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہا۔

"دکان دار کا بیٹا لگتا نہیں۔" اس کا تبصرہ بھی تیار تھا۔ دوٹوک اور حتمی.... ماہ رو بھی رک سی گئی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر تصویر اتار لی تھی۔

"تم نہ سہی، تمہاری فوٹو ہی سہی.... ایسے تو تم اپنا دیدار کرنے نہیں دیتے۔ چلو یونہی سہی۔" اس نے ماہم کو آنکھ دبا کر چھیڑا تھا۔ وہ اس کے شانے پہ دھموکا جڑ کر باہر نکل گئی تھی۔ ماہ رو نے بھی ساسوماں کے کرنکل کے دوپٹے سے خود کو آزاد کیا اور ماہم کے پیچھے نکل گئی تھی کیونکہ عون کی امی نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔

✡ ✡ ✡

بیڈ روم میں فل میوزک بج رہا تھا۔

گلاس ونڈوز پہ پردے گرے تھے۔ روم کا ماحول نیم روشن تھا۔ جبکہ ماہ رو جب سے آئی تھی نیند میں دھت پڑی تھی۔ ماہم اسے دس مرتبہ زبردستی اٹھا کر گئی تھی۔ جیسے ہی وہ نظر سے اوجھل ہوتی، ماہ رو دوبارہ نیند کی وادیوں میں گم ہو جاتی.... یوں لگ رہا تھا۔ پورے سال کی نیند پوری کرکے ہی جائے گی۔

ویسے بھی ماہ رو کو میوزک کے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ فل والیوم میں میوزک بجتا اور ماہ رو دوسرے ہی لمحے میں نیند کے سفر پہ نکل جاتی۔

ڈیڈی سے مل کر چینج کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے وہ ایسی سوئی کہ پھر شام کی خبر لائی تھی۔ بالآخر ماہم نے ٹھنڈے برف پانی والا مشہور زمانہ حربہ آزمایا تو ماہ رو بی بی نے جھٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ تاہم نیند کا گلابی پن ابھی تک آنکھوں کی جھیلوں میں موجزن تھا۔

"دی مارننگ بریز (نسیم سحر)...." اس نے لمبی سی جماہی کو بمشکل روکا تھا۔ شاید وہ سمجھ رہی تھی کہ نئی سویر طلوع ہو چکی ہے.... ماہم نے ناک بھوں چڑھا کر اس کو جتا کے بتایا تھا۔

"نسیم سحر نہیں.... نسیم شام ہو چکی ہے.... اب شہزادی معظمہ اٹھ جائیے۔ انکل چائے پہ انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے زبردستی ماہ رو کو گھسیٹ کر اٹھایا تھا۔

"اور یہ لباس فاخرہ بھی بدل لیجیے۔ اب آپ شادی شدہ خاتون ہیں.... کوئی یونی ٹیل لہراتی بچی نہیں۔ کسی بھی وقت آپ کے سسرال والے تشریف لے آئیں

گے۔" اس نے ماہ رو کی مہین نازک پہ گہری چوٹ کی تھی۔

"انہوں نے آپ کو اس شاہانہ ڈریس میں دیکھ لیا تو مارے حیا کے ایسے جائیں گے کہ دوبارہ آنا نصیب نہیں ہو گا۔" وہ نائٹی کی کھلی ڈوریوں گریبان اور اس کے لاپروا انداز پہ گھرک رہی تھی۔ گو کہ پہلی ایسی کوئی قدغن نہیں تھی۔ وہ جیسے مرضی اپنے گھر میں گھومتی یا باہر.... لیکن اب سچویشن (صورت حال) الگ تھی۔ کسی بھی وقت اس کے سسرالی عزیزوں میں سے کوئی لینے آ سکتا تھا۔ اسے ان کے آنے تک مہذب ڈریسنگ میں دکھائی دینا چاہیے۔ سو اسی لیے وہ جھڑک رہی تھی۔ لیکن ماہ رو پہ اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تبھی ماہم دیوار کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اور کچھ حیا کے ناخن لو.... اب تو عون صاحب بھی تمہیں گھور رہے ہیں۔" ماہم نے عون کی چوری شدہ فوٹو کی سمت اشارہ کیا تھا جسے ماہ رو سسرال سے آتے ہوئے اپنی ہینڈ کیری میں چھپا کر لے آئی تھی۔ عون کے نام پر وہ اسپرنگ کی طرح اچھلی۔

"کہاں ہے عون عباس!" ماہ رو نے گھبرا کر پورے روم پہ طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔ اس کی نظریں پھر ماہم کے تعاقب میں دیوار پہ جم گئی تھیں۔ وہ ایک مرتبہ پھر بیڈ پہ اوندھے منہ ڈھے گئی تھی۔

"مائی گاڈ! تم نے تو ڈرا دیا۔"

"ابھی سے یہ حشر ہے۔" ماہم نے دوبارہ طنز اچھالا۔

"وہ تمہارا شوہر ہے کوئی جن نہیں۔"

"شوہر نام کی مخلوق کسی جنات سے کم بھی نہیں۔" ماہ رو نے فلسفہ جھاڑا تھا۔ یعنی ایک ہی رات کے بعد فلاسفر!

"جیسے تمہیں تو بڑے شوہروں کے تجربے ہیں۔" ماہم نے پھر سے طنز کیا۔ وہ ٹھنڈی سی آہ بھر کے رہ گئی تھی۔

"بس ایک ہی تجربہ کافی ہے۔"

"یعنی ابھی سے ہی....؟" ماہم کی آنکھیں پھیلی تھیں۔ تب ماہ رو کو سنبھلنا پڑا تھا۔ اس نے گھور کر ماہم کو جواب دیا۔

"جب تمہارا شوہر ہو گا تو پوچھوں گی۔"

"میں تو بھر آئی جب تم جیسی حسین لڑکی سہاگ رات میں کھٹوں کی رونمائی لے سکتی ہے تو ہمارے جیسے عام چہروں کی کیا حالت ہو گی؟" ماہم نے جیسے جھرجھری لے کر خود کو عام ثابت کرنے میں ایڑھی چوٹی کو زور لگایا تھا۔

"نصیب چہرے اور شکلیں دیکھ کر نہیں بنائے جاتے۔ خدا نہ کرے تم میری جیسی سچویشن سے گزرو۔" ماہ رو نے بڑے جذب سے کہا تھا۔ اس کے چہرے پہ ایک اذیت سی چھا گئی تھی۔ گزشتہ بہت سے منظر آنکھوں میں کرچیاں بھرنے لگے تھے۔ اس نے آنکھوں کو رگڑ کر ماہم سے نظر چرائی۔

"میں تو کہتی ہوں۔ تم عون کو مزہ چکھاتیں۔" ماہ رو کی شکستگی نے اسے پھر سے عون پہ تاؤ چڑھا دیا تھا۔

"کیسے؟" وہ بھونچکی ہوئی۔

"اس سے ناراض ہو کر۔" اپنے تئیں ماہم نے بڑا باکمال پاورفل مشورہ دیا تھا۔ ماہ رو اپنا سر پکڑ کے رہ گئی تھی۔

"مطلب میں اس کے گھر نہ جاؤں۔"

"ہاں۔" اس نے ٹھونک بجا کر کہا۔

"اگر وہ مجھے منانے ہی نہ آیا تو؟" ماہ رو نے دوسرے پہلو کا احساس دلایا تھا ماہم کا منہ سوجھ گیا۔

"تم نیگیٹو ہی سوچنا.... یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ وہ کچے دھاگے سے بندھا بھاگا بھاگا چلا آئے۔" اس نے چڑتے ہوئے اسے ایک دھپ لگائی تھی۔

"نہ اس کے پاس کچے دھاگے ہیں۔ نہ وہ خود اتنا کچا پکا ہے۔ جتنا میں نے اسے چند گھنٹوں میں جانا.... وہ...." ماہ رو کے اگلے الفاظ منہ میں ہی دبے رہ گئے تھے۔ کیونکہ ماہم نے بیچ میں ہی اسے ٹوک دیا تھا۔

"وہ انتہائی وحشی ہے، ضدی ہے، غیر مہذب ہے۔" ماہم نے ناک چڑھا کر اس کی ساری خوبیوں کو گنوا دیا تھا۔ اب ماہ رو اسے ساری داستان سنا دینے پہ

سخت پچھتا رہی تھی۔ کیونکہ ماہم نے اچھا بھلا عون کے خلاف محاذ کھول لیا تھا۔ اب یہ ماہ رو کی ہی ذمہ داری تھی وہ کس طرح سے اپنی دوست کے ذہن سے عون کے متعلق جالوں کو ہٹاتی۔ اس کی بدگمانی دور کرتی۔ اور اس کا دل صاف کرتی۔

کچھ سوچ کر ماہ رو نے پینترا بدل لیا تھا۔ اب وہ عون کی جھوٹی تعریفوں کے پل باندھنے کی کوشش میں تھی۔ گو کہ ماہم ایسی نہیں تھی جو ماہ رو کی ذاتی زندگی کو جگہ جگہ موضوع بحث لاتی۔ نہ حالات زندگی کے متعلق لوگوں کو بتا کر گوسپ کے لطف دوبالا کرتی۔ وہ اس کی مخلص اور اچھی دوست تھی۔ اور ماہ رو کی محبت میں ہی عون کے خلاف ہو چکی تھی۔

جو کچھ عون اور فریحہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یا ان دونوں کے خاندانوں کے ساتھ ہوا تھا وہ اپر کلاس کی ان دو لڑکیوں کے لیے ایک معمولی سی غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ان دو خاندانوں کی زندگی میں بھونچال آگیا تھا۔ رشتے، ناطے اور رویے بدل گئے تھے۔ دلوں میں دوریاں آگئی تھیں اور یہ لوگ سمجھتی تھیں کہ ذرا سی غلط فہمی ہی تو ہے جسے دور بھی کیا جا سکتا تھا۔

"ایکچوئیلی ماہم! عباس بہت نائس ہے۔ بہت کول ہے۔ یو نو (تم جانتی ہو) وہ مجھ سے پیار بھی بہت کرتا تھا۔ تمہیں بتایا تو ہے اس کے ذہن میں کچھ ابہام تھے۔ جیسے ہی سب کچھ معمول پہ آیا۔ دیکھنا عباس بھی پہلے سا گونگ اینڈ کیئرنگ (محبت اور خیال کرنے والا) ہو جائے گا۔" ماہ رو نے مڈل کلاس اچھی بیویوں کی طرح پہلی مرتبہ ایک خوب صورت ملمع سازی کے تحت سب اچھے کا سگنل دینا شروع کر دیا تھا۔ وہ ساری جھوٹی تعریفیں اسے ازبر کرنا تھیں جو مڈل وومینز (متوسط طبقے کی عورتیں) رات کو شوہروں سے کٹ لگوا کر صبح پڑوسنوں، دیورانیوں، ساسوں وغیرہ کو ہنس ہنس کر بتاتیں۔

"میرے فلاں تو بہت اچھے ہیں۔۔۔ ہر مہینے شاپنگ کے لیے دس دس ہزار دیتے ہیں۔ گھمانے پھرانے کے وعدے الگ۔" چھوں کے نیل چھپا کر وانت نکالنا کتنا مشکل ترین کام ہو گا۔ وہ تو آسکر ڈیزرو کرتی تھیں (حق دار تھیں) بے چاریاں۔۔۔ ماہ رو کو اپنا آپ بھی انہی مڈل وومینز کی کیٹگری میں محسوس ہو رہا تھا۔ اور اُدھر ماہم بھی کچھ کچھ اس کے جھوٹ پہ مطمئن ہو رہی تھی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔۔۔ اور تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی، ہنگامہ پرور رہو۔" ماہم نے سچے دل سے دعا دی تھی۔ ماہ رو نے دل ہی دل میں آمین کہا۔ اور اسی لباس فاخرہ کے ساتھ سیڑھیاں اترتی لاؤنج میں آگئی تھی جہاں ڈیڈی شدت سے اس کے منتظر تھے۔

☆ ☆ ☆

"مائی لارڈ!" ماہ رو نے ڈیڈی کی کھلی بانہوں میں سماتے ہوئے دلکشی سے جھک کر کورنش بجا لایا تھا۔ ڈیڈی اسے پیار کرتے ماتھا چومتے مسکرا کر ویلکم کہہ رہے تھے۔ گو کہ وہ چند ہی گھنٹوں بعد دوبارہ آگئی تھی پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے سالوں بعد ماہ رو کی صورت دکھائی دی ہے۔

جس طرح اچانک بہت تکلیف دہ حالات کا سامنا کرتے ہوئے اچانک نکاح کرنا پڑا تھا۔ وہ سب سیٹھ سرفراز کے لیے اتنا سہل نہیں تھا۔ لیکن اس وقت حالات کچھ ایسے تھے کہ مزید تاخیر کرنا خسارے کے مترادف تھا۔ انہوں نے شازمہ کے سمجھانے بجھانے، قائل کرنے پہ ذہنی طور پر اس سچویشن کو قبول کر لیا تھا۔

کیونکہ شازمہ نے انہیں واشگاف لفظوں میں بتا دیا تھا کہ ماہ رو کے ہوسپٹلائز ہونے کا پس منظر کیا ہے؟ اور وہ اپنے انجان پن پہ سخت پر ملال بھی تھے اگر ماہ رو عام حالات میں بھی اپنی پسند سے آگاہ کر دیتی تب بھی وہ کوئی آؤٹ موڈ ڈیڈی باپ ہرگز نہیں تھے۔ جو بیٹی کی خوشی کے رستوں میں رکاوٹ بن جاتے۔

ماہ رو ایک اچھی، من پسند خوش حال زندگی گزارے۔ یہی تو ان کی خواہش تھی۔

دگو کہ رحمان صاحب کے اور ان کے اسٹیٹس میں بہت فرق تھا لیکن سرفراز احمد نے کبھی بھی اسٹیٹس کو ایشو بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

انہیں ماہ رو کی پسند دل و جان سے پسند آچکی تھی ..... داماد خوب صورت بھی تھا۔ ایجوکیٹڈ (تعلیم یافتہ) بھی۔ خاندانی بھی..... اور خاصے خوش حال لوگ بھی تھے۔ نہ بھی ہوتے تب بھی سیٹھ سرفراز اپنے داماد کو ضرور سپورٹ کرتے۔ اس وقت بھی وہ ماہ رو سے چھوٹی چھوٹی ہر بات پوچھ کر مطمئن ہونے کے بعد اچانک عون کے مستقبل پر بات کرنے لگے تھے۔

"ماہی! عون کے نیکسٹ (آئندہ) کیا ارادے ہیں؟ کیا وہ اپنا خاندانی کام ہی کرتا رہے گا؟" ماہ رو جو چائے سے لطف اندوز ہوتی آسمان پہ تیرتے بادلوں کو دیکھ رہی تھی لحہ بھر کے لیے چونک گئی۔

"سوری ڈیڈی! آپ نے کیا کہا؟" وہ سن کر بھی ایسے انجان ہوئی کہ ڈیڈی کو اپنی بات دہرانا پڑی تھی۔

"میں عون کے فیوچر کی بات کر رہا ہوں..... بہت لائق لڑکا ہے۔ فیوچر بہت برائٹ (روشن) ہو گا۔ اگر وہ اپنے باپ کی دکان داری سے نکل آئے۔"

"آئی ڈونٹ نو (مجھے نہیں معلوم) ڈیڈی! میری اس سے ایسے کسی ٹاپک (موضوع) پہ بات نہیں ہوئی۔" ماہ رو کو یہی مناسب جواب سوجھا تھا۔ ڈیڈی لحہ بھر کے لیے سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ ان کے ماتھے پہ ہلکی سی سوچ کی پرچھائی تھی۔

"تم عون سے ڈسکس (بات) کرو۔ وہ ہماری کمپنی میں کام کرے..... میں اس کے شیئرز بھی دیکھ سکتا ہوں۔" کافی دیر بعد وہ بڑی ملائمت سے بولے تھے۔ یقینی طور پر وہ اپنی بیٹی کے فیوچر کو تابناک کرنا چاہتے تھے۔ بیٹی کا فیوچر اپنے شوہر کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ عون جلد از جلد ان کے بزنس میں آجائے۔

"آئی تھنک (میرے خیال میں) ڈیڈی! وہ نہیں مانے گا۔" ماہ رو نے ڈیڈی کو آسرے میں رکھنے کے بجائے صاف صاف بتا دیا تھا۔ کیونکہ جس خوددار فیملی سے اس کا تعلق تھا اور جتنا وہ ناک والا تھا۔ کبھی سسر کی بیساکھیوں کا سہارا نہ لیتا۔ سواس نے دو ٹوک ڈیڈی کو بتا دیا تھا تاکہ وہ امیدیں قائم نہ رکھیں۔

"میری کون سی بہت اولاد ہے۔ ایک سنی اور ایک تم، میرے بعد بھی تو تم لوگوں کو بزنس میں آنا ہو گا۔ تو ابھی میری موجودگی میں سیکھو تاکہ بعد میں تم لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔" ڈیڈی نے سنجیدگی سے ماہ رو کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا تب اس نے حامی تو بھر لی تھی لیکن جذباتی انداز میں خفگی سے بولی۔

"آپ ہمیشہ جئیں ڈیڈی! آپ کے بغیر ہم کچھ نہیں ہیں اور سنی۔" ماہ رو کی بے ساختہ آنکھیں بھر آئی تھیں۔ آج کل وہ ویسے بھی خاصی زود رنج ہو رہی تھی۔ بات بہ بات رونا آجاتا تھا۔ آنسو گر پڑتے تھے۔ جنہیں وہ بڑی مہارت سے صاف کر لیتی تھی۔ چھپا لیتی تھی۔ جیسے اس وقت چھپا لیے تھے۔ ماہ رو کو عون کی محبت نے کیا کچھ نہیں سکھا دیا تھا۔

"میری جان۔" ڈیڈی نے اسے پیار کیا اور کسی ضروری کال پہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ تب وہ اور شازمہ اکیلی رہ گئی تھیں۔ ماہ رو جو اپنی سوچوں میں گم تھی شازمہ کے بلانے پہ کچھ چونک گئی۔

"سویٹ ہارٹ! یو لک پریٹی ان پنک نائٹی (تم اس گلابی نائٹی میں بہت خوب صورت لگ رہی ہو)..... وہاں اپنی سسرال میں جا کر کم از کم اپنی ڈریسنگ پہ کمپرومائز (سمجھوتہ) نہ کرنا..... ان کے رنگ میں خود کو رنگنے کی بجائے کوشش کرنا کہ اپنے رنگ نہ اترجائیں ..... تم بہت خوب صورت ہو۔ اپنی خوب صورتی کو شوہر سے کیش کراؤ۔ اسے اداؤں میں جکڑو۔ اسے کسی اور سمت مت جانے دو..... اب دیکھو، اسے تمہارے ساتھ آنا چاہیے تھا مگر نہیں آیا کیا تم نے فورس (مجبور) نہیں کیا؟" شازمہ کچھ دیر پہلے سے لے کر اب تک اسے آبزرو کر رہی تھی۔ اسے ماہ رو پہلے کی طرح شوخ یا چنچل نہیں لگی تھی۔ شاید وہ بھی تھکن کا شکار تھی۔ ماہ رو نے شازمہ کی تمام باتیں سن لی تھیں۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہیں کچھ ٹائم لگے گا۔ پھر تم ایڈجسٹ کر جاؤ گی..... میں تمہاری نیچر کو جانتی ہوں۔ تم تبدیلی کو جلدی ایکسیپٹ (قبول) کر لیتی ہو۔" شازمہ نے ملائمت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ تب ماہ رو حیران رہ گئی تھی۔ کیا شازمہ کی آبزرویشن ٹھیک تھی؟ اس نے کب ماہ رو کو فرصت میں جانچنے کی کوشش کی تھی؟ اور واقعی ہی شازمہ نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔

ماہ رو تمام تر نخرے' بے نیازی اور نخوت کے باوجود تبدیلی کو جلدی قبول کر لیتی تھی۔ اور ہر بری یا ڈینجرس سچویشن کو وقتی طور پر نہ سہی تاہم کچھ ہی دیر بعد ذہنی طور پر قبول کر لیتی تھی۔ شاید اسی لیے بھی اس نے عون کے برے رویے کو بھی زیادہ دل پہ نہیں لیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر خاصی مضبوط تھی۔ اور برے سے برے حالات میں بھی گھبراتی نہیں تھی۔ کچھ ہی دیر میں وقتی طور پر حواس باختگی کے بعد سچویشن کنٹرول میں کر لیتی تھی۔

"مجھے اندازہ تھا وہ اچھے خاندانی لوگ ہیں۔ تمہیں کسی بھی گزری بات سے ٹارچر نہیں کریں گے۔ تھینک گاڈ' (شکر اللہ کا) میرا اندازہ غلط نہیں ہوا.... وہ لوگ اچھے ہیں بٹ (لیکن) تم اتنی ست اور پریشان کیوں دکھائی دے رہی ہو؟" شازمہ نے خاصے تفکر کا مظاہرہ کیا تھا۔ اب ماہم کے بعد شازمہ کی ایکسرے مشین جیسی نظروں کا سامنا کرنا تھا۔ اُف....

"ایسے ہی ممی! ٹھیک تو ہوں۔" اس نے زبردستی خود کو بشاش کیا تھا۔ شازمہ مطمئن ہوئی یا نہیں تاہم چپ ضرور کر گئی تھی یا شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ کافی دیر بعد اس نے کچھ کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"ماہی! ان سب کا بی ہیویئر (رویہ) تو اچھا ہے نا؟" اس کے انداز میں کھوج کے ساتھ ہلکی سی پریشانی بھی تھی۔ جانے کیوں؟ ماہ رو اس پریشانی کو کچھ سمجھی نہیں تھی۔ اور کم از کم ماہ رو کے لیے اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔

"سب اچھے ہیں۔" ماہ رو نے مختصر سی تسلی کروادی تھی۔ تب شازمہ کے چہرے سے تفکر کی وہ ہلکی لہر غائب سی ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پہ بشاشت آگئی۔

"ویش گڈ (یہ اچھا ہے)۔" اس نے مسکراہٹ کو خوب لمبا سا کھینچا تھا۔ پھر قدرے مطمئن کرنے والے انداز میں بولی۔

"ویل.... تمہاری اس ان ایکسپیکٹڈ میرج (غیر متوقع شادی) نے مجھے تو مینٹلی ڈسٹرب (ذہنی پریشانی میں) رکھا۔ تھینک گاڈ' سب کچھ اچھا رہا۔"

شازمہ کے تشکر کی وجہ ماہ رو کو سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ خوش بھی ہوتی تھی تو اپنے ہی انداز میں۔ شکریہ بھی ادا کرتی تو اپنے ہی ڈھنگ سے خاصا مزے دار مزاج رکھتی تھی۔ ماہ رو کو خوامخواہ ہنسی آگئی۔

"دیکھ لو میری گڈ انٹینشن (اچھی نیت) تمہارے کام آگئی۔" اب وہ اپنی نیک انٹیشن پہ سارا کریڈٹ لینا چاہتی تھی۔ یعنی کرنا ورنا کچھ بھی نہیں۔ بس سارا اعزاز خود سمیٹ لینا ہے۔ ماہ رو اس کی خوش فہمی پہ بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی۔

"اور کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ گڈ مینجمنٹ سے ہیونگ آ گڈ اینڈ کا ٹائٹل ملتا ہے۔" شازمہ کا تفخر قابل دید تھا۔ جانے اب کون سی ایسی نیک تدبیر کر چکی تھی جس کا بہترین نیک انجام اسے غرور کرنے پہ مجبور کر رہا تھا۔ اور وہ سینہ پھلا پھلا کر خوش ہو رہی تھی۔

"اور یہ عون بھی خاصا پراؤڈ (مغرور) لگتا ہے۔ دیکھو ذرا' ایک کال بھی نہیں کی۔" شازمہ کو اچانک خیال آگیا تھا۔ ماہ رو بھی چونک گئی۔ اب تو باہر رات ہو رہی تھی۔ پورے بنگلے کی لائٹس آن تھیں۔ ٹائم بھی بہت گزر چکا تھا۔ اس نے بے ارادہ ہی ٹائم پیس کی طرف دیکھا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ وہ فطری طور پہ متفکر ہوئی۔

"ماہم تو کہہ رہی تھی۔ وہ لوگ لینے کے لیے آئیں گے۔" اس نے متفکر انداز میں پوچھا اور یہ ماہم بھی جانے کہاں تھی؟ ابھی تک نیچے نہیں آئی تھی۔ ماہ رو کے دل کو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ کیونکہ گھڑی تو بجا رہی تھی۔ رحمان منزل سے ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ بے قرار سی ہو گئی۔ ان کے نہ پہنچنے کا مطلب کیا

تھا۔

"عون کی مدر نے کال کی تو تھی۔ اور یہ بھی کہا تھا عون کو بھیجیں گی۔ اس لیے کہ میں بھی ریلیکس تھی کہ عون آجائے۔ اکٹھے ڈنر کریں گے۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا۔ کیا میں کال بیک کروں؟" شازمہ بولتے ہوئے کارڈلیس اٹھانے لگی تھی جب ماہ رو نے سرعت سے اسے روک دیا تھا۔

"اگر عون کی امی نے کہا تھا تو پھر عون ضرور آجائے گا۔ وہ اپنی ماں سے بہت باؤنڈ ریلیٹڈ ہے۔" ماہ رو کا دل اچانک مطمئن ہو گیا تھا۔ جو کچھ دیر پہلے والی بے قراری تھی۔ اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ شازمہ نے اس کی گفتگو کے آخری حصے کو اچک لیا۔

"اور تمہارے لیے بھی کائنڈ اینڈ پولائٹ (مہربان اور نرم) ہے؟" اس کا انداز اب بھی کچھ متفکر تھا۔

"آف کورس۔" ماہ رو نے جیسے جان چھڑوائی تھی۔ ورنہ شازمہ تو کسی بھی طور مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ مخصوص سگی اماؤں والے سوال کر رہی تھی۔ جو اسے بالکل سوٹ نہیں کرتے تھے۔ ابھی شازمہ اس بات پہ بھی کوئی کمنٹ دیتی لیکن حواس باختہ سی ماہم کو دیکھ کر چپ ہو گئی تھی اور ادھر ماہم اسے اسی لباس فاخرہ میں دیکھ کر پھٹ پڑی تھی۔

"وہ تمہارا راحت جاں ڈرائنگ روم میں پہنچ چکا ہے اور تم الو "گاؤدی"... ابھی تک سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہو۔ جبکہ راحت جاں صاحب تیز گام پہ سوار ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں رک رہا۔ ہزار منت کی ہے لیکن ایک ہی جواب۔ اس کے پاس وقت نہیں۔" ماہم نے اس کی خوب کھنچائی کرتے ہوئے باہر دھکیلا تھا۔

"اور تم کہاں مری ہوئی تھیں؟" ماہ رو کو بھی ماہم پہ غصہ کرنے کا خیال آگیا تھا۔

"میں مہارانی جی کے لیے کچھ ڈھنگ کی معقول شاپنگ کرنے گئی تھی۔ وہاں پہننے کے لیے کچھ ڈریسز اور اسٹول وغیرہ لائی ہوں۔" ماہم نے اسے گھرک کر بتایا۔

"اب ٹائم ویسٹ (ضائع) نہ کرو۔" وہ اسے اوپر بھیجنا چاہتی تھی جب کریم حواس باختہ بھاگا بھاگا اندر آیا تھا۔

"وہ صاحب تو جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں، جس نے آنا ہو خود آجائے۔ میں نہیں رک سکتا۔ صاحب کا موڈ بھی آف تھا۔" کریم نے ان سب کے اور بھی حواس اڑا دیے تھے۔ اب اوپر چینج کرنے کے لیے جانے کا بھی ٹائم نہیں تھا۔ ماہم نے اس کا سامان تو پہلے ہی گاڑی میں رکھوا دیا تھا۔ اب اسے دھکا دے کر باہر کی طرف دھکیل رہی تھی۔

"مرو ایسے ہی جاؤ اور بے عزتی کرواؤ۔ وہ چلا گیا تو آئے گا نہیں دوبارہ۔ اب بھی لگ رہا تھا۔ اماں نے کنپٹی پہ پستول رکھ کے بھیجا تھا۔ وہ بھی اس کے نہیں اپنے..." ماہم پیچھے شعلہ فشانی کر رہی تھی۔ ماہ رو ننگے پیر ڈرائیو وے پہ بھاگنے لگی۔ پیچھے شازمہ کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ اسے الگ ڈنر کا رونا پڑا تھا۔ اتنا اہتمام کیا اور عون ایسے ہی چلا گیا... ماہ رو نے بھاگتے بھاگتے "ممی! ماہم کو کھلا دیں۔ یہ تین بندوں کا اضافی کھانا کھا سکتی ہے۔" کہا اور گیٹ سے باہر نکل گئی۔ جبکہ باقی لوگ کریم سمیت وہیں جم کر رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

گیٹ سے باہر ہی وائٹ کرولا کھڑی تھی۔ بلکہ کھڑی کہاں تھی اسٹارٹ تھی اور جانے ہی والی تھی۔ ماہ رو نے موقع اور وقت گنوائے بغیر سرپٹ دوڑ لگا دی تھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ بیک ہوتی کرولا کا فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ بالکل اچانک اور زبردستی۔

عون کو اس افتاد کی توقع نہیں تھی۔ وہ اسے طوفان کی طرح آتا اور گاڑی میں گھستا دیکھ کر پہلے تو اچنبھے کا شکار ہوا تھا پھر اسے فرنٹ سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لیتا دیکھ کر چونک گیا۔

اس کا چہرہ بھاگ دوڑ کی وجہ سے بلا کا سرخ تھا۔ بال بکھر کر منہ اور گردن سے چپک رہے تھے۔ کچھ گلے اور پشت پہ بے ترتیب جھول رہے تھے۔

سب سے بڑی بات اس کا حلیہ انتہائی معیوب قسم کا تھا۔

مہین سی نائٹی جس کی ساری ڈوریاں کھلی اور بے ترتیب تھیں۔ آستینیں سرے سے ندارد تھیں۔ پیروں میں ہلکی سی چپل پہنے' وہ کسی بھی طور رحمان منزل لے جانے کے قابل نہیں تھی۔ اس وقت بڑے ہال میں سارے موجود تھے۔ ابو' امی' اس کے سارے بھائی' بڑے اور چھوٹے بھابیاں بہن چاچا' چاچی۔۔۔

اور یہ اس انتہائی بے ہودہ شب خوابی کے لباس میں ساس سسر' جوان جیٹھ' دیوروں کے سامنے جائے گی؟ مائی فٹ' واٹ ربش اسے تو شرم ہی نہیں تھی۔ چھو کے بھی نہیں گزری تھی۔

عون کا دل چاہ رہا تھا ایک اور طمانچہ رکھ کے ماہ رو کی بوتھی پہ مارے۔ بڑی مشکل سے اپنے ابلتے طیش کو دبا کر وہ فرنٹ ڈور کھولتا ہوا نیچے اترا تھا پھر دوسری طرف گھوم کر آیا۔ دروازہ کھولا اور دھیمی آواز میں غراتا ہوا بولا۔

"جاؤ' اور جا کے معقول حلیے میں واپس آؤ۔" اس نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اٹھتے ہاتھ کو روک لیا تھا۔ وہ اس کے گھر میں کوئی تماشا نہیں لگانا چاہتا تھا۔ ایک مرتبہ پہلے وہ ایسا مظاہرہ کر چکا تھا جس کا خمیازہ ابھی تک بھگتنا پڑ رہا تھا۔

اسے وہ وقت بھی یاد آگیا۔ جو بھولا ہی نہیں تھا۔۔۔ محض تین دن پہلے۔۔۔ وہ اسی گھر میں ماہ رو کو طمانچہ مار کے گیا تھا۔ اپنے تئیں اس طمانچے میں اسے ہمیشہ کے لیے دھتکار کے گیا تھا۔ لیکن اسے یہ خبر نہیں تھی۔ اس طمانچے کی گونج کے اثر میں ماہ رو ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کا وبال بن جائے گی۔ وہ اگر جان جاتا کہ اس گھر میں آنا کیسی قیامت لائے گا۔ تو وہ کبھی بھول کر بھی نہ آتا۔ اس رستے کی طرف بھی نہ دیکھتا۔ لیکن ہونی کو بھلا کون روک سکتا ہے۔ ماہ رو کے جانے اور واپس آنے میں سات منٹ خاموشی سے کھسک گئے تھے۔

اب کہ وہ کچھ معقول دکھائی دے رہی تھی۔ بلیک شرٹ' بلیک تنگ سے ٹائٹس' بلیک ہیل اور گلے میں بھی کچھ رسی نما دوپٹے کی خانہ پری کے لیے لٹکا رکھا تھا۔

وہ ایک اچٹتی نگاہ میں جائزہ لے کر کچھ مطمئن ہوا تھا۔ ماہ رو بھی اس کے تاثرات بھانپ گئی تھی۔ یعنی عون کے غصے کا گراف کچھ کم ہوا تھا۔ وہ پرسکون سی ہو گئی تھی۔

وائٹ کرولا کا اندرونی ماحول کچھ کثیف سا تھا۔ سکوت اور نرالا سکوت۔ ماہ رو بھی ونڈو سے باہر کے مناظر دیکھتی رہی تھی۔ گو کہ ان میں کچھ کشش تو نہیں تھی پھر ٹائم تو پاس کرنا ہی تھا۔ وہ بھی لب بھینچے اپنے دھیان میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ماہ رو بھی لامتناہی سوچوں میں گم تھی۔

"جانے گھر والوں کے رویے کیسے ہوں گے؟ اور فریحہ؟"

وہ بے چین سی پہلو بدل کر پھر سے باہر جھانکنے لگی۔

معاً" سگنل پہ گاڑی رکی تھی۔ "صاحب! گجرے لو نا۔۔۔ بی بی کے لیے لو نا۔۔۔ دیکھو اصلی موتیا اور گلاب ہیں۔ دیکھو' باجی کا دل بھی ہے۔" بچے کی دہائیاں عروج پہ تھیں۔ نجانے وہ باجی کے دل تک کیسے پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ واقعی ہی باجی کا دل للچا رہا تھا۔

"صاحب!" اس نے وھپ وھپ شیشہ بجایا۔۔۔ "دیکھو' باجی کا دل۔۔۔" معاً" صاحب کو غصہ آگیا۔ اس نے گاڑی کا شیشہ کھسکا کر نیچے کیا تھا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر سو روپے نکالے تھے اور وہ سو روپے بچے کی جیب میں گھسا دیے۔

"چل شاباش جا اب۔۔۔ اور دوبارہ باجی کے دل تک مت جانا۔ وڈا ہارٹ اسپیشلسٹ تے ویکھو۔" عون نے شیشہ چڑھایا اور گاڑی آگے بڑھا گیا۔ جبکہ وہ بچہ چیختا ہوا پیچھے بھاگا تھا۔

"ارے صاحب! باجی کے پھول تو لیے نہیں۔" وہ چلاتا ہوا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ادھر بچے کی باجی کے چہرے پہ افسردگی چھا گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔

کیا تھا اگر دل رکھنے کے لیے ہی ایک پھولوں کا گجرا لے لیتا۔ وہ زیادہ دیر اپنے جذبات پہ قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ اس نے گجرا نہ ملنے کی جلن باہر نکال لی تھی۔

"وہ پھول کیا کاٹ رہے تھے؟ جو پیسے پکڑا کر بھی لیے نہیں۔" ماہ رو نے بڑی یاسیت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ایسی حسرت لہجے میں کرلا رہی تھی جس کا کوئی انت نہیں تھا۔

"وہ بچہ بھی جان گیا تھا کہ میرا دل پھولوں کے لیے مچل رہا ہے۔" ماہ رو نے بھاری آواز میں جتا دیا۔ عون اس کی آواز کے بھاری پن پہ ذرا چونک کر سیدھا ہوا۔ پھر اس نے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا تھا۔

"پھر دل....؟" اس نے گہرے کٹ دار لب و لہجے میں غرا کر کہا۔ "اس دل کی میرے سامنے بات مت کرو۔ بہت آوارہ مزاج، خود غرض دل ہے۔" وہ جیسے پھٹ پڑا تھا۔ ماہ رو کی آنکھیں شرفا "غربا تک پھیل گئی تھیں۔

"کس کا دل؟" اس نے ہونق پن کی انتہا کر دی تھی۔ "کیا میرا آوارہ مزاج، خود غرض دل!" وہ بری طرح سے روہانسی ہو گئی تھی۔

"نہیں میرا۔" وہ خونخوار ہوا۔

"اچھا، پھر ٹھیک ہے۔" ماہ رو کو تسلی ہو گئی تھی۔ لیکن پھول نہ لینے کا غم تازہ بہ تازہ تھا۔ "پورا گجرا نہ لیتے ایک گلاب ہی لے لیتے۔" وائٹ کرولا جب رحمان منزل کی اونچی سہ منزلہ عمارت کے قریب رکی تب بھی اس نے اترتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا تھا "نہ گھر میں کھانا کھانے دیا اور نہ پھول لینے دیے۔"

"اپنے کمرے کی کھڑکی ہاتھ بڑھا کر کھول کے دیکھنا ..... وہاں چنبیلی اور موتیے کی ایک نہیں ایک ہزار کلیاں مل جائیں گی۔ میرا میٹر گھما یا تو کسی نرسری میں پھینک آؤں گا۔ رات بھر پھول سونگتی اور توڑتی رہنا..... اور رہی کھانے کی بات تو باورچی خانے میں ہر چیز میسر ہے جو دل چاہے کھانا اور پکانا۔ کیونکہ میں نے اپنا کچن الگ کر لیا ہے۔" عون نے کرولا سے اترتے ہوئے ایسا زوردار دھماکا کیا تھا کہ ماہ رو گجرے، پھول، کلیوں کے سارے غم بھول کر جیسے چلا اٹھی تھی۔

"واٹ؟"

☼ ☼ ☼

یہ انکشاف خاصا بھیانک اور دھچکا پہنچا دینے والا تھا۔

عون نے کل رات کوئی مذاق نہیں کیا تھا۔ حقیقی معنی میں اسے ڈیڈی کے گھر سے واپس لے کر آنے سے چار گھنٹے پہلے عون نے اپنے گھر والوں اور خصوصاً" ابو سے جھگڑا کر کے اپنا کچن الگ کروالیا تھا۔

محض شادی کے دوسرے ہی روز۔ جو لوگ عون کے تیور اور باپ بیٹے کے جھگڑے کو جانتے نہیں تھے۔ وہ تو انگلیاں منہ میں دبا کر ماہ رو کو برا بھلا کہنے لگے۔

"دیکھا نا.... آتے ہی الگ کروالیا۔ یہ امیرزادی کبھی بھائیوں کو اکٹھا نہیں رہنے دے گی۔ آج کچن الگ ہوا، کل کو دیکھنا آگے آگے ہوتا کیا ہے۔" "غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔ ہر منہ میں ماہ رو کے لیے برے الفاظ تھے۔ وہ تو پہلے بھی کچھ لوگوں کی نگاہ میں بری تھی۔ اب مزید بری ہو چکی تھی۔ بلکہ عون کی جلد بازی نے ماہ رو کو سب کی نظر میں برا ثابت کر دیا تھا۔

اور یہ بھی ماہ رو کو بہت جلد پتا چل گیا تھا کہ کچن الگ کرنے میں عون کا کیا فائدہ نکلتا تھا؟ محض ماہ رو کو ستانے، تنگ کرنے، ذلیل کرنے اور انتقام لینے کے لیے اس نے پلاننگ بنالی تھی۔

اور صحیح معنوں میں اس کی انتقامی کارروائی کا آغاز اسی رات کو ہو گیا تھا۔ اس نے ماہ رو کے لیے سزا اور انتقام کے بڑے الگ منفرد اور جدا جدا طریقے سوچ رکھے تھے۔

کیونکہ اس نے پر تشدد انتقام کو ایک طرف رکھ کر دوسرا داؤ آزمایا تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ ماہ رو عون کے ساتھ نباہ نہ کر سکے۔ وہ ناک تک اسے عاجز کرے گا، اسے ذلیل کرے گا۔ ستائے گا اور وہ خود حالات کی

سختیوں سے تنگ آکر عون کو چھوڑ دے گی۔ اس گھر سے چلی جائے گی۔ یا پھر اپنا گناہ تسلیم کرلے گی۔

یوں عون کی برات کا اعلان ہو گا۔ وہ اپنے ماں باپ کی نگاہ میں سرخرو ہو جائے گا۔ اپنے خاندان والوں کی نظر میں اعتبار پالے گا۔

اس رات عون نے ماہ رو کو کمرے بلا کر دو کھلے راستے اس کے سامنے رکھے تھے۔

"تمہارے لیے شاید یہ مذاق ہی ہو۔ تمہارے نزدیک شاید یہ کوئی بڑی بات نہ ہو۔ مگر میرے لیے یہ انتہائی شرمناک الزام ہے۔ اس الزام کی وجہ سے میری زندگی کا چین سکون داؤ پہ لگ گیا ہے۔ میرے خاندان والے مجھے دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں۔ میں اچھوت سمجھا جانے لگا ہوں۔ ہر ایک مجھ پہ نفرین بھیج رہا ہے۔ مجھے ملامت کی جاتی ہے۔ اور پلازہ میں جو حصہ میرے کنٹرول میں تھا وہاں اچانک گاہکی تک ختم ہو چکی ہے۔ ٹرانسیکشن کے لیے وہاں کوئی آتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ مجھ پر کئی طرح کے گھٹیا الزامات لگ چکے ہیں۔ لوگ مجھ سے سلام لینا اور کلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ میں تم سے دو ٹوک بات کرتا ہوں۔ بہت لمبی چوڑی حکایت میں نہیں پڑتا۔ نہ اس گورکھ دھندے کو مزید الجھاتا ہوں۔ تمہارے سامنے چند راستے ہیں۔ بڑے صاف واضح اور کھلے۔

نمبر ایک، تم کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اس گھر کو چھوڑ دو۔ میں تمہیں آرام سے طلاق بھیج دوں گا۔ کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہو گی۔ کوئی سوال نہیں اٹھے گا۔ جس خاموشی سے نکاح ہوا تھا اسی خاموشی سے طلاق ہو جائے گی۔ نمبر دو، تم میرے باپ کے سامنے اقرار کرو۔ جیسا اقرار میرے سامنے کیا تھا۔ تم میرے باپ کو بتاؤ حقیقت کیا تھی، اور میں تمہارے پیچھے نہیں پڑا تھا۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا تھا۔ میں تمہارے گھر کسی بری نیت سے نہیں گیا تھا۔ میں نے تمہیں اغوا کرنا نہیں چاہا تھا۔ اگر تم ان کے سامنے اقرار کرو گی تو وہ یقینی طور پر اتنی جلدی تسلیم نہیں کریں گے۔ وہ مجھ پہ ہی الزام رکھیں گے کہ میں نے تم پر دباؤ ڈال کر یہ سب اگلوایا اور کروایا ہے۔ لیکن میرا گلٹ تو دور ہو سکتا ہے۔ گو کہ پورا نہیں مگر کچھ کچھ تو۔

دوسرے تم میرے باپ کو یہ بھی کہو گی۔ تم نے مجھے نکاح پہ مجبور کیا۔ تم نے فریحہ کی زندگی برباد کی۔ تم میرے پیچھے اندھا دھند پڑی تھی اور تم نے سارے الزامات اپنے سر لینے ہیں۔ جو مجھ پر لگائے گئے تھے۔

اور تم میرے باپ کے سامنے خود اعلانیہ طور پر مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرو گی۔ مجھ پہ کسی بھی قسم کا الزام لگائے بغیر۔ تم کہو گی کہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ تم طلاق لینا چاہتی ہو۔ اور بغیر دباؤ کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہو۔ میرے باپ کو یہ بھی یقین دلانا تمہارا کام ہے کہ میں نے تمہیں طلاق کے لیے مجبور نہیں کیا۔ اور تم اپنی مرضی سے اس گھر کو چھوڑ کے جانا چاہتی ہو۔

آخری آپشن سب سے زیادہ تکلیف دہ، اذیت کٹھن اور دشوار ہے۔

اگر تم پہلے سب آپشنز کو ریجیکٹ (مسترد) کرتی ہو تو پھر لازمی طور پر تمہیں میرے ساتھ زندگی گزارنا ہو گی اور میرے لیے تو کچھ نہیں۔ تمہارے لیے میرے ساتھ زندگی گزارنا موت سے بڑھ کر تکلیف دہ اور کرب انگیز ہو گا۔ میں تمہاری زندگی کو انتقاماً عذاب ناک بنا دوں گا۔ میں تمہیں ترسا ترسا کے ماروں گا۔ میں تمہیں قید تنہائی کی مار دوں گا۔ تم گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی۔ میری سختیوں، اذیتوں اور تکلیفوں کو جو تمہارے عمل کے بدلے میں تمہیں دوں گا برداشت نہیں کر سکو گی۔ سہہ نہیں پاؤ گی۔

میں اپنے تئیں ظلم کے ہر حربے کو آزماؤں گا جو کہ ظلم تو نہیں ہو گا ولے کا بدلہ ضرور ہو گا۔ اور سب سے بڑی خوف ناک، بھیانک اور کسی حد تک شرمناک بات۔

میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ نہ ذہنی، نہ روحانی، نہ جسمانی۔ میں تمہیں ہمیشہ اس حق سے محروم رکھوں گا جو دراصل میری حقیقی بیوی کا جائز شرعی حق ہو گا۔ کیونکہ نہ تو میں زبردستی کے تحت

پوائنٹ پہ ہونے والے نکاح کو جائز نکاح جانتا ہوں۔ نہ زبردستی بنا دینے والی بیوی کو بیوی تسلیم کرتا ہوں۔۔۔ میں کل کروں یا ایک سال بعد شادی ضرور کرلوں گا طلاق تمہیں اسی وقت مل سکتی ہے جب تم خود اس کا مطالبہ کروگی کیونکہ میں اپنے باپ کی وجہ سے اس معاملے میں بے بس ہوں۔

تم ساری زندگی سہاگ رکھتے ہوئے بیوگی کی زندگی گزاروگی۔۔۔ اور یہ تمہاری اپنی چوائس ہوگی۔ ورنہ میں نے تمہارے سامنے سارے آپشن کھول کر بیان کردیے ہیں۔

اگر تم مندرجہ بالا آپشنز کو ریجیکٹ کرکے میرے ساتھ کالا پانی میں قیدیوں سی زندگی گزارنا چاہتی ہو تو بہت شوق اور خوشی کے ساتھ۔ کل صبح تک اپنے کاروبار سلطنت کو سنبھال لینا۔۔۔ اپنا کھانا تمہیں خود پکانا ہوگا۔ اپنا اور میرا بھی 'کپڑے دھونے' استری کرنے تمہارے ذمے۔ اپنے حصے کی صفائی بھی کروگی۔۔۔ اور ہر قسم کی گھریلو ذمہ داریاں اٹھاؤگی جو ایک عورت کی شادی کے بعد ذمہ داری میں شامل ہوتا ہے۔

اور آخری بات اپنے باپ کے گھر والی تمام عیاشیوں کو بھول جاؤ۔ میرے گھر میں میرے اسٹائل (انداز) سے رہوگی۔ میری انکم (تنخواہ) میں گزارا کروگی۔ اس سب کے باوجود اگر تمہیں پھر بھی مجھ سے محبت کرنا ہو تو بڑے شوق اور چاؤ کے ساتھ۔ امید کرتا ہوں جلد از جلد عشق کا بھوت اتر جائے گا۔" عون نے دھڑ دھڑ اس کے سر پہ ضربیں لگا کر ایک ایک دماغ کی چول کو کھول دیا تھا۔

اول تو وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ پھر اس کی ایک ایک بات کو سمجھتی اور تولتی رہی۔ وہ بہت سنجیدہ تھا اور قطعا" مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ ماہ رو سے مذاق کر بھی کیسے سکتا تھا؟ ان کے درمیان ایسا کوئی رشتہ جو نہیں تھا۔

اس نے عون کی ایک ایک بات کو سوچا تھا۔ ہر انداز سے پرکھا تھا۔ گو کہ وہ نہ بھی پرکھتی تب بھی ایک فیصلہ تو اس نے بہت پہلے کرہی لیا تھا۔۔۔ جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ کل بھی اپنے ارادے میں پکی تھی۔ وہ آج بھی اپنے ارادے میں پکی تھی۔

وہ کل بھی اپنے عشق میں سچی تھی۔۔۔ اور وہ آج بھی اپنے عشق میں سچی تھی۔ اسے دوبارہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کرنا تھی۔

عون اس کا ہوتا یا نہ ہوتا۔ عون اسے بیوی کا درجہ دیتا یا نہ دیتا۔ عون اس سے محبت کرتا یا نہ کرتا ماہ رو سرفراز کو عمر بھر عون عباس سے محبت کرنا تھی۔ کیونکہ ماہ رو سرفراز کو عون عباس سے عمر بھر کے لیے محبت ہوگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

یوں ماہ رو سرفراز کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوگئی تھی۔ زندگی کا ایک نیا اور انوکھا باب کھل گیا تھا۔ جو زندگی اس نے طلب کی تھی۔ وہی اسے عنایت کی گئی تھی۔ اسے چاہ سے کچھ کم نہیں ملا تھا۔ بلکہ طلب سے کچھ زیادہ مل گیا تھا۔

اس نے عون عباس کی خواہش 'تمنا اور اسے پانے کی چاہ کی تھی۔ اس نے کبھی بھی عون کی محبت طلب نہیں کی تھی۔ اس کی زیست بھر کی خوشی کے لیے عون کا ہو جانا کافی تھا۔ عون کی محبت پانا تو اس کی تمنا کبھی نہیں رہی تھی۔ اسے چاہنا ضروری تھا' بدلے میں چاہت کا ملنا ضروری نہیں تھا۔

اور وہ جانتی تھی کہ عون کا حصول جتنا آسان بنا دیا گیا تھا اس کو پورا حاصل کرنا نہایت مشکل ترین مرحلہ تھا۔ اس کے دل تک پہنچنا اور بھی تکلیف دہ' کٹھن ترین سفر سے اٹا رستہ تھا۔ اور اس نے اپنے دل کی خوشی کے ساتھ' ہر پہلو پہ غور کرنے کے بعد اس مشکل' کٹھن اور پرمشقت رستے کا چناؤ کیا تھا۔ یہ اس کا من پسند انتخاب تھا اور وہ اپنی ہر صلاحیت اور آخری حد تک برداشت کو آزمالینا چاہتی تھی۔

سو کاروبار سلطنت کو سنبھالنے کے لیے تازہ دم ہوتی سویر کو بمشکل خوش آمدید کہتے ہوئے جب اس نے آنکھ مسل مسل کر دھند کے پار دیکھنا چاہا تو ہر عکس

بڑا غبار آلود نظر آیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے جالے سے تھے جو ہٹ نہیں رہے تھے۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں پوری کھول کر دیکھا تو عون اسے جھنجوڑ کر اٹھا رہا تھا۔

"ملکہ عالیہ! نسیم سحر پکار رہی ہے۔ اٹھ جائیے مجھے بھی تلاش معاش کے لیے خاک دھول ایک کرنا ہے۔" اس کا طنزیہ لب و لہجہ اور کٹیلے الفاظ سن کر ماہ رو کی نیند اڑنچھو ہو چکی تھی۔ وہ لمبی لمبی جمائیاں روکتی جلدی سے اٹھ گئی۔ بکھرے بال کیچو میں سمیٹ کر اس نے بھاں بھاں کرتے کمرے پہ طائرانہ نظر ڈالی تھی۔ وہاں عون کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

"کہاں ہے نسیم سحر؟ اور کون خاتون ہیں یہ؟" اس نے ہونق پن کی انتہا کرتے ہوئے عون کو اچھا بھلا تپا دیا تھا۔ حالانکہ تپا تپایا تو وہ پہلے سے لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا باہر والوں سے پھر جھڑپ ہوئی ہے۔ اور وہ یقیناً "تازہ تازہ لڑائی کے بعد اندر آیا تھا۔

"تمہاری سوکن ہے۔" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا تھا۔ ماہ رو کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"تو وہ راتوں رات آ بھی گئی؟" ماہ رو کی جیسے جان نکل گئی تھی۔ عون جو مرضی کرتا رہے۔ جسے مرضی پسند کرے۔ چاہے یہ دعوا باتوں کی حد تک آسان تھا۔ عملی طور پر اگر ایسی کوئی پچویشن ہوتی تو ماہ رو کا کیا بنتا؟ شاید ہارٹ اٹیک ہو جاتا اور ہارٹ اٹیک تو اسے اب بھی ہونے لگا تھا۔ نسیم سحر کا نام سن کر جیسے جان نکلنے لگی تھی۔

"کہاں ہے وہ؟" اس نے دل پہ پتھر رکھ کر بمشکل پوچھا۔

"باہر..." عون نے غضب ناک انداز میں جواب دیا تھا۔ پھر پاؤں پٹختا باہر نکل گیا۔ ماہ رو کچھ دیر کے لیے ہونق ہوئی تھی۔ پھر وہ عون کی بات کا مفہوم سمجھ کر خود کو ملامت کرنے لگی۔ بعد میں اسے اپنی بے وقوفی پر ہنسی آ گئی تھی۔

"یہ عون بھی نا... بہت شوق ہے اسے مجھ پہ سوکن لانے کا۔" وہ بیڈ سے اتر کر واش روم کی طرف چلی گئی تھی پھر جب فریش ہو کر باہر آئی تب تک عون بھی اندر آ چکا تھا۔

"تمہارا ابھی تک اشنان پورا نہیں ہوا اور مجھے نو بجے تک نکلنا تھا۔ حد ہے کاہلی اور سستی کی۔" وہ جیسے دہاڑ کر بولا۔ ماہ رو بال بناتی کچھ گھبرا گئی۔

"اٹھ تو گئی ہوں اب کیا کروں؟" اس نے بوکھلاہٹ میں ہیئر برش پٹخ کر سلیپر پہنے۔ کیا اسے عون کے ساتھ کہیں جانا تھا؟ کیا پتا ناشتا کرنے؟ اس کا دل بڑا خوش فہم ہوا۔

"میرا منہ دیکھو۔" وہ پھر سے دہاڑا۔

"دیکھ تو رہی ہوں۔ کیا ہوا؟ تازہ شیو بنائی ہے۔ کٹ تو نہیں لگا؟" ماہ رو نے فکر مندی سے کہا۔ اب بھلا وہ اس کے علاوہ کیا کہہ سکتی تھی؟

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ پھر سے چیخا تھا۔ ماہ رو منہ بند کرکے کھڑی ہو گئی۔ اب بھلا کیا کرے؟ حد تھی۔ جان بوجھ کر ستائے چلا جا رہا تھا۔ خیر ستانا تو اس نے تھا ہی... بس ماہ رو کو ثابت قدم رہنا تھا اور بالکل بھی گھبرانا نہیں تھا۔ وہ ستم آزمائے گا۔ ماہ رو جگر آزمائے گی۔ دیکھیں گے جیتے گا کون؟

اس کے حوصلے بھی جوان تھے اور ارادے بھی اٹل۔ اتنی آسانی سے ہار تسلیم نہیں کرے گی۔ آخر سیٹھ سرفراز احمد کی بیٹی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ دل الٹی جگہ اٹکا لیا تھا۔

معاً اس کی دہاڑ پہ دروازہ ایک دم کھلا تھا۔ عون کی امی کھانے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ کمرے میں ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیل گئی تھی۔ رات بھر سے بھوکی ماہ رو کی بھوک انگڑائی لے کر بے دار ہو گئی تھی۔ اسے عون کی امی پہ ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔

اور ابھی وہ فرط خوشی میں جلدی سے آگے بڑھ کے ٹرے تھامنا چاہتی ہی تھی جب عون کی خفگی بھری آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس نے ماں کی وجہ سے غرانے سے کچھ پرہیز کیا تھا۔ یقیناً "امی کے احترام میں۔

"آپ پھر ناشتا اٹھا لائی ہیں۔ یہ فاؤل ہے امی! کل کا پورا دن میں نے ابو سے جھگڑا کر کے کچن الگ کروایا تھا اور آپ میرے کیے کرائے پہ پانی پھیر دینا چاہتی ہیں۔ جب میں نے کہہ دیا تھا کہ ہمارا کھانا الگ ہو گا تو الگ ہی ہو گا۔ پھر یہ تکلیف کیوں؟ بلکہ یہ زیادتی کیوں؟" عون کا لہجہ نرم تھا لیکن الفاظ تلخ۔ وہ ماں کی وجہ سے لہجہ بدل کر بہت دھیمے انداز میں بول رہا تھا۔

"تم حد کرتے ہو عون! اور تمہارے ابو بھی حد کرتے ہیں۔ تمہاری ضد پہ انہیں غصہ آ گیا۔ اور انہوں نے تمہارا کچن الگ کروا دیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم میرے جیتے جی ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اپنا چولہا الگ کر لو۔ پھر اس صورت حال میں جب بہو کا یہاں نیا قدم ہے۔ نہ اسے پکانے کی سمجھ بوجھ ہے نہ کام کرنے کی۔ ابھی اس کے دلہناپے کے دن ہیں اور تم اسے چولہے میں جھونکنا چاہتے ہو۔ ابھی تو مجھے پہلا پچھتاوا نہیں گیا کہ اپنی بیٹی کا کوئی چاؤ نہیں کر سکی۔ اوپر سے تم اس پہ دہری ذمہ داریاں ڈال دینا چاہتے ہو۔ ایسا بالکل نہیں ہو گا عون! اچھا ہے۔ جس کل سے مرضی ہے سنو.... ناشتا کھانا اکٹھے ہو گا اور تم میری بہو پہ کوئی دباؤ نہیں ڈالو گے۔" امی نے اپنے مخصوص دھیمے مگر دو ٹوک لہجے میں حکمیہ انداز اپنا کر کہا تو عون بری طرح سے جز بز ہو گیا تھا۔

"یہ بالکل ٹھیک نہیں امی! آپ مجھے مجبور مت کریں پلیز، پھر اس طرح یہ ہماری کچھ بھی نہیں سیکھ پائے گی۔" اس نے بڑے محتاط انداز میں ماں کے ساتھ بحث کرنا شروع کر دی تھی۔

"آہستہ آہستہ سب سکھا دوں گی۔ تم ایک ہی دن میں اسے کامیاب ترین کک نہیں بنا سکتے۔" ان کا لہجہ ہنوز وہی تھا۔ دو ٹوک اور حکمیہ۔

"لیکن مجھے یہ منظور نہیں۔" اس نے ضدی انداز میں کہا۔

"تو نہ ہو...." امی کے انداز میں لاپروائی تھی۔ "تم سارے مرد گھر میں ٹکتے کب ہو۔ دل چاہا گھر سے کھایا ورنہ باہر سے پیٹ بھر آئے۔ یہ عذاب تم ماہ رو کے لیے بنانا چاہتے ہو کہ وہ اپنی اکیلی کے لیے روٹی پکاتی پھرے.... ہمارے لیے شرم کا مقام ہے۔ میری بچی کی روٹی مجھ پہ بھاری نہیں.... خبردار جو تم نے میرے ساتھ بحث کی۔" انہوں نے عون کو غصے بھری نظروں سے گھور کر چپ کھڑی ماہ رو کو اشارہ کیا تھا۔

"پکڑو بیٹا! خود بھی کھاؤ.... اور اسے بھی دو.... یوں ہی نعمتوں کو ٹھوکریں مارتا ہے۔ یہ جانے بغیر کہ نعمتوں کو ٹھکرا دینے کے بعد پھر یہ بار بار ہاتھ نہیں آتیں۔" انہوں نے عام لہجے میں بڑی کھری بات کی تھی۔ عون اندر تک سلگ گیا تھا۔ ناک تک غصے میں بھر گیا تھا۔ اور یہ بات تھی کہ ماں کے سامنے بول نہیں سکتا تھا۔

ادھر ماہ رو 'ماں بیٹے کی بحث میں پنڈولم کی طرح جھول رہی تھی۔ کیا کرے؟ ٹرے پکڑے یا نہیں؟ ناشتے کو ہاتھ لگائے یا نہیں؟ اس نے سہمی نظروں سے عون کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی گھوری پہ ٹرے کی طرف بڑھتے ہاتھ ہوا میں معلق رہ گئے تھے۔ تب امی کو بلا کا غصہ آ گیا تھا۔

"عون! تم ٹھیک نہیں کر رہے۔ اپنے باپ سے اختلاف اپنی جگہ.... تم میرا دل نہیں دکھا سکتے۔ پکڑو ماہ رو بیٹی! ناشتا شروع کرو.... رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا۔" امی نے عون کو گھرکتے ہوئے گم صم کھڑی ماہ رو کو مخاطب کیا تو اس دفعہ بھوک سے عاجز آتی ماہ رو نے ٹرے پکڑنے میں دیر نہیں کی تھی۔ اور عون نے بھی مزید گھورنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔ البتہ وہ ایک سلگتی نگاہ ماہ رو پہ ڈال کر باہر نکل گیا تھا۔ امی اسے پکارتی رہ گئی تھیں۔ پھر سر تھام کر وہیں بیٹھ گئیں۔ ماہ رو جوان کے اصرار پہ بے تکلفی سے گرما گرم ناشتے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ تھوڑا خفیف سی ہو گئی۔

"عون کو غصہ ہے۔" اس نے محض یہاں تک تبصرہ کیا تھا۔ امی جو کسی گہری سوچ میں تھیں ایک دم چونک گئیں پھر گہرا سانس کھینچ کر بولیں۔

"اتر جائے گا۔ تھوڑا غصہ کرے گا پھر رام ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے الگ کچن والی اپنی ضد منوانی تھی۔

میں نے اس کی ایک نہیں چلنے دی۔ سو اسی بات پہ برہم ہے.... اپنے باپ پہ پڑا ہے' ویسا ہی ضدی اور جذباتی۔" وہ اسے آہستہ آہستہ بتانے لگی تھیں۔

حیرت انگیز طور پر وہ ساری باتیں جو ماہ رو کو ابھی تک نہیں پتا تھیں۔ سو عون کو اس کے مزاج کو اس کی پسند ناپسند کو جانتی تک نہیں تھی۔ اور اس وقت عون کی امی کے منہ سے سب باتیں سن کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے عون کے متعلق جاننا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ہر بچہ اپنی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر بچے کا اپنا الگ ہی مزاج ہوتا ہے۔ عون میرے سارے بچوں میں مختلف تھا۔ شروع سے ہی الگ تھلگ مزاج رکھتا تھا۔ اسے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلنا کودنا پسند نہیں تھا۔ دوست بنانے کا شوق بھی نہیں تھا۔ اور جو عون کی طبیعت کے دوست تھے وہ تھوڑے جھگڑالو ٹائپ تھے۔ کچھ غصہ ور تھے عون کی طرح ہی.... آپس میں جب لڑتے تو بات ہاتھا پائی سے ہوتی ہوئی مار کٹائی تک پہنچ جاتی تھی۔ اکثر کسی کا سر پھٹ جاتا کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی.... عون کے ابو آئے دن کی اس صورت حال سے تنگ آچکے تھے۔ انہوں نے اس کے دوستوں کی سنگت ترکوادی تھی۔ کیونکہ جب بھی وہ باہر سے لڑ کے آتا تھا۔ اس کے ابو بجائے سمجھانے کے' پیار کرنے کے الٹا اسے مار مار کر فنا کر ڈالتے تھے۔

بس اس کے مزاج کی تبدیلی کا آغاز اور شروعات وہیں سے ہونا شروع ہوئی تھیں۔ میرے باقی بچے نسبتاً" بے ضرر قسم کے تھے۔ گلی محلے میں بھی نہ جھگڑتے نہ لڑائی کو پسند کرتے۔ لیکن عون کی آئے دن شکایتوں نے ہمیں بہت عاجز کر دیا تھا۔

اس کے ابو نے سمجھانے کے لیے جو ڈنڈا پکڑا تو کالج تک وہ ڈنڈا ساتھ ہی رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کالج میں پہنچ کر عون میں خاصی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ وہ پہلا والا عون نہیں رہا تھا۔ کچھ بدل گیا تھا۔ چونکہ بھائیوں اور کزنز میں وہ گھلتا ملتا نہیں تھا۔ ہمیشہ دور ہی رہتا تھا۔ بس گھر میں فریحہ سے دوستی تھی۔ اور اسی کے ساتھ بات چیت کرتا تھا۔ اسی کو اپنا ہمدرد بھی سمجھتا تھا۔ سو وہ فریحہ تک ہی محدود رہتا تھا۔

فریحہ اس کی اچھی غم گسار تھی۔ ابو سے مار پڑتی تب بھی وہی زخموں کی ٹکوریں کرتی تھی اور اگر باہر سے لڑ کے آتا تب بھی فریحہ ہی زخموں پہ مرہم رکھتی۔ فریحہ اس کے لیے دوست' استاد' کزن سب کچھ تھی۔ وہ فریحہ کے ہی قریب تھا۔ اپنی ہر بات اسے بتاتا تھا۔ اسی سے مشورہ لیتا تھا اور اسی کی مان بھی لیتا تھا۔

باپ کے ساتھ اس کے اختلافات بہت پہلے سے تھے۔ اس وقت جب انہوں نے اسے فوج میں بھرتی نہیں ہونے دیا تھا۔ اس وقت بھی جب انہوں نے اسے انجینئرنگ پڑھنے نہیں دی تھی۔ پھر اس نے لاء کرنا چاہا تب بھی رحمان رکاوٹ بن گئے۔ ان کے نزدیک وکالت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ کہتے تھے وکیل بھوکے مرتے ہیں۔ یہ رحمان کی ضد تھی کہ وہ میتھس ہی پڑھے۔ گو کہ وہ میتھ میں بہت اچھا تھا۔ اس نے باپ کی ضد مان لی اور میتھس میں ایم ایس سی کیا۔ ایم فل کیا.... یونیورسٹی نے اسے ہائیر ایجوکیشن کے لیے اسکالرشپ دیا تب بھی رحمان اس کے خوابوں کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ انہوں نے اسے آسٹریلیا بھیجنے سے صاف انکار کر دیا۔ نہ پیسہ دیا نہ سپورٹ کیا۔ بقول رحمان کے انہوں نے اتنا پیسہ لگا کر اس لیے نہیں پڑھایا کہ وہ گوروں کو فیض دیتا رہے۔ یہ ساری تعلیم انہوں نے اس لیے دلوائی تھی تاکہ عون سے دو کلن داری کروا سکیں۔

انہوں نے باقی بیٹوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ وہ سب فرمانبرداری سے مان گئے تھے۔ اپنا خاندانی کاروبار سنبھال لیا تھا۔ لیکن عون اس بات پہ بھی ڈٹ گیا۔ اس نے کہا۔

"وہ جاب ہی کرے گا۔" وہ ضد پہ اڑ گیا تھا۔ رحمان نے ایک مرتبہ پھر اس کی خواہش کا گلا دبا ڈالا.... ان کے نزدیک دوسروں کی چاکری سے بہتر تھا اپنا کام کیا جائے۔

سو یہاں بھی عون کو من مارنا پڑا.... گو کہ گھر میں کئی مہینے تک جنگ چلی تھی۔ عون ناراض ہو کر ہاسٹل چلا

گیا۔ اس کے باپ کو کوئی پروا نہیں تھی۔ پھر فریحہ کے سمجھانے پہ نہ صرف عون نے اپنی ضد توڑی تھی بلکہ وہ گھر بھی واپس آ گیا۔ اور اپنی اتنی شاندار ڈگریوں کو لاک اپ کر کے دوکانداری میں لگ گیا تھا۔ یہاں بھی باپ جیت گیا تھا اور بیٹا ہار گیا تھا۔

رحمان کو اور کیا چاہیے تھا۔ وہ پھر بھی ناخوش تھے۔ کیونکہ پلازہ کی ہر دوکان میں سیل کے حساب سے الیکٹرونکس مصنوعات میں پرافٹ کم آتا تھا۔ اور وہ حصہ یا ڈپارٹمنٹ عون کے سپرد تھا۔ جہاں سے کبھی منافع نہیں ہوا۔ پھر باپ بیٹے کے اختلافات لڑائیاں جھگڑے کی حد نہیں۔۔۔ گھر میں بے سکونی تھی۔ ہر وقت ٹینشن کا سماں رہتا تھا۔ عون نے کئی مرتبہ پلازہ کو لات مارنی چاہی تھی لیکن میرے اور فریحہ کے سمجھانے پہ خاموش ہو جاتا تھا۔

کیونکہ رحمان نے دھمکی دے رکھی تھی جو پلازہ میں برابر آ کر کام نہیں کرے گا۔ اسے نہ تو پرافٹ میں حصہ ملے گا۔ نہ وہ جائیداد میں حصہ دیں گے۔ جو نوکری کرے گا۔ وہ بس نوکری سے کمائے اور کھائے گا۔

مجھے کہنے میں کوئی عار نہیں کہ رحمان کی اکثر ضدوں نے عون کو زبردستی اکھڑ، ضدی اور نافرمان بنا دیا حالانکہ میرے بیٹے نے کبھی نافرمانی نہیں کی۔

وہ شروع سے الگ تھلگ رہا۔ بہن بھائیوں سے دور دور۔ اپنے مزاج کی وجہ سے لیکن یہ نہیں تھا کہ اس میں احساس اور خیال نہیں تھا۔ لیکن اس کے ابو کو ہمیشہ اس سے شکایتیں ہی رہی ہیں۔

وہ مزاجاً" اکھڑ سہی تند سہی تاہم اس میں کوئی بری عادت نہیں۔ نہ اس نے کبھی سگریٹ پیا نہ کوئی اور بری عادت۔ یونی ورسٹی میں بھی ہمیشہ لڑکیوں سے دور ہی رہا۔ میں تو مان ہی نہیں سکتی کہ وہ کسی غیر اخلاقی حدود کو تجاوز کر سکتا ہے۔ وہ سب جو لوگوں نے دور دور تک پھیلایا۔۔۔ مجھے ایک فیصد بھی اس پہ یقین نہیں۔" انہوں نے دھیمی آواز میں عون کی پرت در پرت شخصیت کو کھولنا شروع کیا تھا۔ پھر جب وہ آخر میں لمحہ بھر کے لیے رکیں تو ماہ رو نے جیسے نظر چرا لی تھی۔ یوں لگ رہا تھا وہ خاص طور پہ اسے ہی سنا رہی تھیں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

"اس کے ابو نے بہت شروع سے ہی اسے دباؤ میں رکھنا چاہا تھا۔ جیسے وہ دوسرے بیٹوں کو رکھتے تھے۔ کسی حد تک وہ لڑنے جھگڑنے کے بعد بھی دباؤ میں ہی رہا تھا۔ وہ ضدی تھا لیکن ایسا بھی نہیں بات نہیں مانتا تھا۔ اپنی مرضی چلاتا تھا۔ لیکن جیسے ہی میں کوئی بات سمجھاتی تھی وہ رام بھی ہو جاتا تھا۔

پھر جب ہم نے اس کی شادی کا ارادہ ظاہر کیا تب بھی اس نے کوئی ڈیمانڈ نہیں رکھی۔ سارا معاملہ مجھ پہ چھوڑ دیا تھا۔ اس کی کوئی پسند ہوتی تو وہ لازمی بتاتا۔ میں نے فریحہ کے لیے خواہش ظاہر کی تو تب بھی اس نے یہی کہا۔

"جو آپ مناسب سمجھیں۔" فریحہ گھر کی بیٹی تھی۔ اسے چھوڑ کر میں باہر سے بہو کبھی نہ لاتی۔ جب میں نے عون کے ابو اور چاچا سے اپنی خواہش کا ذکر کیا تو تب دونوں نے ایک ساتھ ہی مجھے جواب دیا تھا۔ ان کا جواب میرے لیے بڑا حیران کن تھا۔" وہ ایک مرتبہ پھر بولتے بولتے اچانک رک گئی تھیں۔ جیسے کسی سوچ میں پڑ گئی تھیں اور فریحہ کا ذکر ایسا تھا کہ ماہ رو جلد از جلد اس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ فریحہ کا رشتہ عون کے ساتھ کیسے ہوا؟ اس میں عون کی کتنی پسندیدگی شامل تھی؟ عون فریحہ کو چاہتا تھا یا نہیں؟ وہ ایک گھر میں رہتے تھے یقینی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ قلبی لگاؤ تو ضرور ہو گا۔ یہ رشتہ جڑا کیسے تھا اور ٹوٹا کیسے؟ عون تو اس پہ صاف الزام رکھتا تھا کہ اس کی وجہ سے یہ رشتہ ختم ہوا تھا لیکن ماہ رو کو وجہ کچھ اور معلوم ہوتی تھی۔ بھلا اس کی وجہ سے یہ شادی کیسے ٹوٹ سکتی تھی؟

"انہوں نے کیا جواب دیا؟" عون کی امی کو خاموش دیکھ کر ماہ رو نے بے چینی سے انہیں کچھ یاد کروایا تھا۔ وہ چونک کر گہرا سانس کھینچتی نرمی سے دوبارہ بتانے لگیں۔

"ان دونوں نے کہا۔ وہ تو فریحہ کے لیے عاشر کو فائنل کر چکے تھے۔ فرقان بھی اپنے بھائی کی طرح عون سے زیادہ عاشر کو پسند کرتا تھا۔ اس لیے بھی کہ عون کی نسبت عاشر میں بہت سی اچھی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ فرقان نے بڑے واضح لفظوں میں کہا تھا۔

"بھابھی! میرا تو عاشر پہ دل تھا۔" اور واقعی فرقان کا عاشر پہ ہی دل تھا۔ لیکن جب میں اڑ گئی اور میرے ساتھ فریحہ کی امی بھی مل گئیں تو ان دونوں کو ماننے ہی بنی تھی۔ دراصل فرقان کو عون کے مزاج، رویے اور طبیعت کے روکھے پن کی وجہ سے بہت تحفظات تھے۔ عون کے مزاج میں تندی تھی اور عاشر کے مزاج میں حلیمی تھی۔

تب بھی رحمان اور فرقان کا دل نہیں تھا کہ ان کی لاڈلی نرم خو فریحہ کی شادی عون سے ہو۔ لیکن میں نے یہاں ایک نہیں چلنے دی تھی۔ اگر عون کو رشتہ نہیں دے رہے تھے تو پھر عاشر بھی کیوں؟" میری ضد پہ فرقان کو چپ ہونا ہی پڑا تھا کیونکہ جو بھی تھا وہ اکلوتی بیٹی کو اپنے کسی بھی بھتیجے سے بیاہنا چاہتا تھا۔ خاندان سے باہر نہیں۔

یوں خوش اسلوبی سے یہ رشتہ طے ہو گیا تھا تاہم تب بھی رحمان خوش نہیں تھے۔ وہ بات بے بات عون کو کچوکے لگاتے۔ طنز کرتے غصہ ہوتے کہ وہ اس قابل ہی نہیں تھا۔ لیکن اسے فریحہ جیسی لڑکی کا ساتھ مل گیا ہے۔ فریحہ تو عاشر جیسے لڑکے کو ڈیزرو کرتی تھی۔ اس کی قسمت خراب تھی جو غلط جگہ رشتہ جڑ گیا تھا۔

شروع سے ہی جن رشتوں کے درمیان اختلافات کی فصیلیں کھڑی ہونے لگیں وہ رشتے کبھی کامیاب نہیں ہوتے یا پھر سارا ہیر پھیر نصیب کا تھا۔ آسمانوں پہ جوڑیاں لکھے ہی نہیں تھے جو ہم انسانوں نے اپنی مرضی سے بنا دیے تھے۔ ایک ہنستی بستی زندگی، ایک خوشگوار انداز میں شروع ہونے والی شادی اچانک ختم ہو جائے گی۔ وہ بھی اتنی شرم ناک وجوہات کی بنا پر۔ سوچ کی انتہا تک بھی دل تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن ہونی کو کون روک سکتا ہے۔۔۔؟" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔ ان کے چہرے پہ عجیب سی اذیت پھیل گئی تھی۔

"اور عون کہتا ہے یہ شادی میری وجہ سے ختم ہوئی۔" ماہ رو نے بھی ان کے خاموش ہوتے ہی آہ بھر کے اپنے دل کا پھپھولا پھوڑا تھا اور عون کی امی نے اچانک آنکھیں پوری کھول کر حیرانگی سے اسے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی تھیں۔ "تو کیا نہیں ہوئی تھی؟ جہاں سے بھی بات نکلتی وجہ تو تم ہی تھی۔" انہیں وہ ساری بدنامی یاد آنے لگی۔ استہزا، طنز اور ذلت جو ماہ رو کے توسط سے ہی ان کا نصیب بنی تھی مگر ان کی اعلا ظرفی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ ماہ رو کو جتا جتا کر شرمندہ کریں۔ کیونکہ جو بھی تھا۔ ماہ رو ان کی عزت بن چکی تھی اور شاید بیٹے کی محبت بھی۔

گو کہ رشتہ ٹوٹنے، شادی رکنے میں جو وجہ سامنے آئی تھی اس کا لب لباب تو یہی تھا عون کو ایک امیر زادی سے محبت ہو گئی تھی اور وہ اسے بھگانے یا اغوا کرنے کے لیے اس کے گھر پہنچ گیا تھا۔ موقع واردات پہ کئی چشم دید گواہ بھی موجود تھے۔ سو عون کسی بھی طرح سے مکر نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے ہی شکنجے میں پھنس گیا تھا۔

لیکن تب سے لے کر اب تک عون کی امی کو ان دونوں نئے نویلے میاں بیوی کے درمیان "محبت" کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ باقی سب کچھ تو دکھائی دے رہا تھا لیکن وہ عشق دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جس کے پیش نظر اتنی بڑی بدنامی مول لی تھی۔ اور خاک دھول اڑائی تھی۔

اگر یہ لو میرج تھی تو پھر کہاں گیا تھا؟ یہاں تو خالی میرج بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ دونوں شادی کے تیسرے دن ہی بے زار، تلخ، خاموش، روٹھے روٹھے سے نظر آرہے تھے۔

عون کی امی کو دیکھ دیکھ کر ہول اٹھنے لگے تھے۔ پیچھے جو کچھ بھی ہوا تھا اس سب کو بھلا کر وہ چاہتی تھیں کہ عون اور ماہ رو ہمیشہ خوش رہیں۔ ایک ماں ہونے کے ناطے ان کی یہ خواہش بے جا نہیں تھی۔

"آپ یقین کریں آنٹی! عون کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہے۔ میں تو جانتی ہی نہیں تھی کہ عون اور فریحہ کی شادی ہو رہی تھی۔ مجھے فریحہ نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ انوائٹ تک نہیں کیا۔" ماہ رو اچانک انہیں سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی تھی۔ اور عون کی امی جیسے ہکابکا رہ گئیں۔

"ایں.... یہ ماہ رو کیا ٹھیک کہہ رہی تھی؟" ان کا اچنبھا کسی طور بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"میرا یہاں آنا جانا تھا۔ اتنا تو آپ مجھے جانتی ہی ہوں گی آنٹی! کہ میں کسی کا برا نہیں سوچ سکتی؟" ماہ رو روہانسی ہو کر بول رہی تھی۔

"اگر میں بری ہوتی تو کبھی بھی فریحہ کے کسی کام نہ آتی۔ یونی سے لے کر بعد تک جب بھی فریحہ نے مجھے چھوٹے سے چھوٹا کام کہا میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بہت دفعہ میں اس کے ساتھ بلاوجہ گرمی میں چھوٹے چھوٹے بازاروں میں شاپنگ کے لیے گھومتی رہی ہوں۔ یونی میں اس کا ہر کام میرے ذمہ تھا۔ ہر جگہ سے نوٹس اکٹھے کر کے اسے فوٹو سٹیٹ کروا کے دینے' اگر اس کی کسی کے ساتھ تکرار ہو جاتی تب بھی میں ہی پرائی لڑائی میں کود پڑتی۔ اکثر اسے پروفیسرز کی ڈانٹ سے بچاتی تھی۔ مجھ میں بہت بری عادتیں بھی ہوں گی۔ لیکن ایک بات دعوے سے کہہ سکتی ہوں مجھ میں مروت بھی ہے اور میں کسی کا برا کبھی نہیں چاہ سکتی۔" ماہ رو نے ایک ہی سانس میں وہ سب کہہ دیا تھا جو وہ عون کو بتانا چاہتی تھی۔ لیکن عون اسے موقع نہیں دے رہا تھا۔ نہ ہی وہ کچھ صفائی میں سننا چاہتا تھا۔ وہ اسے برے پن کا ٹائٹل دے چکا تھا۔ اب اپنی بات سے کبھی نہ ہٹتا۔ وہ اس کے نزدیک بری تھی اور ہمیشہ بری ہی رہتی۔

"گو کہ فریحہ میری ماہم جیسی بیسٹ نہ سہی' فرینڈ تو تھی۔ میں کیسے اس کے لیے گڑھا کھود سکتی تھی آنٹی! اور عون اس بات کو سمجھتا ہی نہیں۔ اس کے نزدیک میں ہی غلط ہوں۔ اور وہ کہتا ہے میں اس کے ابو کے سامنے اپنی غلطی کا اور اپنے غلط ہونے کا اقرار کروں۔ میں انہیں بتاؤں۔ میں ہی ماسٹر مائنڈ پلانر ہوں۔ چال باز ہوں۔ میری شاطرانہ چال میں عون کا کوئی قصور نہیں۔ جو بھی کیا میں نے کیا۔ میں اسے چاہتی تھی سو گناہ گار بھی میں ہی تھی.... اور آنٹی! وہ یہ بھی کہتا ہے۔ میں انکل کے سامنے نہیں بلکہ سارے خاندان کے سامنے اعلان کروں۔ میری گھٹیا سوچ' پلاننگ اور بہتان مجھ تک ہی محدود تھے۔ کیونکہ میں کریکٹر لیس لڑکی تھی۔ میں نے عون پہ ڈورے ڈال کر اسے جان بوجھ کے بدنام کیا ہے۔

اور آنٹی! وہ یہ بھی چاہتا ہے۔ میں پورے خاندان کے سامنے حلف اٹھا کر اسے سچا ثابت کروں.... اور بہانگ دہل عون سے طلاق کا مطالبہ کر کے اس کی زندگی سے نکل جاؤں۔" ماہ رو نے آخر میں پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اپنے دل کا سارا بوجھ اتار پھینکا تھا کہ پھر یوں ہوا.... عون کی امی کا کلیجا تک کانپ گیا۔ وہ اس کے تڑپنے پہ خود بھی تڑپ گئی تھیں۔ ماہ رو اندر سے کس قدر تکلیف میں تھی۔ زخمی تھی اور شاید سچی بھی ہو۔ وہ تو عون کی سن کر اسی پہ ایمان لے آئی تھیں۔ ماہ رو کو تو آج سننے کا موقع ملا تھا۔ عون کی امی کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ وہ اتنی شاکڈ تھیں کہ ہر چیز کو نظر انداز کر کے محض ماہ رو کے آخری الفاظ پہ پتھر ہو گئیں۔ انہیں یقین نہیں آیا تھا عون ایسی بکواس بھی کر سکتا ہے۔ ان کے خاندان میں پہلے کبھی ایسا ہوا تھا؟ پہلے کبھی کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ بھی نئی نویلی تین دن کی بیاہتا بیوی۔

"اس نے ہمت کیسے کی تمہیں طلاق لینے پہ مجبور کرنے کی۔ بے شرم کی غیرت نجانے کہاں سوئی ہے۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ ایک جگہ جہاں بات پکی کر دی کبھی ہٹے نہیں۔ یہ عون اور فریحہ کا تو معاملہ ہی الگ تھا۔ اس میں فرقان خود پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ورنہ یہ شادی بھی ہو کر رہتی۔

اور یہ عون کس قدر کمینہ ہو رہا ہے.... طلاق کی بات کرتا ہے۔ بے حیا نہ ہو تو۔ باپ کو پتا چلا تو کھڑے کھڑے گولی سے اڑا دیں گے۔ یہ ذلیل ہمیں اور بھی

ذلیل کرے گا۔ پہلے بدنام کیا کم ہوچکے ہیں جو اب نئی بدنامی مول لینا چاہتا ہے۔ ہر وہ کام آخری انتہا پہ کرے گا جو پہلے ہماری پشتوں میں نہیں ہوا۔ پہلے کیا کم بہتان لگ چکے تھے اور اب الزامات لگوانے پہ تلا بیٹھا ہے۔ بے شرم 'بددماغ نہ ہو تو۔

اور یہ تم کیوں روتی ہو؟ میں تمہاری ماں ہوں.... صرف عون کی ماں نہیں ہوں۔ تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دوں گی اور عون کے ابو تو کبھی اسے کسی بھی انتہائی فعل کا مرتکب نہیں ہونے دیں گے.... تم بے فکر ہو جاؤ۔ وہ اپنی جلن 'غصہ اور زہر نکالتا ہے۔ باپ کے سامنے بول بال کر بھڑاس ضرور نکالتا ہے۔ لیکن ان کے فیصلوں کی نفی کبھی نہیں کر سکتا۔ مخالفت ضرور کر لیتا ہے۔ جھگڑا بھی 'تاہم ان کی کسی بات کو ٹھوکر سے اڑا کر من مانی کی جرات نہیں اس میں۔"

انہوں نے روتی ہوئی ماہ رو کو سینے سی چمٹا کر ڈھیر سارا پیار کیا۔ ڈھیر سارا اعتماد بخشا تو ماہ رو اندر تک اور بھی مضبوط اور بھی مستحکم ہوتی چلی گئی تھی۔ عون کی امی کے سینے سے لگی ماہ رو کے اندر ٹھنڈک اتر آئی تھی۔ زندگی میں شازمہ کے ہوتے ہوئے بھی پہلی مرتبہ اسے ممتا کا صحیح احساس ہوا تھا۔ اس نے ممتا کی گرمی اور نرمی 'ٹھنڈک اور سرشاری کو بیک وقت محسوس کیا تھا۔ اس کا دل اور آنکھیں دونوں بھر بھر آئی تھیں۔

"اور آئندہ تم آنٹی نہیں کہو گی.... میں تمہاری ماں ہوں اور رحمان باپ' ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں کبھی کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی گیدڑ بھبھکیوں پہ مت جانا۔ غصے کا تیز ہے دل کا برا نہیں۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں کے کٹوروں میں اس کا حسین چہرہ تھاما اور پھر انہیں ٹوٹ کر پیار آگیا تھا۔ ان کی محبت محسوس کر کے ماہ رو کو کچھ اور بھی یاد آگیا۔

"امی!" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "عون! کہتا ہے میں زبردستی اس کی زندگی میں گھسی ہوں۔ آپ کا عون عباس بڑا بے رحم ہے۔" امی نے اسے سچی امی ہونے کا احساس کیا دلایا تھا وہ عون کی شکایتیں کھول کر بیٹھ گئی۔

"رہنے دو اس فضول آدمی کو.... خواہ مخواہ بکواس کرتا ہے۔ تم اب نہ آتیں تو میں کسی اور طریقے سے تمہیں لے آتی۔ جب تم فریحہ سے ملنے آتی تھیں میں نے تب سے ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ تمہیں اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔" امی نے بڑی محبت سے اپنے شروع شروع والے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ تب ماہ رو تھوڑا حیران ہو کر چونک گئی تھی۔

"لیکن تب تو عون عباس فریحہ سے انگیجڈ تھا۔" اس کی آنکھوں میں تحیر در آیا۔ گو کہ تب وہ ٹوٹلی بے خبر تھی۔

"ضروری تھا عون کے ساتھ ہی شادی ہوتی۔ میں عاشر کے لیے تمہیں لے آتی۔" امی کے سادگی بھرے انداز پہ ماہ رو کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ بے ساختہ ان کے سینے میں گھس کر چیخ پڑی تھی۔

"نہیں امی! عاشر نہیں بس عون ہی.... میں عاشر کے لیے کبھی نہ آتی۔" اس کے بے ساختہ پن اور لمبی سی چیخ پہ پہلے تو امی حیران ہو کر ڈر گئیں تھیں پھر جب بات سمجھ میں آئی تو ایک دم ہنس پڑیں۔

"اچھا.... تو معاملہ پہلے سے ہی تھا۔" ان کا انداز پر سوچ سا نا قابل فہم ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے درختوں پہ خزاں کو منڈلاتے دیکھا اور حیران رہ گئی۔ گو کہ یہ خزاں کا موسم نہیں تھا پھر بھی درختوں کے پتے چرمرا کر گر رہے تھے۔ ٹوٹ ٹوٹ کر بے جان ہو رہے تھے بالکل اس کے دل کی طرح روکھے 'خشک اور ویران تھے۔ یا پھر اس کے اپنے احساسات اور محسوسات ایسے تھے ہر چیز میں خود بخود ویرانی دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے پودوں 'پھولوں' کلیوں کا رنگ روپ کملا گیا ہو۔

اس کی آنکھوں میں ریت سی بھر گئی تھی۔ آج پانچواں دن تھا۔ ہر روز ایک نیا دن نکلتا اور غروب ہو جاتا۔ ہر نئی صبح چڑھتی اور پھر ڈھل جاتی تھی۔ دن پہ

دن گزر رہے تھے۔ لیکن اس کے اندر کا موسم ہنوز وہی تھا۔ اور فریحہ کی امی کہتی تھیں تم بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر بیٹھ گئی ہو۔ اور وہ زمانہ ساز چالاک لڑکی اس کی ایک ایک چیز پہ قبضہ جما کر پورے گھر میں دندناتی پھر رہی تھی۔ اس حال میں کہ عون تک پیچ چنگھاڑ کر بے بس ہو رہا تھا اور وہ لڑکی اپنی ہوشیاری چالاکی، خوش مزاجی سے تایا کی پوری فیملی کو مٹھی میں کر رہی تھی۔ امی نے یہ صورت حال دیکھی اور انگشت بدنداں سی فریحہ پہ چڑھ دوڑی تھیں۔

"تم اسی دڑبے میں سوگ مناتی رہو۔ اور اوپر سے آئے لوگ تمہارے ہی گھر میں اپنا سکہ جما رہے ہیں۔" امی کا غصہ اور دکھ چھلک رہا تھا۔ اور بے بسی بھی اپنی جگہ قائم دائم تھی۔ فریحہ نے تلخی سے امی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"تو میں کیا کر سکتی ہوں میرے اختیار میں کیا ہے؟ وہ ڈنکے کی چوٹ پہ عون کو چھین چکی۔ میری شادی تڑوا چکی اور اب ان لوگوں کے دلوں پہ بھی قبضہ جما رہی ہے تو پھر میں کیا کروں؟ میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"حد ہے فریحہ! تم سا بزدل کوئی نہیں۔ بس رو دھو کر خاموش ہو گئی۔ ایک کمرے میں بند ہونے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ آنکھیں کھول کر حالات کا جائزہ لو۔ اس کیفیت سے نکلو۔ معمولات زندگی کا حصہ بنو۔ اپنی پرانی روٹین میں آؤ۔ گھر والوں میں پہلے کی طرح گھلو ملو۔ اپنا کچن دیکھو، کوکنگ کرو۔ پہلے کی طرح تایا اور ابا کے لیے ڈشز بنایا کرو۔ جس طرح تم ہر چیز سے الگ ہو چکی ہو۔ بہت جلد تمہیں لوگ بھی بھول کر قنوطی سمجھ کے گھاس نہیں ڈالیں گے۔ ابھی سب کو تمہاری فکر ہے۔ تایا، تائی، قاسم، عاصم اور سب سے بڑھ کر عاشر۔ جو ہزار مرتبہ تمہیں سمجھا چکا ہے۔ اس فیز سے نکالنے کی ہر کوشش کر چکا ہے۔ تم بھی کچھ ہمت پکڑو اور بزدلی کا چولا اتار پھینکو۔" امی نے اس کے الجھے بالوں کو سہلا کر کنگھا اٹھایا اور نہ نہ کرنے کے باوجود فریحہ کے بال سلجھانا شروع کر دیے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ اسے سمجھانے اور گھر کرنے کی کوشش بھی کر رہی تھیں۔

"تایا تائی کی تو بات ہی رہنے دیں۔ ہونہہ نام نہاد محبت تھی اور نام نہاد احساس تھا۔" وہ جیسے زہر خند ہوئی۔ امی اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی تھیں جیسے بات سمجھنا چاہتی ہوں۔

"یہ محبت تھی۔۔۔ جو میرا دل اجاڑنے میں پیش پیش رہے؟ یہ احساس تھا کہ میری ہی سیج پہ کسی اور کو لا کر بٹھایا۔ اس عیاش اور غاصب لڑکی کو نہ صرف گھر لائے، بلکہ سر آنکھوں پہ رکھا کسی تمغے کی طرح سجا کر تائی سینے سے لگائے پھرتی ہیں۔ اس کی حمایت میں تایا اور تائی پیش پیش رہتے ہیں۔ یہ ان دونوں کی متفقہ چال تھی۔ آپ کو نہیں لگتا ماہ رو کی دولت، حشمت کے سامنے ان کی نیتیں بدل گئی تھیں اور جو لڑکی خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح گود میں گر رہی تھی اسے بہت آسانی سے انہوں نے حاصل کر لیا۔۔۔ دونوں اپنی اپنی گیم میں تھے۔ دونوں ہی جیت گئے بیچ میں نقصان کس کا ہوا؟ کس کا؟" شدت غم سے فریحہ چلا اٹھی تھی۔

"میرا نا؟ اور صرف میرا ہی نہیں عون کا بھی۔۔۔" اس کی غراتی آواز میں شدید صدمے کی انتہاؤں کا ٹوٹ پڑتا اثر تھا۔

"عون کا؟" امی نے دھیمی آواز میں دہرایا۔

"تو کیا عون کا نقصان نہیں ہوا؟" وہ جیسے چیخ پڑی تھی۔ "وہ جو اس دن سے چلا چلا کر آپ سب کو یقین دلا رہا ہے کہ وہ بے قصور ہے۔ اس کا کوئی جرم نہیں۔ یہ تمام سازش ہے۔ آپ میں سے کسی تک عون کی آواز نہیں پہنچ رہی؟ یہ لوگ عون کی کیوں نہیں سنتے؟ کیوں نہیں سمجھتے؟ وہ باؤلا ہے؟ کیا وہ پاگل ہے؟ نہیں نا تو پھر اس کی بات کوئی کیوں نہیں سنتا اس لیے نا کہ وہ سچا ہے اور سب جانتے ہیں وہ سچا ہے۔ وہ سچ بول رہا ہے۔ اس کا ماہ رو تو کیا کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ جھوٹی بکواس تھی۔ بہتان تھا۔ سراسر الزام تھا۔

لیکن تایا ہرگز نہیں مانے۔ کیونکہ وہ ماننا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ عون کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ انہیں عون کو نیچا دکھانے کا موقع مل گیا تھا۔ کیونکہ اس نے

کہا تھا۔

"فریحہ سے شادی کے بعد میں ابراڈ چلا جاؤں گا۔ وہاں پی ایچ ڈی کروں گا۔ اور کوئی ڈھنگ کی باعزت جاب کروں گا۔" تب تایا کو لگا۔ وہ واقعی ہی ایسا کرلے گا۔ دکان داری چھوڑ جائے گا۔ باپ بیٹے میں اختلافات تو شروع سے تھے۔ مزید بھی بڑھتے جارہے تھے۔ پھر تایا کو موقع مل گیا۔ عون کو ذلیل کرنے کا۔ اسے اپنے زیر دست رکھنے' دباؤ میں کرنے کے لیے انہوں نے ہمیشہ اس پہ چڑھائی کی تھی۔ انہوں نے تب بھی چڑھائی کردی اور اسے ہر طرح سے ٹارچر کرکے اپنا مطلب پورا کرلیا۔

ماہ رو کا ان تک آنا ایک بہانہ تھا۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ ماہ رو جیسی امیر لڑکی کو عون سے بیاہ دیں۔ تاکہ اس کی دولت ان کے ہاتھ آجائے۔ ساری نہ سہی آدھی تو آجاتی۔ پھر عون کے عشق میں وہ مری بھی جا رہی تھی۔ تایا' تائی کی پلاننگ خود بخود کامیاب ہوگئی تھی۔ انہیں تردد ہی نہیں کرنا پڑا تھا۔

بس یہ تھا کہ عون کو منانا مشکل تھا۔ اس کے لیے ماہ رو کا شاطرانہ ذہن بہترین چال چل سکتا تھا۔ سو ماہ رو نے اپنی گندی اور سطحی سوچ کے مطابق اپنے اوپر ہی بے ہودہ الزام لگا کر عون کو حاصل کرلیا تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ محبت اور جنگ میں سب جائز سمجھتے ہیں۔

تو پھر بتائیں۔ اس میں عون کا کیا قصور نکلتا ہے؟ میرا دل گواہی دیتا ہے وہ سچا تھا اور سچا ہے؟ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔" فریحہ بات کے اختتام پہ لمبے لمبے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ اتنی سی کوشش میں وہ تھک چکی تھی۔ ساری بھڑاس نکال دینے کے بعد "اندر" بھی خالی ہوگیا تھا۔ یوں لگا' وہ دور دور تک ہر بوجھ سے آزاد ہوچکی ہے۔ ہر غبار سے نجات مل گئی ہے۔ اور ادھر فریحہ کی امی ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ انہیں سمجھ آگئی تھی۔ ان کی ذہین بیٹی اتنے دنوں سے تکون کمرے میں بیٹھ کر سوگ منانے کے ساتھ ساتھ پوری باریکی اور گہرائی سے مشاہدہ کر رہی تھی۔ سارے حالات کو از سر نو دیکھتے ہوئے اور بھابھی بھائی جی کے ماہ رو کے ساتھ مشفقانہ رویے کو مدنظر رکھ کے انہیں سو فیصد فریحہ کی باتوں پہ یقین آگیا تھا۔ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ان کا دل تسلیم کرگیا تھا۔

"اگر آپ عون کا رویہ دیکھیں تو سمجھ جائیں۔ اس کے ماہ رو ساتھ چوری چھپے کے تعلقات ہوتے تو وہ جائز طریقے سے ماہ رو کے مل جانے پہ شادیانے بجاتا... خوش ہوتا' سرشار ہوتا۔ لیکن میں عون کو اندر تک سے جانتی ہوں۔ وہ حسن سے زیر ہونے والا نہیں۔ وہ دولت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے والا بھی نہیں... نہ وہ ذہانت سے متاثر ہوتا ہے۔ اسے ہر چیز کو ایک طرف رکھ کر شرافت اور کردار کی پختگی سے محبت ہے... اسے متاثر کرنے کے لیے شرافت' نجابت' اخلاق' کردار اور سگھڑاپے کی ضرورت ہے۔

اور ماہ رو سرفراز میں یہ تمام خوبیاں سرے سے موجود نہیں ہیں۔ وہ ان چیزوں میں کوری ہے۔ تو پھر..." وہ لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔ اس کی آواز سے آنسوؤں کی نمی کا اثر ختم ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ ایک عجیب سی چمک۔ فریحہ کی امی کچھ چونک گئی تھیں۔ جیسے اس چمک کو سمجھنے کے بعد بولنا چاہتی تھیں۔ پھر انہوں نے اس تاثر کو کھوج لیا تھا۔

"تو پھر یہ کہ ماہ رو کو یہاں سے کک آؤٹ ہونے میں چار مہینے بھی نہیں لگیں گے... وہ جیسے طوفانی انداز میں آئی تھی۔ ایسے ہی طوفانی انداز میں اڑتے ہوئے بگولوں میں لپٹتی ہوئی دفع ہوجائے گی۔ کیونکہ جہاں تک میں عون عباس کو جانتی ہوں... وہ اپنی ذلت کو عمر بھر بھلانے والا نہیں ہے۔ اور نہ وہ ماہ رو سے رشتہ نباہنے والا ہے۔ ماہ رو کو جانا تھا۔ جانا ہے اور وہ جا کر رہے گی۔ وہ جس طرح سے میری ہر چیز پہ قبضہ جما کر بیٹھی ہے۔ میں اس کا قبضہ اکھاڑنے میں لمحہ بھی نہیں لگاؤں گی۔ چاہے مجھے جس حد تک بھی جانا پڑے۔ اور یہ اس کے ادلے کا بدلہ ہوگا۔ برابری کا حساب نہ ظلم' نہ گناہ اور نہ زیادتی۔" فریحہ کے ارادے پختہ تھے۔ انداز اٹل تھے۔ لہجہ مستحکم تھا اور آنکھوں میں کچھ کر

دکھانے کی۔۔۔ اپنی توہین کا بدلہ لینے کی چمک سانپ کی طرح پھنکارتی نظر آرہی تھی۔ فریحہ کی امی بھی دنگ رہ گئی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پائی تھیں۔

"کیسے ہو گا؟ تم کیا کرو گی؟" ان کی آنکھوں کا سوال فریحہ کی آنکھوں تک پہنچ چکا تھا۔

"عون بے اعتبار ہو چکا ہے۔ اس کا اپنے گھر والوں پہ بھی اعتماد نہیں رہا۔ وہ خود کو اکیلا اور تنہا سمجھ رہا ہے۔ میں اس کا اعتبار واپس لاؤں گی۔ اس کا اعتماد واپس لاؤں گی۔ میں اسے یقین دلاؤں گی۔ وہ غلط نہیں۔۔۔ جھوٹا نہیں۔ برا نہیں۔ بے کردار نہیں۔ اس کے ساتھ دھوکا ہوا۔ دھوکا کیا گیا۔ میں اس کا اعتبار بحال کروں گی اور تب وہ کسی بھی ماہ رو کو بھول جائے گا۔ چھوڑ دے گا اور دیکھیے گا۔ ایسے ہی ہو گا' میں ایسا ہی کروں گی۔" فریحہ کی آواز دھیمی ہو کر معدوم ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پہ سکون کی لکیر کھنچ رہی تھی۔ ایسا سکون جو فریحہ سے گم چکا تھا۔ غائب ہو چکا تھا۔ کھو چکا تھا۔ وہ اب واپس آرہا تھا۔ لوٹ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور پھر نا موافق ہوتی ہواؤں کو فریحہ نے اپنی ذہانت سے موافق کر لیا تھا۔ اب کہ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ اگر ماہ رو کے پاس حسن کی فراوانی تھی تو فریحہ کے پاس ذہانت کا خزانہ تھا۔ گیم سخت بھی تھی مشکل بھی تھی۔ ذہانت اور حسن کا کوئی جوڑ نہیں بنتا تھا۔ لیکن یہاں دونوں کا تصادم ہونے والا تھا۔ ٹکراؤ ہونے والا تھا۔

دنیا کے کسی بھی میزان پہ حسن اور ذہانت کو اکٹھا رکھ کے تولا جاتا تو یقینی طور پر ذہانت جیت جاتی۔ حسن ہار جاتا اور یہاں حسن اور ذہانت کی آپس میں ٹھن گئی تھی۔ جیت کس کی ہوتی؟ یہ وقت پہ فیصلہ چھوڑ دیا گیا تھا۔

کیونکہ صبح بنارس جیسی ایک سویر میں فریحہ نے موتیے اور چنبیلی کی کلیاں چنتے ہوئے جاگنگ ٹریک سے لوٹتے عون کا رستہ روک لیا تھا۔

عون بالکل ایسے ہی منجمد ہو گیا تھا۔ جیسے اپنے نکاح کے وقت منجمد ہو گیا تھا۔ یا باپ کے الزامات پہ منجمد ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ فریحہ اس کے سامنے تھی اور بالکل پہلے والی فریحہ کے روپ میں سامنے تھی۔ اس کی آنکھوں میں کوئی غصہ' کوئی بے زاری' کوئی شکوہ' کوئی سوال یا کوئی نفرت نہیں تھی۔

اور اس کی حیرانگی' تعجب اور شاک کی کیفیت کو از خود فریحہ نے توڑ دیا تھا۔ وہ مسکرائی تو عون کو لگا' نسیم سحر بھی مسکرا دی تھی۔

اس نے اپنے ازلی دلکش' ٹھہرے ہوئے پر سکون لہجے میں بات کی تو یوں لگا سارے کلام ان الفاظ کے سامنے ہیچ ہیں۔ پھر اس نے اپنے لفظوں کی جادوگری کا سحر پھونکا تھا اس انداز میں کہ عون کا رواں رواں اس کا مشکور ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں مسرت اور یقین کا پہلا دیا ٹمٹمایا تھا۔

گویا خود بھی ایقان نہیں تھا کہ فریحہ اس کا اعتبار کرے گی۔ اس کا یقین کرے گی۔ اسے سچا سمجھے گی۔ اور جب فریحہ نے اپنے یقین کی سحر انگیزی سے اسے مسحور کر دیا تو عون عباس کی سرخ آنکھوں کے ڈوروں میں خوشی کی ننھی لکیر ابھر کر سامنے آگئی تھی۔

اس کے وجیہہ' سفید' بے انتہا سفید چہرے پہ تمازت اتر آئی تھی۔ خوشی' اعتبار اور اعتماد کی تپش سے اس کے رخسار پر حدت ہو چکے تھے۔ کیونکہ فریحہ کے ان الفاظ کا دنیا میں کوئی مول نہیں تھا۔ کوئی قیمت نہیں تھی۔

"میں جانتی ہوں عون! تم کیا تھے! کیا ہو! کتنے سچے تھے' کتنے سچے ہو۔۔۔ میں کل بھی تم پہ اعتبار کرتی تھی آج بھی کرتی ہوں۔" اسے اچانک ہی فریحہ کے اعتبار کا سہارا مل گیا تھا۔

پھر وہ اسے ہر گلٹ سے نکالتی گئی تھی۔ اس کے کرب' تکلیف' اذیت اور بے اعتباری کے لگے ہر ہر گھاؤ اور ہر ہر زخم پہ اعتبار' نرمی' اعتماد' بھروسے کے پھاہے رکھتی گئی تھی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہ پرانے عون اور فریحہ بن گئے تھے۔ جیسے بیچ میں کچھ ہوا ہی نا ہو۔ پھر بہت سے لمحے سرک گئے تھے۔ وہ باتوں باتوں میں

پرانا وقت لوٹا لائی تھی۔ وہی باتیں، وہی قصے۔ معاً فریحہ کو کھڑے کھڑے خیال آیا۔ اور یہ خیال محض خیال نہیں تھا۔ وہ لائحہ عمل تھا جو اس کے ذہن نے تیار کر رکھا تھا۔

"عون! میں جانتی ہوں تم پچھلے بہت دن سے کھانا ناشتا باہر سے کرتے ہو۔ گھر والوں سے ناراضی ہے۔ کھانے سے نہیں آئندہ تم ہرگز ہرگز کھانا باہر نہیں کھاؤ گے۔ وعدہ کرو۔" فریحہ کے دھونس بھرے لہجے سے خائف ہو کر وہ ایسے ہی رام ہو گیا تھا جیسے کبھی بہت پہلے ہو جایا کرتا تھا۔

"وعدہ۔" عون نے بڑے تلخ ترین دنوں کی تمام تر تلخی کو جھٹک کر مسکراتے ہوئے وعدہ کر لیا تھا۔ گو کہ مسکرانا بہت مشکل مرحلہ تھا۔ اتنے دنوں کی کشیدگی کے بعد مسکراہٹ کی واپسی کچھ اجنبی بھی لگ رہی تھی لیکن پھر بھی فریحہ نے جو اسے ہفت اقلیم کی دولت دے کر۔ اسے اس کی اپنی نظروں میں سرخرو کر کے خوشی سے نوازا تھا اس مسرت اور زمانے بھر کی خوشی کے سامنے ہر چیز ہیچ اور ہیچ تھی۔

"لیکن ایک شرط بھی ہے۔" عون نے دبے دبے جوش اور سرخوشی سے کہا۔

"کون سی شرط؟" فریحہ لحہ بھر کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔

"پہلے کی طرح ناشتا اور کھانا تم بناؤ گی۔"

"صرف بناؤں گی نہیں، تمہیں کھلاؤں گی بھی۔"

اس نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔ عون نے کچھ کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی فریحہ کو دیکھنے لگا۔ جو ہاتھ میں موجود کلیوں کو اس کی سمت بڑھا رہی تھی۔

"اپنے کمرے میں رکھ لینا۔" اس نے یاددہانی کروائی۔

"تم خود رکھ دینا۔ پہلے بھی تو رکھتی تھیں۔ اور اس بات کو کوئی لمبا عرصہ بھی نہیں گزرا۔" عون نے سادگی بھری دھونس سے کہا تھا۔ فریحہ نے کچھ سوچ کر حامی بھرلی تھی۔ پھر اک نظر سبز دریچے پہ ڈالی۔ جس کی کھڑکی پہ سفید پھولوں کی بیلیں لدی تھیں۔ اور وہاں پہ ایک چمکتا ہوا حیا چہرہ بھی جھانک رہا تھا۔ اور اس چہرے پر تعجب، حیرانگی اور دبے دبے غصے کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔ فریحہ نے ہونٹوں کے کناروں سے چھلک پڑتی مسکراہٹ کو دبا کر عون کی طرف دیکھا تھا۔ وہ تھوڑا سا گھٹنوں کے بل جھکتا ہوا فریحہ کے ہاتھ سے سفید کلی کو تھام کر بڑی عقیدت مندانہ اور تشکرانہ نظر کے ساتھ اس کی طرف موتیے کی کلی بڑھاتا بہت ملائمت سے بولا۔

"مجھ پہ اعتبار کرنے کا شکریہ فریحہ!"

☼ ☼ ☼

سبز دریچے سے جھانکتے اس چہرے کی آنکھوں میں غصے اور ناگواری کے شعلے اڑ اڑ کر نکل رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارے کا سارا غیض ابلتا ہوا باہر نکل آئے گا۔

اس کے چہرے پہ خفیف سی سرخی چھا رہی تھی جو پرحدت کراہٹ میں بدلتی چلی گئی تھی۔ اس نے زوردار دھماکے کے ساتھ کھڑکی کے دونوں پٹ بند کر دیے تھے۔ وہ مٹھیاں بھینچتی روم میں ٹہلنے لگی۔ رہ رہ کر وہی منظر آنکھوں کے سامنے عکس بنا رہا تھا۔ جس نے اچانک ماہ رو کو چابک مارنے جیسی تکلیف اور اذیت سے گزارا تھا۔

ٹہل ٹہل کر وہ اپنا غصہ نکال رہی تھی۔

"میرے ساتھ ایک دن بھی مسکرا کر بات نہیں کی۔ ہنس کے نہیں دیکھا۔ نرمی سے نہیں بولا۔ اور اس سابقہ منگیتر سے کیسے ہنس ہنس کر بات کر رہا تھا جیسے عمر بھر کے لیے ساری مسکراہٹیں اسے دے دینا چاہتا ہو۔ مجھ سے تو بات کرنا بھی گوارا نہیں۔" وہ چلتے چلتے اونچی آواز میں بڑبڑا رہی تھی۔

"اور اسے پھول دے رہا تھا۔ اور مجھے ایک گجرا نہیں لے کر دیا۔ ایک پتی تک نہیں دی گلاب کی اور اسے مسکرا کر موتیے کی کلیاں دے رہا تھا۔ اس قدر تعظیم کے ساتھ جیسے وہ دیوی ہو۔ اس کے چرنوں میں بیٹھنے کی کسر رہ گئی تھی۔" وہ کلس کلس کر خاک ہو رہی

تھی۔ بار بار غصے کے عالم میں بالوں کو جھٹکتی تو لمبے بالوں میں لہریں سی اٹھنے لگتیں۔

"میرے سامنے ہنستے ہوئے آگ لگ جاتی ہے۔ کنجوس' بھوکا۔۔۔ ہنس بھی نہیں سکتا۔" اس نے آنکھوں کو مسل مسل کر بمشکل دیکھا۔ پھر بھی کچھ گیلا گیلا محسوس ہو رہا تھا۔ معاً" دروازہ کھلا اور عون گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے چہرے پہ ایک الوہی سی مسکراہٹ تھی۔ جسے دیکھ کر وہ اندر تک جل گئی۔

"اتنے دن سے سڑا بسا منہ بنا رکھا تھا۔ آج فریحہ کیا نظر آ گئی۔ منہ سے پھول گر پڑے۔" وہ اب بھی گنگنا رہا تھا اور مقام حیرت یہ تھا' ماہ رو کو دیکھ کر بھی اس کی گنگناہٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ تو اس کی شکل پہ نظر پڑتے ہی عون کی تیوریاں چڑھ جاتی تھیں۔ اور آج یقیناً" یہ مسکراہٹیں اور گنگناہٹیں فریحہ کے طفیل نظر آ رہی تھیں۔ فریحہ کو دیکھ کر تاثرات خوشگوار ہو گئے تھے جیسے موسم بہار آیا ہو۔ یا صحرا میں پھول کھل گئے ہوں۔ جانے فریحہ نے کانوں میں کیا اسم پھونکا تھا۔ عون تو لمحوں میں سراپا خوشگواریت کا مرقع بن چکا تھا۔ آخر فریحہ کے سوگواریت اور غم کے دن تمام ہو گئے تھے۔ پھر گوشہ نشینی بھی ختم ہو گئی۔ اب وہ فارم میں آ رہی تھی اور یہ ماہ رو کے لیے خوشگوار عمل نہیں تھا۔

اتنے دنوں کے غیض و غضب کے بعد یہ انداز قاتلانہ دل دھڑکانے کے مترادف تھے۔ وہ جو ایک ٹک عون کو دیکھے جا رہی تھی اچانک اس کے رخ روشن کو اپنی طرف مڑتا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر ذرا گڑبڑا کر اس نے نگاہیں پھیری تھیں۔

"نظر لگانی تھی کیا؟" اس نے تنک کر پوچھا۔

"نہیں تو۔" وہ گڑبڑائی۔

"تو پھر مجھے گھورنے کا مطلب؟" وہ بال کی کھال اتار رہا تھا۔ ماہ رو نے بھی چند لمحے سوچا تھا۔ پھر جیسے دل کی جلن زبان پر آ گئی تھی۔

"میں تو اس مسکراہٹ کی وجہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے کچھ دیر پہلے والے منظر پہ چوٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔ تولیے سے پسینہ پونچھتا گردن اور چہرہ رگڑتا عون کچھ چونک گیا۔

"چھپے میں تو بڑا تمہیں بتا دوں گا۔" اس نے گہرا طنز کیا۔

"بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ جو کچھ آنکھوں سے خود دیکھ لیا جائے۔" وہ بھی نہ چاہتے ہوئے تلخ سی ہو گئی تھی۔ ابھی تک وہی منظر آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا۔ عون کی وہی مسکراہٹ نوچ کھسوٹ لے۔ جو کچھ دیر پہلے ماہ رو کو جلا کسلا رہی تھی۔

"او۔۔۔ تو کیا دیکھا تم نے۔" وہ کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف جاتے جاتے مڑ آیا تھا۔ دل تو نہیں چاہ رہا تھا صبح صبح اسے منہ لگانے کو لیکن پھر بھی۔۔۔ جواب لینا ضروری تھا۔

"جو تم دکھانا چاہ رہے تھے بلکہ خاص طور پہ فریحہ۔" اس نے چبا چبا کر کہا تھا۔ عون کی آنکھوں میں ترشی سی ابھر آئی تھی۔

"فریحہ کا کیا ذکر؟" اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"اور تمہیں شرم نہیں آئی فریحہ کا نام لیتے ہوئے۔"

"تمہیں شرم آئی فریحہ کو موتیے کی کلیاں دیتے ہوئے اتنے رومانٹک ہو رہے تھے۔ میرے ساتھ تو کبھی رومانس نہیں کیا۔" وہ غصے کی انتہا پہ الٹا سیدھا بولنے لگی تھی۔ یوں کہ عون کے غصے کا گراف کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ پھر اچانک پارہ چڑھتے چڑھتے نیچے آ گیا۔ پہلے تو اس نے ماہ رو کے الفاظ پہ غور کیا تھا۔ پھر بلند آواز میں لاحول پڑھا۔

"او۔۔۔ تو تمہیں رومانس چاہیے۔" لحظہ بھر میں ہی اس کی تیوریوں کے سارے بل کھل گئے تھے۔ بھنویں نارمل ہوئیں۔ غصے کا گراف گرتا گرتا بالکل ختم ہو گیا تھا۔ پہلی مرتبہ ماہ رو کو یوں لگا تھا جیسے عون نے اس کی بات کو انجوائے کیا ہے۔

"میں نے یہ کب کہا میں تو۔۔۔" ماہ رو گڑبڑا گئی تھی۔ عون نے بے ساختہ اس کی بات کاٹ دی۔ وہ اسے بولنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔

"مکرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہارے الفاظ

دہرا بھی سکتا ہوں۔" وہ بھی عون عباس تھا۔ اپنے نام کا ایک ہی نکتے اور لفظ تک پکڑ لیتا تھا۔ ماہ رو کو تو اندازہ ہی نہیں تھا۔ کس ٹیڑھے بندے کے ساتھ اس کا پالا پڑا ہے۔

"اور تم میرے الفاظ کو مت پکڑو۔ جملے کے پہلے حصے پہ غور کرو۔" ماہ رو بھی موقع گنواتی نہیں تھی۔ فوراً جتا کر بولی۔

"تم فریحہ کے ساتھ اتنے رومانٹک کس خوشی میں ہو رہے تھے؟" اس کے دوبارہ دہرانے پہ عون کا موڈ پھر سے بگڑ گیا۔

"میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔"

"کیوں جواب نہیں دو گے۔ میں بیوی ہوں تمہاری۔" ماہ رو کا ازلی غصہ اور اعتماد عود آیا تھا۔ حالانکہ اس نے سوچ رکھا تھا وہ عون سے کبھی بھی بحث میں نہیں پڑے گی مگر صبح سویرے کے اس منظر نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ وہ ذرا بھی برداشت نہیں کر سکی۔

"نام نہاد۔" عون نے اس کی اوقات یاد دلائی۔

"زبردستی کی بیوی۔"

"چاہے جو بھی سمجھ لو۔۔۔ دنیا والوں کی نظر میں تو ہوں۔" ماہ رو نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا۔

"تمہاری بیوی۔"

"تو پھر دنیا والوں کی نظر میں ہی رہو۔ مجھ سے کیا پوچھتی ہو؟ انہی سے سوال کرو، جن کی نظر میں تم میری بیوی ہو۔" اس نے اطمینان سے بالوں میں ہاتھ پھیرے تھے۔ جیسے ماہ رو کو جلا کر بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔ ماہ رو کو اس انداز میں ٹارچر کرنے کا الگ ہی مزا تھا۔ اسے اذیت دینے کے نئے نئے طریقے تو اب سامنے آ رہے تھے۔

"تم بات کو گھماؤ مت۔ میں فریحہ کی بات کر رہی ہوں۔" ماہ رو نے چڑ کر صوفے کے کشن اٹھا اٹھا کر نیچے مارے تھے۔ وہ اپنا غصہ کسی طرح سے باہر نکالنا چاہتی تھی۔ تب واش روم کی طرف بڑھتا عون اس کی طرف دیکھے بغیر انتہائی سرد لہجے میں بولتا اندر چلا گیا تھا۔

"فریحہ کا نام بھی مت لو۔" اس کی آواز دھیمی مگر لہجہ برف کی طرح سے ٹھنڈا تھا۔ ماہ رو کے تکیہ دبوچتے ہاتھ لمحہ بھر کے لیے رکے تھے پھر اس نے تکیہ اٹھا کر غصے کے عالم میں واش روم کے دروازے سے دے مارا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور پھر ناموافق ہواؤں کی ایسی پون چلی کی رکی ہی نا۔۔۔ دنوں اور ہفتوں میں ایک مرتبہ پھر فریحہ کا طوطی بولنے لگا تھا۔ ہر جگہ فریحہ فریحہ ہونے لگی۔ ہر کام کے لیے فریحہ کو آواز دی جاتی۔ اور فریحہ بھی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاتی تھی۔ ہر ایک کے لیے ہر دم تیار۔ ہر ایک کی خدمت کے لیے کمربستہ جیسے سارے زمانے کے کام اسی کے ذمے ہوں۔ گھر والوں نے فریحہ کو نارمل کنڈیشن میں دیکھا تو اندر ہی اندر مطمئن ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ پھر گھر کے حالات معمول پہ آ چکے تھے۔ اور پھر فریحہ کے مزاج بھی۔ وہ سب کے ساتھ نارمل ہو گئی۔ ہنستی کھیلتی، مسکراتی، محفل میں حصہ لیتی۔

اور ایک نہ رکنے والی روٹین لائف کی شروعات نے ہر ایک کو خاصا مصروف کر دیا تھا۔ پھر بھی رات کو دیوان عام میں لمبی محفل سجتی تھی۔ قہقہے، ہنسی، بیت بازی، شغل، ہنگامہ۔

فریحہ کو چھوڑ کر ماہ رو کے سب سے اچھے تعلقات تھے۔ بس فریحہ اور اس کی امی کے علاوہ۔ یہ دونوں ماہ رو کو گھاس نہیں ڈالتی تھیں اور ماہ رو بھی چونکہ گھاس چرتی نہیں تھی۔ اسی لیے ان کی پروا بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ جیسے مرضی رہتیں اس کی بلا سے۔ لیکن یہ کہنے کی حد تک آسان تھا۔ وہ تب تک ہی لاپروا رہ سکی تھی جب تک فریحہ اپنے تایا، تائی اور کزنز تک محدود تھی۔ جب اس کی عنایات کا دائرہ کچھ اور پھیل کر بڑھا تب ماہ رو کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اور وہ تھی ہمہ وقت ہر ایک کی خدمت کے لیے تیار۔۔۔ کبھی تایا کی

آواز پڑتی۔

"فری! کڑک سی چائے لاؤ۔ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی۔۔۔ مزہ آجائے۔" اور فریحہ صاحبہ کسی جن کی طرح فٹافٹ مزے دار قسم کی چائے لے آتی تھیں۔ ایسی خوشبودار کہ حلق سے مہک تک آنے لگتی۔ لاکھ عداوت کے باوجود ماہ رو کو تسلیم کرنا ہی پڑا تھا کہ فریحہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔

گو کہ کھانا ثنا اور مریم بھی بہت اچھا پکاتی تھیں مگر جس دن فریحہ کوکنگ کرتی اس دن گھر کا کوئی بھی مرد تین ٹائم کا کھانا مس نہیں کرتا تھا اور باہر کے کھانے سے زیادہ گھر کے کھانے کو ترجیح دیتا۔ کیونکہ صحیح معنوں میں فریحہ کے ہاتھ کا کھانا کھا کر انگلیاں چاٹ لینے کو دل کرتا تھا۔

پھر ماہ رو کو اندازہ ہوا تھا کہ فریحہ پہ گھر کی بہت ذمہ داریاں تھیں جو اس نے بخوشی اٹھا رکھی تھی۔ اس کے امی، ابا کا کام اتنا ہوتا نہیں تھا۔ زیادہ پھیلاوا تایا تائی کا ہوتا اور فریحہ بھی زیادہ وقت انہی کے ساتھ بتاتی۔ جس میں بہت سے تائی کے کام نمٹا دیتی۔

صفائی ستھرائی سے لے کر دھلائی، پکوائی سارے کام فریحہ کے ذمہ تھے۔ گو کہ کھانا پکانے سے لے کر دیگر کاموں تک باریاں بنی ہوئی تھیں۔ ہر کام باری سے ہوتا۔ ثنا، مریم اور فریحہ ہر روز باری سے کوکنگ کرتی تھیں۔ جس دن فریحہ کی باری کوکنگ کی ہوتی تھی۔ اس دن مریم صفائی کرتی، ثنا مشین لگاتی۔ جس دن ثنا کی باری کوکنگ کی ہوتی اس دن بھی باقی کام مریم اور فریحہ میں تقسیم ہو جاتے تھے۔

کیونکہ نوکر کا اس گھر میں رواج نہیں تھا۔ اور نوکرانی اس لیے نہیں رکھی جاتی تھی کہ گھر کی باتیں باہر نوکروں کے ذریعے نکلتی تھیں سو تایا کو پسند نہیں تھا کہ گھر میں کوئی ملازمہ رکھی جائے۔

چونکہ گھر کی مستورات کافی ایکٹو تھیں اس لیے کاموں کا کبھی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ اوپر سے فریحہ جیسی چست اور سگھڑ لڑکی کے ہوتے پرابلم کیا تھی۔

وہ تایا کے گھر کا ہر ہر کام اپنا سمجھ کے کرتی تھی۔ چونکہ ایک جگہ رہائش تھی سو صفائی تک اکٹھی ہو جاتی۔ اور اوپر کے کام فریحہ کے ذمے تھے۔

ثنا اور مریم اپنے اپنے شوہروں کا کام احسن طریقے سے انجام دے لیتی تھیں۔ تائی کے باقی بیٹوں کا ہر کام فریحہ کے کندھوں پہ تھا۔ عون، عاشر، یاسر، عامر کے کپڑوں کی دھلائی، ان کے کمرے کی صفائی۔۔۔ کپڑوں کو استری کرنا الماریوں میں پہنچانا۔۔۔ یہ سب کام فریحہ کرتی تھی۔ کائنات کے اوپر ابھی کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اور نہ فریحہ کائنات کو کسی کام کے لیے بلوانے دیتی تھی۔ وہ خود جو آگے آگے تھی۔

یہاں تک کہ اس کی خدمات کو دیکھ کر تایا یہ تک کہنے پہ مجبور ہو جاتے۔

"عون میری فریحہ کے قابل ہی نہیں تھا۔ اس کے لیے تو میں نے کچھ اور سوچا تھا۔" اور جب وہ فریحہ کی سر پہ ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ دہراتے تب وہ تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچ لیتی تھی۔

"آپ کو کیا خبر تایا! عون ہی تو میرے قابل تھا۔ مجھے کسی اور کی چاہ نہیں تھی۔" فریحہ کے اندر تک اذیت کا زہر بھر جاتا تھا۔ اور وہ دانت پیس کے ہونٹ چبا چبا کر ماہ رو کو دیکھتی اور گھورتی تھی۔ کبھی کبھی ماہ رو نیل فائل کرتی، میگزین دیکھتی، فیشن شو اینجوائے کرتی اس کی نظروں سے سخت خائف بھی ہو جاتی تھی۔

"اف کیسی تیکھی نظریں ہیں۔۔۔ پہلے تو ایسے نہیں دیکھتی تھی۔" ماہ رو گھبرا سی جاتی تھی۔ اسے یہ پتا ہونا چاہیے تھا کہ پہلے حالات ایسے نہیں تھے اور نہ وہ اس کی جگہ یہاں موجود تھی۔ نہ تب اس نے فریحہ کی شادی تڑوائی تھی۔ یوں ہی فریحہ نے ایک مرتبہ پھر اپنی پوزیشن اس گھر میں بلکہ اپنے ہی گھر میں مضبوط کر لی تھی۔ جس طرح شادی ٹوٹنے سے پہلے مستحکم تھی۔

اب بھی صبح صبح فریحہ کے نام کی پکار کانوں میں پڑتی تو دل چاہتا کانوں میں روئی ٹھونس لے۔ تکیہ سر کے اوپر رکھ لے۔ منہ کسی گدے میں گھسا لے۔

یاسر، عاشر، عامر چیخ چیخ کر فریحہ کو صبح صبح آواز لگاتے۔

"فریحہ! میری ٹائی؟"
"فریحہ! میرا بیگ؟"
"فریحہ! میری بکس؟"

پھر جب ان آوازوں میں ایک اور آواز بھی شامل ہونے لگی تب صحیح معنوں میں ماہ رو کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ دماغ تیز ہوا تھا اور ہاتھوں پیروں میں حرکت آگئی تھی۔

وہ جو گھر کے ہر کام ہر مصروفیت اور ہر قسم کے معمولات سے الگ تھلگ تھی ایک دم چونک سی گئی گو کہ عون کی امی خود اسے ہر کام سے دور رکھتی تھیں لیکن ماہ رو کو لگ رہا تھا۔ یہ دوری کسی لمبی دوری کا شکار نہ ہو جائے۔ کیونکہ فریحہ نے ہر ایک کی روٹین پہ اپنے نام کا سکہ جما لیا تھا۔

پھر جاب چھوڑ کر تو اس نے تایا اور تایا زاد (عون) کا دل جیت لیا تھا۔ وہ آتے جاتے کئی مرتبہ جتاتا۔ خوش بھی ہوتا۔ اور فریحہ اس کی توجہ پا کر کھل کھل کے گلاب ہو جاتی تھی۔ اور تب ماہ رو کا دل جل جل کے خاک ہو جاتا۔ ایسی ہی کئی طرح کی انتہائی قابل اعتراض (ماہ رو کی نگاہ میں) صورت حال پہ ماہ رو اپنے صبر اور برداشت کی حد کراس کر کے عون سے لمبی لمبی لڑائیاں کر چکی تھی اور بجائے عون وضاحت دینے کے، شرمندہ ہونے کے الٹا شیر بن کر اسے دہاڑتا اور بھگو بھگو کر مارتا۔

"بقول تمہارے ڈیڈ کے میں تو ہوں ہی برا، بد، بدنام .... سو، مجھے اپنی خوبیوں پہ بڑا ناز ہے۔ اور یہ الفاظ میرے لیے اعزاز ہیں.... میں جو ہوں جیسا ہوں۔ اچھا ہوں تم جو مرضی کہو۔"

"میں تمہارے ابو کو بتاؤں گی۔" وہ زچ ہو کر چڑ کر اسے دھمکاتی تھی۔

"بڑے شوق سے۔ وہ آل ریڈی مجھے، کمینہ کہتے ہیں۔" عون کو جیسے پروا ہی نہیں تھی۔ فریحہ نے اسے منہ کیا لگا لیا تھا وہ پہلا والا سارا غصہ لڑائی، غیض، ناراضی سب کچھ بھول بھال کے محض طنز کے تیر چلاتا۔ اسے جلاتا، کلساتا، طعنے مارتا سب کے سامنے ذلیل کرتا تھا۔

اور یہ تو ماہ رو کو بہت بعد میں پتا چلا تھا۔ شادی کے اولین دنوں کا غیض غضب، دکھ، غصہ محض فریحہ کے سمجھانے، بجھانے اور "برین واشنگ" کرنے کے بعد ذرا ہلکا پڑ گیا تھا۔ کیونکہ کسی اور کی بات سمجھتا یا نہ سمجھتا، فریحہ کی بات ضرور سمجھ لیتا تھا۔ مان بھی لیتا تھا اور عمل بھی کر لیتا تھا۔

اور ابھی تو اسے یہی خماری بہت تھی کہ فریحہ نے اسے ناکردہ جرم کی سزا نہیں دی تھی۔ اس پہ اعتبار کیا تھا۔ اس کا اعتماد بحال کیا تھا۔ اور وہ ایک مرتبہ پھر اپنے گھر والوں کے سامنے گردن تان کے چل سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

جو کام دماغ کر سکتا تھا اس کے لیے ہتھیار کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

اور جو کام ذہن کر سکتا تھا۔ ذہانت کر سکتی تھی اس کے لیے حسن کی بھی قطعا" ضرورت نہیں تھی۔ سو فریحہ نے اپنی ذہانت سے وہ کام کر لیا تھا جو ماہ رو کا شعلہ بیاں، ضوفشاں حسن بھی نہیں کر سکا۔ فریحہ نے بڑے طریقے سے، عقل مندی سے، سمجھ داری سے عون کے گرد اپنا حصار کھینچ لیا تھا۔ ایسا حصار جو عام لوگوں کو کبھی دکھائی نہ دیتا اور شاید ماہ رو کو بھی کبھی دکھائی نہ دیتا۔ اگر اسے ثنا متوجہ نہ کرتی۔ ورنہ ماہ رو میں ایسی سمجھ بوجھ ہرگز نہیں تھی۔ اپنی عقل سے وہ کام نہیں لیتی تھی اور سمجھ داری اس میں سرے سے تھی ہی نہیں۔

عون کے معمولات اور زندگی پہ فریحہ کی بڑھتی ہوئی اجارہ داری کو دیکھ کر کوئی اور چونکتا یا نہ چونکتا ثنا ضرور چونک گئی تھی۔ کیونکہ اس سویر بھی ماہ رو ابھی اپنی روٹین کے مطابق گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہی تھی جب ثنا اس کے روم میں آگئی۔ گو کہ وہ اتنی صبح کبھی اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اس دن الگ بات تھی۔

پھر ثنا کو ماہ رو کی نیند توڑتے ہوئے دانتوں پسینہ آگیا

تھا۔ ایسی ڈھیٹ نیند اس نے عمر بھر کسی کی نہیں دیکھی تھی۔ اور واقعی اسے عون کی بات پہ یقین آگیا تھا۔ جو وہ امی کو اونچی آواز میں بتا رہا تھا۔

"اسے جگا لینے کا کارنامہ سرانجام دینے والا ایوارڈ کا حق دار ہے.... اس ڈھیٹ کی ڈھیٹوں جیسی نیند ہے۔" اور ابھی ثنا کو واقعی عون کے تبصرے پہ یقین آ گیا۔

جب وہ اس کو جگانے میں ناکام ہو گئی تب اس کے بجتے سیل کو اٹھانا پڑا تھا۔ ماہم کالنگ لکھا آرہا تھا۔ ثنا نے کال پک کرلی تھی۔ پھر حال احوال پوچھ کر اس نے ماہ رو کا پوچھا۔ ثنا کی پریشانی کو سن کر ماہم بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ پھر اس نے ماہ رو کو جگانے والا ٹرک بتا دیا تھا جسے اپلائی کرتے ہی ماہ رو بے ساختہ اٹھ گئی تھی۔ اس کے پیروں پہ ٹھنڈا پانی ڈالنے کی دیر تھی وہ اسپرنگ کی طرح اچھل پڑی تھی۔ پھر جیسے ہی حواس ٹھکانے آئے ثنا نے مزید اس کے طبق روشن کیے تھے۔

"اٹھو اور باہر آؤ۔ اپنے شوہر کو ناشتا کراؤ... وہ پھر کسی مہم پہ نکلنے والا ہے... اور ابو کو سخت غصہ تھا۔ کیونکہ عون آج کل پلازہ بالکل نہیں جا رہا۔" ثنا نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے اور بھی تفصیلات بتائی تھیں جنہیں وہ با آسانی سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بالکل سیدھی پریشان اور کچھ کچھ گھبرائی۔

"عون کہاں جاتا ہے؟"

"یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔ آخر تم اس کی بیوی ہو۔" ثنا نے اسے جھڑک کر کہا۔

"لیکن مجھے نہیں پتا۔" وہ گھبرائی تھی۔

"تو پھر فریحہ سے پوچھ لو۔ اسے تو پوری خبر ہو گی۔" ثنا نے طنز کیا۔

"وہ فریحہ کو بتاتا ہے مجھے نہیں۔" وہ اداس ہوئی تھی۔ ثنا نے جیسے سر پیٹ لیا۔

"اور یہ تمہاری کمزوری ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" ماہ رو ہونق سی ہو گئی تھی۔

"ایک بیوی کو کیا کرنا چاہیے؟" ثنا نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ تب وہ تھوڑا جھینپ کر مسکرائی تھی۔

"مجھے نہیں پتا؟ پہلا تجربہ ہے۔"

"اور ہمارے تو چوتھے چوتھے تجربے ہیں نا گھامڑ! محبت کرلی۔ اسے سنبھالنا نہ آیا۔" ثنا نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے لی تھی۔

"تو پھر کیا کروں؟" ماہ رو کوئی مخلصانہ مشورہ چاہتی تھی اور ثنا نے اسے بڑے کام کے اچھے اچھے مشوروں سے نوازا تھا۔ جس میں شوہر کو سمجھانا' محبت سے گھائل کرنا اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے بہت سے طریقے تھے۔

ماہ رو نے ایک ایک بات سمجھ لی تھی۔ لیکن لبھانے اور گھائل کرنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی عون نے اس کی لمبی سی کلاس لگائی۔ جس میں اسے ہڈحرام' کام چور' کاہل' سست اور نجانے کیا کیا کہا گیا تھا۔ عون نے اپنی امی سے کہا۔

"آپ اس کو کچن میں گھسائیں۔ کھانا پکوائیں۔ کام سے لگائیں اسے۔ اگر آپ یہ کام نہیں کر سکتیں تو میں بہت اچھی طرح سے کام کروانا جانتا ہوں۔ یہ مہارانی پلنگ توڑ توڑ کر نہیں تھکتی۔ اور اس کے حصے والے کام فریحہ کو کرنے پڑتے ہیں۔ اور مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

اس وقت فریحہ بھی وہاں موجود تھی اس نے فوراً بھرائی آواز میں سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"تمہیں کیوں برا لگتا ہے؟ کیا میں پہلے تمہارے' عاشر یا سر کے کوئی کام نہیں کرتی تھی۔" اس کی جذباتی بلیک میلنگ نے عون اور تائی کو شرمندہ کر دیا تھا۔

"میری بات کا یہ مطلب نہیں۔" عون گڑبڑا گیا۔

"مطلب جو بھی ہو۔ کیا میرا حق تم پہ ختم ہو گیا۔" وہ روتی رہی تھی۔ تائی اور عون گھبراتے رہے۔

"ہرگز نہیں۔" عون نے بوکھلا کر کہا۔

"تو پھر مجھے مت روکو... مجھے تمہارا اور باقی سب کا کام کر کے دلی سکون ملتا ہے۔" فریحہ کے سوں سوں کرتے لہجے پہ ماہ رو کو اس کی ڈرامہ بازی اور ایکٹنگ پہ یقین آگیا۔

"کیا پتا وہ خود کو مصروف رکھنے کے لیے کام کرتی ہو۔ مجھے غلط نہیں سوچنا چاہیے۔"

☆ ☆ ☆

"تمہارے کام کا کیا بنا؟" عون کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے فریحہ نے بڑی ملائمت اور کسی حد تک تفکر سے پوچھا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ پلانہ نہیں جارہا تھا۔ وہ کہاں جارہا تھا؟ صرف فریحہ کو پتا تھا۔ گھر میں کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ اور نہ ہی عون نے کسی اور کو بتایا تھا۔ وہ پہلے کی طرح بس فریحہ تک محدود ہو چکا تھا۔

تایا بھی عون کے نہ آنے پہ شدید غصے میں تھے اور اسی بات پہ گھر میں خوب لڑائی ہو رہی تھی۔ تایا نے اعلان کر دیا تھا۔

"تم نے اپنے حصے کا کام نہ کیا تو ایک دھیلا بھی نہیں دوں گا۔ جو کام کرے گا وہی پیسے لے گا۔" اور تب عون نے انہیں بڑے ٹھوس انداز میں بتایا۔

"تو نہ دیں۔ مجھے ضرورت بھی نہیں.... میں جاب ڈھونڈ رہا ہوں۔"

اس وقت تایا اور عون کی پھر لڑائی ہوئی تھی اور جو بڑھتے بڑھتے اس نوبت تک بھی لے گئی تھی جس تک فریحہ کا تصور بھی نہیں تھا۔ لیکن اس سے پہلے یوں ہوا۔

فریحہ بڑی بے چینی سے عون کی جاب کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ روزانہ جاتا اور روزانہ ناکام لوٹتا تھا۔ لیکن اس دن عون کا چمکتا چہرہ اس کی کامیابی کا پیغام دے رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اور اپنی خوشی سب سے پہلے فریحہ تک پہنچا رہا تھا۔ سب سے پہلے فریحہ کو بتا رہا تھا۔

"جاب مل گئی اور بہت اچھی مل گئی.... میری توقع سے بھی بڑھ کے۔" عون نے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا تھا۔

"دیکھ لو' میری دعاؤں کا نتیجہ۔" فریحہ یہاں بھی کریڈٹ لیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ عون نے بھی اسے پورا کریڈٹ دے دیا تھا۔

"آف کورس۔" وہ مسکرا دیا تھا۔ اور اس دن عون نے بڑی ہی رغبت سے کھانا کھایا۔ ہال کے دروازے میں اچانک آتی ماہ رو ٹھٹک گئی تھی۔ عون کی مسکراہٹ اور فریحہ کے فدویانہ انداز اس کے اندر جلاپا سلگا گئے تھے۔ اس کا دماغ جیسے گھوم گیا تھا۔ وہ الٹے قدموں بھاگتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔ اور اس کے دماغ میں سوچوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔

"یہ فریحہ بھی نا ہر جگہ' ہر وقت' ہر لمحے.... کیا یہ عون کو پھر سے تو نہیں لبھا رہی؟" شک کا کالا ناگ پھن پھیلاتا آیا تھا۔ اور ماہ رو کو پوری شدت کے ساتھ ڈس گیا۔ وہ جیسے نیل نیل ہو گئی تھی۔ اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟ اسے فریحہ کو کیسے روکنا چاہیے؟ صبح تک وہ پوری پلاننگ کر چکی تھی۔

اگلی صبح الارم نے نہیں بلکہ ثنا نے اسے پانی کے ٹھنڈے چھینٹوں والے حربے سے جگا لیا تھا۔ پھر اشارے سے اسے باہر کھینچ کر لے آئی۔ عون برابر ہی بیڈ پہ سو رہا تھا۔ کیونکہ اب وہ صوفے سے بیڈ پہ منتقل ہو چکا تھا۔ ماہ رو آنکھیں مسلتی ثنا کے ساتھ ہی کچن میں آگئی تھی۔ کچن میں گرما گرم ناشتا تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔ چنے پک چکے تھے۔ پراٹھے بیلنے تھے اور آملیٹ کا آمیزہ بھی بنا ہوا تھا۔

رات کو ماہ رو کے رونے دھونے سے متاثر ہو کر ثنا نے بڑی اچھی سی تجویز دی تھی جو ماہ رو کو بھی پسند آ گئی۔ چونکہ پکانا تو اسے آتا نہیں تھا۔ البتہ وہ سرو ضرور کر سکتی تھی۔ ثنا نے اسے یہی کہا تھا کہ وہ احتیاط سے سرو کرے اور عون کو کھانے پہ مجبور بھی کرے۔

کچھ ہی دیر میں چنے بھی تیار ہو گئے تھے۔ ماہ رو نے انہیں شیشے کی رکابی میں ڈال لیا تھا۔ ثنا پراٹھے تل رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ ماہ رو کو سمجھا رہی تھی۔

"اب لگ رہی ہو عون کی بیوی.... جب تک بیوی بن کر نہیں دکھاؤ گی وہ تمہیں بیوی نہیں سمجھے گا۔" ثنا کی ہر نصیحت ماہ رو دھیان سے سنتی تھی اور اب عمل کرنے کا بھی پکا ارادہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اب اسے لگ رہا تھا کہ ناؤ کسی بھی لمحے طوفانی موجوں کی زد میں آکر غرق

ہو سکتی تھی۔

فریحہ کا عون کی طرف بڑھتا حصار اور عون کا نظر آتا چونکا تا التفات ماہ رو کا دل بری طرح سے دھڑکا گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے ہاتھ پیر ہلا لینے چاہیے۔ اس کے لیے وہ کیا کر سکتی تھی؟ وہی کچھ جو فریحہ کر رہی تھی؟ اور جس سے فریحہ نے گھر کے ایک ایک فرد کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ عون کو بھی باندھ رکھا تھا۔ عون کو سگھڑ لیا پسند تھا۔ ماہ رو نے سگھڑ بننے کا عہد کر لیا تھا۔ کام مشکل تھا۔ لیکن اتنا بھی نہیں۔ اور جب انسان کچھ بھی کرنے کا ارادہ کر لیتا تھا۔ پھر تو کوئی رکاوٹ، رکاوٹ نہ رکھتی۔

اور اس وقت تا ایک اچھی سی ٹرے سجا کر اسے روم کی طرف بھیج رہی تھی۔ ٹرے میں عون کا من پسند ناشتا سجا تھا۔ چنے، پراٹھے اور چیز آملیٹ۔

ماہ رو جب کمرے میں آئی تو عون نہ صرف اٹھ چکا تھا بلکہ جاب پہ جانے کے لیے تیار بھی ہو چکا تھا۔ اب یقیناً "وہ ناشتا کرنے باہر جاتا۔ لیکن آج کچھ انوکھا ہو گیا تھا۔ عون کا ناشتا کمرے میں آ گیا۔ وہ ناشتے کو دیکھ کر تو نہیں البتہ لانے والی کو دیکھ کر ایسا دنگ ہوا کہ کیا ہی کہنے.... اس کا منہ بھی تھوڑا کھل گیا.... اور پھر اس نے۔

"او میرے اللہ! میرے معدے پہ رحم کرنا" جیسے الفاظ کہہ کر ماہ رو کو ذرا خفا کر دیا تھا۔

"بہت اچھا ناشتا لائی ہوں۔" اس نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پہ رکھ دی تھی۔ عون نے کھڑے کھڑے ہی ٹرے پہ نگاہ ڈالی۔

"اچھا.... تو رومانس کے حصول کی خاطر اب یہ حربے آزمائیں جائیں گے؟" اس نے بڑی معصومیت سے پچھلی بات کا حوالہ دے کر طنز کیا تھا۔ بڑا لطیف سا طنز تھا۔ ایسا دل جلانے والا لہجہ نہیں تھا۔ ماہ رو نے لبی سی جمائی کو بمشکل عون کے سامنے روکا تھا۔ پھر ذرا خفگی سے کہا۔

"اگر رقیب یہ کام کر سکتے ہیں.... التفات کے حصول کے لیے تو پھر میں کیوں نا کروں؟" عون اس

کے جواب پہ بڑا متاثر ہوتا دکھائی دیا تھا۔ جیسے ماہ رو سے ایسی ہی کسی جواب کی توقع رکھتا تھا۔

"اچھا... تو اب رقیبوں کا مقابلہ کرو گی؟ پھر بھی ویسا بن نہیں سکو گی۔" اس نے پھر سے ماہ رو کو کلسانا چاہا۔

"میں ویسا بننا بھی نہیں چاہتی میری الگ پہچان ہے۔" ماہ رو نے خاصے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ صبح صبح لڑائی کا موڈ نہیں رکھتی تھی۔

"پہچان تو بہت ہے۔ ابھی خاندان کی کسی شادی میں چلی جاؤ... لوگ انگلیاں اٹھا اٹھا کر اشارے کریں گے۔ ارے یہ وہی تھی... عون کی محبوبہ۔ اس کی عاشق۔" عون کے لہجے میں تلخی بھرتی چلی گئی تھی۔ ماہ رو کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"میری طرح کے لوگ بھی کوئی کوئی ہوتے ہیں۔" اس نے بکھرتے اعتماد کو بمشکل بحال کرتے ہوئے کہا۔ عون کے لبوں پہ طنزیہ ہنسی پھیل گئی تھی۔

"یہ تو بالکل ٹھیک کہا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ تم اپنی طرز کا پہلا اور آخری پیس ہو۔"

"اور تمہاری قسمت اچھی تھی جو تمہارے نصیب میں آ گئی۔" ماہ رو نے بڑے ہی انداز میں جتایا تھا۔ جیسے وہ عون کو نہ ملتی تو بے چارے کی زندگی میں بہت بڑا خلا رہ جاتا۔

"بڑی خوش فہمی ہے تمہیں اپنے بارے میں۔" عون مصنوعی قسم کا متاثر ہوا تھا۔

"بالکل ٹھیک فہمی ہے۔ اسے خود آگاہی کہتے ہیں۔" ماہ رو نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"بائی دا وے' اس تردد کی کیا ضرورت تھی؟" اس کا اشارہ ٹرے کی طرف تھا۔ ماہ رو نے کندھے اچکائے۔

"یہ میرا فرض تھا۔"

"بڑی جلدی فرائض یاد آ گئے؟" عون نے ناک بھوں چڑھا کے ٹرے کا جائزہ لیا تھا۔ گرما گرم چنے 'پھولی خستہ نمل دار پراٹھے' چیز آملیٹ... لگتا نہیں تھا کسی کے اناڑی ہاتھوں کی محنت ہے۔ ادھر وہ ٹرے کا پوسٹ مارٹم کر رہا تھا۔ ادھر ماہ رو نے بڑے ہی انداز میں سوچتے ہوئے کرارا کٹ دار طنز کیا۔ یوں کہ پہلی مرتبہ ماہ رو کو لگا تھا عون لاجواب ہو گیا ہے۔ اس نے خاصے جارحانہ لہجے میں کہا۔

"اور تمہیں حقوق اب بھی یاد نہ آئے۔" تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بات کر لینے کے بعد اسے خیال گزرا کہ اس نے کون سی بات کہہ دی ہے۔ کیونکہ عون نے ایسے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا تھا جیسے ماہ رو سے ایسی برجستگی کی توقع نہ ہو۔ اب وہ یہاں سے بھاگنے کے پر تول رہی تھی۔ جوں ہی الٹے قدموں اس نے پلٹنا چاہا تھا پیچھے سے عون کی آواز آئی۔

"بائی دا وے' میں تمہاری اس کاوش کو رائیگاں نہیں کروں گا۔ ناشتا بہت اچھا ہے' لیکن تمہارے ہاتھ کا نہیں۔ اگر اٹھا کر میرے تک لانے کا کریڈٹ لینا چاہتی ہو تو بخوشی لے سکتی ہو۔" عون لحہ بھر کے لیے طنز کرتے کرتے رکا۔

"اور یہ بھی کہ جب ثنا تمہاری ڈھیٹ نیند کو توڑنے کے لیے ٹھنڈا پانی ڈال رہی تھی۔ اور تم اسپرنگ کی طرح اچھل کر اس کے ساتھ چلی گئی تھیں میں تب ہی سمجھ گیا تھا تم کسی سازش کے لیے جا رہی ہو۔ کیونکہ سازشوں میں واقعی ہی تمہاری ٹکر کا دوسرا کوئی نہیں۔" اس نے حقوق اور فرائض والی بات کو گول کر کے ماہ رو پہ چڑھائی کر دی تھی۔

اور ماہ رو پہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ وہ خواہ مخواہ دروازے پہ غصہ اتارتی زوردار دھماکے سے بند کرتی باہر نکلتے ہوئے زیر لب بڑبڑائی تھی۔

"چالاک نہ ہو تو۔"

اور جب فریحہ ناشتا بنا کے راہداری تک پہنچی اور اپنے مخصوص لہجے میں۔

"عون' عاشر' یاسر ناشتا کر لو۔" کہا تو داخلی دروازے سے آفس کے لیے باہر نکلتا عون ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر پلٹ آیا تھا۔ اخلاق کا تقاضا تھا کہ فریحہ کو بتا کر جاتا۔ آج اس نے ذرا ٹائم سے پہلے ہی ناشتا کر لیا تھا کیونکہ آج اس نے تھوڑا جلدی آفس پہنچنا تھا۔

اور یہ تو نجانے ماہ رو کو کیا خیال آیا تھا جو ثنا سے ناشتا بنوا لائی تھی ورنہ وہ آج شاید بھوکا ہی آفس جاتا۔

کیونکہ فریحہ تو اپنے ٹائم پہ ناشتے کے لیے آتی تھی۔ اور اسے اندازہ ہوتا تھا کس نے کس وقت پہ جانا ہوتا ہے۔ عون کو لش پش دیکھ کر فریحہ حیران ہوگئی۔

"تم جلدی جارہے ہو؟ وہ بھی ناشتا کیے بغیر؟" اس کا تفکر قابل دید تھا۔ اور جو ماہ رو بھاگم بھاگ عون کو خدا حافظ کہنے کے لیے پورچ تک جانا چاہتی تھی ان کی گفتگو سننے کے لیے رک گئی تھی۔ تھوڑا اوٹ میں ہو کر اس نے کان لگالیے تھے۔

"میں ناشتا کرچکا ہوں۔" عون نے مسکرا کر بتایا تھا۔

"اس کمینی کے لیے عون کے پاس ہنسی کا پورا خزانہ محفوظ تھا" ماہ رو کو بے پناہ جلن ہوئی تھی۔ "میرے لیے تو موتا ہی نہیں مسکراتا۔"

"کس نے کرایا؟" فریحہ کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ دھچکا بھی بڑا شدید قسم کا تھا۔

وہ ماہ رو کا نام لیتے لیتے لمحہ بھر کے لیے رک گیا تھا۔ وہ بھی دل ہی دل میں خوش ہوئی تھی ابھی وہ اس کا نام لے گا اور فریحہ جل بھن کے کوئلہ ہو جائے گی۔ پھر خود بخود عقل مند ہوئی تو ہٹ جائے گی۔

"ثنا نے بنادیا تھا۔" عون کے بتانے پہ فریحہ نے لمحہ بھر کے لیے بھنویں سکیڑیں تھیں پھر ذرا سا مطمئن ہو کر مسکرادی۔

"ٹھیک ہے، لیکن شام کو جلدی آجانا۔ باہر سے کچھ مت کھانا۔ میں اچاری بریانی بناؤں گی۔" عون کو یاددہانی کرواکے وہ مسکراتی ہوئی داخلی دروازے تک اسے چھوڑنے کے لیے چلی گئی تھی۔ جبکہ ماہ رو وہیں اوٹ میں لمحہ بھر کے لیے فریز ہوگئی۔ اسے رہ رہ کر عون کے الفاظ پہ تاؤ چڑھ رہا تھا۔

"ثنا نے بنادیا تھا۔" وہ عون کے لہجے کی نقل اتارتی شدید غصے کا شکار تھی۔

"میرا نام لیتے ہوئے موت آتی تھی یا پھر مہارانی کی ناراضی کا خدشہ ہوگا۔ مرمرا کے تو صلح ہوئی تھی۔ سوچتا ہوگا۔ شہزادی صاحبہ پھر نہ ناراض ہو جائے۔ فریحہ تو سوگ میں ہی بہتر تھی۔ سوگ سے نکل کر مجھے سوگوار کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑاتی تن فن کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شام تک ماہ رو کا صبح والا غصہ اتر چکا تھا۔

وہ ایک لمبی، میٹھی اور پرسکون نیند لے کر اٹھی اور ٹھنڈے پانی سے باتھ لے کر فریش ہوگئی تھی۔ معا" ماہم کی فون کال آگئی تھی۔ وہ اسے ہرجائی، بے وفا اور نجانے کیا کیا لقب دیتی گالیوں سے نواز رہی تھی۔ ماہم کو غصہ تھا اس نے ایک کال تک کرنا گوارا نہیں کی تھی۔ اب وہ ماہم کو کیا بتاتی؟ وہ عون کے پیار میں گم شدہ ہرگز نہیں تھی بلکہ عون کو فریحہ کے چنگل سے آزاد کروانے میں ڈیڈی تک سے لاپروا ہو چکی تھی۔

ماہم کو اندرونی صورت حال سے آگاہ کیے بغیر اس نے مصروفیات کا فضول سا رونا رو کر کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد فون بند کردیا تھا۔ خدا حافظ کہنے سے پہلے اس نے یہ بھی کہا تھا اگر عون مان گیا تو وہ آج ہی چکر لگائے گی۔ اب وہ وارڈ روب کھول کے ایک ایک

ڈریس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے بڑے خوب صورت شیفون کے امبرائیڈڈ سوٹ بھی لٹک رہے تھے۔ کچھ سوچ کر اس نے ڈارک بلیو کلر کا سوٹ نکال لیا تھا۔

اور پھر شادی کے بعد پہلی مرتبہ وہ بھرپور انداز میں تیار ہوئی تھی۔

بہت دفعہ عون کی امی کے کہنے پہ بھی وہ افسردہ سا جواب دے دیتی۔

"کیا فائدہ امی! جب کسی نے دیکھنا ہی نہیں۔" تب امی اسے ڈپٹ کر خفگی سے کہتیں۔

"عون تو دیکھے گا۔ کسی اور کو دکھانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" وہ شاید سمجھی نہیں تھیں۔ اسی لیے سادگی سے بولیں۔ اب ماہ رو کیا وضاحت دیتی کہ عون ہی نے تو دیکھنا نہیں تھا۔ بلکہ ہو سکتا عین گمان تھا۔ طنز کے تیر چلانے لگتا۔

"بن سنور کر کسے دکھانا چاہتی ہو؟ مجھ سے امید مت رکھنا۔ فضول میں جھوٹی تعریفیں نہیں کر سکتا۔"

عون سے ایسے الفاظ کی توقع تھی۔ پھر وہ کیوں اتنا تردد کرتی۔ گھر میں کرتے ٹائٹس پہنتی تھی۔ گلے میں اسٹول وغیرہ لٹکا لیتی۔۔۔ جو اکثر کندھوں سے پھسلتا ہوا زمین کو سلامی دے رہا ہوتا تھا۔

عون کو اس کی ہر قسم کی ڈریسنگ پہ اعتراض رہتا تھا۔ وہ اس کے کسی بھی لباس کو شریفانہ لباس نہ سمجھتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ امی کے سامنے تو کہتا نہیں تھا اور نہ آج کل ابو کے سامنے ماہ رو سے جھگڑا کر رہا تھا۔ نہ اسے برا بھلا کہتا تھا۔ نہ دوبارہ طلاق لینے پہ مجبور کیا تھا۔ اور نہ ہی طلاق دینے کی دھمکی دی تھی۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ سدھر گیا تھا۔ یا اس نے ماہ رو کو ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا۔ یا وہ اپنی توہین اور ذلت کو بھول چکا تھا۔ نہ ہی اسے کمپرومائز کرنے کا سلیقہ آگیا تھا۔

ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے ایک ایک بات یاد تھی۔ نہ وہ بھول سکتا تھا اور نہ ہی بھلا سکتا تھا۔ وہ محض وقت کی کروٹ کے انتظار میں تھا۔

اس دن ماہ رو نے اچانک عون اور فریحہ کی باتیں سن لی تھیں۔ تب وہ ایک قطار میں رکھے گملوں سے گیند کے پھول توڑ کر اندر آرہی تھی جب عون اور فریحہ برآمدے میں بیٹھے دکھائی دیے تھے۔

ماہ رو بھی دبے قدموں چلتی ہوئی برآمدے کے پلر کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر اس نے ترچھی نظر سے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ فریحہ اپنی ذہین نظروں کو عون پہ جما کے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں عون کی شرٹ تھی جس کے بٹن ٹانک رہی تھی۔ اور عون شاید شرٹ لینے کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ پھر وہ عون سے اچانک مخاطب ہوئی تھی۔

"تم نے کیا سوچا ہے عون!" جانے وہ کس سوچ کے متعلق بات کر رہی تھی۔ ماہ رو کو کھدبد ہوئی۔ عون نے بھی اس کا سوال سمجھ لیا تھا اسی لیے کچھ سوچ کر بولا۔

"میں تمہیں بتا تو چکا ہوں۔ تھوڑے انتظار کے بعد دیکھنا میں کرتا کیا ہوں۔" اس کے ارادے خاصے خطرناک لگتے تھے۔ ماہ رو کا دل ذرا سہم گیا۔

"اور جو میرا تماشا لگا گیا؟" فریحہ کی آنکھیں سرخ ہو کر بہنے لگیں۔ ذہین آنکھوں کو رام کرنے کے سارے گر آتے تھے۔

"میں تمہارا ایک ایک بدلہ لوں گا۔ اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا۔" عون کا لہجہ پتھریلا ہو گیا۔

"لیکن میں اس کی صورت تک نہیں دیکھ سکتی۔ یہ میرے لیے بہت بڑی سزا ہے۔" فریحہ شدت غم سے چیخ کر بولی۔

"میرا وعدہ رہا۔۔۔ دو دن بعد تمہیں اس کی صورت دکھائی نہیں دے گی اور تم جانتی ہو میں بات کا کتنا پکا ہوں۔" عون کے اگلے الفاظ نے ماہ رو کو چکرا دینے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ پلر کا سہارا نہ لیتی تو اچانک گر پڑتی۔

(آخری قسط آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

✲ ✲

کرن
سالگرہ نمبر
دیا شیرازی
برانڈ دنیا

"ارے یار زبردست خبر ہے۔ ایم ڈاٹ پہ کلیئرنس سیل لگی ہے۔ تین اور برانڈز نے بھی ففٹی پرسنٹ آف' سیل اناؤنس کی ہے۔ میں نے تو وقار کو کہہ دیا ہے کہ مجھے لون دے دیں تھرڈ تھاؤزنڈ' میں بعد میں لوٹا دوں گی۔ میں کسی صورت یہ موقع ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی۔ تم بھی چلنا آج شام میرے ساتھ۔"

صدف نان اسٹاپ بولتی تھی۔ فوزیہ کا دل بھی یہ سب سن کے مچل اٹھا۔ دونوں میں گہری دوستی تھی اور دوستی کی اصل وجہ مشترکہ شوق ہی تھے۔ دونوں کو فیشن سے بے حد لگاؤ تھا۔ کیا ان ہے' کیا آؤٹ ہر وقت دماغ میں یہی کھچڑی پکتی رہتی۔ اپنے تئیں بہت سی چیزوں میں بچت بھی کرتی تھیں لیکن سیل کا سن کے ساری بچت دھری کی دھری رہ جاتی۔ پہلے تو صرف شاپنگ کا کریز تھا' اب کچھ عرصے سے دماغ میں برانڈ کا کیڑا گھس گیا تھا۔ تب سے حالات مزید ابتر تھے۔

"آج شام..." فوزیہ پریشان ہو گئی تھی' اتنی جلدی پیسے کہاں سے ارینج کرے گی۔ اسے صدف پہ رشک آنے لگا جس کے ایک دفعہ کہنے پہ میاں نے قرض دے بھی دیا۔ ساتھ ساتھ اپنے شوہر پہ غصہ اور خود پہ بے تحاشا رحم آنے لگا۔

"ہاں یار آج شام..." صدف نے آج شام پہ زور دے کر کہا۔

"میں چاہتی ہوں' ہم جلد از جلد پہنچ کر اچھی اچھی چیزیں خرید لیں۔ کل تک تو کچرا ہی رہ جانا ہے۔ جسے سب ریجیکٹ (مسترد) کر کے گئے ہوں گے۔ تم نہیں جانتیں عورتوں کو۔ وہ میجر حامد کی مسز تو ہر وقت تیار رہتی ہیں' ادھر سیل اناؤنس ہوئی' ادھر وہ پہنچ بھی گئیں۔ مجھے تو ابھی سے پریشانی ہو رہی ہے۔ پتا نہیں کیا کچھ بک چکا ہو گا۔ تم جلدی سے پیسے ارینج کرو' کہیں سے بھی' میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گی۔"

صدف شاپنگ کے لیے اتاؤلی ہو رہی تھی۔

"لیکن اتنی جلدی میں کہاں سے ارینج کروں۔ اب ہر کوئی وقار بھائی جیسا تو نہیں ہو سکتا نا کہ ادھر تم نے کہا' ادھر انہوں نے رقم دے بھی دی۔ ارسلان کو بتایا تو لمبا لیکچر سننے کو ملے گا اور ملے گی پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔" فوزیہ نے ہمدردی سمیٹنی چاہی۔

"یار کچھ تو سوچو..." دونوں کافی دیر سر کھپاتی رہیں اور پھر اچانک ایک آئیڈیا صدف کے دماغ میں آیا۔

"فوزیہ تم ایسا کرو اپنی چین سیل کر دو۔" صدف خوشی سے بولی۔ اپنی دانست میں اس نے ایک بہت اچھا مشورہ دیا تھا۔

"کیا پاگل ہو گئی ہو۔ چین کیوں سیل کروں۔ پتا بھی ہے سونے کے ریٹ کتنے گرے ہوئے ہیں۔" فوزیہ کو یہ مشورہ ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

"یار چین تو بعد میں بھی بنوا سکتی ہو' سیل نکل گئی تو پچھتاؤ گی۔ سات ہزار کا سوٹ تین ہزار میں مل رہا ہے۔ چار ہزار کی کرتی صرف انیس سو میں... سوچ لو کہیں بعد میں ہاتھ نا ملتی رہ جاؤ۔" صدف یوں قیمتوں کا موازنہ کر کے سنا رہی تھی جیسے کوئی معجزہ ہی ہو گیا ہو۔ صدف کے مسلسل اکسانے پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ صدف سے کسی صورت پیچھے رہ جانا اسے گوارا نہیں تھا لیکن وہ اب بھی تامل کا شکار تھی۔

"یار اگر ارسلان کو پتا چل گیا نا کہ میں نے کپڑوں کے لیے چین بیچ دی ہے تو بہت غصہ ہوں گے۔" اندر کے ڈر کو وہ زباں پہ لے ہی آئی۔

"ارے یار فوزی تم بھی نا... بھئی پہلی بات تو یہ کہ چین تمہاری پرسنل چیز ہے' رکھو یا بیچو' تمہارا فیصلہ ہونا چاہیے۔ دوسری بات کہ ٹھیک ہے' اگر تمہیں ارسلان بھائی کا اتنا ہی ڈر ہے تو کہہ دینا اتار کے رکھی ہے اور زیادہ دباؤ ڈالیں تو بول دینا گم ہو گئی۔ اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" صدف کے لیے کوئی مسئلہ' مسئلہ نہیں ہوتا تھا' وہ بڑی سے بڑی بات کو چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی۔ فوزیہ نے ایک فیصلے پر پہنچ کر فون رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

فوزیہ شاپرز سے لدی پھندی سیدھی میکے چلی

آئی۔ مختلف دکانوں میں پھرتے پھرتے وہ خاصی تھک چکی تھی۔ گھر جا کر کھانا بنانا کسی پہاڑ سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ دوسری بات کہ یہاں سب کو سامان دکھا کر داد بھی تو وصول کرنا تھی۔ بھابھی کے میکے جانے کا سن کے اس کی ایکسائٹمنٹ ٹھنڈی پڑ گئی۔

"بہت تھک گئی ہوں یار' ثمرین پانی تو پلاؤ۔"

شاپرز' ماں کے قریب رکھ کر وہیں تخت پہ ان کے پاس ہی ڈھیر ہو گئی۔ صبیحہ بیگم نے تسبیح کے بقایا دانے جلدی' جلدی پڑھ کر اس پہ پھونکا اور تسبیح ایک طرف رکھ دی۔ ثمرین فریج سے پانی لے آئی تھی۔ فوزیہ نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"آپی کیا لے کر آئی ہیں۔" ثمرین اشتیاق بھری نظروں سے شاپرز دیکھنے لگی۔ ان کے مالی حالات بس ٹھیک ہی تھے۔ عزت کے ساتھ گزر بسر ہو رہی تھی۔ البتہ فوزیہ شادی کے بعد کچھ زیادہ کھلے ہاتھ سے خرچ کر رہی تھی۔ وہ اکثر شاپنگ پہ جاتی رہتی تھی اور کافی مہنگی چیزیں خرید کر لے آتی۔ جو چند بار پہننے کے بعد ثمرین کو مل جاتی تھیں۔

"کچھ خاص نہیں' بس دو سوٹ ہیں' ایک ہینڈ بیگ اور دو بیڈ شیٹس.... گھر سے جو لسٹ بنا کے لے گئی تھی اس کا آدھا سامان بھی نہیں لے پائی اور پیسے ختم ہو گئے۔ مہنگائی بھی تو اتنی ہے۔" فوزیہ افسوس سے کہنے لگی۔

"آپ کتنے پیسے لے کر گئی تھیں۔" ثمرین نے کب سے دل میں اٹکا سوال پوچھا۔

"بیس ہزار۔۔۔" فوزیہ نے بیس ہزار کچھ یوں بتایا جیسے یہ کوئی خاص رقم نہ ہو....

"بیس ہزار میں صرف یہ چار چیزیں لے کر آئی ہو۔ اتنی مہنگی چیزیں لینے کی کیا ضرورت تھی۔ حد ہوتی ہے فضول خرچی کی بھی۔" صبیحہ بیگم بیٹی کی اس ناعاقبت اندیشی کو دیکھ کے برہم ہو گئیں۔

"امی برانڈڈ چیزیں ہیں ساری اور ان کی قیمتیں اتنی ہی ہوتی ہیں۔ آپ کوالٹی بھی تو دیکھیں نا۔" فوزیہ اپنا دفاع کرنے لگی۔ اس نے ساری چیزیں کھول کے ماں کے سامنے رکھیں۔ ثمرین شوق سے ایک ایک چیز اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"اب یہ نئی مصیبت گلے پڑ گئی ہے' برانڈ کی۔ چار سال بھی پیچھے جھانک کر دیکھو' کہیں دور دور تک یہ برانڈ والا بکھیڑا ہی نہیں تھا۔ بس جو چیز اچھی لگی خرید لی۔ بھاؤ تاؤ بھی خوب کروائے تھے اور تم بھی تو شادی سے پہلے یہی سب خرید کے پہنتی تھیں۔ اب اس میں کون سے کانٹے اگ آئے ہیں۔"

"امی برانڈز تو اس وقت بھی تھیں —— ہمیں معلوم نہیں تھا یا سمجھیں ہماری پہنچ سے دور تھیں۔ اب تو بہت اویرنس آ گئی ہے۔ لوگ چیزوں کو پہچاننے لگے ہیں۔ اچھی اور برانڈڈ چیز دور سے پہچانی جاتی ہے اور شادی سے پہلے اگر میں خرید کر پہن لیتی تھی تو اس وقت میرا کامپیٹیشن (مقابلہ) نہیں تھا کسی سے بھی۔ ادھر میری سسرال آ کر تو دیکھیں۔ ہر کوئی برانڈڈ چیزیں ہی خریدتا ہے۔ اب میں وہاں ہزار پندرہ سو والے سوٹ پہن کے اپنا تماشا نہیں بنوا سکتی۔" فوزیہ اب تک خود کو صحیح ثابت کرنے پر بضد تھی لیکن صبیحہ بیگم رتی برابر بھی متاثر نہ ہوئی تھیں۔

"بھئی یہ سب دولت مندوں کے چونچلے ہیں اور بس۔ مفت کا پیسہ ہے تو اڑاؤ جیسے دل چاہے۔" صبیحہ بیگم خفا ہو کر بولیں۔

"امی کیسی ماں ہیں آپ۔ مائیں تو بیٹیوں کو اچھا اوڑھتے پہنتے دیکھ کر خوش ہوتی ہیں اور ایک آپ ہیں کہ مجھے ہر بار فضول خرچی کے طعنے دینا شروع کر دیتی ہیں۔ میری غلطی تھی کہ میں یہاں چلی آئی۔ اس سے اچھے تو میرے سسرال والے ہیں کم از کم تعریف تو کر دیتے ہیں تھوڑی بہت۔" فوزیہ روہانسی ہو گئی۔

"ماں ہوں اسی لیے سمجھا رہی ہوں' دوسروں کی واہ واہ کے لیے اپنا گھر مت اجاڑو۔ ارسلان کتنی بار دبی دبی زبان میں تمہاری فضول خرچی کی شکایت کر چکا ہے۔ خرچا پورا کرتے کرتے ہلکان ہوا جاتا ہے بے چارہ اور ایک تم ہو کہ برانڈ کا بخار ہی نہیں اتر رہا۔" صبیحہ بیگم نے بھی لگی لپٹی رکھے بغیر کھری کھری سنا دی۔

"ان کی تو آپ بات ہی مت کریں۔ کون سا شوہر ہے، جو بیوی کی شاپنگ سے خوش ہوتا ہو۔ تقریباً" سبھی مردوں کو اپنی بیویاں فضول خرچ نظر آتی ہیں۔" ارسلان کا ماں سے شکایت لگانا اسے تاؤ دلا گیا تھا۔

"دیکھو فوزیہ دوسروں کے محل دیکھ کر اپنی جھونپڑی کو آگ نہیں لگائی جاتی۔ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ۔ فی الحال تو صرف دو لوگ ہو کل کو بچے ہو جائیں گے، خرچے اور بڑھ جائیں گے، کیسے پورے کرو گی پھر یہ الٹے سیدھے شوق۔ بیٹا انسان کو اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں جتنی اس کی چادر ہو۔" وہ تحمل سے سمجھانے لگیں۔

"بس کردیں اماں۔ آپ تو نصیحت کی پٹاری ہی کھول کے بیٹھ گئیں۔ آپی کو ناراض کردیا آپ نے اگر اللہ نے انہیں دیا ہے تو خرچ کرنے دیں انہیں۔ آپ کیوں بار بار انہیں فضول خرچی کے طعنے دیتی رہتی ہیں اور ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں سستی چیزیں بیچ بیچ کے اپنی قیمت جتا رہی ہوتی ہیں۔ دو چار دفعہ پہننے سے ہی کنڈیشن خراب ہو جاتی ہے۔ برانڈڈ چیز کی یہی تو خوبی ہے کہ لمبے عرصے تک خراب نہیں ہوتی۔ پہلے دن جیسی ہی لگتی ہے۔" ثمرین نے بہن کا اترا چہرہ دیکھ کر اس کا دفاع کرنا چاہا۔ صبیحہ بیگم نے اسے بھی جھڑک دیا۔

"ارے تم تو چپ رہو، خود کو عقل ہے نہیں دوسروں کو پڑھانے چلی ہے۔ خوب جانتی ہوں یہ چچہ گیری کس لیے ہو رہی ہے اور جہاں تک بات ہو رہی ہے زیادہ چلنے کی تو یہ پہنتی ہی کتنا ہے۔ دو چار مرتبہ پہن کے تمہیں دے جاتی ہے۔" صبیحہ بیگم بھی دبنے والی نہیں تھیں۔

"تو آخر کتنا پہنوں، ہر جگہ ایک ہی جوڑا پہن کے اپنا تماشا بنوالوں۔ اماں آپ کو نہیں پتا وہاں ماحول کیسا ہے۔ ان کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے اپنی پوزیشن کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے اور یہ آپ کا زمانہ نہیں ہے کہ ایک سادہ سے سوٹ میں کئی کئی شادیاں نپٹالی جائیں، پھر کافور کی گولیاں ڈال کے اگلے سال کے لیے صندوق میں رکھ دیں۔ زمانہ بدل گیا ہے، میری پیاری اماں میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔" فوزیہ نے ہتھیار پھینکتے ہوئے کہا اور ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"زمانہ نہیں بدلا، فوزیہ تم بدل گئی ہو۔" صبیحہ بیگم نے افسردگی سے سوچا اور فوزیہ کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ ٹھوکر کھا کر ہر انسان سنبھل جاتا ہے، کاش تمہیں اس ٹھوکر سے پہلے عقل آجائے وہ دعا کرنے لگیں۔

✡ ✡ ✡

"حد ہوتی ہے فضول خرچی کی بھی، تم نے تو ساری حدیں پار کرلی ہیں۔ ابھی بیس دن بھی نہیں گزرے ہیں اور پورا اکاؤنٹ خالی۔" ارسلان غصے سے تلملاتا کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ ابھی بیس دن بھی نہیں گزرے تھے اسے اکاؤنٹ میں پیسے جمع کروائے اور آج فوزیہ نے خرچے کے لیے مزید پیسے مانگ لیے تھے وہ تو سنتے سے ہی اکھڑ گیا۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے لاکھوں روپے رکھے تھے اکاؤنٹ میں پچاس ہزار ہی تو تھے۔" فوزیہ کے یوں بے پروائی دکھانے پر ارسلان کو مزید پتنگے لگ گئے۔

"واہ واہ۔ پچاس ہزار۔ پچاس ہزار تو آپ کے ہاتھوں کی میل ہیں ناں۔" ارسلان نے باقاعدہ تالیاں پیٹ کے کہا۔

"تمہارا شوہر ہوں، کوئی مل اونر نہیں بی بی۔ یہ پچاس ہزار جو تمہیں بچ لگ رہے ہیں نا۔ میری پورے مہینے کی خون پسینے کی کمائی ہوتے ہیں۔" وہ طنزیہ بولا۔

"تو میں کون سا اپنے میکے میں دے آئی ہوں، یہیں خرچ کیے ہیں آپ کے گھر پہ۔ مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے، جتنے پیسے لے کر جاؤ خرچ ہو جاتے ہیں۔" فوزیہ مہنگائی کا رونا رو کے دانستہ اپنی شاپنگ کو گول کر گئی لیکن وہ بھول رہی تھی سامنے بھی ارسلان تھا، بال کی کھال اتارنے والا۔

"بہت خوب، ذرا مجھے بھی تو پتا چلے، ایسا کیا کھلا پلا

دیا آپ نے اس غریب کو کہ پچاس ہزار بھک سے اڑ گئے۔" ارسلان کے چہرے پہ زہریلی مسکراہٹ بچی تھی۔ فوزیہ کے پاس بولنے کو کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

"میں اگر خاموش ہوں تو یہ مت سمجھنا مجھے کچھ پتا نہیں چلتا۔ تمہارے آئے دن بازاروں کے چکر خالی ہاتھوں نہیں ہوتے۔ دونوں ہاتھوں سے پیسہ لٹا رہی ہو تم۔" وہ اب باقاعدہ طعنوں پہ اتر آیا تھا۔ فوزیہ بھی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھی۔ وہ بھڑک اٹھی۔

"ہاں... تو کیوں نا خرچ کروں۔ حق بنتا ہے میرا آپ کی کمائی پر اور آپ کوئی انوکھا کام نہیں کر رہے ہیں۔ ساری دنیا کے مرد کما کر لاتے ہیں..." ارسلان نے اس کی بات بیچ میں اچک لی۔

"ہاں... کما کر لاتے ہیں لیکن ان کی بیویاں پائی پائی جوڑ کر رکھتی ہیں۔ تمہاری طرح اپنے اللے تللوں میں نہیں اڑاتیں۔ چھ ہزار کا سوٹ، چار ہزار کا ہینڈ بیگ، آٹھ ہزار کا جوتا۔ میری اتنی حیثیت نہیں ہے کہ یہ سب افورڈ کرسکوں۔" ارسلان تھک کر بیٹھ گیا۔ اس ساری بحث کا کوئی نتیجہ اسے نکلتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"آپ کے دوسرے بھائی بھی تو ہیں ان کی بیویاں بھی تو اتنا ہی خرچا کرتی ہیں۔ سلویٰ بھابھی تو ہاتھ اسٹار اور پارک ٹاور سے کم کی بات ہی نہیں کرتیں اور نمو بھابھی تو ہر دوسرے مہینے دبئی جاتی ہیں شاپنگ کے لیے۔ ان کے شوہر تو کوئی اعتراض نہیں کرتے۔"

"ان کی وہ جانیں... وہ افورڈ کرسکتے (استطاعت رکھتے) ہیں تو شوق سے کریں۔ میں کم از کم نہیں کرسکتا اور تمہیں صرف نمو بھابھی اور سلویٰ بھابھی ہی کیوں نظر آتی ہیں۔ حمنی بھابھی بھی تو ہیں۔ اسکول جاب کرکے الٹا وہ فواد کو سپورٹ (مدد) کررہی ہیں اور یسریٰ بھابھی کی مثال بھی تمہارے سامنے ہے، ان سے کچھ کیوں نہیں سیکھتیں۔"

"ڈیس انف (بس بہت ہے) ارسلان سر پھٹ رہا ہے میرا درد سے، بس کریں اب یہ فضول بحث۔" فوزیہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔

ارسلان نے ایک عاجز نگاہ بیوی پہ ڈالی اور چادر تان کر لیٹ گیا۔ بیوی کی فضول خرچی کی عادت سے وہ تنگ آچکا تھا لیکن اسے ان سب باتوں کا کوئی حل نکلتا بھی نہیں دکھ رہا تھا۔ فوزیہ سرے سے غلطی ماننے کو ہی تیار نہیں تھی۔ ساس سے بھی دبے لفظوں میں شکایت کرچکا تھا لیکن فوزیہ کسی کی سنتی کب تھی۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو فوزی..." دوسری طرف صدف کی آواز سسکیوں میں بدل گئی۔ فوزیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"ہیلو... صدف کیا ہوا خیر تو ہے۔ کچھ بتاؤ تو سہی، تم ٹھیک تو ہونا۔" صدف مسلسل روئے جارہی تھی۔ بولنے کی کوشش کرتی لیکن ہچکیوں میں آواز دم توڑ دیتی۔ فوزیہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

"صدف میری جان تم ہو کہاں، کچھ تو بولو خدا کے لیے۔" فوزیہ چلا اٹھی۔

"فوزی وقار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ وہ اسپتال میں ہیں۔" فوزیہ کے پاؤں کے نیچے زمین سرک گئی۔ صدف اور وقار کی لو میرج تھی۔ دونوں جان چھڑکتے تھے ایک دوسرے پر۔ وہ جان سکتی تھی صدف پہ کیا بیت رہی ہوگی۔

"کس اسپتال میں ہیں وہ... میں ابھی آرہی ہوں، تم گھبراؤ مت... کچھ نہیں ہوگا انہیں..." صدف نے اسپتال کا نام بتا کے فون رکھ دیا تھا۔ وہ بات کرنے کی کنڈیشن (حالت) میں نہیں تھی۔ فوزیہ کتنی ہی دیر موبائل ہاتھ میں لیے خالی نظروں سے اسے تکتی رہی۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ صدف کو کیسے تسلی دے پائے گی۔ اسے سامنے دیکھ کر صدف بھاگتی ہوئی آئی اور اس سے لپٹ گئی تھی۔ مسلسل روتے رہنے سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔

"فوزیہ... وقار..." اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

"کچھ نہیں ہوگا، وقار بھائی کو تم خود کو سنبھالو، تمہیں اس حال میں دیکھ کر انہیں کتنا دکھ پہنچے گا۔" وہ صدف کا کندھا تھپک کر اسے تسلی دینے لگی۔

"میں ان کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی۔" صدف رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"اللہ نہ کرے تمہیں ان کے بغیر رہنا پڑے۔ ٹھیک ہوجائیں گے وہ اللہ پر بھروسا رکھو۔" وہ صدف کو ساتھ لیے بینچ پر بیٹھ گئی۔

"بہت خطرناک ایکسیڈنٹ تھا۔ بس اللہ نے جان بچالی ہے۔ دونوں ٹانگوں میں راڈ ڈالیں گے۔ فی الحال تو وہیل چیئر پر ہی رہیں گے۔ ابھی ڈاکٹرز کچھ نہیں بتا رہے۔ پتا نہیں کتنا عرصہ لگے گا مکمل ٹھیک ہوجانے میں۔۔۔" صدف اب کسی حد تک سنبھل چکی تھی۔ فوزیہ اس کے دکھ کو محسوس کرسکتی تھی لیکن تقدیر کے فیصلوں کے آگے انسان بے بس ہے۔ اس ایک حادثے نے دونوں پر سوچ کے نئے در وا کردیے تھے۔

☆ ☆ ☆

وقار کے ایکسیڈنٹ کو تین مہینے گزر چکے تھے۔ وہ اب بھی وہیل چیئر پر تھا۔ وقار کی نوکری ختم ہوچکی تھی۔ صدف مکمل تو نہیں لیکن کسی حد تک سنبھل چکی تھی۔ صدف کی جیولری اور باقی قیمتی چیزیں وقار کے علاج کے لیے بک چکی تھیں۔ گھر کا خرچا چلانے کے لیے وہ ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب کر رہی تھی۔

رکشا والے کو پیسے دے کر صدف پلٹی تھی۔ فوزیہ نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ برانڈڈ چیزوں کے پیچھے پاگل ہونے والی صدف ایک عام سے دھلے دھلائے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ وہ اتنی بدل گئی تھی کہ اگر فوزیہ اس کے حالات سے واقف نہ رہی ہوتی تو اسے پہچان بھی نہ پاتی۔ فوزیہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

"کتنے دنوں بعد آئی ہو میں اب کہہ کہہ کر بھی تھک چکی تھی۔" فوزیہ نے اس کے گال کو چھوا۔ صدف کے چہرے پہ پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"رکشا سے آئی ہو گاڑی کہاں ہے۔" فوزیہ نے سرسری سا پوچھا۔ وقار بھائی کے ایکسیڈنٹ کے بعد وہ خود ڈرائیو کرنے لگی تھی۔ وقار کو ڈاکٹر کو دکھانا گروسری وغیرہ لانا سب خود کرنا پڑتا تھا۔

"بک گئی۔۔۔" صدف نے یوں اطلاع دی جیسے ذرا سی بات ہو۔

"بک گئی۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔ اب کیسے گزارا کرو گی۔ کتنی مشکل ہوگی۔" فوزیہ سچ مچ پریشان ہوگئی۔

"جہاں اتنی چیزوں کے بغیر زندگی گزر رہی ہے، وہاں گاڑی کے بغیر بھی گزر جائے گی۔" وہ دونوں لاؤنج تک آگئی تھیں۔ صدف ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"وقار کی ٹریٹمنٹ پر جو خرچا آیا تھا۔ اس کے لیے کافی لوگوں سے ادھار لینا پڑا تھا۔ وقار کے پاس کوئی سیونگ نہیں تھی۔ مجھے بہت بعد میں پتا چلا۔ وہ سارے پیسے مجھے تھما دیتے تھے اور میں اس گمان میں رہی کہ کچھ نہ کچھ تو بیلنس ہوگا جو اتنی فراخ دلی سے پیسے دے دیتے ہیں۔ بہت غلط کرتی رہی میں، اب اندازہ ہو رہا ہے لیکن بہت دیر ہوچکی ہے۔ اب جب تنخواہ کے بارہ ہزار گھر لے کر جاتی ہوں تو برانڈڈ شاپس دیکھ کر بہت ہنسی آتی ہے۔ صرف تین مہینے کے اندر مجھے اپنی اوقات سمجھ میں آگئی ہے۔ ارسلان بھائی ٹھیک کہتے تھے۔ سارے امیروں کے چونچلے ہیں۔ اب جا کے مجھے ان کی باتیں سمجھ میں آئی ہیں۔ شاید قدرت نے مجھے سبق سکھانے کے لیے ہی یہ سزا۔۔۔" صدف نے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ لیا۔ وہ خود کو اذیت دے رہی تھی۔

"ایسی باتیں کیوں سوچتی ہو صدف۔۔۔ یہ سب تقدیر میں لکھا تھا جو بھی ہوا، تمہارا قصور نہیں ہے اس میں۔ میں پانی لے کر آتی ہوں۔" فوزیہ کچن میں چلی آئی۔ صدف کی زندگی سے صرف صدف نے نہیں اس نے بھی بہت سبق سیکھا تھا۔ وہ بھی تو برابر کی شریک رہی تھی۔ اس ساری فضول خرچی میں "اگر یہ آزمائش اس کے بجائے مجھ پہ آتی۔" یہ سوچ کر اس نے جھرجھری لی۔ برانڈ فوبیا کا بھوت جاتے جاتے بہت کچھ ساتھ لے گیا تھا۔

مہ پارہ پھوپھو سر جھکائے بیٹھی تھیں اور ان کے آنسو ٹپاٹپ ان کی گود میں دھرے ہاتھوں پہ گر رہے تھے۔ میں پیروں کے بل ان کے پاس بیٹھا اور ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہی سوال دہرایا۔

"بولیں پھوپھو... یہ آپ کی زندگی کا سوال ہے۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ مجھے ابو نے ہی کہا ہے آپ کی مرضی جاننے کے لیے۔"

وہ یوں ہی چپ رہیں تو میں نے محض ان کے لب کھلوانے کے لیے ذرا سا شوخ ہونا چاہا۔ جو یوں غم سے بوجھل دل کے لیے تھا تو بڑا مشکل امر۔

"دیکھیں... ویسے تو میں آپ کی مرضی جانتا ہوں... دل آگیا ہے آپ کا بھی انکل پہ۔" اس پہ حسب توقع پھوپھو نے فوراً" سر اٹھا کے مجھے گھورا اور ایک دھپ سے بھی نوازا۔

"لیکن مجھے آپ کا زبانی راضی نامہ بھی آگے پہنچانا ہے۔" پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میں نے انہیں مزید اکسایا۔

"سعد... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈرنے کی ضرورت نہیں... اسلم انکل بالکل بے ضرر سے انسان ہیں... ڈرنا ان کو چاہیے آنے والے وقت سے... مگر وہ خود شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈال بیٹھے ہیں۔"

"تم سمجھ نہیں رہے سعد... مجھے لوگوں کی باتوں کا ڈر ہے۔ سب کیا کہیں گے۔"

"کہنے دیں... آپ پہلے بھی تو کب سے انٹ شنٹ سنتی آرہی ہیں... آپ کی شادی اب تک نہ ہونے پہ بھی تو سب باتیں سناتے ہیں۔ اب ہو جانے پہ سنائیں گے' کیا مسئلہ ہے اور آپ کون سا یہاں ہوں گی یہ سب سننے کے لیے' پھوپھو آپ اسلم انکل کے ساتھ یہاں سے' بہت دور ایک پرسکون اور مکمل زندگی گزارنے جا رہی ہیں ہچکچائیں مت... یہ آپ کا حق ہے جو دیر سے مل رہا ہے اب آپ فیصلہ کرنے میں مزید دیر نہ کریں۔" میں نے انہیں تسلی دی تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"نکاح کے موقع پر یوں گردن ہلا دینے کو لڑکی کی رضامندی اور ہاں سمجھا جاتا ہے۔ کیا میں بھی اس کا یہی مطلب لوں... وہ مسکرا دیں اور میں یہ مرحلہ سر کر لینے کی خبر سنانے آگے بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں اندازہ ہے طلاق کیا ہوتی ہے۔" سالار اس کے بازو پہ انگلیاں کھبوئے پوچھ رہا تھا۔

"اور آپ کو اندازہ ہے یوں خود کو کچلتے' مسلتے دیکھ کے بھی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا کیا ہوتا ہے۔" ام ہانی نے اس سے سوال کیا۔

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔" سالار نے گرفت اور مضبوط کر دی۔

اس کی نشے کی زیادتی سے سرخ ہوتی نظروں سے اب گویا شعلے نکل رہے تھے۔

"تم نہیں جانتیں۔ میں کئی سال اس دوزخ میں جلا ہوں... میں چار سال کا تھا جب میں نے اپنے باپ کو اماں سے طلاق کے یہ تین لفظ کہتے سنا۔"

یہ انکشاف ہانی کے لیے نیا تھا۔ وہ تو یہی جانتی تھی کہ اماں بیوہ ہیں... اور وہ انہیں طلاق یافتہ بتلا رہا تھا۔

"تب میں نہیں جانتا تھا... طلاق کیا ہوتی ہے۔ پھر جاننے لگا کیونکہ سال میں تین چار بار میں یہ تحفہ اماں کی جھولی میں گرتے دیکھتا تھا۔"

ام ہانی مزید حیران ہوئی۔

"ہاں... اور پتا نہیں چار سال کی عمر میں میں نے جو تمغہ اپنی ماں کو سجائے دیکھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کتنی بار ان کو مل چکا تھا۔

"مگر... اماں وہ تو..." ہانی نے کہنا چاہا۔

"ہاں... وہ اس تذلیل کے بعد بھی اس شخص کا نام' اپنے نام کے آگے لگائے رہیں کیونکہ وہ نام ایک بڑے آدمی کا نام تھا۔ وہ نام انہیں معاشرتی اور معاشی تحفظ دینے کا ضامن تھا۔ ان میں حوصلہ نہیں تھا اس نام کو اپنے نام کے آگے سے ہٹا کے اپنے طور پہ جینے کا' انہیں عزت کی زندگی نہیں' نام و نمود چاہیے تھا...

میری حسرت رہی کہ کسی دن میری ماں، میری اور میری بہن کی انگلی تھام کے اس اونچے محل سے نکلے گی اور اپنے طور پہ میں عزت سے سر اٹھا کے فخر سے انہیں اپنی ماں کہہ سکوں گا۔۔۔ میں انتظار کرتا رہا کسی دن ان کا صبر جواب دے گا۔۔۔ مگر وہ اپنے سب آنسو اپنے اندر اتار لیتی تھیں۔۔۔ رات کو ملنے والے اس تمغے کے باوجود وہ روز صبح ایک ایسی مسکراہٹ کے ساتھ دنیا کا سامنا کرتیں کہ مجھے عورت کی مسکراہٹ سے ہی نفرت ہو گئی۔ ایک مصنوعی بے رنگ نقاب ہوتی ہے یہ مسکراہٹ اور آنسو۔۔۔

آنسو سچے ہوتے ہیں وہ دل سے نکلتے ہیں۔ آنسو بہانے والی عورت بزدل نہیں پاک ہوتی ہے۔

جب میں نے تمہیں پہلی بار چھوٹی سی تکلیف پہ روتے دیکھا تو سمجھ گیا۔ تم وہ عورت نہیں۔۔۔ نہ کبھی ہو سکتی ہو جو صرف دنیا کو دکھانے کے لیے خود پہ جھوٹی مسکراہٹ اوڑھ لے۔۔۔ مگر تم۔۔۔" اچانک اس کا جنون پھر سے عود کر آیا۔

"مگر تم وہی بنتی جا رہی ہو۔" وہ زور سے دھاڑا۔

امہانی کسمسا کے پرے سرک گئی۔

"اور میں تمہیں وہ نہیں بننے دوں گا۔ تمہیں آنسوؤں سے ہر روز اپنا وجود پاک کرنا ہو گا۔ میرے لیے۔"

"سالار آپ کس بات کا تعلق کس بات سے جوڑ رہے ہیں۔۔۔ میں نہیں جانتی کہ اماں کے ساتھ کیا حالات رہے اور انہوں نے جو کیا اس کی وجہ کیا رہی ہو گی۔۔۔ ضرور ان کی بھی کوئی مجبوری ہو گی۔ لیکن آپ اس تکلیف کی سزا۔۔۔ جو آپ کو ان سے ملی مجھے کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں تمہیں سزا نہیں دے رہا۔۔۔ تکلیف بھی نہیں دے رہا۔ دے ہی نہیں سکتا۔۔۔ بہت عزیز ہو تم مجھے۔۔۔ میں تو تمہیں سونے سے کندن بنا رہا ہوں اور کندن بننے کے لیے بھٹی میں جلنا ہی پڑتا ہے۔" سالار کی آنکھوں میں یکایک جہنم کی بھٹیاں دہک اٹھیں۔

☆ ☆ ☆

سادگی سے نکاح اگلے ہی روز ہونا قرار پایا۔۔۔ تاکہ اسلم انکل جلد از جلد مہ پارہ پھوپھو کے کاغذات بنوا کے انہیں اپنے پاس بلوا سکیں۔

"تم میرے بیٹے ہو سعد۔۔۔ میرے راج دلارے۔۔۔ مگر آج تم نے باپ یا بڑے بھائی والا فرض ادا کیا ہے۔" پھوپھو نے نم ناک آنکھوں کے ساتھ میرا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"افسوس اس بات کا ہے پھوپھو۔۔۔ کہ میں وہ فرض نہیں ادا کر پایا۔۔۔ جو کرنا چاہیے تھا۔" میں نے گلہ آمیز نظروں سے امی کو دیکھا۔ وہ میرا مطلب بھانپ کے نظر چرا کے رہ گئیں۔

"رضوان بھائی جان۔۔۔ آپ نے ام ہانی کو جانے سے نہیں روکا۔۔۔ اس کے اس فیصلے میں سب نے اس کا ساتھ دیا جو درحقیقت خودکشی ہے۔۔۔ لیکن کم از کم پہلے کی طرح اس کے حالات سے چشم پوشی تو نہ کریں۔ اس کی خیر خبر ہی لے لیں۔ سالار کو یہ احساس تو نہ دلائیں کہ ہانی کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔"

مہ پارہ پھوپھو نے ابو کو تجویز پیش کی تو امی ذرا سی جزبز ہو کے پہلو بدل کے رہ گئیں۔۔۔ لیکن ماحول سازگار نہیں تھا کہ وہ اس بات پہ کوئی فوری اعتراض کرتیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مہ پارہ۔۔۔ تمہارے نکاح سے بڑھ کے اور کیا موقع ہو سکتا ہے سالار سے رابطہ کرنے اور ان دونوں کو یہاں مدعو کرنے کا۔۔۔ میں ابھی فون کرتا ہوں اسے۔" اور میری دھڑکنیں پھر سے اتھل پتھل ہونے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"کہاں لے کر جا رہے ہو اسے؟" اماں نے سالار کے ساتھ اسے جاتے دیکھ کے پوچھا۔

"آپ سے دور۔۔۔ آپ کا تو جانے کا کوئی ارادہ نہیں لگ رہا۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"مجھ سے دور یا زندگی سے دور؟" انہوں نے ایک نظر ہانی کے زرد پڑتے چہرے پہ ڈالی۔

"میری بیوی ہے وہ..... اگر میں اس کا یہاں رہنا مناسب نہیں سمجھتا تو جہاں میری مرضی ہو گی وہاں اسے رکھوں گا۔ آپ کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔"

"مجھے نہیں ہے.... مگر اس کی مرضی تو پوچھ لو.... یہ جانا بھی چاہتی ہے یا نہیں؟"

"اس کی مرضی کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے.... اور ویسے بھی میں اسے کسی جنگل میں چھوڑ کے نہیں آؤں گا نہ لاوارث.... ہر دوسرے تیسرے دن اس سے ملنے جاؤں گا۔"

"دوسرے تیسرے دن؟" وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

جبکہ ام ہانی کا زرد رنگ اب مارے دہشت کے سفید پڑ گیا۔

"یہ وہاں اکیلی رہے گی؟ ملازموں کے آسرے پہ؟"

"نہیں ابھی فی الحال کوئی ملازم نہیں ہو گا وہاں.... مجھے ام ہانی کے معاملے میں کسی پہ بھی بھروسا نہیں۔"

"سالار تم پاگل ہو چکے ہو.... تمہیں اس سے محبت کا دعوا ہے اور تم اسے نجانے کس ویرانے میں اکیلا چھوڑنے جا رہے ہو۔ اس دن کے لیے لائے تھے اسے۔"

"یہ وہاں میرے بغیر رہے گی تو اسے قدر ہو گی میری.... اور اس رشتے کی.... یہ احساس ہو گا کہ مرد کا تحفظ کیا ہوتا ہے۔"

"اس احساس اور قدر کی بجائے کاش تم نے اس کے دل میں محبت جگانے کی کوشش کی ہوتی.... اور محبت' محبت کے بدلے ہی جاگتی ہے سالار.... میں تمہیں یہ پاگل پن نہیں کرنے دوں گی۔"

"آپ مجھے نہیں روک سکتیں چلو ام ہانی۔" مگر ہانی کے پیر گویا فرش پہ جم کے رہ گئے تھے۔ آخر سالار نے اس کا بازو پکڑا اور گھسیٹتا ہوا لے گیا۔

"سالار...." اماں نے اسے روکنا چاہا۔

مگر وہ ام ہانی کو کسی بے جان سامان کی طرح بنا پیچھے مڑ کے دیکھے گھسیٹتا لے جا رہا تھا۔ اور وہ.... وہ مڑ مڑ کے پیچھے ہی دیکھتی جا رہی تھی۔ خاموش نظروں میں مدد کی اپیل لیے....

"ام ہانی...."

اماں نے جب دیکھا کہ سالار نہ رکے گا نہ ہی ان کی کسی پکار پہ کان دھرے گا۔ تو وہ پیچھے پیچھے ہانپتی کانپتی آئیں اور ام ہانی سے ہی کہنے لگیں۔

"سنو بیٹا.... یہ تمہاری زندگی ہے۔ اسے کسی نفسیاتی مریض کی جنونی محبت کے بھینٹ نہ چڑھنے دو۔ تم بے آسرا نہیں ہو.... تم لاوارث نہیں ہو.... میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی.... مگر وہ تو کر سکتے ہیں.... تمہارے اپنے.... تمہارے میکے والے ان سے کہو بیٹا.... یوں چپ چاپ ظلم برداشت کرنا گناہ ہے.... مت برباد ہونے دینا خود کو...."

سالار نے جب تک اسے گاڑی کی اگلی نشست پہ دھکیل کے زور سے دروازہ بند نہیں کر دیا۔ اماں کی آواز اس کے کانوں تک آتی رہی۔

"کیسے اماں؟ کیسے مدد کے لیے پکاروں اپنوں کو۔" وہ بے بس خاموش نظروں سے شیشے کے پار کھڑی اماں کو دیکھتی رہی اور سوچتی رہی جو اب تک ہاتھ ہلا ہلا کے بے قراری سے اسے کچھ کہہ رہی تھیں۔

"کیسے ان کے پاس لوٹ جاؤں.... خود اپنے قدموں پہ چل کے آئی ہوں.... صرف اپنوں کو دکھ دینے سے بچنے کے لیے اگر وہاں جاتی ہوں تو سعد.... سعد مجھے پھر سے امتحان میں ڈال دے گا.... یہاں رہ کے تو میں نے خود ایک تکلیف سے گزرنا ہے مگر وہاں.... وہاں میری وجہ سے ثانیہ ایک ایسی تکلیف سے گزرے گی جو میں اسے نہیں دینا چاہتی۔" سالار گاڑی تیزی سے آگے بھگائے جا رہا تھا۔ اور اس تیزی سے ام ہانی کا دماغ سوچے جا رہا تھا۔

"ہاں.... میں تب تک واپس حویلی نہیں لوٹ سکتی جب تک سعد' ثانیہ سے شادی نہیں کر لیتا.... اور وہ دونوں اپنی زندگی شروع نہیں کر دیتے.... اس حویلی اس شہر اور اس ملک سے دور.... تب تک میں اپنا سایہ بھی وہاں پڑنے نہیں دوں گی.... مگر تب تک؟ تب

تک کیا مجھے اسی دہشت اور خوف کے سائے میں رہنا ہو گا۔" اس نے نظر اٹھا کے سالار کی جانب دیکھا جو ہونٹ بھینچے تیز رفتار سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔

"سنو بیٹا... یہ تمہاری زندگی ہے... اسے کسی نفسیاتی مریض کی جنونی محبت کے بھینٹ نہ چڑھنے دو..." اس کے کانوں میں اماں کی آخری ہدایت گونجی۔

"یوں چپ چاپ ظلم برداشت کرنا گناہ ہے... مت برباد ہونے دینا خود کو۔"

"ہاں... میں بھی اپنی زندگی ضائع نہیں ہونے دوں گی۔ یہ زندگی کو خدا کا دیا ایک تحفہ ہے۔ ایک امانت ہے۔ جب تک خدا نے سانس دی ہے... آزادی سے سانس لوں گی... میں نے کوئی گناہ' کوئی جرم نہیں کیا جس کے نتیجے میں میرے سالار جیسے شخص کو بطور سزا بھگتنا پڑے۔"

اس کے ٹوٹے ہوئے شکستہ وجود میں یکایک حوصلے اور امید کی جوت جاگی۔

☼ ☼ ☼

اماں کو اور کچھ نہ سوجھا تو رضوان صاحب کو فون کر کے سب احوال سنایا۔

"آپ کی بچی ہے... آپ ہی بچا سکتے ہیں اسے... میرا سالار پہ کوئی زور نہیں... مگر خدا کے لیے بے آسرا نہ چھوڑیں ام ہانی کو... بہت بڑی غلطی کی آپ نے اسے واپس یہاں بھیج کے اب بھی وقت ہے۔ اس غلطی کو سدھار لیں اور اسے حفاظت کے ساتھ لے آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے۔"

رضوان صاحب صدمے سے نڈھال سے ہو گئے اور اس وقت کو کوسنے لگے جب انہوں نے آنکھوں پہ مصلحت کی پٹی باندھ کے خاموشی سے ام ہانی کو سالار کے ساتھ جانے دیا تھا' تب انہیں لگا تھا شاید حالات کا تقاضا یہی ہے اور اسی سے ماحول سازگار ہو جائے گا۔ کچھ نائلہ کی باتوں کے زیر اثر بھی تھے کہ ام ہانی کی وجہ سے سعد پھر سے اسی دور میں... اسی جذباتیت میں لوٹ رہا تھا اور اب وہ اس کی کھولن نائلہ کے سامنے نکال رہے تھے۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ نائلہ تمہاری بے حسی اور خود غرضی کی وجہ سے۔"

"وہ اپنی مرضی سے گئی ہے رضوان۔"

"بس کرو... سب جانتے ہیں اس کی مرضی کا رخ اس جانب کس نے موڑا تھا... یہ تم تھیں نائلہ... پہلے بھی تم تھیں۔ اب بھی تم... پہلے تم نے صرف میرے بیٹے سعد کا دل دکھایا اور اب ہانی کی زندگی کی بربادی کی ذمے دار بھی تم ہو۔ تم نے اسے کبھی بیٹی نہیں سمجھا... مگر وہ تو تمہیں ماں کی جگہ دیتی تھی... کم از کم یہ احساس ہی کر لیتیں..."

"آپ... آپ فکر نہ کریں لے آئیں اسے واپس... میں خود آپ سے کہہ رہی ہوں۔ جائیے اسے لے آیئے۔ مجھے اب کوئی اعتراض نہیں اس کے لوٹنے پہ۔"

"تمہارے اعتراض کی پروا میں ویسے بھی کرنے والا نہیں ہوں... مگر مسئلہ یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا... سالار اس وقت اسے لے کر کہاں گیا ہے۔ اس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا... اگر اسے کچھ ہوا نائلہ تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا... بلکہ شاید تم اپنے بیٹے کے دل سے بھی اپنا مقام کھو دو گی۔" نائلہ رو پڑیں۔

"ایسا نہ کہیں... سعد کے علاوہ میری زندگی میں ہے کون' میں خود غرض نہیں ہوں رضوان... اپنی جانب سے تو میں نے تب بھی سعد کا بھلا سوچا تھا۔ مجھے لگا' کم عمری کا ابال ہے شادی کے بعد اتر جائے گا تو دو دو زندگیاں برباد ہوں گی اور اس وقت تو ویسے بھی ام ہانی خود کہیں اور شادی کرنا چاہتی تھی۔ رہا اب کا سوال تو اب بھی میں نے خود غرضی نہیں دکھائی' نہ بے حسی... آپ خود سوچیں ایک باپ اپنی بیٹی کو لے کر ہمارے ہاں آیا ہے۔ سات سمندر پار سے... اسے ہمارے بیٹے سے بیاہنے' ایسے بیٹے سے جس نے خود اس لڑکی کو خواب دکھائے۔ وعدے کیے اور اب جب آدھی دنیا جانتی ہے کہ ان کی شادی ہونے والی ہے تو سعد

اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کے ام ہانی سے۔۔۔ آپ
سمجھتے کیوں نہیں خود غرض نہیں ہوں میں۔۔۔ اگر میں
نے ام ہانی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو ثانیہ کو بھی تو
زیادتی سے بچایا ہے۔"

"میرے ساتھ کوئی زیادتی ہونے نہیں جا رہی تھی
آنٹی۔" ثانیہ نے وہاں آتے ہوئے وضاحت کی۔

"اور میں نے یہ شادی نہ کرنے کا اور واپس جانے کا
فیصلہ کسی دباؤ میں نہیں کیا۔۔۔ خود کیا ہے۔ کیونکہ میں
جان گئی تھی۔ سعد کی خوشی اور محبت دونوں ام ہانی ہے
۔۔۔ آنٹی محبت اور خوشی دونوں ہی بہت مشکل سے ملتی
ہیں۔۔۔ اگر کسی کو مل رہی ہو تو اس کے راستے میں
نہیں آنا چاہیے۔"

"لیکن ثانیہ تم بھی تو سعد کو چاہتی ہو۔ اپنا کیوں
نہیں سوچ رہیں تم۔۔۔ اور آخر سعد نے تم سے وعدہ کیا
ہے۔"

"چاہتی ہوں۔۔۔ اسی لیے دل سے کہا اسے کہ وہ ام
ہانی کو اپنا لے۔ جسے چاہا جاتا ہے آنٹی اس کی چاہت کو
بھی چاہا جاتا ہے اور رہا وعدہ تو کوئی بھی وعدہ کسی کے دل
سے بڑھ کے نہیں ہوتا۔۔۔ وعدے ٹوٹنے کے لیے
ہوتے ہیں۔ دل نہیں۔۔۔ دل کو نہیں ٹوٹنا چاہیے۔"

نائلہ چپ چاپ اسے دیکھے گئیں۔

وہ آہستہ سے چل کے ان کے پاس آئی اور اس
آہستگی سے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگی۔

"سعد گیا ہے انہیں لینے اور وہ لے آئے گا۔"

☆ ☆ ☆

ابو بتا چکے تھے کہ اماں کے مطابق وہ کچھ نہیں
جانتیں کہ سالار اسے لے کر کہاں گیا ہے۔ پھر بھی میں
سیدھا وہیں گیا۔۔۔ آخر اس تک پہنچنے کے لیے کوئی
سراغ تو چاہیے تھا مجھے اور پھر سالار دو گھنٹے کے اندر
اندر اسے دنیا کے کس کونے میں لے جا سکتا ہے۔

"وہ یہیں کہیں ہو گی وہ اسے۔۔۔ یہیں کہیں۔۔۔ میں
اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔۔۔ سالار اسے مجھ سے کب تک
دور رکھے گا۔" خود کو تسلیاں دیتے۔۔۔ حوصلہ جگاتے
اور امید کی شمعیں جلاتے میں وہاں پہنچ گیا۔

اس بڑے سے مکان میں داخل ہوتے ہی نجانے
کیوں مجھے دلدوز چیخوں کی آواز جا بجا سنائی دینے
لگیں۔ ام ہانی کی چیخوں کی۔۔۔ در و دیوار سے ٹپکتی
نحوست نوحے کر رہی تھی۔ یہ ام ہانی پہ ہونے والے
ستم کے بین تھے۔ فضا میں ایک ناگوار بدبو پھیلی تھی۔
سالار کے متعفن کردار کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔
شاید ہر جگہ سے۔

☆ ☆ ☆

سالار نے سڑک کے عین درمیان اچانک بریک
لگائی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔۔۔ اور ادھر ادھر دیکھنے
لگی۔ سنسان سڑک تھی۔

دور تک بل کھاتی جاتی۔۔۔

اور دائیں بائیں لہراتے کھیت۔۔۔

دور دور تک کسی آبادی کے نشان نہیں تھے۔
ماسوائے کھیتوں کے بیچ بنیں اکا دکا کچی کوٹھڑیوں کے
۔۔۔ جو یقیناً "کسانوں کے" دن کے وقت ستانے کے
لیے تھیں۔۔۔ یا اناج کے ذخیرے کے لیے۔۔۔ مگر اب تو
سورج ڈھلا ہی چاہتا تھا۔۔۔ یقیناً" کسان کب کے اپنے
اپنے گھروں کو سدھار چکے ہوں گے۔

"جلدی میں نکلتے ہوئے پیٹرول چیک کرنا بھی یاد
نہیں رہا۔"

سالار بڑبڑاتے ہوئے گاڑی سے اترا اور کمر پہ ہاتھ
رکھ کے سامنے نظر جما کے دیکھنے لگا۔ جہاں دور سے
کوئی سائیکل چلی آرہی تھی۔

خاموشی میں اس سائیکل کی گھنٹی بھی غنیمت تھی۔
سائیکل سوار کے نزدیک آنے پہ سالار نے اس سے
دریافت کیا۔

"یہاں قریب کوئی پیٹرول پمپ ہے؟"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر کے فاصلے پر ہے
صاحب۔"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر؟"

سالار پریشانی سے بڑبڑا کے رہ گیا۔۔۔ اور مڑ کے ام

ہانی کو دیکھنے لگا مگر ہانی کو اب اس کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا جیسے۔

وہ لاتعلقی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ سائیکل سوار اپنے راستے جا چکا تھا۔

"گاڑی میں پیٹرول ختم ہو گیا ہے۔" سالار نے ادھ کھلے شیشے میں جھانک کر اس سے کہا۔ وہ تب بھی بے تاثر انداز میں سامنے دیکھتی رہی۔ جیسے اسے پیٹرول کے ہونے نہ ہونے سے ہی نہیں خود سالار کے بھی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

"مجھے پیٹرول لینے خود جانا ہو گا کچھ وقت لگے گا تم پریشان نہ ہونا۔"

اس پہ ام ہانی نے بالآخر اس کے چہرے پہ نظر ڈال ہی لی۔ اور اس نظر میں وہ سب تھا.... جو وہ کہنا چاہتی تھی۔ شاید یہ کہ....

"تمہیں میری پریشانیوں کی پروا ہے؟ تمہیں جو مجھے جھولی بھر بھر کے تکلیف دیتے ہو؟" یا پھر یہ کہ....

"ہاں چلے جاؤ مجھے تمہارے نہ ہونے سے نہیں تمہارے اپنے قریب ہونے سے وحشت ہوتی ہے۔"

سالار بھی ان نظروں سے جھلس جھلس کے نکلتے پیغامات شاید بھانپ گیا تھا۔

اس بار نظر چرانے کی باری اس کی تھی۔

"تم لاک کر لو.... میں آتا ہوں.... ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اگر راستے میں کوئی سواری مل گئی تو جلدی بھی آسکتا ہوں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ اسے جاتا دیکھتی رہی.... بس دل تھا.... جو مسلسل دعا میں مانگ رہا تھا کہ کاش کس طرح وہ اس کی زندگی سے بھی ایسے ہی قدم بہ قدم چلتا اتنا دور چلا جائے کہ کبھی واپس نہ آسکے۔

☆ ☆ ☆

"میں واقعی کچھ نہیں جانتی کہ وہ اسے کہاں لے کر گیا ہو گا۔"

اماں بے بسی سے کہہ رہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہی ہوں گی.... پھر بھی میں نے دوبارہ سوال کیا۔

"مگر پھر بھی کچھ تو اندازہ ہو گا۔"

"نہیں.... ہوتا تو میں اب تک خود وہاں پہنچ چکی ہوتی مگر میں ایک بوڑھی بیمار عورت ہوں تم تو کوشش کر کے پتا لگا سکتے ہو اس کا.... صبح سالار کے دفتر جا کے پتا کرو.... وہ وہاں تو آئے گا ہی اور بالفرض اس نے اپنا تبادلہ کہیں اور کرا لیا ہے تو وہ بھی دفتر سے ہی پتا چل جائے گا۔"

"مگر اس کے لیے تو کل کا انتظار کرنا ہو گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"صبح تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔" میرے دل میں ہزاروں سوسے جاگ چکے تھے۔

"کوشش تو کرنا ہو گی سعد.... اس تک پہنچنا ضروری ہے.... سالار کی ذہنی حالت دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے.... وہ ام ہانی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اور کتنا نقصان پہنچائے گا۔ اب تک اس کے ساتھ جو کچھ کر چکا ہے۔ وہ کم ہے؟" میں چیخ گیا۔

"ابھی بھی وقت ہے.... اسے تمہاری ضرورت ہو گی نہ جانے اکیلے میں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا.... اور ابھی بھی کیا خبر وہ کس حال میں...."

"نہیں، نہیں...." میں تڑپ اٹھا۔

آن ہی آن میں جیسے میرے اندر ہزاروں نشتر چبھ گئے تھے۔

"میں اسے واپس لے آؤں گا.... کہیں سے بھی.... جہاں بھی سالار اسے لے کر گیا ہے.... میں اسے سالار کے رحم و کرم پہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"اس کا کوئی ایسا قریبی دوست نہیں ہے۔ جس سے اس کے بارے میں پوچھا جا سکے.... سوائے اس کے دفتر سے اور کہیں سے بھی خبر نہیں مل سکتی.... تمہیں صبح تک کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"صبح تک کا؟" میں تکلیف سے کراہا۔

"صبح تک پتا نہیں اس پہ کیا کیا گزر چکی ہو گی۔"

اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کے ام ہانی سے... آپ سمجھتے کیوں نہیں خود غرض نہیں ہوں میں... اگر میں نے ام ہانی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو تانیہ کو بھی تو زیادتی سے بچایا ہے۔"

"میرے ساتھ کوئی زیادتی ہونے نہیں جارہی تھی آنٹی۔" تانیہ نے وہاں آتے ہوئے وضاحت کی۔

"اور میں نے یہ شادی نہ کرنے کا اور واپس جانے کا فیصلہ کسی دباؤ میں نہیں کیا... خود کیا ہے۔ کیونکہ میں جان گئی تھی۔ سعد کی خوشی اور محبت دونوں ام ہانی ہے... آنٹی محبت اور خوشی دونوں ہی بہت مشکل سے ملتی ہیں... اگر کسی کو مل رہی ہو تو اس کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔"

"لیکن تانیہ تم بھی تو سعد کو چاہتی ہو۔ اپنا کیوں نہیں سوچ رہیں تم... اور آخر سعد نے تم سے وعدہ کیا ہے۔"

"چاہتی ہوں... اسی لیے دل سے کہا اسے کہ وہ ام ہانی کو اپنالے۔ جسے چاہا جاتا ہے آنٹی اس کی چاہت کو بھی چاہا جاتا ہے اور رہا وعدہ تو کوئی بھی وعدہ کسی کے دل سے بڑھ کے نہیں ہوتا... وعدے ٹوٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔ دل نہیں... دل کو نہیں ٹوٹنا چاہیے۔"

نائلہ چپ چاپ اسے دیکھے گئیں۔

وہ آہستہ سے چل کے ان کے پاس آئی اور اس آہستگی سے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگی۔

"سعد گیا ہے انہیں لینے اور وہ لے آئے گا۔"

✡ ✡ ✡

ابو بتا چکے تھے کہ اماں کے مطابق وہ کچھ نہیں جانتیں کہ سالار اسے لے کر کہاں گیا ہے۔ پھر بھی میں سیدھا وہیں گیا... آخر اس تک پہنچنے کے لیے کوئی سراغ تو چاہیے تھا مجھے اور پھر سالار دو گھنٹے کے اندر اندر اسے دنیا کے کس کونے میں لے جاسکتا ہے۔

"یہیں کہیں ہوگی وہ اسے... یہیں کہیں... میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا... سالار اسے مجھ سے کب تک دور رکھے گا۔" خود کو تسلیاں دیتے... حوصلہ جگاتے

اور امید کی شمعیں جلاتے میں وہاں پہنچ گیا۔

اس بڑے سے مکان میں داخل ہوتے ہی نجانے کیوں مجھے دلدوز چیخوں کی آواز جابجا سنائی دینے لگیں۔ ام ہانی کی چیخوں کی... در و دیوار سے ٹپکتی نحوست نوحے کررہی تھی۔ یہ ام ہانی پہ ہونے والے ستم کے بین تھے۔ فضا میں ایک ناگوار بدبو پھیلی تھی۔ سالار کے متعفن کردار کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ شاید ہر جگہ سے۔

✡ ✡ ✡

سالار نے سڑک کے عین درمیان اچانک بریک لگائی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی... اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سنسان سڑک تھی۔

دور تک بل کھاتی جاتی...

اور دائیں بائیں لہراتے کھیت...

دور دور تک کسی آبادی کے نشان نہیں تھے۔ ماسوائے کھیتوں کے بیچ بنی اکا دکا کچی کوٹھڑیوں کے... جو یقیناً" کسانوں کے دن کے وقت ستانے کے لیے تھیں... یا اناج کے ذخیرے کے لیے... مگر اب تو سورج ڈھلا ہی چاہتا تھا... یقیناً" کسان کب کے اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکے ہوں گے۔

"جلدی میں نکلتے ہوئے پیٹرول چیک کرنا بھی یاد نہیں رہا۔"

سالار بڑبڑاتے ہوئے گاڑی سے اترا اور کمر پہ ہاتھ رکھ کے سامنے نظر جما کے دیکھنے لگا۔ جہاں دور سے کوئی سائیکل چلی آرہی تھی۔

خاموشی میں اس سائیکل کی گھنٹی بھی غنیمت تھی۔

سائیکل سوار کے نزدیک آنے پہ سالار نے اس سے دریافت کیا۔

"یہاں قریب کوئی پیٹرول پمپ ہے؟"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر کے فاصلے پر ہے صاحب۔"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر؟"

سالار پریشانی سے بڑبڑا کے رہ گیا... اور مڑ کے ام

ہانی کو دیکھنے لگا مگر ہانی کو اب اس کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا جیسے۔

وہ لاتعلقی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ سائیکل سوار اپنے راستے جا چکا تھا۔

"گاڑی میں پیٹرول ختم ہو گیا ہے۔" سالار نے ادھ کھلے شیشے میں جھانک کر اس سے کہا۔ وہ تب بھی بے تاثر انداز میں سامنے دیکھتی رہی۔ جیسے اسے پیٹرول کے ہونے نہ ہونے سے ہی نہیں خود سالار کے بھی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

"مجھے پیٹرول لینے خود جانا ہو گا کچھ وقت لگے گا تم پریشان نہ ہونا۔"

اس پہ ام ہانی نے بالآخر اس کے چہرے پہ نظر ڈال ہی لی۔ اور اس نظر میں وہ سب تھا.... جو وہ کہنا چاہتی تھی۔ شاید یہ کہ....

"تمہیں میری پریشانیوں کی پروا ہے؟ تمہیں جو مجھے جھولی بھر بھر کے تکلیف دیتے ہو؟" یا پھر یہ کہ....

"ہاں چلے جاؤ مجھے تمہارے نہ ہونے سے نہیں تمہارے اپنے قریب ہونے سے وحشت ہوتی ہے۔"

سالار بھی ان نظروں سے جھلس جھلس کے نکلتے پیغامات شاید بھانپ گیا تھا۔

اس بار نظر چرانے کی باری اس کی تھی۔

"تم لاک کر لو.... میں آتا ہوں.... ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اگر راستے میں کوئی سواری مل گئی تو جلدی بھی آسکتا ہوں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ اسے جاتا دیکھتی رہی.... بس دل تھا.... جو مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا کہ کاش کس طرح وہ اس کی زندگی سے بھی ایسے ہی قدم بہ قدم چلتا اتنا دور چلا جائے کہ کبھی واپس نہ آسکے۔

✲ ✲ ✲

"میں واقعی کچھ نہیں جانتی کہ وہ اسے کہاں لے کر گیا ہو گا۔"

اماں بے بسی سے کہہ رہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہی ہوں گی.... پھر بھی میں نے دوبارہ سوال کیا۔

"مگر پھر بھی کچھ تو اندازہ ہو گا۔"

"نہیں.... ہوتا تو میں اب تک خود وہاں پہنچ چکی ہوتی مگر میں ایک بوڑھی بیمار عورت ہوں تم تو کوشش کر کے پتا لگا سکتے ہو اس کا.... صبح سالار کے دفتر جا کے پتا کرو.... وہ وہاں تو آئے گا ہی اور بالفرض اس نے اپنا تبادلہ کہیں اور کرا لیا ہے تو وہ بھی دفتر سے ہی پتا چل جائے گا۔"

"مگر اس کے لیے تو کل کا انتظار کرنا ہو گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"صبح تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔" میرے دل میں ہزاروں سوسے جاگ چکے تھے۔

"کوشش تو کرنا ہو گی سعد.... اس تک پہنچنا ضروری ہے.... سالار کی ذہنی حالت دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے.... وہ ام ہانی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اور کتنا نقصان پہنچائے گا۔ اب تک اس کے ساتھ جو کچھ کر چکا ہے۔ وہ کم ہے؟" میں چیخ گیا۔

"ابھی بھی وقت ہے.... اسے تمہاری ضرورت ہو گی نہ جانے اکیلے میں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا.... اور ابھی بھی کیا خبر وہ کس حال میں....."

"نہیں نہیں...." میں تڑپ اٹھا۔

آن ہی آن میں جیسے میرے اندر ہزاروں نشتر چبھ گئے تھے۔

"میں اسے واپس لے آؤں گا.... کہیں سے بھی.... جہاں بھی سالار اسے لے کر گیا ہے.... میں اسے سالار کے رحم و کرم پہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"اس کا کوئی ایسا قریبی دوست نہیں ہے جس سے اس کے بارے میں پوچھا جا سکے.... سوائے اس کے دفتر سے اور کہیں سے بھی خبر نہیں مل سکتی۔ تمہیں صبح تک کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"صبح تک کا؟" میں تکلیف سے کراہا۔

"صبح تک پتا نہیں اس پہ کیا کیا گزر چکی ہو گی۔"

میں تصور کر کے ہی گھبرا اٹھا۔

☆ ☆ ☆

پچھلے تیس منٹ سے وہ گاڑی میں بیٹھی خالی خالی نظروں سے سڑک کو دیکھے جا رہی تھی۔۔۔ جس پہ کچھ منٹ کے وقفے وقفے سے کبھی کوئی بس کوئی ٹرک گزر کے اسے احساس دلاتا کہ وہ اس سیارے پہ موجود ہے۔

شام کے سائے سورج کے غروب ہوتے ہی "آنا" فانا" پھیل سے گئے تھے۔ اب وقت گزارنے کے لیے اس نے نیا مشغلہ ڈھونڈ لیا تھا۔۔۔ دور سے آتی کسی بھی گاڑی، بس یا ٹرک کی ہیڈ لائٹس پہ نظریں جمائے وہ اس روشنی کو قریب سے قریب تر ہوتے دیکھتی رہتی۔

اس بار جو روشنی سڑک کے دوسری جانب سے بڑھتی نظر آ رہی تھی۔۔۔ وہ باقی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کے مقابلے میں بہت مدھم اور ملگجی سی تھی اور فقط ایک ہی تھی۔ اس پہ اس کی رفتار بھی خاصی کم تھی۔

کافی منٹ گزرنے کے بعد جب وہ روشنی مزید قریب آئی تو ام ہانی کو اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بس یا ٹرک نہیں۔۔۔ ایک بیل گاڑی تھی۔ جس پہ ایک سے زیادہ افراد سوار تھے۔۔۔ اور وہ روشنی اس بیل گاڑی میں سوار کسی شخص کے ہاتھ میں رکھی لالٹین سے پھوٹ رہی تھی۔

کچھ اور نزدیک آنے پر کھلا۔۔۔ بیل گاڑی میں ایک مرد ایک عورت اور شاید دو یا ایک بچے بھی تھے۔۔۔ بیل کے گلے سے بندھی گھنٹی ایک ردھم کے ساتھ بجتی سکوت کو توڑ رہی تھی۔

پھر ام ہانی اس منظر سے بھی اکتا گئی اور سست روی سے قریب آتی بیل گاڑی سے توجہ ہٹا کے دائیں جانب دیکھنے لگی۔ چند منٹ بعد اسی دائیں جانب سے اس کے عین سامنے سے یہ بیل گاڑی گزر رہی تھی۔

"ہانی بی بی۔۔۔" کوئی زور سے چلایا تھا۔

بڑی آشنا سی آواز۔

وارفتگی سے بھرپور۔

ہانی بے ساختہ نظر اٹھا کے رہ گئی۔

بیل گاڑی میں سوار وہ سلمیٰ تھی۔۔۔ ہاتھ میں لالٹین اٹھائے۔۔۔ بے یقینی اور خوشی کے ملے جلے امتزاج کے ساتھ اسے دیکھتی اور مسرت سے بھرپور لہجے میں کہتی۔

"خدا بخش۔۔۔ روکو۔۔۔ روکو میں کہہ رہی ہوں۔" اور بیل گاڑی کے رکتے ہی کود کے نیچے اتری۔۔۔

"ہانی بی بی۔۔۔ میں، میں سلمیٰ۔" وہ بے تابی سے پاس آئی۔

"نہیں پہچانا؟"

"سلمیٰ۔۔۔؟"

ہانی ایک دم گاڑی سے باہر نکلی اور اس سے لپٹ کے رو دی۔

"تمہیں کیسے نہیں پہچانوں گی سلمیٰ میں تو بس حیران تھی۔ کوئی اپنا کیسے نظر آ گیا اسی جلاوطنی میں۔"

"جلاوطنی؟ کیا مطلب، میں سمجھی نہیں ہانی بی بی۔"

وہ خود سے لپٹی ام ہانی کو زار و قطار روتے دیکھ کے بھی کچھ حواس باختہ ہو رہی تھی۔

ظاہر ہے یہ آنسو محض اس کے اچانک ملنے پہ خوشی کے مارے تو نہیں بہہ سکتے تھے۔

ایک عمر تو سلمیٰ نے بھی گزار دی تھی۔ خوشی کے آنسوؤں اور دکھ کے آنسوؤں میں تمیز کر سکتی تھی وہ بخوبی۔

"ہانی بی بی آپ کیوں روئے جا رہی ہیں۔" وہ خود بھی روہانسی ہو گئی۔

"عرصے بعد تو کسی کا کاندھا ملا ہے رونے کے لیے سلمیٰ۔۔۔ اکیلے رو رو کے تھک چکی ہوں اور اب نجانے کتنی عمر تک اور اکیلے ہی رونا ہے کچھ آنسو تو مجھے اپنے کاندھے پہ بہا لینے دو۔۔۔ رو لینے دو اپنے گلے لگ کے۔"

"ہائے ہائے روئیں آپ کے دشمن۔ اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہی ہیں۔۔۔ میرا دل ہول رہا ہے بی بی۔"

"سلمیٰ۔" بیل گاڑی پہ بیٹھے شخص نے اسے پکارا تو سلمیٰ کو ہوش آیا کہ وہ سب اس وقت بیچ سڑک پہ

کھڑے ہیں۔

"ہانی بی بی۔۔۔ یہ خدا بخش۔۔۔ میرا بندہ ہے جی۔۔۔ اور یہ میرے بچے۔" ہانی آہستگی سے اس سے الگ ہوئی اور آنسو صاف کرتے ہوئے، بچوں کی جانب دیکھا۔

"دونوں؟"

"ہاں جی۔۔۔ اور تیسرا بھی آنے والا ہے خیر سے۔"

وہ ذرا سا شرما کے بولی۔

"آپ کہتی تھیں نا' ہانی بی بی کہ محبت اور زندگی ایک بار ملتی ہے اور اسے پانے کا موقع تو کبھی کبھی ایک بار بھی نہیں ملتا۔۔۔ اس لیے اگر آج مل رہا ہے تو اسے نہ گنواؤ۔۔۔ میں نے آپ کی بات گرہ سے باندھی۔۔۔ اور پالی اپنی خوشی۔"

ام ہانی بے دھیانی سے اس کی باتیں سنتی پیچھے مڑ مڑ کے دیکھ رہی تھی۔

سلمٰی نے اس کے ہاتھوں میں جھولتے موٹے موٹے سونے کے کنگن چھوتے ہوئے پوچھا۔

"ہانی بی بی آپ نے شادی کرلی۔"

"ہو گئی۔" ہانی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"وہی۔۔۔"

سلمٰی خاک نہ سمجھی اس سادگی سے سر ہلا دیا۔

"نہیں، بہت فرق ہے سلمٰی کرنے اور ہونے میں' میں نے تمہیں بالکل ٹھیک کہا تھا سلمٰی۔۔۔ محبت زندگی میں ایک ہی بار ملتی ہے اور اسے پانے کا موقع کبھی کبھی ایک بار بھی نہیں ملتا۔۔۔ مجھے بھی نہیں ملا۔" اس کے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔

"کیا ہوا ہانی بی بی۔۔۔"

"لیکن خدا ڈوبنے والے کو ایک موقع ضرور دیتا ہے۔ چاہے تنکے کی صورت میں ہی سہی۔۔۔ تم میرے لیے وہی تنکا ہو سلمٰی۔"

ہانی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیے۔

اچانک ہی یہ خیال اس کے ذہن میں آیا تھا۔

"تم مجھے ڈوبنے سے بچا سکتی ہو سلمٰی۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

"حاضر بی بی۔۔۔ جان بھی دے دوں آپ کے لیے۔" سلمٰی کے الفاظ محض الفاظ نہیں تھے۔ اس کے لہجے کی سچائی ظاہر ہو رہی تھی۔

"مجھے تمہاری جان نہیں چاہیے۔۔۔ مجھے تو اپنی جان بچانی ہے۔ محبت کھو دی ہے، مگر اپنی عزت نفس اور انا نہیں کھوؤں گی۔ نہیں رہنا مجھے کسی کے پیروں تلے نہیں لینی کسی کی مٹھی میں قید ہو کے مانگی ہوئی سانسیں۔۔۔ خودکشی حرام ہے تو اس طرح پل پل جینا بھی حرام ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو سلمٰی۔۔۔ میں حرام موت نہیں مرنا چاہتی' میں بے بسی کی زندگی بھی نہیں چاہتی مجھے کہیں بھی لے چلو بس یہاں سے دور۔"

"میرا غریب خانہ حاضر ہے بی بی۔۔۔ چلیں۔۔۔" سلمٰی نے مزید کسی سوال میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑا اور بیل گاڑی کی جانب بڑھی۔

اس ثانیے میں ہانی کی توجہ سڑک کے اس پار سے بالکل ہٹ چکی تھی۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ دور سے پیٹرول کا ڈبا ہاتھ میں لیے آتا سالار اسے کسی اجنبی سے باتیں کرتا دیکھ کے اب تقریباً" بھاگتا ہوا اس جانب آرہا ہے۔

"ام ہانی۔" اس کے چلانے پہ ہانی نے بیل گاڑی میں سوار ہوتے ہوتے رک کر اسے دیکھا اور وہیں منجمد ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

میں جن مایوس قدموں اور جھکے ہوئے سر کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا اس کو دیکھتے ہی سب سمجھ گئے۔ کتنی ہی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ ابو کے شانے مزید ڈھلک گئے۔ ان کی پیشانی پہ ندامت اور امی کی آنکھوں میں پچھتاوے کے رنگ اور بھی گہرے ہو گئے۔

میں نے ایک نظر مہ پارہ پھوپھو کو دیکھا۔ ایک عمر گزارنے کے بعد آج ان کے نصیب کھلنے جارہے تھے، مگر ان کی آنکھوں میں خوشی کی رمق نہ تھی ہونٹوں پہ مسکراہٹ نہ تھی۔ چہرے پہ گلابی پن نہ

تھا۔ میں انہی مایوس قدموں کے ساتھ چلتا اپنے کمرے میں جا کے بند ہو گیا۔ اپنے عقب سے مجھے امی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔

"اللہ۔۔۔ مجھے معاف کرنا' بڑی کوتاہی ہو گئی مجھ سے۔"

☆ ☆ ☆

سالار بھاگتا ہوا اس کی طرف لپکا اور اسے بازو سے دبوچ لیا۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟"

"آپ سے دور۔۔۔" اس میں یکایک اتنی توانائی بھر آئی کہ وہ پوری شدت کے ساتھ خود کو اس سے چھڑانے لگی۔

"کیونکہ میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"کیا مطلب؟ کیوں نہیں رہ سکتیں؟" وہ چلایا تھا اور سلمٰی کا باپ کی گود میں اونگھتا ہوا بچہ ہڑبڑا کے جاگ گیا اور چیاؤں پیاؤں کر کے رونے لگا۔

"تم نے خود مجھے بلایا تھا ام ہانی کہ تم اب میرے ساتھ واپس گھر لوٹنا چاہتی ہو پھر اب تم کیسے اپنی بات سے مکر سکتی ہو۔"

"ہاں۔ کہا تھا میں نے۔۔۔ سب بھلا کے دوبارہ آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا' لیکن زندگی گزارنے کا سالار۔۔۔ زندگی برباد کرنے کا نہیں' میں رو رو کے سسک سسک کے نہیں جی سکتی' آپ کی بیمار ذہنیت کی تسکین نہیں بن سکتی' آپ کے تلخ ماضی کا خمیازہ نہیں بھگت سکتی' جو بھی آپ کے ساتھ ہوا اس میں کسی بھی طرح نہ ذمے دار ہوں نہ حصے دار' پھر سزا کیوں بھگتوں۔ مجھے آزادی چاہیے۔۔۔ آزادی۔"

وہ بھی اس کے انداز میں چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔

سالار تو سالار۔ شاید اس کے ساتھ عمر بتا دینے والی سلمٰی نے بھی اس سے قبل اس کی اتنی اونچی آواز اور یہ جارحانہ انداز نہیں دیکھے تھے۔ وہ بھی ششدر سی کھڑی یہ معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

جبکہ آس پاس سے گزرنے والے اکا دکا راہ گیر اب رک کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ ایک ویگن سے تو مسافر نیچے اتر اتر کے مجمع لگانے لگے تھے' مگر ہانی کو اب کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ وہ اسی طرح چلاتی رہی اور خود کو سالار کی گرفت سے نکالنے کے لیے زور لگاتی رہی۔

"سنا آپ نے۔ آزادی چاہیے مجھے۔ آپ سے۔ آپ کے پاگل پن سے۔"

"آزادی؟ مجھ سے؟" وہ پھنکارا۔

"اور اگر میں نہ دوں تو؟"

"تو میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی۔"

ہانی نے ایک جھٹکے سے خود کو اس سے آزاد کرا ہی لیا۔ یوں بھی سالار کے دوسرے ہاتھ میں اب تک پیٹرول سے بھری بوتل تھی اور غصے کی شدت سے اسے خود پہ خاطر خواہ کنٹرول بھی نہ ہو پا رہا تھا۔

"خلع لے لوں گی آپ سے۔ مذہب اور قانون دونوں مجھے یہ حق دیتے ہیں۔"

"میں تمہیں عدالت تک جانے کے قابل چھوڑوں گا تو تم یہ کرو گی۔ تمہارا دماغ تو میں ابھی درست کرتا ہوں۔ چلو میرے ساتھ ابھی سارا جوش ٹھنڈا کرتا ہوں۔" اس نے پیٹرول کی بوتل نیچے دھری اور اب اسے دوبارہ کھینچ کر گاڑی تک گھسیٹنے لگا۔ ام ہانی کے چلانے اور واویلا کرنے پہ کچھ تماش بین آگے بڑھنے ہی لگے کہ سالار نے انہیں خبردار کیا۔

"دور رہو۔ یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ بیوی ہے یہ میری۔ اگر کسی نے دخل دینے کی کوشش بھی کی تو۔۔۔" سلمٰی سے ام ہانی کا چلانا دیکھا نہ گیا اور وہ تو وعدہ بھی کر بیٹھی تھی اس کی مدد کرنے کا۔ اس کی خاطر جان تک دینے کا اسے بھلا کیا پروا ہو گی سالار کی دھمکیوں کی۔

"خدا بخش دیکھ کیا رہے ہو روکو اسے۔" اس نے اب تک خاموشی سے تماشا دیکھتے اپنے شوہر کو للکارا۔

"حویلی کا نمک صرف میں نے نہیں کھایا خدا بخش' تمہاری بھی نسلیں اس نمک کی قرض دار ہیں' اٹھو۔ ہانی بی بی آج سے ہماری ذمے داری ہیں۔" خدا بخش لاٹھی اٹھا کے بیل گاڑی سے کودا۔

"صاحب چھوڑو بی بی کو۔۔۔ ورنہ۔۔۔" سالار جو ام ہانی کو گھسیٹ کر زبردستی کار تک لے جانے کی تگ و دو کر رہا تھا رکا۔

"تمہاری اوقات ہے مجھے روکنے کی؟ جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ بی بی ہماری حویلی کی عزت ہیں' ہم نسلوں سے ان کے پرکھوں کے نمک خوار ہیں اور ہم نے ابھی ابھی ان کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا ہے۔"

"ہم ہانی بی بی کے لیے ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ کچھ بھی۔" سلمٰی بھی آگے بڑھ رہی تھی مگر اس کے قدم پھر وہیں رک گئے۔ کیونکہ سالار نے وہ ہاتھ جو ہانی کی کمر کے گرد حائل کر رکھا تھا وہ ہاتھ جیب میں ڈال کر اپنا ریوالور نکال کر ان پر تان لیا اس کے دوسرے ہاتھ کی گرفت میں ابھی تک ہانی کی کلائی دبی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر دو اپنی جان۔ تم اس کے لیے اپنی جان دے سکتے ہو تو میں اس کے لیے کئی جانیں لے بھی سکتا ہوں تم لوگ جانتے نہیں ہو مجھے۔ ابھی اسی وقت میں تم سب کو ختم کر سکتا ہوں۔"

خدا بخش کی تنی ہوئی لاٹھی نیچے ہو گئی۔ سلمٰی نے سہم کے بیل گاڑی میں بیٹھے اپنے دونوں بچوں کو دیکھا تب ہی ام ہانی اپنی کلائی سالار کی گرفت سے نکالنے میں کامیاب ہوئی اور تڑپ کے اس سے پرے ہٹی اس سے پہلے کہ سالار دوبارہ لپک کے اسے تھام لیتا ہانی زمین پہ رکھی پیٹرول کی بوتل اٹھا کے اس کا ڈھکن کھول چکی تھی۔

ایک لمحے کے لیے تو ریوالور تانے سالار اور دہشت زدہ کھڑے سلمٰی اور خدا بخش بھی نہ سمجھ پائے کہ وہ کیا کر رہی ہے اور جب ہانی نے پیٹرول کی بوتل اپنے سر پہ چھڑکنی شروع کی تو سالار چیخ اٹھا۔

"ام ہانی۔"

"اور اگر میں ابھی اسی وقت خود کو ختم کر لوں تو؟ پھر کیا کریں گے آپ۔۔۔"

✲ ✲ ✲

نائلہ جائے نماز بچھائے کب سے نفل پہ نفل پڑھے جا رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"یا اللہ۔۔۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے اسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔ اسے ہر بلا سے محفوظ فرمانا۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں خود کی نظروں سے گر جاؤں گی۔ یا اللہ۔۔۔ میری کوتاہی' میری خود غرضی معاف فرما' اس کی حفاظت فرما' اسے ساتھ خیریت کے واپس بھیج دے۔"

✲ ✲ ✲

"ہانی بی بی۔"

سالار سکتے کے عالم میں اسے خود پہ پیٹرول چھڑکتا دیکھ رہا تھا اس کا سکتہ سلمٰی کی چیخ سے ٹوٹا تو اس نے دیکھا سر سے پیر تک پیٹرول میں بھیگی ام ہانی اب بیل گاڑی پہ رکھی لالٹین اٹھا رہی تھی۔

"ہانی بی بی یہ کیا کر رہی ہیں آپ' واپس دیں اسے بی بی۔" سلمٰی نے اس سے لالٹین چھیننے کی کوشش کی' مگر ہانی اسے دھکے سے خود سے پرے کرتی اب جلتی لالٹین اپنے سر پہ تانے سالار کی مقابل کھڑی تھی۔

"اور اگر ابھی اسی وقت میں خود کو ختم کر لوں تو؟ تو کیا کریں گے آپ؟" سالار دنگ کھڑا اس کا یہ نیا روپ دیکھ رہا تھا۔ راہ گیروں میں بھنبھناہٹ سی ہونے لگی۔

"ہانی بی بی۔ پھینک دیں اسے۔" سلمٰی رو رو کے منت کر رہی تھی' مگر ہانی ہوش و حواس سے بیگانہ سالار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی انداز میں جلتی لالٹین اپنے پیٹرول سے بھیگے وجود پہ تانے قدم بہ قدم اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"بتائیے کیا کریں گے؟ میرے مردہ وجود کو کتنی دیر اپنی قید میں رکھیں گے میری لاش سے آنسو کیسے بہائیں گے؟ لاشیں تو رویا نہیں کرتیں پھر کیسے ملے گی تسکین آپ کو؟"

سالار کا ریوالور تانے ہوا ہاتھ دھیرے دھیرے نیچے گر گیا۔

☆ ☆ ☆

مجھے جیسے کسی نے بری طرح جھنجوڑ کے جگا ڈالا' ہڑبڑا کے میں نے چاروں طرف دیکھا۔ پتا ہی نہیں چلا کرسی پہ بیٹھے بیٹھے کب میری آنکھ لگ گئی تھی اپنی اس نیند پہ خود حیران ہوا' مجھے تو لگ رہا تھا پہاڑ جیسی رات شاید کبھی ختم ہی نہیں ہو گی صبح کی روشنی کا انتظار کرنے میں پتا نہیں کتنا جلانا ہو گا خود کو۔ پھر کیسے آگئی نیند؟ سو کیسے گیا میں؟

اور تب ہی مجھے وہ بھیانک خواب یاد آیا جس نے میری نیند کو نوچ ڈالا تھا۔ شاید یہ خواب دیکھنے کے لیے؟ میں گھبرا کے اٹھ گیا' میں وہ خواب یاد نہیں کرنا چاہتا تھا' مگر رہ رہ کے یاد آرہا تھا۔ بے بسی کے عالم میں' میں خدا کو پکار بیٹھا۔

"یا اللہ۔۔۔ اس رات کی تکلیف کو بڑھانے کے لیے فقط یہ احساس کافی تھا کہ وہ پتا نہیں اس وقت کس حال میں ہو گی اور صبح میں اسے ڈھونڈ بھی پاؤں گا یا نہیں۔ جان نکالنے کے لیے تو یہی وہم کافی تھا۔ اسی وسوسے پہ میں یہ ساری رات انگاروں پہ کاٹ سکتا تھا پھر ایسا خواب کیوں؟ یہ میری برداشت سے بہت آگے ہے۔ بہت۔۔۔ میں کمزور پڑ رہا ہوں میرے مولا۔۔۔ میرا سینہ پھٹ جائے گا اس بھیانک جان لیوا خواب کی ہر پرچھائیں میری یادداشت سے دور فرما دے۔ تجھے اپنی رحمت کا واسطہ۔ تو جانتا ہے۔۔۔ میں تصور میں بھی اسے اس اذیت کے عالم میں نہیں دیکھ سکتا۔"

میں سسک سسک کے رو دیا۔ عرصے بعد رو دیا۔

☆ ☆ ☆

"میں وہ ام ہانی نہیں ہوں سالار' میں کچھ بھی کر جاؤں گی آزادی کے لیے کچھ بھی۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتیں ہانی۔" سالار گھبرا اٹھا۔

"یہ خودکشی ہے۔ حرام ہے یہ۔" اس کی بات پہ ام ہانی کے لبوں پہ ایک زہریلی طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

"آپ سکھائیں گے مجھے حرام اور حلال کا فرق؟ آپ؟ مانا خودکشی حرام ہے' مگر آپ کے ساتھ زندگی گزارنا وہ کیا ہے؟ وہ بھی تو حرام ہے خودکشی ہی ہے وہ بھی۔ مجھے صرف یہ فیصلہ کرنا ہے سالار کہ مجھے مرنا کس طریقے سے ہے آپ کے ہاتھوں مرنے کی بجائے میں خود مرنا پسند کروں گی۔ ہر پل آپ کے جنون کی آگ میں سلگتے رہنے کے بجائے ایک ہی بار جل مروں گی۔"

سالار چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں کی دلیری کو۔ اس کے چہرے پہ پھیلے عزم کو۔ اس کی نفرت کو اور پھر سالار کے ہونٹوں پہ ایک شکست خوردہ مایوسی سی مسکراہٹ آئی۔

"جاؤ۔۔۔ جہاں دل چاہے جاؤ ام ہانی۔" ام ہانی جو لالٹین کو اپنے سر کے قریب لا رہی تھی اس غیر متوقع جواب پہ حیران ہو کے رکی۔

"یہ اجازت میں اس لیے نہیں دے رہا کہ میں تمہاری دھمکی سے ڈر گیا ہوں یا تمہیں مرتے نہیں دیکھ سکتا' بلکہ اس لیے کہ آج میں نے تمہاری بے خوف آنکھوں میں اس ڈری سہمی' روتی بلکتی' خوف زدہ ام ہانی کو مرتے دیکھ لیا ہے۔ جس میں میری جان قید تھی۔" اس نے ریوالور نیچے گرا دیا۔

"میں جان گیا ہوں' میں تمہیں واپس لے بھی گیا تو کبھی رلا نہیں پاؤں گا۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔ تم تو اب کبھی میرے مرنے پہ بھی آنسو نہیں بہاؤ گی۔ جاؤ ام ہانی۔ اب تم میرے کسی کام کی نہیں رہیں۔"

ام ہانی شدید حیرت کے عالم میں تھی اس کی ساری جارحیت اس حیرت میں دم توڑ گئی اتنی کہ کب سالار اس کے قریب آیا اور کب اس نے لالٹین اس سے چھین کر پرے پھینکی۔ اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔ لالٹین کے دور گرتے ہی سلمیٰ بھاگتی ہوئی آئی اور ام ہانی کا ہاتھ کھینچ کر لے جانے کی کوشش کرنے لگی۔

"چلیں ہانی بی بی۔" سلمیٰ جلد از جلد اسے یہاں سے لے جانا چاہتی تھی جیسے ڈر ہو۔ سالار کا ارادہ اور نیت نہ بدل جائے۔ ہانی ایک گم صم کیفیت میں سلمیٰ کے ساتھ کھنچی چلی جا رہی تھی مگر مڑ مڑ کے ابھی تک بے یقینی کے عالم میں سالار کو ہی دیکھے جا رہی تھی جس

کے قدموں سے پسپائی ظاہر ہو رہی تھی۔ کار کے پاس جا کے وہ رکا۔

"ہانی۔" اس نے مڑ کے ایسے مخاطب کیا تھا بالکل اجنبی لہجے میں۔

"خودکشی کی ناکام کوشش کے بعد اب خلع کی ناکام کوشش نہ کرنا۔ اس کی ضرورت نہیں ہے' میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" ام ہانی کے قدم ساکت ہو گئے۔

"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں ام ہانی۔" وہ سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور وہ دم بخود اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"میں سالار اعظم بقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

حیرت سے بھرے چہرے پہ ایک بھولی بسری مسکراہٹ آئی ایسی مسکراہٹ جو عرصہ ہوا ام ہانی سے روٹھ کے کہیں چھپی بیٹھی تھی۔ اس نے طمانیت سے بھرپور انداز میں آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

میں فجر کی اذان ہونے سے کتنی دیر پہلے ہی مسجد چلا آیا۔ اس کی ذات کے آگے دامن پھیلانے کے لیے کسی خاص وقت کا انتظار تو نہیں کرنا پڑتا۔ بس ایک کیفیت چاہیے ہوتی ہے۔ حاجت کی' بے بسی کی' جب کہیں اس کے علاوہ کچھ اور نظر نہ آئے تو بس.... بس وہیں سر جھکا دو۔ جھولی پھیلا دو۔ گڑگڑا کے مانگ لو' میں بھی رب سے اس کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگا۔

"یا اللہ.... اسے بے شک میرا نہ کر' مگر اس کا کر دے اس کی اپنی ذات پہ اس کا اختیار دے دے اس کی خوشیاں' اس کی مسکراہٹ اس کا سکون اسے لوٹا دے وہ جہاں بھی ہے اس پہ اپنی رحمت کا سایہ رکھنا.... سدا اس پہ مہربان رہنا کہ یہ تیری صفت ہے اور وہ.... وہ تیری اس صفت کو اپنائے ہوئے ہے وہ بھی ہمیشہ سب پہ مہربان رہتی ہے اس پہ مہربانی فرما۔"

☼ ☼ ☼

سالار شکستہ قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

اماں بے تابی سے اس کی جانب بڑھیں۔ انہیں امید نہیں تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی لوٹ آئے گا اور اب جب وہ آ گیا تھا تو وہ اس سے پوچھے بغیر کیسے رہ سکتی تھیں' لیکن وہ کچھ نہ پوچھ سکیں۔ سالار کی خالی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ خالی ہاتھ رہ گیا ہے۔

"سالار۔" وہ دھیمے لہجے میں بس اتنا کہہ کر رہ گئیں اور سالار یہ بھی نہ سن پایا۔ وہ اس عالم میں خالی خالی نظروں سے در و دیوار کو دیکھے جا رہا تھا جیسے کچھ کھوج رہا ہو۔

اماں کچھ دیر اس کے بولنے کی منتظر رہیں پھر مایوسی سے کمرے میں جانے کے لیے پلٹیں تو چھناک کی آواز پہ انہیں دوبارہ چونک کے مڑنا پڑا۔

سالار دیوار پہ لگی اپنی تصویریں اتار اتار کے نیچے پھینک رہا تھا۔ جا بجا کرچیوں کا ڈھیر تھا۔ اور کرچیوں کے ڈھیر تلے دبے سالار اعظم کے پر تکبر رعونت بھرے نقوش گویا کراہ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مہ پارہ۔" اسلم صاحب سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ مہ پارہ دوپٹا درست کرتے اٹھیں۔

"جی۔"

"مجھے علم ہوا ہے کہ آپ کو آج کے نکاح پہ اعتراض ہے؟ یا یوں کہیے کہ آپ فی الحال اس کے حق میں نہیں؟"

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان حالات میں یہ سب.... میرا مطلب ہے جب تک ہانی خیریت سے واپس لوٹ نہیں آتی میرے دل کو کوئی خوشی خوشی نہیں لگے گی اسلم صاحب.... مجھے گوارا نہیں ہو پا رہا۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔ میرے لیے وہ بالکل تانیہ جیسی ہے۔ پریشان اور فکر مند میں بھی کم نہیں ہوں اس کے لیے' لیکن یہ تو ایک فرض ہے۔ فرض کی ادائیگی کبھی بھی کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ دل نہ آپ کا خوشی منانے پر راضی ہے نہ میرا' کسی کا بھی نہیں'

لیکن میری مجبوری ہے مجھے پرسوں کی فلائٹ سے واپس جانا ہے نکاح نامہ میرے پاس ہوگا میں جلد از جلد آپ کو وہاں بلا سکوں گا۔"

"آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن۔۔۔"

"اور جب ہانی لوٹے گی تو وہ بھی خوش ہی ہوگی اس خبر سے۔" اس بات پہ مہ پارہ پھیکے پن سے مسکرا دیں۔

"اب آپ بچوں کی طرح بہلا رہے ہیں مجھے۔"

"خوشی پانے کے لیے بچہ بننا پڑتا ہے۔ بچوں کی طرح ہی سوچنا بھی پڑتا ہے۔ دیکھیں سب لوگ راضی ہیں ان کی خوشی کا خیال کرلیں میرا نہ سہی سادگی سے نکاح ہی تو ہوتا ہے کوئی جشن تو نہیں۔"

کچھ لمحے سوچنے کے بعد مہ پارہ سر جھکا کے رہ گئیں یہ گویا رضامندی کا عندیہ تھا۔

☼ ☼ ☼

سلمٰی ہانی کو لیے اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ گھر کیا تھا۔ ایک نیم پختہ ایک ہی کمرے پہ مشتمل کوٹھڑی تھی' باہر برآمدہ جس کے ایک کونے میں باورچی خانہ اور سامنے مختصر سا کچا صحن۔ جس کے وسط میں ہینڈ پمپ لگا تھا اور دائیں جانب دھریک کا درخت۔

"بیٹھیں بی بی۔" سلمٰی نے کمرے میں موجود اکلوتے پلنگ پہ بچھی چادر کی سلوٹوں کو ہاتھ سے درست کرتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنا ہی گھر سمجھیں یہ غریب خانہ آپ کے لائق تو نہیں مگر ہم سے جو ہو سکا آپ کی خدمت میں وہ ہم کریں گے۔"

ام ہانی پلنگ پہ بیٹھی تو اسے لگا نجانے کتنے عرصے پر اس کے جوڑ جوڑ دکھتے بدن کو سکون ملا ہو شاید سکون کا یہ احساس اس کچے پکے گھر کے مکان نہیں خالصتاً "گھر" ہونے کی وجہ سے تھا۔

"نہیں سلمٰی مجھے اور کچھ نہیں چاہیے سوائے اس کے کہ تم کسی کو میرے یہاں ہونے کی خبر نہ ہونے دینا۔" اس پہ سلمٰی کو حیرانی ہوئی۔

"لیکن بی بی جس سے خطرہ تھا وہ تو آپ کو آزاد کر گیا۔"

"ابھی بہت سی بیڑیاں باقی ہیں سلمٰی۔ پیر بندھے ہیں میرے۔ آزاد ہونے میں بہت وقت لگے گا۔"

"مگر بی بی۔ پھر بھی مشکل میں اپنوں کو ہی پکارتے ہیں اور حویلی والوں سے زیادہ آپ کا اپنا کون ہے؟"

"اپنے ہیں وہ سلمٰی اور کبھی کبھی اپنوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے ان کو پرایا کرنا پڑتا ہے' چاہے دل پہ پتھر رکھ کے ہی سہی۔ بس تم وعدہ کرو جب تک میں نہیں کہوں گی تم کسی سے میری یہاں موجودگی کا ذکر نہیں کرو گی۔"

"جان حاضر بی بی۔ آپ بے فکر رہیں۔" اس نے اطمینان دلایا۔

"کسی کو بھنک بھی نہ پڑے گی۔"

"اور میں تم پہ بوجھ بھی نہیں بنوں گی سلمٰی۔" ام ہانی نے ایک ہی نظر میں اس کوٹھڑی سے جھلکتے حالات کو بھانپ لیا تھا اس لیے کچھ شرمساری سے کہنے لگی۔

"کیسا بوجھ بی بی! میں آپ پہ قربان' میرے بچے آپ پہ واری' ہم کم ذات ہیں مگر کم ظرف نہیں ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تو اس کے خلوص کے سامنے ہانی کو اپنی ہی بات بڑی چھوٹی لگی۔

☼ ☼ ☼

"سعد۔" ثانیہ بہت پرجوش انداز میں مجھے پکارتی آرہی تھی میں بے تابی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یا اللہ۔۔۔ کوئی اچھی خبر ہو۔"

"سعد۔ سالار کی اماں کا فون آیا تھا ابھی رضوان انکل سے بات ہوئی ہے ان کی۔" وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بتا رہی تھی۔

"ہنی آگئی؟" میرے لہجے میں بھی وہی بے تابی تھی۔ جواب کے لیے وہ پل بھر کو رک سی گئی اور یہ ایک پل ایک لمحہ مجھ پہ بہت بھاری تھا۔

"نہیں سعد نہیں آئی وہ۔" میں مایوس سا ہو کے پھر سے بیٹھ گیا۔ وہ میرے برابر بیٹھ کے مجھے دلاسا دینے

لگی۔
"مگر سالار لوٹ آیا ہے' وہ اس وقت اپنے گھر ہے۔"
"مجھے اس شخص سے کچھ لینا دینا نہیں مجھے ہانی کی فکر ہے نجانے کہاں چھوڑ کے آیا ہو گا وہ اسے۔"
"تو اس بات کا پتا بھی تو سالار سے ہی چل سکتا ہے کم از کم وہ تو واپس آیا ہے تم جاؤ جا کے ملو' بات کرو اس سے' اگر سیدھی طرح سے وہ ہانی کے بارے میں کچھ نہ بتائے تو پولیس کی مدد لو اس پر حبس بے جا کا کیس بن سکتا ہے ایسا کوئی اندھیر نہیں مچا کہ وہ ایک انسان کو اپنی ملکیت سمجھ کے کسی لاکر میں رکھ دے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مجھے ابھی اسی وقت وہاں جانا چاہیے۔"

☆ ☆ ☆

"شکر ہے خدا کا۔ کوئی خبر تو ملی۔" نائلہ نے نم ناک آنکھوں سے کہا۔ البتہ رضوان ابھی بھی فکر مند لگ رہے تھے۔
"جیسے ہی سالار کی اماں نے اطلاع دی ہے' سعد نکل گیا ہے اس سے ملنے' مگر... مگر مجھے امید نہیں کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جائے۔"
"ہاں۔ سالار ایک ہٹ دھرم انسان ہے مجھے بھی یہی لگتا ہے وہ آسانی سے ہانی کا پتا نہیں دے گا۔"
"اور سعد کو اکیلا بھیج کے آپ نے ٹھیک نہیں کیا آپ کو خود جانا چاہیے تھا۔"
"اگر سعد سے نہ سنبھلا وہ... تو میں خود جاؤں گا بات کرنے اور اکیلے نہیں پولیس اور وکیل کے ساتھ' مجھے علم ہے کہ ایسے لوگوں سے کیسے نمٹا جاتا ہے داماد سمجھ کے بہت لحاظ کر لیا' بہت عزت دے دی اسے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس عزت کے لائق ہی نہیں۔"
"اور داماد بھی کہاں رہا وہ جب ہماری بچی ہی اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور نہ ہم یہ رشتہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو محض اس کی ضد کس کام کی۔" اور پھر وہ دوبارہ تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔
"مجھے ڈر لگ رہا ہے رضوان! سعد الجھ نہ جائے اس سے وہ ٹھیک آدمی نہیں ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔"
"مجھے اپنے بیٹے کی بردباری پہ بھروسا ہے۔ وہ اب بہت سمجھ دار ہو چکا ہے سنبھال لے گا معاملہ۔"

☆ ☆ ☆

"ہنی کہاں ہے؟" کچھ ہی دیر میں' میں اس شخص کے سامنے تھا جس سے میں دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا۔ وہ نظر اٹھا کے مجھے صرف دیکھ کے رہ گیا۔
"میں پوچھ رہا ہوں کہاں ہے وہ... کہاں چھپا کے رکھا ہے تم نے اسے؟"
"اور اگر یہی سوال میں کروں تو؟" اس کے سوال پہ میں ششدر رہ گیا۔
"کیا مطلب؟ کیا بکواس ہے یہ؟ اس کے بارے میں صرف تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے یہاں سے تم ہی اسے لے کر گئے تھے۔"
"ہاں۔ یہاں سے لے گیا تھا' مگر واپس یہاں نہیں لایا' وہاں بھی نہیں لے جا سکا جہاں لے جانا تھا وہ کہیں رہ گئی وہیں کہیں۔"
"وہیں رہ گئی؟" مجھے ہزار وسوسے ستانے لگے۔
"کہاں چھپایا ہے تم نے اسے؟" میں شدت سے چلایا۔
"میں نے نہیں چھپایا وہ خود چھپ گئی ہے۔ وہ ہانی جو میری تھی وہ جس کے آنسو میرے دل پہ شبنم کی طرح گرتے تھے وہ کہیں چھپ گئی ہے کھو گئی... ہے کہیں دور' بہت دور۔" میں اندر تک لرز کر رہ گیا۔
کہیں خدانخواستہ اس نے ہانی کو... نہیں نہیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکا۔
"دیکھو سالار سیدھی طرح بتا دو کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ۔" اب میں چلا نہیں رہا تھا میرا لہجہ خود بخود منت آمیز ہو گیا۔
"میں نے کچھ نہیں کیا اس نے کیا ہے میرے

ساتھ اس نے اپنا آپ مجھ سے چھین لیا۔" منت سماجت کے بعد اب میں تقریباً" گڑگڑانے ہی لگا اس کے سامنے۔

"سالار تم کچھ نہیں کر سکتے اس کے ساتھ، کچھ نہیں ہوا ہو گا اسے۔" "بس بتا دو کہاں ہے وہ؟"

"بتا تو رہا ہوں میرے پاس نہیں ہے وہ اور میرے ساتھ بھی نہیں ہے، مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے، جاؤ ڈھونڈ سکتے ہو تو ڈھونڈ لو۔ پہچان سکتے ہو تو پہچان لو اپنی اس نئی ام ہانی کو میں تو نہیں پہچان سکا۔"

"تم ایسے منہ نہیں کھولو گے اب پولیس ہی تم سے اگلوائے گی۔" مگر میری اس دھمکی نے بھی اس پہ خاطر خواہ اثر نہ کیا۔

"ٹھیک ہے یہ بھی کر دیکھو، پولیس کی مدد بھی لے لو شاید پولیس اس کا سراغ نکال پائے، لیکن پولیس یہ سراغ مجھ سے نہیں نکلوا پائے گی کیونکہ میں واقعی نہیں جانتا کہ مجھے چھوڑنے کے بعد اگر وہ حویلی واپس نہیں گئی تو کہاں گئی ہو گی۔"

چند لمحے اسے شدید نفرت اور غصے سے گھورتے رہنے کے بعد میں جانے کے لیے مڑا تو اپنی پشت پہ اس کی آواز سنائی دی۔ میرے قدم رک گئے البتہ میں نے مڑ کے اس کا مکروہ چہرہ دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"سنو۔ میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔" اب میں کرنٹ کھا کے پلٹا۔ وہ سنجیدہ لگ رہا تھا سو فیصد۔

"ہاں۔ طلاق۔ میرا اس پہ کوئی حق نہیں رہا اب وہ تمہیں مل جائے تو صرف ام ہانی ہو گی ام ہانی سالار نہیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ کب سے نوالہ ہاتھ میں لیے سوچ میں گم تھی۔

"کھائیں نا ہانی بی بی۔" سلمیٰ نے جھک کے اس کے پاس پانی کا گلاس رکھا۔

"میں خود پانی لے لیتی سلمیٰ۔ تم نے کیوں تکلیف کی۔" اس کی حالت کے پیش نظر ہانی کچھ شرمسار سی ہوئی۔

"اس میں تکلیف والی کون سی بات بی بی۔ مہمان ہیں آپ اور ہمارے لیے بہت محترم، میرا بس نہیں چل رہا میں آپ کی خاطر کیسے کروں۔"

"نہیں سلمیٰ تمہاری حالت ایسی نہیں تمہیں آرام کرنا چاہیے اور میری وجہ سے تم۔۔۔" ام ہانی نے اس کا ہاتھ تھام کے اپنے قریب بٹھا لیا وہ ہنس دی۔

"آرام۔۔۔ وہ چھوٹے بچوں کے ساتھ کیا آرام بی بی، آپ نہ بھی ہوتیں تو گھر کے کام ایسے ہی چلنے تھے الٹا مجھے تو شرمندگی ہو رہی ہے یہ جگہ آپ کے شایان شان نہیں ہے، یہ کھانا بھی آپ کے لائق نہیں ہے، یہ تانبے کا گلاس، یہ کھردرے بان کا پلنگ، یہ موٹے سوت کا کھیس، مگر کیا کریں بی بی ہماری تو اوقات اتنی ہی ہے۔"

"مجھ سے پوچھو سلمیٰ تم کیا ہو میرے لیے اور کسی مشکل وقت میں تم میرے لیے کیا بن کر آئی ہو تم تو غیبی مدد ہو سلمیٰ، اس وقت خدا کے بعد میرا سب سے بڑا سہارا۔" ہانی نے محبت سے اس کا ہاتھ دبا کے کہا۔

"لیکن ہانی بی بی ایک بات کہوں؟" ہانی کی محبت اور التفات نے سلمیٰ کا حوصلہ بڑھایا اور وہ یہ ذکر چھیڑ بیٹھی۔

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آرہی کہ آپ حویلی کیوں نہیں جانا چاہتیں اور حویلی والوں کو کیوں نہیں بتایا یہ سب آپ نے۔۔۔ جو بھی آپ پہ گزرتی رہی ہے وہ تو تڑپ جاتے آپ کی تکلیف پہ۔"

"تڑپنا ہوا ہی تو نہیں دیکھ سکتی انہیں۔" ہانی نے ایک آہ بھری۔

"بس مجھ سے اور کچھ نہ پوچھو سلمیٰ۔ صرف اتنا جان لو کہ کچھ عرصے کے لیے میرا وہاں نہ جانا ہی بہتر ہے کسی کو میرے بارے میں کچھ پتا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ ورنہ۔۔۔"

"ورنہ کیا بی بی؟" ہانی کے چہرے پہ خوف کے سائے دیکھ کے سلمیٰ ایک بار پھر خود کو سوال کرنے سے روک نہ پائی۔

"ورنہ میری وجہ سے بہت سے دل دکھ جائیں گے۔ ٹوٹ بھی جائیں گے۔ بہت سے اچھے اور پیارے پیارے دل' میں سالار کی نفرت سے تو بچ کے نکل آئی بس یوں سمجھو اب کسی کی بے پناہ محبت سے بچتی پھر رہی ہوں۔"

☆ ☆ ☆

"ام ہانی کہاں ہے سعد؟" سب کے سوالوں کے جواب میں میں سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔

"نہیں لائے اسے؟ مگر کیوں؟ رضوان میں کہتی تھی نا سالار اسے آسانی سے آنے نہیں دے گا۔ آپ کو خود جانا چاہیے اور بے شک لے جائیں پولیس کو ساتھ' خاندان کی عزت ام ہانی کی زندگی سے زیادہ اہم نہیں ہے۔" امی کی بات کو ان سنی کرتے ابو بغور مجھے دیکھ رہے تھے جیسے میرے چہرے کی شکستگی' پسپائی اور بے بسی سے سارا قصہ جاننا چاہ رہے ہوں۔

"سعد..... تم کچھ بتاتے ہو یا میں خود سالار کو فون کر کے پوچھوں؟"

"اس سے پوچھنے کا فائدہ نہیں۔" مجھے لب کھولنے پڑے۔

"اس کے پاس بتانے کو کچھ نہیں ہے۔"

"یا اللہ۔" امی دل پہ ہاتھ رکھ کے رہ گئیں۔

"مجھے لگتا ہے ہانی نے خود آنے سے انکار کر دیا ہو گا۔ میری وجہ سے۔ تم نے اسے بتایا نہیں سعد کہ میں کتنی شرمندہ ہوں اور اب دل سے چاہتی ہوں کہ....."

"وہ وہاں ہوتی تو میں اسے کچھ بتاتا امی۔ نہیں ہے وہ وہاں۔"

"تو کہاں ہے پھر؟" ابو ضبط کھو بیٹھے۔

"کہیں بھی نہیں ہے' کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ نہ میں' نہ سالار۔"

"جھوٹ بول رہا ہے وہ بکواس کر رہا ہے صرف ہانی کو زبردستی اپنے پاس روکنے کے لیے۔"

"وہ اسے اپنے پاس رکھنے کا اختیار خود گنوا چکا ہے ابو۔ طلاق دے دی ہے اس نے ہانی کو آزاد کر دیا ہے اسے۔" سب ایک سکتے کے عالم میں تھے۔

☆ ☆ ☆

"وہ جھوٹ کہہ رہا ہے سعد اور تم نے مان لیا۔" تانیہ اکیلے میں مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سالار ہانی کو کہیں چھپائے ہوئے ہے۔

"نہیں۔ میں جانتا ہوں ہانی اب اس کے پاس نہیں ہے وہ واقعی اسے چھوڑ کے چلی گئی ہے' ہانی نے خود مجھے کہا تھا کہ وہ اب اپنے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دے گی۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم ہمت کیوں ہار رہے ہو سعد۔ وہ یہیں کہیں ہوں گی وہ سالار سے بھاگ رہی ہیں ہم سے نہیں۔ ہو سکتا ہے صبح تک آجائیں اور کہاں جانا ہے انہوں نے؟" وہ پھر سے مجھے امید دلانے لگی' مگر میں نے مایوسی سے انکار میں سر ہلایا۔

"وہ نہیں آئے گی تانیہ اس نے کہا تھا۔ یہی کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ..... وہ سالار کے ساتھ جا ضرور رہی ہے' مگر اب وہ مزید گھٹ کے نہیں جیے گی..... جتنی بھی زندگی باقی ہے وہ سر اٹھا کے کھل کے جیے گی اس نے یہ کہا تھا تانیہ کہ وہ سالار سے الگ ہو گی' مگر میرے لیے نہیں' اپنے لیے اور دیکھو اس نے یہ کر دکھایا اب وہ اپنے کہے سب الفاظ کا بھرم رکھے گی۔" میں نے ہانی کے الفاظ من و عن دہرا دیے پھر بھی تانیہ کچھ نہ سمجھی۔

"لیکن وہ واپس کیوں نہیں آئے گی؟"

"میں نے کہا نا وہ اپنے الفاظ کا بھرم رکھے گی۔ آئے گی واپس' مگر میری اور تمہاری شادی کے بعد جب تک اسے یقین نہیں ہو جائے گا کہ میں نے اس کا خیال اپنے دل سے نکال دیا ہے اور تمہارے ساتھ زندگی کا سفر شروع کر دیا ہے سب کچھ بھلا کے۔ وہ نہیں آئے گی تانیہ۔" تانیہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ وہ جانتی جو تھی کہ ہانی کی خواہش ہم بھی پوری

نہیں کرپائیں گے۔ پھر یکایک اس کی آنکھوں میں امید کی جوت جاگی۔

"وہ نہیں آئے گی تو کیا ہوا؟ ہم تو اسے لاسکتے ہیں سعد۔ کہیں سے بھی ڈھونڈ کے۔"

"مگر کہاں سے؟" میں کراہ اٹھا۔

"کہاں ہوگی وہ؟ اس دنیا میں نا' تو کیا تم نے ساری دنیا چھان ماری؟ سعد۔ اگر ہانی ایک قسم اٹھا سکتی ہے کہ وہ ہمارے ایک ہونے تک واپس نہیں آئے گی یا اپنی خبر کسی کو نہیں ہونے دے گی تو یہ قسم میں بھی ابھی' اسی وقت اٹھاتی ہوں کہ اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گی جب تک تم دونوں کو ایک نہ دیکھ لوں۔"

"مگر ثانیہ....." میں اسے دیکھ کے رہ گیا۔ کیا چیز تھی وہ۔

"ہاں سعد۔" وہ مسکرائی۔ بڑے حوصلے' بڑے وقار کے ساتھ۔

"ہنی کی بات کا بھرم رکھنا مجھے بھی آتا ہے صرف ام ہانی کو نہیں ہم مل کے اسے تلاش کریں گے بس تم ہمت نہ ہارنا۔" اس نے میرے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے مجھے نئے سرے سے حوصلہ دلایا۔

☼ ☼ ☼

سلمٰی کی کچی پکی کوٹھری میں پلنگ پہ لیٹی وہ چھت کی کڑیاں گن رہی تھی۔ لالٹین کی ہلکی سی روشنی سلمٰی نے خاص اس کے لیے رکھی ہوئی تھی جانتی تھی کہ ہانی بی بی کو مکمل اندھیرے میں نیند نہیں آتی۔ ہانی کی نظر چھت سے ہٹ کے نیچے چٹائی بچھا کے لیٹی سلمٰی پہ گئی جواب اپنے بازو پہ سر رکھ کے سوئے بچے کو نیند میں ہی تھپک رہی تھی شاید روشنی کی وجہ سے وہ کسمسا رہا تھا۔ ہانی نے فوراً" اٹھ کے لالٹین بجھا دی تب ہی اسے ایک اور احساس ہوا۔ پچھلی دو راتوں سے صرف اس کی خاطر یہ لالٹین مسلسل رات کو جلتی رہتی تھی۔ کتنا تیل ضائع ہوتا ہوگا اسے خفت سی ہونے لگی کہ اس کی وجہ سے سلمٰی پہ کتنا بار بڑھ گیا ہے خرچے کا۔

اور پھر اس بے چاری کی حالت بھی ایسی کب تھی کہ وہ نیچے چٹائی بچھا کے سوئے۔ اسے تو آرام کی ضرورت تھی۔ ایک تو وہ حاملہ تھی اوپر سے ایسے دنوں میں بھی سارا دن گھر کے کام بھی کرتی۔ دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی سنبھالتی اور رات چٹائی پر بسر کرتی۔ ام ہانی کا حساس دل رہ رہ کے اسے کچوکے لگانے لگا اور وہ نواڑی پلنگ پہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگی۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا اس نے کہ اس جیسی خوددار لڑکی کسی پر یوں زبردستی کا بوجھ بن جائے گی۔

☼ ☼ ☼

صبح ہوتے ہی میں ثانیہ کے ساتھ ام ہانی کی تلاش میں نکل گیا تھا۔ آس پاس کے سارے قصبے' ریلوے اسٹیشن' بس اڈہ' چھوٹے موٹے آس پاس کے سب اسپتال' ہر جگہ پوچھ گچھ کی کہ شاید کہیں سے کوئی سراغ مل جائے۔

اس کی ایسی کوئی دوست نہیں تھی جس سے خبر لی جاسکتی۔ اس کے باوجود میں نے امی سے کہہ کر اس کی کالج کی پرانی ساتھیوں سے رابطہ کروایا۔ اور میرے اندازے کے عین مطابق ان میں سے کسی سے بھی ام ہانی نے دو تین سالوں سے کوئی رابطہ نہ رکھا تھا۔ اور کچھ نہ سوجھا تو میں سڑکوں پہ بلاوجہ گاڑی لیے پھرتا رہا شاید کہیں کسی موڑ پہ وہ نظر آجائے۔ دن سے رات ہوگئی۔ وہ نہ ملی مگر ثانیہ نے مجھے نہ مایوس ہونے دیا نہ ہی ہمت ہارنے دی۔

☼ ☼ ☼

"کتنی عجیب سی بات ہے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بعد میں یہ بھی نہیں پوچھ سکا کہ کیا تم خوش ہو؟" اسلم صاحب نے پژمردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ مہ پارہ سے پوچھا۔

"آپ کی زندگی میں شامل ہونا' آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ لگانا' آپ کی ہم سفری ملنا' یہ سب میرے لیے بہت نصیب کی' بہت خوشی کی بات ہے' میں تو خود آپ سے شرمندہ ہوں کہ اس خوشی کا حق بھی نہیں ادا

کرپا رہی۔" ان کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہ نکلے۔

"ایسا مت کہو مہ پارہ' میں سمجھ سکتا ہوں تمہاری دلی حالت۔ اور شکر گزار بھی ہوں کہ اس کے باوجود تم نے مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا اور میری درخواست پر عمل کرتے ہوئے میرے ساتھ بھی جا رہی ہو جبکہ تمہارا دل' تمہارا دل تو تب ہی تک یہیں رہے گا جب تک ام ہانی خیریت سے واپس نہیں لوٹ آتی۔"

"جانتے ہیں پرایا ہونا کسے کہتے ہیں اس کا احساس آج ہو رہا ہے مجھے' میکے کے دکھ' میکے کی پریشانیاں میکے کی دہلیز پہ ہی رکھ کے آگے قدم رکھنا پڑتا ہے۔" وہ اداسی سے مسکرائیں۔ اسلم صاحب نے اپنائیت سے ان کے ہاتھ کی پشت کو تھپکا۔

"تم فکر مت کرو ہم جلدی واپس لوٹیں گے اور تب ان شاء اللہ ام ہانی بھی یہیں ہو گی اور تم سعد کی فکر بھی مت کرنا تانیہ ہے اس کے ساتھ۔"

☼ ☼ ☼

کہنے کو تو انہوں نے مہ پارہ کو کہہ دیا تھا' مگر ان کا دل ابھی بھی اس حق میں نہیں تھا کہ سعد سے وہ رشتہ ختم ہو جانے کے بعد بھی تانیہ اس حویلی میں رکے۔

"تم ساتھ ہی چلی چلتیں تانیہ تو بہتر ہوتا۔" انہوں نے ایک بار پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

"میں نہیں جا سکتی ڈیڈ۔ آپ جانتے ہیں۔" وہ اپنے ارادے پہ قائم تھی۔

"لیکن اب تمہارے اس گھر میں رکنے کا کوئی جواز نہیں بنتا بیٹا۔"

"جواز ہے ڈیڈ۔ سعد۔۔۔ ہماری منگنی ختم ہوئی ہے وہ بھی باہمی رضامندی سے' کسی اختلاف کی بنا پہ نہیں' دوستی تو ختم نہیں ہوئی وہ اب بھی میرا سب سے اچھا دوست ہے۔ مجھے اس کے لیے یہاں رکنا ہے اور ہانی کے لیے رکنا ہے۔ مجھے اس کو یقین دلانا ہے کہ سعد اس کا تھا۔۔۔ اس کا ہے اور اس کا رہے گا۔"

"جیسے تمہاری خوشی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ کی طرح اس کی خواہش اور مرضی کے سامنے ہتھیار ڈال بیٹھے۔ تانیہ محبت سے ان کے گلے لگ گئی۔

"آئی ایم سوری ڈیڈ' مگر میں نہیں چاہتی کہ سعد اکیلا پڑ جائے یا ہمت ہار دے اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے' میں یہاں رہ کے' قدم قدم پہ اس کی ہمت بڑھاؤں گی اور جب مجھے لگے گا کہ وہ تھک رہا ہے تو میں خود نکل جاؤں گی ہانی کو ڈھونڈنے۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

مقابل ہے آئینہ

مشعل فیاض

شاہین رشید

س۔ "آپ کا پورا نام؟ گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟"

ج۔ "مشعل۔ کالج میں تو کوئی نا کوئی مشال کہہ دیتا ہے۔ (جس کا میں برا مان جاتی ہوں) ماما مجھے مشی، ملا کہتی ہیں۔ کبھی کبھی پاگل بھی کہہ دیتی ہے۔ میں برا نہیں مانتی۔"

س۔ "کبھی آئینے نے آپ سے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟"

ج۔ "جب بور یا اداس ہوتی ہوں تو دو ہفتوں میں ایک دن اپنے بال کھول کر (جو کہ کندھے تک ہیں) ہلکا سا میک اپ کر کے اپنے بالوں کو وہ جھٹکے دیتی ہوں کہ آئینہ کہتا ہے۔ جی جی آپ ہی مس ورلڈ ہیں۔" (ہاہاہا)

س۔ "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج۔ "میری ماما اور میری فرینڈز سدرہ، کرن اور کشملا اور میری دعائیں۔"

س۔ "آپ اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

ج۔ "بہت سے لمحات ہیں جب وقت رک گیا تھا۔ کبھی سوچتی تھی اس وقت سے کبھی نکل ہی نہیں پاؤں گی۔ لیکن الحمدللہ وقت کبھی رکا ہی نہیں اور دشوار لمحات اپنے ساتھ لے گیا۔ اور میں خوش ہوں۔"

س۔ "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج۔ "محبت ایک لافانی جذبہ ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک محبت وہ ہے جو ایک لڑکا اور لڑکی کرتے ہیں۔ جبکہ میرے نزدیک محبت تو ہر کسی سے ہو سکتی ہے۔ اپنی ماں سے، باپ سے، بہن بھائیوں سے، چھوٹے بدتمیز کزنز سے اپنی چیزوں سے، محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے۔"

س۔ "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور مطمئن کیا ہو؟"

ج۔ "پتا نہیں۔ ہاں جب میں نے ڈائجسٹ میں خط لکھا اور وہ شائع ہوا تو بہت مسرور تھی میں۔ باقی کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔"

س۔ "آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں واضح کریں؟"

ج۔ "میری دعائیں۔ سب سے مضبوط ہتھیار۔"

س "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج "بہت ضدی ہوں۔ دل کیا تو کسی سے بات کرلی۔ نہیں تو نہیں کی جس کی وجہ سے کچھ لوگ مغرور کہتے ہیں۔ ہنس مکھ ہوں (صرف گھر سے باہر نہیں تو ماما کہتی ہے دوسروں کے ساتھ خوش اور میرے ساتھ دکھی رہتی ہے ہمیشہ) ایسی بات نہیں ہے ماما میں نے زندگی میں سب سے زیادہ آپ سے ہی محبت کی ہے۔ دوسروں کا خیال رکھتی ہوں۔ اچھا کھانا پکا لیتی ہوں وہ مہینے میں صرف ایک دفعہ۔ جس کی بہت تعریف ہوتی ہے۔"

س۔ "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟"

ج۔ "نہیں شاید ہاں ـــ میں وہمی بہت ہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔"

س۔ "آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟"

ج۔ "چکن۔" میری بہت کمزوری ہے اور طاقت میری ماما اور میری دعائیں۔"

س۔ "آپ خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"

ج۔ "خوشگوار لمحات میں بہت اداس ہو جاتی ہوں اور اداس (سیڈ) sad ہوں تو ایسے خوش ہو کر گانے سنتی ہوں۔ جیسے بڑی خوش ہوں میں۔ دل غم سے بوجھل ہوتا ہے۔ منہ سے ہنسی جاتی نہیں اور مشکل وقت جو ایک دن کا ہوتا ہے گزر جاتا ہے۔"

س۔ "گھر آپ کی نظر میں؟"

ج۔ "صاف ستھرا ہونا چاہیے۔ گندا گھر مجھے بالکل پسند نہیں۔ بشرطیکہ کوئی دوسرا گھر صاف کرے۔ (ہاہاہا) سکون۔"

س۔ "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کردیتی ہیں؟"

ج۔ "شاید ہاں......"

س۔ "اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟"

ج۔ "اللہ کو...... اور اپنی ماما کو۔"

س۔ "سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کرکے کاہل کردیا یا واقعی ترقی ہے؟"

ج۔ "رج کے کاہل کیا ہے اور کچھ "زیادہ" ہی ترقی کر لی ہے سب نے۔"

س۔ "کوئی عجیب خواہش؟"

ج۔ "سلمان خان کو اپنے سامنے دیکھنے کی اور دنیا گھومنے کی۔ ویسے سلمان خان والی خواہش زیادہ ہے۔"

س۔ "برکھارت کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

ج۔ "بالکل پسند نہیں۔ عجیب طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ گرمیوں کی بارش ہو یا سردیوں کی۔"

س۔ "آپ جو ہیں یہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"

ج۔ "تو پیرس کے مقام کی باسی ہوتی۔ پر الحمد للہ مسلمان ہی ہوتی۔"

س۔ "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"

ج۔ "میں نماز پڑھتی ہوں اور دو دن بعد کوئی پوزیٹو سوچ حاوی ہو تب بہت اچھا محسوس کرتی ہوں۔"

س۔ "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

ج۔ "اعتماد، خوب صورتی اور ٹیچرز کے کپڑے اور جوتے۔ لیکچر سنتے ہوئے اسی پر نظر ہوتی ہے کہ آج ان پہ کیا چیز سوٹ کررہی ہے اور کیا نہیں۔"

س۔ "کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا ہے جو پانا چاہتی تھیں؟"

ج۔ "جی ہاں اور جو تین چار رہ گئی ہیں وہ وقت آنے پر سب پوری ہوں گی۔ بہت ہی یقین کے ساتھ دعا مانگتی ہوں اور اللہ نے ہمیشہ میری خواہشیں پوری کی ہیں۔"

س۔ "ایک خوبی یا خامی جو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"

ج۔ "میری بھابھی روبینہ کہتی ہیں کہ میں اچھی نیچر کی ہوں۔ سسرال میں ایڈجسٹ بہت اچھے طریقے سے کرلوں گی (ہاہاہا) اور خامی یہ ہے کہ میں زیادہ فیشن کر نہیں پاتی۔ خیر یہ اچھی بات ہے پر میں مایوس ہو جاتی ہوں کہ سوائے لپ اسٹک کے کچھ بھی لگانا نہیں آتا۔ (ہاہاہا)۔"

س۔ "کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی شرمندہ کردیتا ہو؟"

ج۔ "نہ بھئی، اپنے اتنے اچھے کارناموں پر میں کبھی نہیں شرمندہ ہوئی بلکہ ایک حد میں مذاق کرتی ہوں۔ کبھی کسی کو پریشان بھی نہیں کرتی۔ ہاں دوسروں کو کبھی کبھی شرمندہ کردیتی ہوں۔"

س۔ "کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہوجاتی ہیں؟"

ج۔ "میں نارمل کھیل کھیلتی ہوں۔ کسی ایسے کے ساتھ کھیلتی ہی نہیں جس سے ہارنے کا ڈر ہو۔"

س۔ "متاثر کن کتاب۔ مصنف...... مووی؟"

ج۔ "قرآن پاک اور اپنی کورس کی سوشل ورک کی کتاب۔ نبیلہ عزیز۔ باڈی گارڈ۔"

س۔ "آپ کا غرور؟"

ج۔ "اللہ تعالیٰ سے مانگتی ہوں اور وہ مجھے دیتا ہے۔ (میری دعائیں)۔"

س۔ "کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو رلا دیتی ہے؟"

ج۔ "ہے تو سہی پر میں نے بتانی نہیں۔ سب ہنسیں گے۔"

س۔ "کوئی ایسی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے حسد میں مبتلا کیا ہو؟"

ج۔ "کبھی کبھی ٹی وی پر کسی کا بھی انٹرویو دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ (بس انہی کی کمی تھی ٹی وی میں جانے کی)۔"

س۔ "مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟"

ج۔ "بہت زیادہ ہے۔ (تو ضروری سا ہے میرے زندہ رہنے کے لیے)۔"

✿ ✿

فاطمہ ثریا بجیا

شاہین رشید

زمانہ طالب علمی میں جب میں جرنلزم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف اخبارات کے دفاتر میں اپنے آرٹیکل دینے جایا کرتی تھی۔ یا ریڈیو کے لیے اسکرپٹ لکھا کرتی تھی اور جب ٹی وی اسٹیشن پہ یونیورسٹی کے کام کے سلسلے میں یا فیچر بنانے کے لیے جاتی تھی تو وہاں پہ اکثر انور مقصود صاحب سے اور بجیا سے ملاقات ہو جاتی تھی۔۔۔ چند ملاقاتوں کے بعد ہی ایسا لگنے لگا کہ جیسے یہ میرے فیملی ممبرز ہوں۔۔۔ انہی کے توسط سے عمرانہ مقصود صاحبہ سے اور زبیدہ طارق صاحبہ سے فون پر ہیلو ہائے ہو جاتی تھی۔ جبکہ انور مقصود صاحب اور فاطمہ ثریا بجیا سے تو اکثر ملاقات ہو جاتی تھی۔۔۔ خلوص و محبت سے بھرپور یہ گھرانہ ہمیشہ میرے دل کے قریب رہا۔ پیار محبت ان پر سے ختم ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی عمر دراز کریں۔۔۔ مگر زندگی نے ایک دن ختم ہونا ہے۔ رسول پیغمبر نہ رہے تو انسان کی کیا اوقات ہے۔۔۔ مگر موت کی اذیت جانے والے کے لیے شاید اتنی تکلیف دہ نہ ہوتی ہو گی جتنی زندہ انسانوں کے لیے ہوتی۔ اپنے پیاروں کو کھو دینے کا احساس ہی دل کی دھڑکن تیز کر دیتا ہے۔۔۔ مگر یہ دکھ سب کو سہنا ہے۔۔۔ ہم سب کی پیاری بجیا "فاطمہ ثریا بجیا" کی طبیعت کی خرابی کی خبریں آئے دن سنتے تھے۔ مگر یہ سوچ کبھی دماغ میں نہیں آئی تھی کہ وہ لمحہ بہ لمحہ ہم سے دور ہو رہی ہیں۔۔۔ ہمیشہ ان کی صحت یابی کی دعا ہی لبوں پر آئی۔۔۔ اور سچ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت کاملہ عطا فرمائی ہے۔۔۔ وہ جنت میں بہت خوش ہوں گی۔ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش، خوش و خرم۔۔۔ اور سب کے لیے دعاگو۔۔۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوئی ہیں دل سے نہیں، دنیائے ادب سے نہیں۔ ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔۔۔ اور آنے والی نسلیں اور موجودہ نسلیں ان کے علم و فن سے فیض یاب ہوتی رہیں گی۔

بجیا سے میری کافی ملاقاتیں رہیں۔ میں نے ان کے انٹرویوز بھی کیے اور دو تین بار ان کے گھر بھی گئی۔ ایک انٹرویو آرٹس کونسل میں جا کر بھی کیا۔۔۔ آرٹس کونسل والا انٹرویو میں کبھی نہیں بھولوں گی کیونکہ بہت زیادہ مصروفیات کے باوجود بجیا نے مجھے انٹرویو دیا۔ مجھے کھانا کھلایا اور میری بہت زیادہ تعریف اور حوصلہ افزائی کی ۔۔۔ مجھے گائیڈ کیا اور جینے کا ہنر بھی۔۔۔ بجیا میری مشکلات اور تکالیف کو سمجھتی تھیں اور ہمیشہ باہمت رہنے کی تلقین کرتی تھیں۔

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ بجیا کے ڈراموں کی ہیروئنوں کے انٹرویوز بھی میں نے ہی کیے۔۔۔ اور میرے بعد دوسرے صحافیوں نے۔۔۔ ان کے ڈراموں کو سب سے زیادہ کوریج میں نے کی۔۔۔ میری طالب علمی کا دور تھا اور مجھے بہت کچھ سیکھنا تھا۔ بہت آگے تک جانا تھا اور میرے اس مشن میں بجیا نے میری بہت رہنمائی کی۔۔۔ بہت کچھ سکھایا۔

بجیا تو ہر ایک کے ساتھ محبت سے پیش آتی تھیں۔ اور سب کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھیں۔۔۔ ان کے مزاج میں نہ غرور تھا نہ بناوٹ' وہ علم و ادب کی ایسی درس گاہ تھیں کہ ان کے پاس بیٹھ کر انسان بہت کچھ سیکھ کر ہی اٹھتا تھا۔۔۔ ان کا لہجہ دھیما اور انکساری سے بھرپور ہوتا تھا۔ وہ سب کی بجیا تھیں۔۔۔ خواہ کوئی ان سے بڑا تھا یا چھوٹا۔۔۔ سب کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔۔۔ اس معاملے میں بھی وہ فراخ دل تھیں ورنہ خواتین تو بڑھاپے تک کسی کو بیٹا نہیں کہتیں مگر بجیا اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کو بھی بیٹا ہی کہتی تھیں۔

بجیا نے اپنے ڈراموں کے ذریعے ناظرین کو اپنی ثقافت کے قریب کیا شادی کی رسموں کو جتنا انہوں نے اچھے اور دلفریب انداز میں پیش کیا کوئی اور نہ کر سکا۔ اور آج تک نہ کر سکا۔ عورت کی عزت' عورت کی شان اور عورت کے وقار کو انہوں نے اپنے ڈراموں کے ذریعے اجاگر کیا۔۔۔ بے شمار لوگوں کو اپنے ڈراموں میں متعارف کرایا۔۔۔ آج کے سینئر فنکار بجیا کے ہی متعارف کرائے ہوئے ہیں۔۔۔ مشی خان' بدر خلیل' غزالہ کیفی' نیلوفر عباسی' ڈاکٹر ہمامیر اور کئی دیگر فنکاروں نے بجیا کے ڈراموں سے ہی شہرت حاصل کی فہرست کافی لمبی ہے۔۔۔ اس میں ہمارے مرد آرٹسٹ بھی شامل ہیں۔۔۔ بجیا کو میں نے زیادہ قاسم جلالی صاحب' کاظم پاشا صاحب اور حیدر امام رضوی صاحب کے روم میں ہی بیٹھے دیکھا۔۔۔ وہ ان کے بہت قریب تھیں۔

بجیا نے یکم ستمبر 1930ء کو حیدر آباد دکن میں جنم لیا۔ ان کا تعلق ایک تعلیم یافتہ ادبی گھرانے سے تھا۔ ان کے نانا "مزاج یار جنگ" کا شمار معروف شعراء میں ہوتا تھا' ان کے والد قمر مقصود حمیدی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔ ان کے خاندان میں زہرا نگار' احمد مقصود حمیدی' انور مقصود' سارہ نقوی اور زبیدہ طارق نے اور فاطمہ ثریا بجیا نے بہت زیادہ شہرت پائی۔۔۔ بجیا نے پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے بے شمار ڈرامے لکھے جن میں "اوراق" "دو شمع" افشاں' عروسہ' اساوری' گھر اک نگر' آگہی' انا' کرنیں' بابر اور "آبگینے" نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔ بجیا کی خدمات کے صلے میں حکومت پاکستان نے انہیں تمغہ "حسن کارکردگی" اور "ہلال امتیاز" سے نوازہ اور حکومت جاپان نے انہیں اپنا اعلیٰ ترین شہری اعزاز بھی دیا۔

اللہ تعالیٰ فاطمہ ثریا بجیا کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور گھر والوں کو صبر جمیل۔ (آمین)

☆ ☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---- ماریہ رضوی

میک اپ ---- روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ---- موسیٰ رضا

شعاع عزیر

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے' ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی حکومت عطا کردے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت عطا کی تھی اور ان کے دین کو' جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے' مستحکم وپائیدار کردے گا اور خوف کے بعد ان کو ضرور امن بخشے گا بشرطیکہ وہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری کی روش اختیار کریں تو ایسے لوگ ہی بدکردار اور فاسق وفاجر ہیں۔"

(سورۃ النور : 55)

بہترین خصلتیں

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ابن جبل سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی بہترین خصلتوں کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی رکھو اور اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں زبان کو جاری رکھو۔ (میں نے پوچھا) پھر کیا ہے۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگوں کے لیے اس چیز کو پسند کرو جسے تم اپنے نفس کے لیے پسند کرتے ہو اور ان کے لیے اس چیز کو برا سمجھو جس کو تم اپنے نفس کے لیے برا سمجھتے ہو۔" 43

(مشکوۃ شریف : کتاب الایمان)

دو دشمن

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں میں آپس میں شدید دشمنی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے۔ اتفاق سے ان میں سے ایک شخص کو اچانک موت نے آلیا تو اس کی موت پر اس کا دشمن بہت خوش ہوا۔ ایک مرتبہ اس کا اپنے دشمن کی قبر پر سے گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کے دشمن کے جسم کو کیڑے مکوڑے کھا چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے رونا شروع کردیا اور اس مرحوم دشمن کی قبر پر یہ تحریر کرا دیا کہ "اے دوست کسی کی موت پر خوشی کا اظہار نہ کرو کیونکہ اس کی موت کے بعد تیرا وقت بھی آنے والا ہے۔" (حکایات سعدی۔ بوستان)

حنا کرن۔ پتوکی

زندگی! مضامین کی زبان میں

☆ اسلامیات: خدا کی عطا کردہ ایک بہت بڑی نعمت ہے' اس لیے اس کا جتنا شکر ادا کیا جائے' کم ہے۔

☆ فزکس: ایک اسراع ہے۔ محبت' اعتماد اور خلوص کی سمت میں جتنی گنجائش بڑھتی جائے گی' اتنا ہی مثبت اسراع بڑھتا جائے گا۔

☆ کیمسٹری: وہ مالیکیول ہے' جو عزم اور اعتماد کے ایٹم سے مل کر بنتا ہے۔

☆ ریاضی: وہ عدد ہے' جو محبت اور خلوص کو جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے' اسے بڑے سے بڑا نفرت جیسا عدد بھی تقسیم نہیں کرسکتا۔

سعیدہ۔ ہری پور

محبت

☆ پہلی محبت اور پہلی بارش دونوں ہی انسان کو مبہوت کر دیتے ہیں۔(ناصر کاظمی)

☆ سچی محبت یہ بھی ہے کہ بچھڑ جانے کے بعد اس کی کسک محسوس ہو۔(بلراج ساہنی)

☆ محبت کے معاملے میں ہم سب یکساں طور پر بیوقوف ہیں(گوئٹے)

☆ محبت ایک خزانہ ہے جسے خوش قسمت لوگ پاتے ہیں۔(صوفیہ نورین)

☆ اکثر محبتیں اس لیے ضائع ہو جاتی ہیں کہ ہم اسے غلط آدمی کو سونپ دیتے ہیں۔(مادام ایملی)

☆ محبت کے دھنک رنگوں میں سب سے گہرا رنگ جدائی کا ہوتا ہے۔(ایڈگر ایلن پو)

☆ محبت اظہار نہیں مانگتی مگر کبھی کبھی اظہار کر دینا چاہیے دوسروں کو مطمئن کرنے کے لیے۔

☆ اسے دیکھو جو تمہاری طرف دیکھتا ہے اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے۔ اس کی سنو جو تمہاری سنتا ہے اور اپنا ہاتھ اسے دو جو تمہارا ہاتھ تھامنا چاہتا ہے۔ زندگی کا سفر انتہائی آسان بن جائے گا۔

ثریا شاہ۔۔ کھوڑ پکا

اندیشہ

"میری بیوی گھر پر دودھ سپلائی کرنے والے نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔" مریض نے ماہر نفسیات کو اپنی الجھن سے آگاہ کیا۔ "اس روز سے مجھے دودھ سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"دودھ سے کوئی نفرت نہیں کرتا۔" ماہر نفسیات نے کہا۔ "آخر تم دودھ سے کیوں نفرت کرنے لگے ہو' اصل وجہ بتاؤ؟"

"دراصل صبح کے وقت دروازے پر دستک ہوتی ہے تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ جیسے جیسے۔۔۔" مریض اٹکتے ہوئے بولا۔ "جیسے دودھ والا میری بیوی واپس کرنے آگیا ہے۔"

سلمیٰ زبیر۔ لاہور

اگر پھول پیش کرو تو!

☆ جاپانی لڑکی سلیقے سے گلدان میں سجا دیتی ہے۔

☆ برطانوی لڑکی جواب میں ضرور شکریہ کہتی ہے۔

☆ مصری لڑکی اسے اپنے بالوں میں سجا لیتی ہے۔

☆ افریقی لڑکی خوشی سے جھومنے لگتی ہے۔

☆ یورپی لڑکی خوش ہو کر قہقہہ لگاتی ہے۔

☆ امریکی لڑکی مسکرا کر ایک طرف رکھ دیتی ہے۔

☆ بھارتی لڑکی محبت کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔

☆ پاکستانی لڑکی کہتی ہے کہ کاش یہ پھول گوبھی کا ہوتا تو میں آج آلو گوبھی پکا لیتی۔

حمیدا واجد۔ کراچی

نمکین غزل

کرتے ہو کیوں گلہ کہ محبت نہیں ملی
آوارگی سے آپ کو فرصت نہیں ملی

اس عاشقی کے کھیل میں حلیہ لیا بگاڑ
آئینہ دیکھتا رہا صورت نہیں ملی

ہر نازنین کو تاڑتے راہ سے گزر گئے
مڑ مڑ کے دیکھتے رہے چاہت نہیں ملی

کیا کیا جتن نہ ہم کیے اس کی چاہ میں
لیکن کسی علاج سے راحت نہیں ملی

کھڑکی کھلی تو شوخ کا دیدار ہو گیا
لیکن رہا ملال کہ قربت نہیں ملی

دربان بن کے گیٹ کے باہر کھڑا رہا
ہوتا میں ہم کلام اجازت نہیں ملی

دھوکے سے اک غریب نے بیٹی بیاہ دی
دولہا کو اشتہار کی دولت نہیں ملی

دلہن کے ساتھ داج میں چیزیں ملیں ہزار
کوئی بھی چیز حسب ضرورت نہیں ملی

بن ٹھن کے یوں تو آئی تھیں سب ہی برات میں
دلہن سے خوب صورت عورت نہیں ملی

صورت تو خوب تھی مرے محرم رقیب کی
دیکھا قریب سے تو سیرت نہیں ملی

رفیع یوسفی محرم
مشی خان۔۔ مانسہرہ

محبت

☆ محبت کی حد وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں اختیار کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

☆ محبت کسی فلسفے، کسی مذہب کی محتاج نہیں ہوتی۔

☆ محبت اس دریا کی مانند ہے کہ اگر بارش نہ بھی ہو تو پانی کم نہیں ہوتا۔

☆ تکلف کی زیادتی محبت کی کمی کا باعث بن جاتی ہے۔

☆ محبت ہمیشہ اپنی گہرائیوں سے بے خبر رہتی ہے۔ جب تک کہ جدائی کے لمحے اسے بے دار نہیں کرتے۔

بسمہ علی۔ سرگودھا

سنہری حروف

☆ پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔

☆ بہترین آنکھ وہ ہے جو حقیقت کا سامنا کرے۔

☆ نفرت دل کا پاگل پن ہے۔

☆ انسان زندگی سے مایوس ہو تو کامیابی بھی ناکامی نظر آتی ہے۔

☆ زبان کا وزن بہت ہی ہلکا ہوتا ہے، مگر بہت کم لوگ ہی سنبھال پاتے ہیں۔

☆ جو شخص تم سے دوری اختیار کرے تم اس میں ہرگز دلچسپی مت لو۔

☆ حق کے علمبردار کبھی سر جھکا کر نہیں چلتے۔

☆ جس کو تم سے سچی محبت ہو گی وہ تم کو فضول اور ناجائز کاموں سے روکے گا۔

☆ کسی کو اچھے عمل سے دلی خوشی دینا، ہزار سجدے کرنے سے بہتر ہے۔

انعم انا۔۔۔ چکوال

جدید شاعری

مجھے کنوارا دیکھ کر جل رہی ہے اک دنیا
دعا کرو کسی دشمن کی بد دعا نہ لگے

✡ ✡ ✡

قرض لے کر ہم ہی سے ہم کو بھولنے والو
تمہیں بھلانے میں شاید ہمیں زمانہ لگے

یاسمین ملک۔ چکوال

دعا کرنا

مرے حق میں دعا کرنا
بچھڑتے وقت اس نے ایک ہی فقرہ کہا تھا
اسے کیا علم
میرے حرف سے تاثیر کب کی اٹھ چکی ہے
دعا کا پھول
میرے لب پہ کھلتے ہی
اچانک ٹوٹ جاتا ہے
میں کس خوشبو کو اس کے ہاتھ پر باندھوں
مجھے خوشبو سے ڈر لگنے لگا ہے

بیا اسامہ انجم۔ فیصل آباد

✡ ✡

سانحہ ارتحال

ہماری مصنفین رابعہ افتخار اور بشریٰ گوندل کے والد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم رابعہ افتخار اور بشریٰ گوندل کے دکھ میں برابر کے شریک اور دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ (آمین)

بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

طوبیٰ سعادت، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی نظم

سالگرہ

یہ ہی وہ دن تھا
جب آج سے چار سال پہلے
اسی روش پر بنفشی بیلوں کے نرم سائے ہیں، ہم ملے تھے
وہ لمحہ جب کہ ہمارے جسموں کو اپنے ہونے کا
حیرت آمیز، راحت افزا، نشاط ثبات مل چکا تھا
ہماری روحوں نے اپنا اپنا سنہری جنم لیا تھا
وہ ایک لمحہ
میں بہتی جائے
پتھروں کی سہی دھڑکن
زیر زباں کچھ کہتی جائے
روزن اب تک جاگ رہا ہے
جیسے تو آنے والی ہو
جیسے تیرے نرم لبوں کی ریشم کریں
اپنے دامن میں تیری آواز سمیٹے
میری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھیں اور پوچھیں "بوجھو!"
کس کی یاد کا مس تمہارے گرم لبوں کو چوم رہا ہے
اک زمانہ گھوم رہا ہے
جاناں اک پل آنکھیں کھولو
دیکھو آج ہمارے پیار کی پہلی سالگرہ کا
پہلا دن ہے

سالگرہ

برتھ ڈے کیک پہ جلتی ہوئی شمعوں کے بجھا دینے سے
کب بجھیں گے یہ شب و روز مہ و سال کے انگارے جنہیں
چھو نہ سکا
وقت کا سیل رواں
وقت کا سیل رواں جس کے خم و پیچ میں گم
ہم اور تم
ہم اور تم سے ہزاروں لاکھوں
گم سم
آج کی رات
میں نے ہر سال اسی طور سے کاٹی ہے کہ جیسے کوئی
قید خانے میں کرے عہد اسیری کا حساب
کرچیاں ہوتے ہوئے خواب چنے اور سنے
دشت احساس میں آہٹ کے سراب
کون، کب، کون سی منزل پہ ملا
کس طرح بچھڑا، کہاں پر بچھڑا
دوست کس طرح ہوئے دشمن جاں
غیر کس طرح ہوئے سانس کی خوشبو جیسے
کس کو فرصت ہے کرے ان کا حساب
اور اگر ہو بھی تو اس کام میں رکھا کیا ہے
آخر کار وہی سیل رواں ہوگا جواب
وقت کا سیل رواں
جس کے اس پار کہیں رکھی ہے
گمشدہ عمر کے لمحوں کی کتاب
اور اس پار فقط خواب ہی خواب
جو بھی رت آئے کھلا کرتے ہیں
تیری یادوں کے کنول، تیری جدائی کے گلاب

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر

ایک خوبصورت نظم

سالگرہ مبارک

دل سے نکلنے والی ہر دعا
نوک قلم پہ مچلتے سارے حسین و معتبر حرف
جلتی شمع کی ساری سنہری روپہلی کرنیں
سبز لباس پہنے سارے اونچے شجر
خوشنما پھولوں سے سجی دُور تک پھیلی بوگن ویلیا کی بیل
ادھر سے ادھر سوکھے پتوں کو اڑانے والی ہوائیں
آتی جاتی چودھویں کی روشنی میں نہاتی اونچی اونچی لہریں
سب کے سب تم کو آج کے دن وش کرتے ہیں
اگر سنو تو!
محسوس کرو تو!!
ساری کائنات تمہاری خوشیوں کے لیے دُعا گو ہے

انیلا ادریس، کی ڈائری میں تحریر
ایک نظم

مارچ اپریل کے دن بھی
کتنے عجیب ہوتے ہیں
جب جب پھول کھلتے ہیں
دل مرجھانے لگتے ہیں
کچھ بچھڑے لوگ یاد آنے لگتے ہیں
یوں تو بھری بہار میں ہر طرف خوشبو آتی ہے
دل کو نہ جانے کس کی جستجو ہوتی ہے
جب بھی یہ مہکی فضائیں آتی ہیں
گزرا وقت یاد دلاتی ہیں
یہ جو ہر طرف گل کھلے ہوتے ہیں
دل میں یادوں کے نشتر چبھوتے ہیں
کون کہتا ہے
کہ بہاریں خوشیاں لاتی ہیں
یہ تو اداسیوں سے دامن بھر جاتی ہیں

روبینہ یاسمین، کی ڈائری میں تحریر
فیض احمد فیض کی غزل

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہات میں تیرا ہات نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

مشکل ہیں اگر حالات وہاں، دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچۂ جاناں میں کیا ایسے بھی حالات نہیں

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جاں کی کوئی بات نہیں

میدان وفا دربار نہیں، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

شاہینہ عارف، کی ڈائری میں تحریر
فیصل ہاشمی کی نظم

تو گزر گیا کسی موج میں جسے توڑ کر مرے کوزہ گر،

مرے خال و خد کے نقوش تھے، اسی چاک پر مرے کوزہ گر
ترے بعد کوزہ فروش نے، مجھے طاقچے میں سجا دیا
جہاں ٹوٹ جانے کا خوف تھا، مجھے رات بھر، مرے کوزہ گر
تری کارگاہ کی خامشی، مجھے ناتمام نہ چھوڑ دے
تو دوام ہوتے سکوت میں کوئی بات کر مرے کوزہ گر
کہیں یوں نہ ہو ترے بعد میں، یونہی خاک پر ہی پڑا رہوں
مرے سونے نقش و نگار میں کوئی رنگ بھر مرے کوزہ گر
جو ظروف خانہ بدوش تھے، مجھے کوزہ گاہ میں دیکھ کر
سبھی حیرتوں میں چلے گئے مجھے چھوڑ کر مرے کوزہ گر
ابھی آگ سے مری گفتگو کو تمام ہونے میں وقت ہے
میں ہنوز نم ہوں کہیں کہیں، ذرا دیر کر مرے کوزہ گر
مجھے شکل دے کے دوبارہ، مرے ساتھ اسم وجود دے
کسی صبح اولیں وقت میں مجھے نقش کر، مرے کوزہ گر

شگفتہ سلیمان

گڑیا شاہ ____ کھرونڈپکا
یہ بے خودی یہ لبوں کی ہنسی مبارک ہو
تمہیں یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

گیلانی سسٹرز ____ کھرونڈپکا
خوشیاں ہزار تم کو ملیں سالگرہ پر
دیتے ہیں ہم دعا تمہیں عمر دراز کی

حنا کرن ____ پتوکی
تمہاری سالگرہ کے دن یہ دعا ہے ہماری
جتنے ہیں چاند تارے، اتنی ہو عمر تمہاری

رانیہ تحریم ____ مظفر گڑھ
رفعتیں اور بلندی بھی تجھ پہ ناز کرے
تیری یہ عمر خدا اور بھی دراز کرے
حسین چہرے کی تابندگی مبارک ہو
تجھے یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

بیا اسامہ انجم ____ فیصل آباد
کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم تم کو تم سے مانگیں
اور تم مسکرا کے کہو اپنی چیزیں مانگا نہیں کرتے

بریرہ اکرام ____ کراچی
چاہت بھرے وہ لفظ اور ہر لفظ میں دعا
مقروض کر دیا ہمیں تیرے خلوص نے

قرأت اکرام ____ کراچی
میں چاہت کی اس منزل پر آ پہنچا ہوں
کوئی تیری جانب دیکھے مجھے اچھا نہیں لگتا

شاہین رضوان ____ کراچی
کتنی محدود سی ہے دنیا میری
اک میں ہوں اک محبت تیری

ابرا شکیل ____ کراچی
ہم سے مجبور کا غصہ بھی عجب بادل ہے
اپنے ہی دل سے اٹھے، اپنے ہی دل پر برسے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ____ کراچی
آواز میں ٹھہراؤ تھا، آنکھوں میں نمی تھی
اور کہہ رہا تھا میں نے سب کچھ بھلا دیا

افشاں زرین، ورشہ ____ کراچی
سنا ہے ریت پر چل کر تم اکثر مسکراتے ہو
کہو تو اب کی بار میں زمیں کی دھول بن جاؤں

بشریٰ مزمل ____ لاہور
شب ڈھل گئی تو یادوں کے مہتاب بھی تھک گئے
جتنے بھی تھے نقوش تہ آب تھک گئے!
تھی اس قدر عجیب مسافت کہ کچھ نہ پوچھ
آنکھیں ابھی سفر میں تھیں کہ خواب تھک گئے

لائبہ رانی ____ قصور
یہ رسم بزم قتل ہے اے دل، گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری، جو تو یہاں بے قرار ہوگا

کنول ____ بھائی پھیرو
نظر کے سامنے اک راستہ ضروری ہے
بھٹکتے رہنے کا بھی سلسلہ ضروری ہے
تعلقات کے نامعتبر حوالوں میں
تمام عمر کا اک رابطہ ضروری ہے

گڑیا شکیل، شفقت شکیل ____ کراچی
سنا ہے ریت پر چل کر تم اکثر مسکراتے ہو
کہو تو اب کی بار میں زمیں کی دھول بن جاؤں

صبا ارشد ____ کراچی
عشق کے نشے میں ڈوبے تو یہ جانا ہم نے فراز
کہ درد میں تنہائی نہیں ہوتی تنہائی میں درد ہوتا ہے

وشال فرحان ____ کراچی
ہم نے ہر سانس محبت پہ فدا کی ہے
ہر دعا میں تیری چاہت کی التجا کی ہے
تم کیا کرو گے محبت کی انتہا
ہم نے تو ابتدا ہی انتہا سے کی ہے

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

میر تقی میر کراچی میں

پہلی نظر میں انہوں نے کراچی کو اور کراچی نے ان کو مسترد کر دیا۔ اٹھتے بیٹھتے کراچی میں کیڑے نکالتے شکایت کا انداز کچھ ایسا ہوتا تھا۔

"مغفت، یہ مچھر ہیں یا مگرمچھ 'کراچی کا مچھر ڈی ڈی ٹی سے بھی نہیں مرتا۔ صرف قوالوں کی تالیوں سے مرتا ہے یا غلطی سے کسی شاعر کو کاٹ لے تو باولا ہو کر بے اولاد مرتا ہے۔ نمرود مردود کی موت ناک میں مچھر گھسنے سے واقع ہوئی تھی۔ کراچی کے مچھروں کا شجرہ نسب کئی نمرودوں کے واسطے اسی مچھر سے جا ملتا ہے۔"

اور ذرا زبان کو ملاحظہ فرمائیے۔

"میں نے پہلی مرتبہ ایک صاحب کو پٹے والے کو پکارتے سنا تو میں سمجھا اپنے کتے کو بلا رہے ہیں معلوم ہوا یہاں چپراسی کو پٹے والا کہتے ہیں۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پھڈا اور لفڑا ہوتا رہتا ہے۔ تو کو تو کہتے ہیں اردو میں اس صورت حال کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ بھائی میرے 'اردو میں یہ صورت حال بھی تو نہیں ہے۔ بمبئی والے لفظ اور صورت حال دونوں اپنے ساتھ لائے ہیں۔ میر تقی میر اونٹ گاڑی میں منہ باندھے بیٹھے رہے 'اپنے ہم سفر سے اس لیے بات نہ کی کہ "زبان غیر سے اپنی زبان بگڑتی ہے۔" میر صاحب کراچی میں ہوتے تو بخدا ساری عمر منہ پر ڈھاٹا باندھے پھرتے یہاں تک کہ ڈاکوؤں کا سا بھیس بنائے پھرنے پر کسی ڈکیتی میں دھر لیے جاتے۔ اماں ٹونک والوں کو امرود کو صغری کہتے تو ہم نے بھی سنا تھا' یہاں امرود کو جام کہتے ہیں۔"

(اقتباس از آب گم مشتاق احمد یوسفی
ثریا شاہ۔۔۔ کہروڑپکا

انداز بیاں اور

سسرالی رشتہ داروں سے تعلقات اچھے نہ ہونے کے لیے وجوہات کا ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ یہی کافی ہے کہ وہ سسرالی رشتہ دار ہیں۔ بچوں پر ان باتوں کا ہرگز اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اس چپقلش سے لطف اندوز ہوتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ اگر امی سویرے سویرے حلوہ اور روسٹ تیار کر رہی ہیں تو آج نانی جان آئیں گی اور اگر امی صبح سے اپنا سر دوپٹے سے باندھے ہائے ہائے کر رہی ہیں اور دوپہر کو پھیکے تین' چار روز کے بچے کھچے کھانے جن میں دال سرفہرست ہے۔ کھانے کو ملیں گے تو دادی جان آرہی ہیں۔

اگر عید پر ماموں جان دس روپے دے کر گئے ہیں تو اس نوٹ کو ہر سو باقاعدہ پرچم کی طرح لہرایا جائے گا اور اگر چاچا جان سو روپے دے کر جائیں تو اس نوٹ کو جعلی قرار دیا جائے گا۔

(گدھے ہمارے بھائی ہیں۔۔۔ مستنصر حسین تارڑ)
سیدہ نسبت زہرا۔۔۔ کہروڑپکا

آس اور امید

انسان کی فطرت میں قدرت نے امید اور آس کی ڈور سے ہمیشہ بندھے رہنے کا ایک عجیب سا انتظام کر رکھا ہے۔ ایک ڈور ٹوٹتی ہے تو دوسری تھام لیتا ہے۔ دوسری ٹوٹتی ہے تو تیسری۔۔۔ یوں یہ سلسلہ اس کی سانس کی ڈور ٹوٹنے تک چلتا ہی رہتا ہے۔ شاید قدرت نے انسان کی طبیعت میں آس اور امید کا سلسلہ نہ رکھا ہوتا تو وہ پہلی ناامیدی پر ختم ہو جاتا' مایوسی سے مر جاتا۔

(خدا اور محبت۔۔۔ ہاشم ندیم)
فوزیہ ثمر بٹ گجرانوالہ

روبینہ شریف

ذمہ داریاں

نوجوان نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ایک جگہ ملازمت کے لیے درخواست دی تو اسے بہت سے امیدواروں کے ساتھ باقاعدہ تحریری امتحان میں بیٹھنا پڑا۔ اس کے سامنے جو پیپر آیا' اس میں ایک سوال یہ بھی تھا۔ "زمین سے سورج کا فاصلہ کتنا ہے؟"

نوجوان امیدوار نے جواب دیا۔ "مجھے صحیح طور پر تو معلوم نہیں کہ زمین سے سورج کا فیصلہ کتنا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ فاصلہ اتنا ہرگز نہیں ہے کہ یہاں جو ذمہ داریاں میرے سپرد کی جائیں گی' ان کے سلسلے میں سورج کوئی رکاوٹ ڈال سکے۔"

صوفیہ۔۔۔ حیدر آباد

مبارکباد

"بہت بہت مبارک ہو! آج تمہاری خوشیوں بھری زندگی کا یادگار دن ہے۔" ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا۔

"شکریہ دوست! لیکن تم مجھے آج کیوں مبارکباد دے رہے ہو' میری شادی تو کل ہے۔" دوست نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اسی لیے تو آج مبارکباد دے رہا ہوں' کل سے تم مظلوموں کی فہرست میں شامل ہو جاؤ گے۔" اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شائستہ صنم۔۔۔ حیدر آباد

سمجھداری

ایک صاحب کی بیوی وہمی طبیعت کی مالک تھیں۔ وہ روز رات کو گھر کے کسی نہ کسی حصے سے آوازیں بلند ہوتے سنتیں تو شوہر کو سوتے سے جگا کر مجبور کرتیں کہ وہ اس حصے کو جا کر چیک کریں۔ اس روز روز کی مشقت سے تنگ آ کر ایک دن صاحب نے بیگم کو یقین دلایا کہ چور چوری کرنے آئیں تو شور و غل نہیں مچاتے بلکہ خاموشی سے اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

صاحب کی بیگم سمجھدار تھیں۔ ان کی سمجھ میں یہ نکتہ آگیا۔ اس کے بعد سے آج تک وہ شوہر موصوف کو اس وقت سوتے سے جگاتی ہیں۔ جب گھر پر خاموشی طاری ہو اور گھر کے کسی حصے سے کوئی آواز نہ آرہی ہو۔

شہلا اسلام۔۔۔۔۔ بہاول پور

ایک آرٹسٹ نے تیس دن کی کڑی محنت کے بعد اپنی ایک شاہکار پینٹنگ مکمل کی۔ اس نے عالم نزع میں ایک شخص کی منظر کشی کی تھی' وہ اس پینٹنگ کے ذریعے موت کی ہولناکی کو اجاگر کرنا چاہتے تھے۔ اسی روز ان کے دوست ڈاکٹر شاہ آگئے جو پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے۔ آرٹسٹ نے بڑے فخر سے اپنی پینٹنگ انہیں دکھائی اور ان سے اس کے متعلق رائے طلب کی۔

ڈاکٹر شاہ کافی دیر تک مختلف زاویوں سے اس پینٹنگ کا معائنہ کرتے رہے اور پھر بولے۔

"میرے خیال میں تو یہ شخص ملیریا سے مر رہا ہے۔ ویسے نمونیا بھی ہو سکتا ہے' بہتر ہے کہ تم کسی اسپیشلسٹ سے بھی رائے لے لو۔"

ثمرین ملک۔۔۔ نارتھ کراچی

ٹائم

گائیڈ نے عمارت کے گرد پھیلے ہوئے کھنڈرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک دس بج کر دس منٹ پر خوفناک زلزلہ آیا اور چاروں طرف کی عمارتیں تباہ ہو گئیں۔"

"لیکن یہ عمارت کیسے بچی؟" خاتون نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے مینار کی گھڑی بیس منٹ آگے تھی۔" گائیڈ نے جواب دیا۔

نورین ملک.... جہلم

سوا سیر

چھ نوجوان دوست کالج سے واپس آرہے تھے۔ ان کے آگے تین لڑکیاں جا رہی تھیں۔ وہ لڑکے ان کے پیچھے چلنے لگے۔ اچانک ایک لڑکے نے بلند آواز میں کہا۔ "یار! ہم تو چھ ہیں اور لڑکیاں تین۔ فیصلہ کیسے ہوگا؟"

ان میں سے ایک لڑکی جو کچھ زیادہ ہی تیز و طرار تھی، پلٹ کر بولی۔ "فکر مت کرو ہم تین ہیں تو کیا ہوا لیکن سینڈلوں کی تعداد چھ ہی ہے، فیصلہ ٹھیک ٹھاک اور انصاف سے ہوگا۔"

ام ہانیہ.... گجرات

پرہیز

ایک صاحب کی عادت تھی کہ جو بھی لفظ پڑھتے اس پر فوراً" عمل کرتے، پھر آگے پڑھتے، اسی طرح پڑھتے جاتے اور عمل کرتے جاتے۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑ گئے۔ ڈاکٹر نے ایک پرچے پر ادویات لکھ کر دیں اور دوسرے پرچے پر کھانے سے متعلق ہدایات۔ ان صاحب نے ادویات لیں اور گھر آگئے۔

گھر آکر انہوں نے دوسرا پرچا کھولا، اس پر سب سے اوپر لکھا تھا "مرغی"۔ وہ صاحب جلدی سے بازار گئے، مرغی لائے اور پکا کر کھالی، پھر دوسرا لفظ پڑھا۔ لکھا تھا "بکرے کا گوشت" وہ صاحب فوراً" بازار گئے، گوشت خرید کر لائے اور شام کو کھالیا۔ تیسری سطر میں لکھا تھا "انڈا" انہوں نے فوراً" انڈا منگوایا اور کھا گئے۔ اب انہوں نے آخری سطر پر نگاہ ڈالی تو وہاں لکھا تھا "ان چیزوں سے پرہیز کرنا ہے۔"

روبینہ لیاقت.... کراچی

صحت

ایک دولت مند آدمی مرگیا۔ کفن دفن کے بعد اس کے رشتے دار گھر میں اکٹھے ہوئے تاکہ مرحوم کی وصیت وکیل کی زبانی سن لیں۔ وصیت کھولی گئی تو وہ کچھ یوں تھی۔

"بیوی کے لیے گھر اور بینک کا تمام روپیہ، اکلوتے بیٹے کے لیے تینوں گاڑیاں اور سالے کے لیے اسٹور میں پڑی تمام گاجریں۔ کیونکہ میرا سالا کہا کرتا تھا "دولت سے صحت ہزار درجہ بہتر ہے۔"

افشاں یاسر گوندل.... اٹاوہ

فکر مند

ایک صاحب ایک مہینے کے لیے بیرون ملک جارہے تھے۔ ایئرپورٹ جانے کے لیے وہ گھر سے نکلے تو کچھ لیٹ ہو چکے تھے۔ راستے میں گھڑی دیکھتے ہوئے وہ ڈرائیور سے بولے۔ "گاڑی تیز چلاؤ۔ کہیں میری فلائٹ نہ نکل جائے۔"

ڈرائیور جو پہلے ہی گاڑی تیز چلا رہا تھا فوراً" بولا۔ "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا صاحب! میں آپ کی فلائٹ نکلنے نہیں دوں گا۔ کیونکہ بیگم صاحب نے کہا کہ اگر آپ کی فلائٹ نکل گئی تو وہ مجھے نوکری سے نکال دیں گی۔"

رفعت لغاری.... سکھر

فلم

گھر کی نوجوان ملازمہ نے مالکن سے فلم دیکھنے جانے کی اجازت مانگی۔ فراخ دل مالکن نے اجازت دے دی ملازمہ فلم دیکھ کر واپس آئی تو کیا فلم اچھی لگی؟

کیا کہانی تھی اور کس کس ایکٹر نے کام کیا تھا اس میں؟" مالکن نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے پتا نہیں بی بی جی۔" ملازمہ نے چند لمحے دماغ پر زور دینے کے بعد جواب دیا پھر ذرا شرماتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔ "وہ۔ دراصل۔ میں پڑوس والے بنگلے کے خانساماں کے ساتھ فلم دیکھنے گئی تھی۔"

نشانورین...یوتالہ جھنڈا سنگھ

مشکوک

پولیس نے ایک دیہاتی سے کہا "آپ کے اردگرد اگر مشکوک شخص رہتا ہے تو پولیس کو فوری اطلاع۔"

دیہاتی نے جواب دیا۔ "میرا پڑوسی وقت پر دفتر جاتا ہے کام ایمان داری سے کرتا ہے۔ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں۔ رشوت نہیں لیتا۔ جھوٹ نہیں بولتا اور ٹریفک کے اصولوں کی پابندی کرتا ہے اس کو چیک کریں۔ وہ مجھے پاکستانی نہیں لگتا۔"

ترنم شیخ...پنڈی

ٹریڈ مارک

لندن کے ایک ٹیلر نے اپنا ٹریڈ مارک گندم کا دانہ رکھا۔ اس کے دوست نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارا کام کپڑے سینا ہے۔ گندم کا دانہ تمہارا ٹریڈ مارک کہاں سے ہو گیا؟"

"یہ سارا سلسلہ ہی گندم کے دانے سے شروع ہوا ہے۔" ٹیلر نے ٹھنڈی سانس لے کر "تصور کرو۔ اگر گندم کا دانہ نہ ہوتا تو کیا آج کپڑوں کا رواج ہوتا۔"

افشاں علی...کراچی

آئینہ

ساحلِ سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے ڈیٹ مارتے ہوئے لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ سے پوچھا "جانو تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"ہائیں سچ! کیا تم میرے لیے چاند لا سکتے ہو۔" لڑکی نے پرجوش ہو کر کہا۔

"تم ایک منٹ رکو ذرا۔" یہ کہہ کر لڑکا غائب ہو گیا اور کافی دیر انتظار کے بعد جب لڑکا واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جو اس نے لڑکی کے ہاتھوں میں پکڑائی۔ لڑکی نے دیکھا تو آئینہ تھا جس میں اپنے عکس پر نظر پڑی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خوش ہو کر لڑکے کو مخاطب کیا۔ "کیا تم مجھے چاند سمجھتے ہو۔"

"نہیں میں تو تمہیں یہ کہہ رہا ہوں کہ چاند مانگتی ہو۔ کبھی شکل دیکھی ہے اپنی۔" لڑکے نے رکھائی سے "ہونہہ" کہہ کر جواب دیا۔

فائزہ محمد زبیر خان' ناظم آباد 2 کراچی

بہری!

ایک عورت نے اپنے شوہر پر بارہ گولیاں چلائیں۔ مقدمے کے دوران جج نے پوچھا۔

"ملزمہ نے اتنی زیادہ گولیاں اپنے شوہر کے جسم میں کیوں اتاریں آخر؟"

"دراصل۔ میری موکلہ اونچا سنتی ہیں۔" ملزمہ کے وکیل نے دفاع کرتے ہوئے کہا۔

اچھی بات!

دو چیزیں زندگی میں پورے حق سے لینی چاہئیں۔

1 - سبزی کے ساتھ دھنیا
2 سموسوں کے ساتھ چٹنی

نامے میرے نام

اس ماہ کا خط

فائزہ بھٹی۔۔۔ پتوکی

شام اپنی تمام تر اداسیوں اور واہموں سمیت اتر رہی تھی۔ شام کا وقت بھی کیسا انوکھا ہوتا ہے' کچھ ہونے کا ڈر' کھونے کا خوف' ایک احساس کہ ایک اور شام امیدوں کی نذر ہوئی' مگر ہم لوگ شام ہونے کے باوجود خالی ہاتھ خالی دامن ہوتے ہیں' یہ سب چیزیں دل کے اندر دھند کی صورت ڈیرا ڈال لیتی ہیں پھر اس دھند کو ہٹانے نئی صبح کا احساس دلانے ہمارا اپنا کرن آجائے تو اس سے بھلا کیا احساس ہو سکتا ہے۔ ٹائٹل سادہ' پروقار سا تھا۔ دل کے تار چھیڑنے میں کامیاب ٹھہرا۔ شاید اور لوگ مجھ سے متفق نہ ہوں' مگر ہمیں تو یہ اچھا لگا ہے۔ فہرست پر نظر دوڑائی۔ اوہ اللہ تیرا شکر "شاید" موجود ہے۔

"حمد و نعت" کے بعد "ایمن خان" "سجل" دونوں سے ہیلو ہائے کہا' اچھا لگا "آواز کی دنیا" یہ سلسلہ مجھے پسند ہے' مگر نعیم خان کو آج تک سنا ہی نہیں' ہمارے پسندیدہ آر جے ہوں تو بات بنے۔ "شاید" فائزہ جی' سعد کے نصیب میں آنسو ہی آنسو ہیں اب تک تو' یہ میرا پسندیدہ کردار ہے یہ ام ہانی بھی نا' ہر بار ایک انوکھے وعدے میں جکڑ لیتی ہے اور یہ بڑے دادا کیوں مر گئے۔ اتنے مزے کا کردار تھا ان کا' ویسے بڑے دادا نے سعد کا مان نہیں توڑا۔۔۔ سالار تمہیں کیا مسئلہ ہے۔ خود نہیں تو دوسروں کو چین سے رہنے دو حد ہو گئی اس قدر بے رحم انسان۔ اللہ کرے اس کی اماں ہی سعد لوگوں کو فون کر کے بلا لے۔

"ردائے وفا" فرحین اظفر نے اچھا کیا' قارئین کے بور ہونے سے پہلے ہی کہانی ختم کر دی۔ آخر میں سب کے ساتھ اچھا ہو گیا۔ کاش اصل زندگی میں بھی ہو جایا کرے۔ کہانی اچھی تھی۔ مبارک باد قبول کریں فرحین جی۔ "راپنزل" تنزیلہ ریاض بہت خوب صورتی کے ساتھ کہانی کو لے کر چل رہی ہیں۔ سمیع رویا' ہمیں بھی رلایا اپنے کسی پیارے کو موت کے منہ میں جاتا دیکھنا نزع طاری کر دیتا ہے۔ نینا ڈالی ڈالی منڈلانے والے کیڑے' کاشف کی اولاد معلوم ہوتی ہے۔ اشارہ تو تنزیلہ نے یہ ہی دیا ہے آگے وہی بہتر جانیں۔

"دل ٹوٹ کے ہارا تھا" نایاب جیلانی کے کرداروں کی شدت پسندی ہمیں بڑی پسند ہے' باقی تو چلو ٹھیک ہے' مگر فریحہ کے ساتھ واقعی میں برا ہوا۔ حد ہے عون کے ابا' یقین ہی نہیں کرنا اپنی اولاد پر۔۔۔ ویسے عون کے رویے سے لگتا ہے وہ ماہ رو کو جلد ہی قبول کر لے گا۔ چلو اچھا ہے کسی ایک کی سزا تو کم ہو گی۔ عاشر اب فریحہ کا ہونا چاہیے۔ "مین مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کی کہانی دو اقساط میں ہی بہترین ہونے کا ثبوت دے رہی ہے۔ اب آگے اسی امید کے تحت پڑھیں گے۔ "وہی درد میری حیات ہے" قرۃ العین خرم نے اچھا لکھا۔ ویسے کنول کا اپنے شوہر کو بے خبر رکھنا ہمیں بھی اچھا نہیں لگا تھا حالانکہ اس کے شوہر نے ہر طرح کا ساتھ دیا تھا' مگر دعا بن کر جو اس نے اپنے عمل سے سب کو ترجیح دی' وہ دل میں مقام بنا گئی۔ قرۃ العین یقیناً رائٹر کی صف میں اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔ "برسات محبت کی" اچھی رہی۔ سلمان تو سالار اعظم کے قبیلے کا آدمی تھا کس قدر اذیت پسند تھا نا۔ عمر شہزاد اچھا کردار تھا آخر تک اچھا ہی رہا۔ پوئٹری کی کلیکشن اچھی تھی شبینہ گل کی۔ اصلاح کرنے میں بھی یہ اسٹوری پیش پیش رہی۔ باقی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں۔ "مقابل ہے آئینہ" سیدہ لوبا سجاد لڑکی تم نے اچھا لکھا۔ مزہ آیا پڑھ کر۔ خدا پاک تمہارے نصیب اچھے کرے (آمین) "یادوں کے دریچے" حنا کرن' گڑیا شاہ نے اچھا لکھا۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے۔" مدیحہ' ایمان' ندا فضہ' عذرا ناصر' ارم کا انتخاب اچھا تھا۔

"نامے میرے نام" سلمیٰ زبیر مبارک ہو' اس ماہ کے خط کی حق دار آپ ٹھہریں' فوزیہ ثمر بٹ' تمہارے ابو کے بارے میں پڑھ کر دل دکھی ہوا۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی کی۔ اب بھی دعا ہے کہ خدا پاک انہیں بلند مرتبہ عطا فرمائے (آمین)۔

انیقہ لانا آپ کا آنا بہت اچھا لگا۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" جس میں میرا انتخاب کیوں نہیں شائع کرتے دل بجھ سا جاتا ہے۔ ایسی ناقدری پر۔

ج ۔ فائزہ آپ نے بہت تفصیل سے اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا پڑھ کر بہت مزا آیا آپ کا انتخاب بھی ان شاء اللہ ہم ضرور "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں شامل کریں گے۔

سیدہ نسبت زہرا..... کھروڑپکا

میں اتنی پرجوش اور خوش ہوں کہ "مابدولت" PMD کرنے پاکستان سے باہر جارہے ہیں

سب سے پہلے خط پڑھے "نامے میرے نام" انیقہ جی! اب پیچھے مت دیکھو آگئی ہو تو مبارکاں خوش آمدید مبارک بھلا کس بات کی؟ گورنمنٹ کی استانی بننے پر۔

فوزیہ ثمریٹ آپ کے والد کا سن کر افسوس ہوا۔ اللہ سے دعا گو آپ کے والد کی مغفرت اور آپ کو صبر عطا کرے یہ بہت گہرا صدمہ ہے آپ کے لیے۔

ٹائٹل بس سو سو لگا ایمن خان اور سجل کے انٹرویو پڑھے، سجل ایک معصوم اور پیاری لڑکی لگی۔ سجل نے ٹھیک کہا یہاں ہر چیز کی آزادی ہے۔

"شادی مبارک" ایک اچھا سلسلہ بیٹھے بٹھائے شادی .....واہ۔ اس کے بعد لمبی چھلانگ لگا کے پہنچ گئی "شاید" پر۔

فائزہ جی یہ قسط تو کافی تبدیلیاں لے آئی۔ سعد کی پھوپھو ________ تانیہ کے ڈیڈ کی شادی۔ ڈرامیٹک سا لگ رہا ہے کہ اچانک بہرحال ایک روایت کو توڑ کر سعد اچھا اسٹیپ لے رہا ہے۔

"دل ٹوٹ کے ہارا" نایاب جیلانی فریحہ کے ساتھ بالکل اچھا نہیں ہوا عون بھی بے اعتبار ٹھہرا اور ماہ رو کو نایاب شدت کے ساتھ دکھا رہی ہے۔ ہر کردار کے ساتھ پڑھتے ہوئے بندہ اسی کردار کا دلدادہ ہو جائے۔ خوب صورت انداز بیان، کافی اچھی طرح اسٹوری آگے بڑھ رہی ہے۔

"من مورکھ" آسیہ مرزا کے ناول کی دوسری قسط پڑھی۔ حوریہ کے کردار کی مضبوطی اچھی لگی۔ حازم کو دو شاکنگ نیوز ملی، باپ کا قد اور محبت زمین بوس دوسری تانا کی طرف سے عباد گیلانی نے بیوی کو کس بنا پر چھوڑا۔

"ریسیپی بک" اچھا روایتی حقیقت پر مبنی، "محبت موسم اور تم" بنت سحر کی اچھی کاوش "برسات محبت کی" شبینہ گل کی خوب صورت اشعار سے مزین اچھی اسٹوری۔ "آئینہ کدہ ہے دہر" بیٹے اور بیٹی کی تربیت پر مبنی افسانہ "ویلن ٹائن ڈے" سبق آموز تحریر پر ماہم علی زبردست۔

باقی سب بھی ٹھیک لگا کرن کتاب بھی مزے کی لگی ہاہاہا..... بھئی مختلف چہروں کی خصوصیات آنکھیں ہونٹ وغیرہ کا لکھا ہوا۔ معلومات میں اضافہ۔

پلیز شاہین رشید سے کہیں راحت فتح علی کا انٹرویو کریں۔ مجھے بہت بہت ان کی آواز پسند ہے۔

راپنزل۔ شہرین اور سحر کی محبت، عزیز جان ہستی کو اتنی بڑی بیماری کی خبر کرنا مشکل مایوسی کی انتہا کو دیکھیں مرد کے لیے واقعی اذیت ناک ہوتا ہے رونا، وہ دکھ تو برداشت کرتا ہے مگر روتا تو نہیں۔ شدت جذبات کی وجہ سے ایسا ہو رہا سمیع کے ساتھ قسط سوگواری رہی۔

ج ۔ سیدہ نسبت سب سے پہلے PMD کرنے جانے پر ہماری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے (آمین) آپ وہاں جا کر کرن پڑھنا اور اس کی کہانیوں پر تبصرہ کرنا نہیں بھولیے گا۔ آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچا دی گئی ہے۔

روزینہ نعیم، یاسمین نعیم..... کھیالی گرجوانوالہ

نہ تو کوئی سلام لوں گی اور نہ ہی کوئی فضول بات کروں گی سیدھی آئی ہوں نایاب جی کے "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" یہ قسط پڑھ کر تو میرا اپنا دل بھی ٹوٹے ٹوٹے ہو گیا۔ دل کر رہا تھا کہ اونچی آواز سے رولوں تاکہ میرا غصہ تو کم ہو، جب نایاب جی کو ہمارے دل کا خیال ہی نہیں تو ہم کیوں اپنے آنسو پھر ضائع کریں۔ آپ نے اچھا نہیں کیا ویسے فریحہ کے ساتھ وہ بے چاری معصوم سی اسے تو اتنا بھی پتا نہ چل سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا رہی بات عون عباس تو میں اب یہ کہنے سے تو رہی کہ بے چارہ، کتنا ظلم ہوا اس کے ساتھ بچپن کی منگیتر کو چھوڑ کر اس پاگل لڑکی کو اپنا ساتھی بنا لیا یہ۔

ج ۔ روزینہ اور یاسمین یہ کس نے کہہ دیا کہ ہم تنقیدی خط شائع نہیں کرتے۔ ہمیں آپ سب قارئین کی رائے کا انتظار رہتا ہے۔ کچھ پسند کرتے ہیں اور کچھ ناپسند، ہر ایک کو آزادی رائے کا حق ہے۔ جہاں تک نایاب کی کہانی کا تعلق ہے آپ نے شاید غور سے نہیں پڑھا ماہ رو کو تو علم ہی نہیں تھا کہ عون کی شادی اس کی دوست فریحہ سے ہو رہی ہے۔ کہانی آگے پڑھیں ہمیں یقین ہے کہ آپ کی

رائے بدل جائے گی۔

آسیہ ارم۔۔۔ ملیر

کرن 13 فروری کو ملا "اپنا خط نہ پاکر کچھ بے چینی سی ہوئی پھر سوچا کہ کوئی ٹھوس وجہ ہی ہوگی خیر! بالکل بھی دل نہیں تھا کہ اس دفعہ کرن کے لیے قلم کو تھاموں (مگر ہائے) قرۃ العین خرم ہاشمی آپ نے سارے ارادے توڑ ڈالے۔ "وہی دردِ میری حیات ہے" آپ کو بتاؤں کہ میں جب بھی کوئی تحریر پڑھتی ہوں تو بڑی حقیقت پسندی سے تنقیدی نظر رکھ کر پڑھتی ہوں۔ مگر قرۃ العین کی اسٹوری پڑھ کر یقین ہی نہیں آیا کہ کوئی کرداروں کے ساتھ اتنا بھی انصاف کر سکتا۔

بہت سارے سبق ہیں اس ناول میں۔ بہت اچھے قرۃ العین آپ نے بہت اچھا موضوع چنا اور پھر اس کے ساتھ بھرپور انصاف بھی کیا۔ اس مہینے کے تمام ڈائجسٹ میں نمبر لے گیا یہ ناول۔

"ردائے وفا" بالآخر ختم ہوا۔

فائزہ افتخار کی تحریر "شاید" زبردست جا رہا ہے ابھی بھی کچھ گتھیاں سلجھنی باقی ہیں۔

"دل ٹوٹ کے ہارا تھا" کی یہ قسط کچھ اچھی نہ لگی یہ کیا کہ ماہ رو کو یا تو مظلوم دکھائیں یا ظالم اور یہ کیا کہ پیدا کرنے والے اپنی اولاد کو ایک موقع بھی نہیں دے رہے اپنی صفائی کا اف اتنا کھلا تضاد۔

تنزیلا کا "راپنزل" اتنے کم صفات کا ہو گیا ہے کہ ابھی پڑھنے میں مزا آنے لگتا ہے اور ادھر "باقی آئندہ" منہ چڑا رہا ہوتا ہے پلیز ذرا زیادہ صفحات کا لکھا کریں۔

آسیہ مرزا کا۔ بس ٹھیک ہی ہے "من مورکھ" باقی کچھ سلسلے ابھی پڑھے نہیں۔

ج۔ ارم آپ کا خط ہمیں دیر سے موصول ہوا تھا لیکن ہمارے لیے اہم ہوتا ہے ہر خط شائع ہو سکے یا نہ ہو سکے ہمیں آپ سب کی پسند اور ناپسند سے آگاہی ہو جاتی ہے۔

ثناء شہزاد۔۔۔ کراچی

سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ "حمد و نعت" تو ہوتی ہی لاجواب ہیں۔ ایمن خان اور تجمل علی سے ملاقات خوب رہی۔ "شادی مبارک" بہت اچھا سلسلہ شروع کیا ہے آپ نے ویلڈن۔ "مقابل ہے آئینہ" میں سیدہ لوبا سجاد کا نام اچھا لگا' میں نے ان کا نام فروری کے شعاع میں بھی دیکھا۔ افسانے سب اچھے تھے "ریسیپی بک" شہزادی کائنات نے بہت خوب صورتی سے سفید پوش گھرانے کا نقشہ پیش کیا آخر میں بہت اچھا درس تھا۔ "محبت موسم اور تم" بھی اچھا تھا۔ شبانہ شوکت نے بالکل سچائی بیان کی بس ہمارے یہاں کی عورتیں ٹھیک ہو جائیں جو ناپختہ ذہنوں کو بہکاتی ہیں ماہم علی تو آتے ہی چھا گئیں ان کی دوسری کاوش بھی شاندار رہی۔ اب جلدی سے مکمل ناول لکھیں آپ ہمیں انتظار ہے۔ ناولٹ "برسات محبت کی" شبینہ گل نے بہت اچھا لکھا اساور نے سلمان کا اتنا ظلم برداشت ہی کیوں کیا وہ تو واقعی میں ذہنی مریض تھا۔ اساور کو تو شروع میں ہی چھوڑ دینا تھا اسے۔ عمر کی شاعری بہت عمدہ لگی۔ "جان حیات" سویرا فلک نے تو کمال کر دیا بہت مزے کا تھا ناولٹ کا اینڈ بہت اچھا لگا رمل نے تحریم کو جو سمجھایا وہ ہم نے بھی اپنے ذہن میں بٹھا لیا۔ "شاید" فائزہ جی کے ناولٹ کی میں کیا تعریف کروں انہوں نے تو اپنے لفظوں کے ذریعے ہمیں جکڑ لیا ہے جتنا پڑھتی جا رہی ہوں اتنی دیوانی ہوتی جا رہی ہوں۔ یہ کہانی صدیوں یاد رہے گی۔ سعد کی ہانی سے محبت بے مثال ہے۔ تانیہ نے جو کیا وہ بہت اچھا لگا کہ اس نے اپنی محبت کو آزاد کر دیا

اب کی قسط میں "ردائے وفا" کا اختتام ہو گیا فرحین اظفر کو اتنا اچھا ناول لکھنے پر بہت بہت مبارکباد قبول ہو۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ کہانی کو زیادہ طویل نہیں کیا۔ تنزیلہ ریاض پلیز آپ شیریں کو کہانی سے مت ہٹائیے گا وہ ٹھیک ہو جائے سمیع کی محبت نہ بچھڑے اور کاشف صاحب جلد سے کوئی فلم بنا لیں۔ "من مورکھ کی بات" آسیہ مرزا کے ناول کی دوسری قسط پڑھی اچھی لگی۔ فضا کو بابر بے وقوف بنا رہا ہے لگتا ہے وہ اپنا بہت بڑا نقصان اٹھائے گی کیونکہ حوریہ کے سمجھانے کا تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حازم کے دل میں مومنہ کے لیے جو نفرت ہے وہ جلد ختم ہو جائے۔ قرۃ العین نے بھی بہت زبردست لکھا اتنے خوب صورت الفاظ کا چناؤ کیا۔ دعا کا فیصلہ بالکل درست تھا شہریار نے بھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی۔ "دعا میرے نام" ہم انیقہ آپی فوزیہ ثمر آپی آپ لوگوں کو نہیں بھولے تھے۔ آپ سب تو کرن کی محفل کی جان ہے۔

ج ۔ ثنا آپ نے بہت جامع اور اچھا تبصرہ لکھا ہے کرن کی کہانیوں پر ہمیں بہت پسند آیا۔ امید ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی محفل میں شامل ہوتی رہیں گی۔

ارم فاطمہ...... فیصل آباد

سب سے پہلے "ردائے وفا" اتنا اچھا اینڈ ہوا کہ کیا بتاؤں بہت اچھا ہوا اینڈ۔ میں تقریباً" ایک سال سے کرن مستقل پڑھ رہی ہوں اس سے پہلے بھی پڑھتی تھی مگر کبھی کبھی۔ اب تو جنون کی حد تک پڑھنے کا شوق ہے۔ پہلے میں نے "دردل" ناول پڑھا تھا مجھے بہت اچھا لگا اور پھر "شام آرزو" مگر پھر مصنفہ کی ڈیتھ کا بہت افسوس ہوا۔ کرن کا معیار بہت بہت اچھا ہو گیا ہے اس کے لیے میں سارے ادارے کو مبارک باد پیش کرتی ہوں۔

کرن کے تمام سلسلے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ مگر کرن کتاب کی تو کیا ہی بات ہے۔ اب آتی ہوں رسالے کی طرف تو۔ ناول "من مورکھ کی بات" بہت اچھا جا رہا ہے۔ "راپنزل" بھی مجھے پسند ہے اس میں نینا کا کردار اچھا ہے مگر یہ کیا کاشف اب فلم بنائے گا چلو دیکھتے ہیں کیا کرتا ہے۔ اب بات ہو جائے مکمل ناول کی تو "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" بہت اچھا جا رہا ہے اس میں عون کا کردار بہت اچھا ہے مگر فریحہ کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ مہندی کی رات عون کا نکاح ہو گیا پڑھ کر بہت بڑا جھٹکا لگا۔ اب عون ماہ رو کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ یہ تو آگے پڑھ کر ہی پتا چلے گا۔

دوسرا مکمل ناول ابھی نہیں پڑھا۔ افسانوں میں ابھی تک تو "ویلن ٹائن ڈے" پڑھا بہت اچھا لگا۔ اچھا سبق دیا ماہم علی نے۔

باقی اس لیے نہیں پڑھے کہ میرا لیٹر جلدی پوسٹ ہو جائے۔ انٹرویو ایمن خان اور تجمل علی دونوں میری فیورٹ ہے اور ان کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ خاص طور پر تجمل کے بارے میں پڑھا۔ اچھا لگا۔ باقی تمام مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔

ج ۔ ارم آپ "ستارے میرے نام" کی محفل میں شامل ہوئیں بہت خوشی ہوئی۔ امید ہے کہ آپ آئندہ بھی کرن کی کہانیوں پر اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیں گی۔

ثوبیہ نور...... کشن گڑھ۔ سجاول نگر

سب سے پہلے اداریہ پڑھا سوچ کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے بے اختیار ملک و قوم کی بہتری کی دعا کی۔

ایمن خان اور تجمل علی سے ملاقات اچھی رہی۔ سیدہ لوبا کے خیالات بڑے سلجھے ہوئے سے لگے۔ گڈ

"قرۃ العین خرم" نے اچھا لکھا۔ دعا نے اچھا فیصلہ کیا اور وقت نے ثابت کیا کہ اس کے فیصلے نے نا صرف اس کے شوہر اور سسرالیوں کو بلکہ اسے بھی مطمئن کیا ورنہ جتنا بھی احترام سہی محبت سہی مگر شہریار اپنی ماں کی دل آزاری کر کے خوش نہ تھا۔ بلاشبہ زندگی میں سب ہی کچھ اچھا اچھا نہیں ہوتا' ہاں جو کچھ ہمارے مزاج کے خلاف ہو اس کے ساتھ سمجھوتا کر کے زندگی میں تھوڑی آسانی ضرور ہو سکتی ہے۔ ماہم علی کا افسانہ پڑھا نا پختہ ذہنوں کے لیے اچھی تحریر ہے۔ "ویلن ٹائن ڈے" ہے 'وہ تہوار جب مسلمان اتنے جوش و خروش سے مناتے ہیں تو حیران کر دیتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کو۔۔۔ اصلیت کا پتا بھی نہیں ہوتا بس دوسروں کی دیکھا دیکھی منا رہے ہوتے ہیں۔

"جان حیات" پڑھا۔ اشعر اور تحریم کا مسئلہ' ہر اس کپل کا مسئلہ ہے جو شادی کو جسٹ انجوائے منٹ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تو مزید ذمہ داری کی ایک لمبی قطار ہے جو کاندھوں پر آپڑتی ہے اور خامیوں سے پاک تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے ہم خود بھی نہیں تو جب ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اگلا بندہ ہمیں خامیوں خوبیوں سمیت قبول کرے تو ہمیں خود کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

شبینہ گل نے اچھا لکھا' بعض دفعہ ہم اپنا معیار بڑھاتے چلے جاتے ہیں حتی کہ 'اس آگے ہی آگے بڑھنے کی دوڑ سے اٹھتی دھول نا صرف ہمارے اپنوں کو ہم سے' ہماری نگاہوں سے دھندلا دیتی ہے بلکہ ہماری منزل بھی اسی دھول میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

عائشہ مغل کی شادی کا احوال پڑھا اور ان کی خوشیوں کی دعا کی۔ خلوص و محبت کی روشنی میں لکھے گئے نامے پڑھے' انیقہ انا کا خط کافی عرصہ بعد پڑھا۔ ویلکم بیک انیقہ۔

ج ۔ ثوبیہ نور ان شاء اللہ ہمیں امید ہے کہ آپ اب کرن کا ساتھ نہیں چھوڑیں گی۔ اور ہمیں اپنی پسند اور ناپسند سے آگاہ کرتی رہیں گی۔ ہمیں اپنے سب قارئین کے خطوط کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

حفصہ فاطمہ...... جڑانوالہ فیصل آباد

کرن کے تمام سلسلے ہی بہت بہت اچھے ہیں۔
دسمبر میں مصباح علی کے "پھول موسم کا" اور بشریٰ سیال

کے "یہ تغافل دل دیار" نے بہت متاثر کیا۔ جنوری کا شمارہ پورے کا پورا ہی لاجواب تھا۔ اب آتے ہیں فروری کے شمارے کی جانب' انٹرویو پڑھے ایمن خان اور تجل علی کے بہت ہی اچھی فنکارہ ہیں۔

"حمد و نعت" دل کو پرسکون کر گئی۔ تینوں ناول زبردست تھے۔ فرحین اظفر کا ناول "ردائے وفا" کا بہت اچھا اختتام ہوا۔ ناولٹ میں "برسات محبت کی جان حیات" اور افسانوں میں "محبت موسم اور تم" بازی لے گئے۔ "ویلن ٹائن ڈے" ایک سبق آموز کہانی تھی۔ مکمل ناول دونوں زبردست ہیں۔

اس مہینے نہ سہی تو اگلے مہینے ہی سہی مگر شائع ضرور کیجیے گا۔ 23 فروری کو میری سالگرہ ہے۔ آپ Wish کریں گی تو بہت اچھا لگے گا۔ اور یکم مارچ کو میرے فیانسی کی سالگرہ ہے۔

ج۔ حفصہ۔ جی ہمیں امید ہے کہ آپ اب ہر مہینے باقاعدگی سے خط لکھیں۔ ادارے کی جانب سے آپ کو اور آپ کے منگیتر کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔

مشی خان۔۔۔ جھیر کنڈا مانسہرہ

میں پہلی بار کرن کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں امید ہے جگہ ملے گی۔ سب سے پہلے ایمن خان اور تجل علی کے انٹرویوز پسند آئے۔ پلیز آرجے سید طاہر عباس کا انٹرویو بھی لیں پلیز پلیز۔ فائزہ افتخار کا ناولٹ "شاید" بہت زبردست جا رہا ہے۔ پلیز ام ہانی کی سزا ختم کردیں۔ اور سعد کے ساتھ بھی تانیہ اچھی لگتی ہے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

پلیز پلیز۔ پلیز آرجے سید طاہر عباس STA FM 104 کا انٹرویو ضرور لیجیے گا۔ اللہ حافظ

ج ۔ مشی آپ نے مختصر خط لکھا لیکن خوشی ہے کہ آپ نے لکھا تو امید ہے کہ آپ اب ہر ماہ کرن کی کہانیوں پر تبصرہ ضرور کریں گی۔ آپ کے خط اور رائے کا ہمیں انتظار رہے گا۔ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے ان شاء اللہ جلد ہی پوری کریں گے۔

سدرہ مرتضیٰ۔۔۔ کراچی

کسی زمانے میں جب فارغ ہوا کرتی تھی۔ اس وقت کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا کہ ڈائجسٹ میں خط لکھوں اور بہنوں کی محفل میں شرکت کروں۔ پر اب زندگی بہت زیادہ مصروف ہے تو ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے خیال آتا ہے کہ کاش میں بھی خط لکھوں' پر بیٹی اور شوہر نامدار کی وجہ سے یہ بات ممکن ہوتی نظر نہیں آئی۔ پر کرن کے بڑھتے ہوئے معیار نے آج مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا۔ سب سے پہلے تو "ردائے وفا" کی بات کروں گی' فرحین نے بہت بہترین انداز میں اپنے کرداروں کی زندگی کے رنگ کے اتار چڑھاؤ دکھائے۔ عفت کا کردار مجھے سب سے زیادہ پسند تھا اور اس کی معراج سے طلاق اور حدید سے شادی کی خواہش پوری ہوئی۔ ماہا کو شکر ہے عقل آگئی۔ سوہا اور انس کے کرداروں کو بھی فرحین نے بہت اچھے سے پیش کیا۔ نائلہ کی زندگی کے ایسے منطقی انجام کی وجہ سے میری کچھ ہمدردیاں نائلہ کی طرف بھی ہو گئیں۔

"راپنزل" کی بات کروں گی' بہت انٹرسٹنگ کہانی ہے۔ تنزیلہ جی آپ کو پڑھتے ہوئے ہمیشہ سے خوشی ہوتی ہے۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" کے ساتھ بڑے دنوں کے بعد آسیہ مرزا نظر آئیں' اپنے مخصوص انداز کے ساتھ۔ کہانی کی شروعات ہی بہت جاندار ہے۔ مومنہ کے ساتھ آخر ایسا کیا ہوا تھا جو زندگی اتنی بے رنگ ہو گئی۔ جاننے کا بے صبری سے انتظار ہے اور فضا کا انجام تو ابھی سے برا نظر آرہا ہے۔ "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" نایاب جی لگتا ہے آپ کی یہ کہانی بھی "اورے پیا" کی ٹکر کی ہوگی قرۃ العین کا "وہی درد میری حیات ہے" بہترین کہانی اور میں نے یہ کہانی اپنی دوستوں کو بھی پڑھنے کے لیے کہا کئی جگہوں پر بے اختیار آنسو بھی آگئے۔

سویرا فلک کی تحریر بھی اچھی تھی۔ اور حقیقت پر مبنی تھی کہ میاں' بیوی کے درمیان ایسا ہو جاتا ہے مگر کوئی مثبت دکھانے والا مل جائے تو تمام بدگمانیاں دور ہو جاتی ہیں اور "شاید" کی بات کرتے ہوئے تو ام ہانی کے لیے دل میں دکھ اور افسوس آجاتا ہے۔ نائلہ تو سالار سے بھی زیادہ نیگٹو رول میں سامنے آئی ہیں۔

ج ۔ سدرہ ہمیں بے حد خوشی ہے کہ آپ "نامے میرے نام" میں شامل ہوئیں اور آپ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ہمیں آئندہ بھی شدت سے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔ آپ لوگوں کی رائے روشنی میں ہم کرن کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

☼ ☼